کربلا کے میدان میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں

شہادت کی نہایت جامع مفصل تاریخ

سیدہؓ کا لال

مصورِ غم علیہ الرحمۃ کی بےمثل تصنیف

خاندانی عداوت، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب سیدہؓ کے اسلام پر احسانات اور فضائل، سرورِ عالم صلعم کی رحلت، حضرت عثمان رضؓ و حضرت علی رضؓ کی شہادتیں اور مرثیے۔ جمل اور صفین کی لڑائیوں کا مفصل بیان، شیعہ سنی اختلافات کی ترقیاں، بنی امیہ کی کوششیں، امیر معاویہ کی سیاست، حضرت امام حسنؑ کی شہادت اور مرثیہ، یزید کی حکومت، غرض معرکہ کربلا سے پہلے کے تمام ضروری صحیح اور مستند واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ علامہ مغفور نے اپنے مخصوص پیرایہ میں تحریر فرمائے ہیں جن سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حصہ مراثی کربلا ہے حضرت مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت، بی بی زینب کا بےمثل ایثار، اس پر حضرت قاسمؓ حضرت علی اکبرؓ کی شہادتیں۔ کربلا کا ننھا شہید۔ بیمار اصغر کا قاصد، سیدہ کے لال خانماں برباد سیدانیاں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار، شیعہ سنی اختلافات پر تبصرہ، قاتلان حسین رضؓ اور خدا کی فیصلہ، یوں تو تمام کتاب اس قدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی مگر نثر میں مرثیے علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ لکھ گئے ہیں۔ برسوں اور قرنوں ان کا جواب ادب اُردو میں نہ ملےگا۔ ایک ایک صفحہ پر ہچکی بندھ جاتی ہے

شہادت نامہ پڑھنا ہے تو سیدہؓ کا لال پڑھئے

ادب لطیف کے علاوہ جو کتاب کی جان ہے شہادت کی کوئی کتاب اس سے زیادہ جامع اور مستند اس سے بڑھکر دردانگیز اور موثر اردو، فارسی، عربی میں بھی نہ ملے گی۔ تعلیم یافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب خود پڑھتے ہیں یا مجلسوں میں پڑھواتے اور سنتے ہیں اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تھوڑے سے عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ ہزاروں جلدیں نکل گئیں اور اب گیارہویں دفعہ چھپی ہے باعتبار ادب سیدہ کا لال اُردو کی چوٹی کی کتابوں میں سے ہے اور آمنہ کے لال کی طرح سیدہ کا لال بھی وہ کتاب ہے جس پر خود مصنف کو فخر تھا۔ ضخامت ۲۵۰ صفحات سے کچھ کم قیمت تین روپے (سعہ)

شہید کربلا یعنی سیدۃ النساء خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہ کی اردو زبان میں بہترین سوانحعمری الزہرا علامہ راشد الخیری رح کی برسوں کی محنت ہے جس سے معلوم ہوگا کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں۔ مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں، دُنیا کے ساتھ دین کس طرح بسر آتا ہے باپ بیٹیوں کے کیا تعلقات ہوتے ہیں، باوجود امور خانہ حیثیت کے اس قدر دلچسپ ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے آخر میں واقعہ کربلا کا مختصر بیان اور شہادت اہل بیت پر بھی بحث ہے اور اس قدر دردانگیز کہ آنسو نکل پڑتے ہیں الزہرا علامہ مغفور کی بہت مقبول کتاب ہے نو دفعہ چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیا آٹھ آنے (عہ)

کربلا علامہ مغفور کے تمام تاریخی ناولوں میں بلحاظ درد و اثر کے ممتاز ہے کربلا کے تاریخی واقعات پہلے ہی کچھ کم دردانگیز نہیں اس پر مصورِ غم کے قلم گوہر ریز نے قیامت ڈھا دی ہے کئی جگہ ہچکی بندھ جاتی ہے پر لطف یہ کہ محبت کا دل آویز افسانہ ہے بہت مشہور کتاب ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ... اور آج بھی اسی طرح دھڑا دھڑ نکل رہی ہے۔ عروس کربلا کی طرز پر کئی مصنفوں نے ناول لکھے مگر ... عروس کربلا ہی ہے قیمت دو روپے۔ کنواری لڑکیاں نہ منگائیں۔

ملنے کا پتہ:- عصمت بک ڈپو کوچہ چیلاں دہلی

سیدہؓ کی بیٹی

حضرت زینب کبریٰ رضؓ کی مفصل مکمل اور جامع سوانحعمری جو رازق الخیری صاحب کی کئی سال کی تحقیق و تلاش اور محنت جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ یہ حالات زندگی رسول اکرمؐ کی اُس لاڈلی کے ہیں جس نے اسلام کے استحکام کے لئے حسینؑ جیسے پیارے بھائی پر جگر کے ٹکڑے قربان کر دینے کے بعد ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائیں کہ ان واقعات کے خیال سے قلب انسانی تھرا جاتا اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں کے خون، تربیت، ماحول اور صحبت کا انسان کی طبیعت پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے سیدہؓ کی بیٹی بتائے گی کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ انسانیت کیا چیز ہے۔ دنیاوی تعلقات کا مطلب کیا ہے۔ شوہر کی رضامندی، بچوں کی تربیت، ماں باپ کی خدمت اور بہن بھائیوں کی محبت کیا معنی رکھتی ہے۔ اسلامی تاریخ سے واقفیت ہونے کے علاوہ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے حقیقی اسباب کیا تھے اور کربلا کے بعد کیا ہوا دشت کربلا کا حال کس قدر دردانگیز ہے۔ اس کے متعلق یہی کہنا کافی ہے کہ مصنف "وداع راشد" کے قلم سے یہ واقعات ادا ہوئے ہیں۔ ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بغیر آنسو بہائے پڑھ یا سن سکے۔ شیعہ سنی دونوں فرقوں میں پسندیدہ نظروں سے یہ کتاب دیکھی جا رہی ہے۔ بار چہارم قیمت اعلیٰ ایڈیشن تین روپے (سعہ) قیمت قسم دوم عہ (دو روپے)

ملنے کا پتہ

عصمت بکڈپو کوچہ چیلاں دہلی

[illegible]

عصمت

ماہنامہ · دہلی

چندہ سالانہ پانچ روپے | ممالک غیر سے دس شلنگ

انتالیسواں ۳۹ سال | جولائی سنہ ۱۹۴۶ء | جلد ۷۷ نمبر ۱

فہرست مضامین

عصمت کی سالگرہ پر

بہار آئی ہے، شاداب بزمِ امکاں ہے
شمیمِ خلد سے لبریز ہر گلستاں ہے
کلی کے ساز پہ حورِ صبا غزل خواں ہے!

خدا نے سالگرہ پھر دکھائی عصمت کو
نویدِ زندگیٔ نو سنائی عصمت کو
قدیم عہد کی کلفت بھلائی عصمت کو

گزشتہ برسوں میں ہر طرح کی مصیبت تھی
بلائے جنگ بلا ہی نہیں قیامت تھی
ہر اک شے کی گرانی خدائی آفت تھی

سیاہی ہو کہ ہو کاغذ کہ وہ طباعت ہو
[illegible] نہ کیوں ہو اگر جنگ کی مصیبت ہو
پھر اس پہ ظلم ہے کوٹے کی بھی نہ شفقت ہو

مگر نہ شان گھٹائی ذرا بھی عصمت نے
دیا جواب نہ راز کو اس کی ہمت نے
اگرچہ تنگ کیا ہر طرح کی آفت نے

بجا کہ ظلم و ستم آسماں نے خوب کیا
بڑا حوصلہ اس نوجواں نے خوب کیا
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا"

دعا ہے اور ترقی نصیب عصمت ہو!
[illegible] عروج سے مثالِ کمال و عظمت ہو!
[illegible] کرے خدا [illegible] ہو!

اختر شیرانی

تہنیتِ سالگرہ

پھر ادب کی رنگ و نکہت کا مہینہ ہو گیا
طبقۂ نسواں کی بہجت کا مہینہ آ گیا

پھر ادب کے گلشنِ گیتی پہ چمکا آفتاب
کامرانی ساتھ لے کر آیا عصمت پہ شباب

جا بجا پھیلی ہوئی ہے بزمِ عصمت میں ضیاء
جگمگا اٹھی ہے جس سے سارے عالم کی فضا

رنگ اپنا ہر طرف دکھلا رہی ہے یہ بہار
چار سو بکھرے ہوئے ہیں [illegible] میں لالہ زار

ہر طرف لبریز ہیں شبنم سے پھولوں کے جام
گا رہی ہیں بلبلیں اور دے رہی ہیں یہ پیام

گونج رہا ہے ہر طرف عصمت کا عالم میں رباب
چار سو چھایا ہوا ہے رحمتِ حق کا سحاب

فیض سے اس کے جہاں میں اپنی شہرت ہو گئی
علم بے پایاں سے حاصل اس کے عزت ہو گئی

"طبقۂ نسواں کی اس نے دور کر دیں کلفتیں
روح کو بیدار کر کے بخشیں صدہا رحمتیں"

ہے دعا قیصر کی جاری [illegible] دائم رہے
یا الٰہی تا ابد اس کا چمن قائم رہے

قیصر جہاں قیصر
بنت مولانا نصیر صدیقی

اڑتیسویں ۳۸ سال کے مضمون نگار

آمنہ نازلی صاحبہ ادیب فاضل عصمتی دسترخوان جیسی گراں قدر کتابوں کی تالیف سے خواتینِ ہند کی بیش بہا خدمت انجام دے چکی ہیں خانہ داری اور حفظانِ صحت پر ان کے چھوٹے چھوٹے مضامین ذاتی تجربوں پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ ان موضوعوں پر اس سال بھی ان کے کئی مفید مضامین شائع ہوئے ہیں۔ آمنہ نازلی صاحبہ معنی خیز مختصر افسانوں اور نتیجہ خیز مختصر ڈراموں کی دلآویزی اور اندازِ بیان کی شگفتگی کے باعث ادبی حلقوں میں غیر معروف نہیں رہیں۔ مصنفہ "دوشالہ" کا ڈراما تو اس سال کوئی شائع نہیں ہوا۔ البتہ افسانوں کی تعداد خاصی ہے جن میں ننھا سا افسانہ "ڈودل" خصوصیت کے ساتھ قابلِ تعریف ہے۔

بیگم نصیر الدین صاحبہ گزشتہ سال کی لکھنے والیوں میں سے ہیں۔ مگر انہوں نے بہت جلد ترقی کرلی ہے۔ بچوں کی پرورش اور خانہ داری پر ان کئی ' ' مین' اس سال شائع ہوئے ہیں جن میں نہایت کارآمد مشورے دیئے گئے ہیں اور خواتین ان مضامین سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

شائستہ اختر صاحبہ سہروردی پی ایچ ڈی ہندوستان کی چوٹی کی لکھنے والیوں میں سے ہیں اور ہر سال ان کے کئی مضامین بے انتہا قابلِ قدر شائع ہوتے ہیں۔ جن سے معلومات میں قیمتی اضافہ ہوتا ہے۔ تعلیمی معاشرتی اقتصادی اخلاقی مسائل پر ان کی بحثیں مدلل اور موثر ہوتی ہیں۔ اور سیاسی معاملات پر بھی بڑی خوبی سے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ جس طرح اب سے بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال قبل ان کی پھوپی مرحومہ خجستہ اختر سہروردی بزمِ عصمت کی رونق تھیں۔ اسی طرح گزشتہ دس بارہ سال سے شائستہ اختر صاحبہ کے مضامین اوراقِ عصمت کی زینت بڑھا رہے ہیں۔

جمیلہ بیگم صاحبہ (مصنفہ فیروزہ) کلکتہ۔ مختلف موضوعوں پر لکھتی ہیں۔ طبع زاد مضامین لکھنے کے علاوہ ترجمے بھی سلیقے کے ساتھ کرتی ہیں۔ ان کے مضمونوں کی تعداد سالہائے گزشتہ کے مقابلہ میں اس سال کچھ کم ہے۔

جمیلہ پروین صاحبہ عرفانی (قادیان) گزشتہ سال لکھنے والیوں میں بیگم نصیر الدین صاحبہ کے بعد ان کے مضامین کے صفحے اس سال سے زیادہ ہیں۔ ان کے مضمونوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں نہ رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ خیالات دلنشین پیرایہ میں ادا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کو مضمون نگاری کی مشق ضرور جاری رکھنی چاہئے۔

صدیقہ بانو صاحبہ الہ آباد کے مضامین چار پانچ سال سے شائع ہو رہے ہیں اور اس سال ان کے مضمونوں کی معقول تعداد ہے جن میں خصوصیت کے ساتھ "سر سید کی شخصیت" قابلِ ذکر ہے جو کافی مطالعہ اور غور و فکر کے بعد بہت محنت سے لکھا گیا ہے۔

حمیرا ثاقب صاحبہ کانپور کے مضامین بھی دو تین سال سے شائع ہو رہے ہیں اور تھوڑے عرصہ میں مضمون نگاری کی انہیں خاصی مشق ہو گئی ہے۔ کتابوں پر تبصرے بھی کرسکتی ہیں اور تاریخی مضامین لکھنے کی بھی صلاحیت ان کی نظمیں بھی اس سال شائع ہوئی ہیں۔

پروفیسر خورشید آرا بیگم صاحبہ منشی فاضل ادیب فاضل شاعراتِ ہند میں بہت بلند مرتبہ رکھتی ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ اس سال بھی ان کی گراں بہا نظموں کی تعداد معقول ہے

بلقیس بیگم صاحبہ (بی۔ اے) صاحبہ منشی کامل ہندوستان کی مایۂ ناز مضمون نگار خواتین میں سے ہیں۔ ان کے خیالات نہایت سلجھے ہوئے اور اندازِ بیان عام فہم مگر موثر ہے۔ ان کے مضمونوں کی تعداد افسوس ہے اس سال خلافِ توقع بہت کم ہے۔

نصیرہ سلطانہ صاحبہ نرگس لائل پور پنجاب بھی پچھلے سال کی لکھنے [illegible] میں سے ہیں۔ پھلوں ترکاریوں کے سکوائش [illegible] ترکیبیں انہوں نے لکھی ہیں چونکہ وہ باقاعدہ [illegible] تجربوں کی بنا پر لکھی گئی ہیں اس لئے قابلِ قدر ہیں۔

خاتونِ اکرم عصمتی انعامات

اس پرچے کے آخری صفحوں پر عصمت کے اڑتیسویں سال (جولائی ۱۹۴۵ء تا جون ۱۹۴۶ء) کے مضمون نگاروں اعلان کے مضامین کی فہرست درج ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ملک کے مختلف حصوں کی ۱۳۰ خواتین کے مضامین اس سال شائع ہوئے ہیں۔ ان میں پرانی لکھنے والیاں بھی ہیں۔ اور نئی لکھنے والیاں بھی۔ ادیبۂ جلیلہ محترمہ خاتونِ اکرم جنت مکانی کی یاد میں عصمت ہر سال مضمون نگاروں میں انعامات تقسیم کرتا ہے۔ اور یہ انعامات (سوائے خاص صورتوں کے) ان خواتین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ جن کے سال بھر میں کم سے کم چار مضامین شائع ہوں۔

خانہ داری اس موضوع پر ہر سال کافی مضامین شائع ہوتے ہیں چنانچہ خانہ داری کے مفید مضامین کی تعداد اس دفعہ بھی معقول ہے۔ بیگم ڈاکٹر نصیر الدین صاحبہ کے مضامین "موسمی سبزیوں کے مربے" (دسمبر)، "مختلف قسم کی جیلی" (جنوری) "موسم سرما کی غذائیں" (فروری) "قحط" (اپریل) اور نصیر نرگس صاحبہ کے مفید مضامین دس دس روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ آمنہ نازلی صاحبہ کے مضامین "بودینہ" (دسمبر) "نیم" (جنوری) "کیا کریں" (مئی)، جمیلہ بیگم صاحبہ کا مضمون "ناشتہ" (مارچ) شیریں گل صاحبہ کے مختلف مضامین اور و-ا صاحبہ کا مضمون "نفاست کی کمی" (اپریل) بھی کارآمد مضامین ہیں۔ ان خواتین کو بھی ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

حفظانِ صحت کے مضامین بھی اچھی خاصی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ قیصر جہاں صاحبہ نظامی بدایونی کے مضامین "محنت سے راحت" (جولائی) "گرم چائے" (دسمبر) "ورزش" (جنوری) "[illegible] سے امراض" (مارچ) "آنکھوں کی حفاظت" (اپریل) پر ۱۰ روپیہ انعام دیا جاتا ہے۔ اور ۵-۵ روپیہ "میدہ" (فروری) از ب-ن ابراہیم صاحبہ "ٹیکہ اور بیماریاں" (اکتوبر) از بیگم ڈاکٹر نصیر الدین صاحبہ پر۔

سنگھار و آرائش کے مفید مضامین اس سال بھی کافی شائع ہوئے ہیں۔ ۱۰ روپیہ کے انعام کے مستحق مسز حمید صاحبہ کے مضامین ہیں۔

بچوں کی پرورش اور تربیت پر اس اڑتیسویں سال میں بھی بہت سے کارآمد مضامین شائع ہوئے ہیں۔ "بچوں کو پیاس" (جولائی) از آمنہ نازلی صاحبہ "اوپری دودھ کے بچے" (جولائی) از بیگم نصیر الدین صاحبہ "اولاد کا روحانی قتل" (نومبر) از جمیلہ پروین صاحبہ "بچوں کے مشاغل" (جولائی) از سنجیدہ اختر صاحبہ پر ۵-۵ روپے دیئے جاتے ہیں۔

تمدنی معاشرتی مضامین اس سال بھی اچھے شائع ہوئے ہیں۔ شائستہ اختر صاحبہ کا مضمون "خاندان" (مارچ) اور و-ا صاحبہ کا مضمون "مجہول النسب بچے" خصوصیت کے ساتھ قابلِ تعریف ہیں۔ جن پر دس دس روپیہ بطور انعام دیئے جاتے ہیں۔ اور ۵-۵ روپیہ ا ر جمیلہ صاحبہ اور ب-ن آنسہ ابراہیم کو ان کے مضامین "انسان اور لباس" (ستمبر) اور "شادی اور مہر" (جولائی) پر۔

تاریخ و سیرت کے مضامین کے اعتبار سے یہ سال بھی کامیاب ہے۔ محمودہ رضویہ صاحبہ کے مضامین "ہجرت" (جولائی) "دو بہنیں" (فروری) "فتح" (مارچ) ۱۰ روپیہ کے انعام کے مستحق ہیں۔ ۵ روپیہ حمیرا شاہ صاحبہ کی خدمت میں بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے مضمون "عہدِ مغلیہ میں مصوری" (دسمبر) پر۔

سیر و سیاحت پر مضامین تو اس سال کئی شائع ہوئے ہیں مگر قابلِ انعام نہیں ہیں۔

سیاست پر اچھے اچھے کئی مضامین شائع ہوئے۔ جمیلہ پروین صاحبہ کے مضامین "[illegible]" (ستمبر) "جنگ کے اسباب" (مئی)، اور ڈاکٹر شائستہ سہروردی کے مضامین "شملہ کانفرنس" (اگست) اور "ایٹم بم" (ستمبر) قابلِ تعریف مضامین ہیں۔ ان دونوں خواتین کو روپے دیئے جاتے ہیں۔ اور ۵ روپیہ جمیلہ بیگم صاحبہ کو ان کے مضمون "جنگ کے خاتمہ" (جولائی) پر۔

اخلاقی مضامین میں صرف دو قابلِ ذکر ہیں۔ [illegible] جمیلہ بیگم صاحبہ "عفو" (فروری) [illegible] صاحبہ۔ ان مضامین پر ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

علمی مضامین کچھ بہت زیادہ تعداد میں شائع نہیں ہوئے۔ "اعلیٰ تعلیم کا ایک رخ" (اکتوبر) از شائستہ اختر صاحبہ دس روپے کے انعام کا مستحق ہے۔

مذہبی مضامین میں "سرورِ کائنات" (مارچ) اور "امتحان" (اپریل) از جمیلہ پروین صاحبہ۔ "اتباعِ سنت" (اپریل) از عابدہ اور "کلام پاک کی تلاوت" (اکتوبر) از صدیقہ بانو صاحبہ پر ۵-۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

تنقیدی تحقیقی مضامین صدیقہ بانو صاحبہ کا مضمون "سرسید کی شخصیت" اور جمیلہ ثاقب صاحبہ کا مضمون "مصورِ غم کی ناول نگاری" (جولائی) اور "جوہرِ قدامت" (فروری) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان دونوں کو ۱۰-۱۰ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔

ادبِ لطیف کے پاکیزہ نمونے متعدد شائع ہوئے ہیں مگر قابلِ انعام کوئی مضمون نہیں ہے۔

تفریحی مضامین یا ان خواتین کے ہیں جن کے مضمونوں کی تعداد ۳ سے کم ہے یا افسانوں میں آ گئے ہیں۔

افسانے سب سے زیادہ صفیہ نقوی صاحبہ کے ہیں جن کو ۱۵ روپیہ انعام دیا جاتا ہے ان کے بعد آمنہ نازلی صاحبہ اور ام سلمیٰ فیاض علی صاحبہ کے دلچسپ افسانوں پر ۱۰-۱۰ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔ نرملا دیوی صاحبہ تیواڑی کے افسانوں "بڑھیا" (جولائی) اور "کالی ماتا" ([illegible]) پر ۵ روپیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

ڈراموں [illegible] اس سال کچھ بہت اچھا نہیں رہا تعداد بھی کم رہی۔ کم سے کم چار مضامین جن خواتین کے شائع ہوئے ہیں ان میں سے کسی کا ڈراما قابلِ ذکر نہیں ہے۔

ترجمے مختلف زبانوں کے اچھے اچھے مضامین کے بہت سے ترجمے اس سال شائع ہوئے ہیں مگر کم سے کم چار مضامین جن بہنوں کے چھپے ہیں ان میں [illegible]

بھی صحیح نادر معلوم ہوتے ہیں۔ محترمہ موصوفہ کی خدمت میں دس روپیہ پیش کئے جاتے ہیں۔

نظمیں از تیسویں سال کی بہترین نظمیں محترمہ خورشید آرا بیگم صاحبہ کی ہیں جن پر ۱۵ روپیہ دیئے جاتے ہیں۔ ۵-۵ روپے عفت بانو عباسی صاحبہ اور جمیلہ ثاقب صاحبہ اور قیصر جہاں صاحبہ صدیقی کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

تعدادِ مضامین از تیسویں سال میں سب سے زیادہ مضامین آمنہ نازلی صاحبہ اور بیگم نصیر الدین صاحبہ کے گنتی میں برابر یعنی ۱۰-۱۰ ہیں۔ ۱۵-۱۵ روپے ان دونوں کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے بعد نصیبو نرگس صاحبہ اور صدیقہ بانو صاحبہ کے مضمونوں کی تعداد بھی برابر ہے۔ ۵-۵ روپے انہیں بھی دیئے جاتے ہیں۔

متفرق یہ سب انعامات ان خواتین کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن کے مضامین سال بھر میں کم سے کم ۳ شائع ہوئے ہیں۔ گزشتہ سال کے مقابلہ میں گو اس سال رسالہ کی ضخامت زیادہ رہی تاہم کاغذ کی قلت کی وجہ سے چونکہ اس دفعہ بھی سالہائے گزشتہ کے مقابلہ میں صفحے کچھ کم ہیں۔ اس لئے جن خواتین کے کم سے کم تین مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان میں جہاں بانو صاحبہ نقوی۔ رضیہ امیر کرمانیہ صاحبہ۔ سکینہ عبید صاحبہ۔ بلقیس جمال صاحبہ بریلوی۔ نجمہ ضمیر صاحبہ اور بنی فاطمہ صاحبہ کی خدمت ۵-۵ روپے پیش کئے جاتے ہیں۔ مفید معلومات کے مضامین میں صبیحہ کلیم صاحب کے مضمون "سائنس اور جنگ" (دسمبر) اور نرملا دیوی کے مضمون "افغانستان ترقی کی راہ پر" (اکتوبر) کو بھی ۵-۵ روپے دیئے جاتے ہیں۔

یہ انعامات مضامین کی اجرت یا معاوضہ نہیں ہیں اور انعام کی رقمیں بھی بہت حقیر ہیں۔ لیکن یہ نذرانہ جلیلہ محترمہ خاتون اکرم کی یادگار کے طور پر پیش کئے گئے ہیں اس لئے امید ہے۔ محترم خواتین یہ حقیر انعامات قدر کی نظر سے دیکھیں گی۔

رازق الخیری

اڑتیسواں سال کے خاتونِ اکرم عصمتی انعامات حاصل کرنے والی بیبیاں

	نام	شہر	انعامات		کل
۱	آمنہ نازلی صاحبہ مصنفہ "دوشالہ" وغیرہ	دہلی	۵، ۵، ۱۰، ۱۵	=	۳۵ روپیہ
۲	بیگم ڈاکٹر نصیر الدین صاحب	جھانسی	۱۰، ۵، ۵، ۱۵	=	۳۵ روپیہ
۳	شائستہ اختر صاحبہ سہروردی پی ایچ ڈی	دہلی	۱۰، ۱۰، ۱۰،	=	۳۰ روپیہ
۴	جمیلہ بیگم صاحبہ مصنفہ "فیروزہ"	کلکتہ	۵، ۵. ۵. ۵، ۵	=	۲۵ روپیہ
۵	جمیلہ پروین صاحبہ عرفانی	قادیان (پنجاب)	۵، ۱۰، ۵، ۵	=	۲۵ روپیہ
۶	صدیقہ بانو صاحبہ	الہ آباد	۵، ۱۰، ۵،	=	۲۰ روپیہ
۷	جمیلہ ثاقب صاحبہ	کانپور	۵، ۱۰، ۵،	=	۲۰ روپیہ
۸	خورشید آرا بیگم صاحبہ منشی فاضل ادیب فاضل	ناگپور	۱۵،	=	۱۵ روپیہ
۹	و۔ا۔ بلقیس بیگم صاحبہ منشی کامل	آگرہ	۵، ۱۰،	=	۱۵ روپیہ
۱۰	نصیرہ سلطان صاحبہ نرگس	لاہور	۱۰، ۵،	=	۱۵ روپیہ
۱۱	صفیہ نقوی صاحبہ	بمبئی		=	۱۵ روپیہ
۱۲	ب۔ ن۔ ابراہیم صاحبہ	مدراس	۵، ۵	=	۱۰ روپیہ
۱۳	قیصر جہاں صاحبہ نظامی	بدایوں	۱۰،	=	۱۰ روپیہ
۱۴	مسز حمید صاحبہ	لکھنؤ	۱۰،	=	۱۰ روپیہ
۱۵	محمودہ رضویہ صاحبہ ادیب فاضل	کراچی	۱۰،	=	۱۰ روپیہ
۱۶	ام سلمیٰ فیاض علی صاحبہ ام اے	لکھنؤ	۱۰،	=	۱۰ روپیہ
۱۷	نرملا دیوی صاحبہ تیواڑی	انبالہ	۵، ۵،		۱۰ روپیہ
۱۸	سیدہ اشرف صاحبہ	ناگپور	۱۰،		۱۰ روپیہ

۵-۵ روپیہ کا انعام حاصل کرنے والی بیبیاں

	نام	شہر		نام	شہر
۱۹	بلقیس جمال صاحبہ مصنفہ آئینۂ جمال وغیرہ	مظفر نگر	۲۵	سکینہ عبید صاحبہ بی اے آنرس	لاہور
۲۰	شیریں گل صاحبہ	بمبئی	۲۶	بنی فاطمہ صاحبہ	الہ آباد
۲۱	سنجیدہ اشرف صاحبہ	ناگپور	۲۷	نجمہ ضمیر صاحبہ فاروقی	اعظم گڑھ
۲۲	"عابدہ" عفت بانو صاحبہ زیبا	لکھنؤ	۲۸	قیصر جہاں صاحبہ صدیقی	بدایوں
۲۳	جہاں بانو صاحبہ نقوی ام اے	حیدرآباد دکن	۲۹	صبیحہ کلیم صاحبہ	بھوپال
۲۴	رقیہ نسیم کہانیہ صاحبہ مصنفۂ نیرنگ	شیلہ	۳۰	عفت بانو صاحبہ زیبا	لکھنؤ

رازق الخیری

میری ایک رات

(از حضرت علّامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ)

ابھی سطح آسمان پر اِکّا دُکّا تارے موجود تھے۔ اور گو رات چاندنی تھی۔ مگر ساون کا سولہواں چاند۔ وداع کا پہلا قدم پردۂ دنیا سے اُٹھا چکا تھا۔ میں اپنے گود کے بچے کو لئے بیچ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں اس غضب کی دُکھنی آئیں کہ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے بموجب ایکساٹی کا چراغ سامنے جل رہا تھا۔ خدا خدا کر کے اس وقت ذرا اس کی آنکھ لگی تو میں نے دیکھا کہ جس چراغ نے رات بھر میرا ساتھ دیا۔ اور گیارہ بارہ گھنٹے کی تکلیف میں میرا رفیق رہا اس وقت رات کی طرح میرا ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ روشنی پھیکی پڑی۔ اور بتی جھلملا گئی۔ میں ہمدردی کی لہروں سے۔ شکریہ کے قدموں سے آگے بڑھی کہ اپنے مونس اور محسن کو رخصت کردوں۔ قریب پہنچی تو جو بتی دم توڑ رہی تھی۔ اُس نے ایک روشن پھول نیچے گرا کر قہقہہ لگایا اور کہا۔

"بس بیوی! معاف کرو۔ جس طرح اچھے ہونٹوں سے تلخ بات بھی قند معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح تیز لب سے خالی خولی دنیا سازی بھی زہر لگتی ہے"

پو پھٹ رہی تھی اور صبح نے فلک نیلوفری کی چلمنوں میں سے لباڑ دنیا کو جھانکنا شروع کر دیا تھا لیکن رات دم واپسیں میں ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اور کائنات کے چہرے سے سیاہی کی نقاب ابھی پوری ساقط نہ ہوئی تھی۔ چراغ کے اس طعن پر میں [illegible] اور پھر دل کڑا کر کے کہا۔

"حقیقی رشتہ کیا غلط ہوا۔ تفصیل سے کہو۔ [illegible]"

چراغ نے پہلے کی طرح پھر ایک پھول گرا کر قہقہہ لگایا۔ اور خاموش ہو گیا۔ اس خاموشی نے تعجب اور اشتیاق کے تیل کو اور چھینٹا دیا۔ اور میں نے کہا کہ بھائی اب خاموشی کیسی۔ غلطی بتاؤ قصور جتاؤ۔

چراغ کے بہت سے پھول نیچے گرے اور اس نے اپنی پژمردہ نگاہیں میرے چہرے پر ڈال کر کہا۔

"تم نے پرسوں رات کو جو خط اپنے شوہر کو لکھا وہ میرے سامنے اور آج آدھی رات کے وقت جو سلوک اپنی انّا سے کیا۔ پیش نظر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے وہ غلط لکھا۔ اور یہ برا کیا۔"

لیکن مجھے اُس وقت بہت ہنسی آئی جب تم نے شوہر کو یہ لکھا کہ "آخر یہ ساری مصیبت میری ہی تقدیر کی ہے۔ تین دن جاگتے ہوئے ہو گئے اس وقت رات کے تین بجے ہیں۔ سر پھٹا اور آنکھیں بھی جا رہی ہیں۔ تم سے کئی دفعہ کہا کہ ایک انّا اور رکھ دو تمہارے بھاؤ نہیں ہیں۔ میاں بیوی کے حقوق میں اتنا فرق نہیں ہے کہ بیوی میاں کے ابد تھپاں کی بھینٹ چڑھ جائے۔ تمہارے ایک اکیلے دم کو چالیس روپے اور یہاں دو بچے ایک میں تین دموں میں ساٹھ ہ"

مجھے ہنسی تو آئی مگر میاں بیوی کے معاملے میں دخل دینے والا میں کون۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ شاید اسلام کا منشا یہی ہو اور جب تمہاری آواز کی تائید میں چاروں طرف سے صدائیں بلند ہو رہی ہیں تو ضرور یہی ہو گا۔ مگر ابھی تھوڑی دیر ہوئی جب تم نے اپنی انّا کو [illegible] شروع کیا اور اس سے کہا "بیگم خانم سے میرا بچہ [illegible]"

وہ تو بٹا ہے۔ کھڑے کھڑے دیکھنے گئی تھی"

تو تمہارے اس کہنے پر مجھ کو ہنسی بھی آئی، تعجب بھی ہوا۔ افسوس بھی اور اعتراض بھی ہے کہ "جو لکھتے ہیں گیا تیرا بچہ۔ بخار میں سب تو ہم کو کیا۔ ہمیں اپنے بچے سے زیادہ کوئی نہیں چاہ اس کو کینے سے لگا۔ اور ٹہل"

وہاں: اپنے حقوق میں تمہارا بھی ہونا قابل بحث ہے۔ لیکن یہاں اس آقا کے حقوق میں صحیح ہونا مسلم اور وہ اس طرح کہ ایک موقعہ پر ایک صاحب اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ اتفاق سے حضور اکرم صلعم کا گزر ادھر سے ہوا آپ یہ کیفیت ملاحظہ فرما کر ادھر تشریف لے آئے اور فرمایا

"بھائی جس قدر اختیار تم اس پر رکھتے ہو اس سے بہت زیادہ اختیار ایک اور طاقت بھی تم پر رکھتی ہے۔ اس کے قصور کا اپنے قصور رحل سے اور اس طاقت کا اپنی طاقت سے مقابلہ کر کے سزا دو"

اب مارنے والے کا ہاتھ کیا اٹھتا۔ تھرا گئے اور بدن میں لرزہ پڑ گیا۔

اب میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر ادھر اسلام نے تمہارے حقوق قریب قریب شوہروں کے برابر کر دیئے تو ادھر بھی ان بدنصیبوں کے حقوق تمہاری ذات پر ہیں۔ کیا مساوات کی تعلیم کے یہی معنی ہیں۔ پالینے کی میٹھی اور دینے کے کانٹے اسی کا نام ہے

بیگم! میری ہستی سے سبق لو۔ تمہاری طرح زندگی کے دن مجھ پر بھی گزرے ہیں۔ بچپن، جوانی، اور بڑھاپا لیکن جس طرح میری کل کائنات یہ ایک رات ہے اسی طرح تمہاری زندگی بھی۔ جس طرح میں رات بھر اس مکان کو روشن کر۔ تمہارا ساتھ دے۔ اس وقت دنیا سے رخصت ہوتا ہوں اسی طرح کوشش کرو کہ متعلقین کو خوش کر کے تم بھی اس دنیا سے سدھارو۔ جو آخر وقت آج میرا ہے اور دم توڑ رہا ہوں۔ یہ تم پر بھی آنے والا ہے۔ میرے اس وقت کو سامنے رکھو۔ اور اپنا آخری وقت فراموش نہ کرو۔

سپاہی سے خطاب

عجیب رنگ بدلتا ہے چرخ فتنہ شعار
کہ ایک دن کبھی ہے امن اور چار دن پیکار
اسی روش پہ ہے دورِ جہاں کا دار و مدار
مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

بجا کہ تو نے بہت، اب سے پہلے کام کیا!
دلاوری و شجاعت میں خوب نام کیا!
مگر کسی کو خبر کیا کریں یہ لیل و نہار
مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار!

فضائے دہر میں خاموش اضطراب سا ہے
افق کے سینے میں پوشیدہ انقلاب سا ہے
دکھائے دیکھئے کیا رنگ گنبدِ دوّار؟
مرے سپاہی ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار؟

زمانہ پھر نئے فتنے اٹھانے والا ہے،
ہوا بتاتی ہے طوفان آنے والا ہے،
وہی ہے مرد جو ہر حال میں ہے تیار
مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار۔

قیامت آئے کہ فتنے انھیں خیال نہ کر!
سپاہی ہے تو کچھ اندیشہ مآل نہ کر!
کہ موت کہتے ہیں جس کو وہ آتی ہے اک بار
مرے سپاہی! ابھی ہاتھ سے نہ رکھ تلوار

اختر شیرانی

بچوں کے نام

مئی کے رسالہ عصمت میں سید معین الدین صاحب قادری نے بڑی ضروری بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہم لوگوں میں کم ہی ایسی ہوں گی جنہوں نے کوئی قابلِ اعتراض نام نہ سنا ہو۔ مگر عام طریقہ یہ ہے کہ ایسی باتیں کچھ دیر ہنس ہنسا کر وہیں کی وہیں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اگر ذرا کوشش کریں اور والدین کو سمجھائیں تو ان کی درستی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ یہاں میں نے بعض لڑکیوں کے نام کنیز جہاں اور کنیز بیگم سُنے اور ان کے بڑوں سے کہہ کر فوراً ان کو بدلوا دیا۔ اس کے بعد یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کی حالت میں خود بخود کافی فرق ہو گیا۔ یعنی پہلے وہ بہت ہی کند ذہن اور بدشوق تھیں لیکن نام بدلتے ہی ان میں تبدیلی محسوس ہونی شروع ہوئی اور چند روز میں خاصی اچھی ترقی کر گئیں۔ گویا انہوں نے سمجھ لیا کہ نام بدلنے سے ہم کچھ اور ہو گئے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا چاہیئے۔ اسی طرح اور بھی کئی عجیب نام میرے علم میں آئے مثلاً انیس جہاں۔ دلبر جہاں۔ دلبری بیگم۔ مقبلہ بیگم۔ رتیلہ بیگم۔ ان پچھلے دو ناموں کی بابت تو میں نے بہت غور کیا لیکن کسی طرح سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ کس طرح ایجاد کئے گئے مردانہ ناموں میں زیادہ تر ان میں غلطی ہوتی ہے جو عبد پر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ یہ خدا کا نام نہیں ہے۔ اور بس یہاں عبد لگا دیتے ہیں۔ ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے بڑی عمر کے آدمی کا نام میں نے عبدالنفیس خاں سُنا۔ اور افسوس کر کے رہ گئی۔ وزن اور قافیہ کے خیال کا نتیجہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ دو [illegible] [illegible] شیطان بیگم میں [illegible] آتی ہے کیونکر جگہ بچوں کے نام پھولوں کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔ مجھے تو یہ طریقہ پسند نہیں۔ پھول ذرا دیر میں کمھلا جانے والی چیز ہے۔ ہمیں اپنے بچوں کو مستقل مزاج، اولوالعزم، دیندار، پرہیزگار، راست گو اور عالی ہمت بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ایسے ہی معنی و مطلب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے نام رکھنے چاہئیں۔ کہ جب کبھی وہ ان پر غور کریں تو دل میں یہ اُمنگ پیدا ہو کہ ہم اس نام کے اہل ثابت ہوں۔ عاقلہ، عقیلہ، لیقہ۔ لئیق النساء ایسے نام والیوں کو عموماً اسم بامسمیٰ دیکھا گیا ہے۔ شرع سے بھی نام کا اثر ثابت ہے اور تاکید ہے کہ بچوں کا نام اچھا رکھنا چاہیئے۔ لیکن محمدؐ علیؓ حسنؓ حسینؓ۔ فاطمہؓ۔ خدیجہؓ۔ عائشہؓ زینبؓ جیسے بزرگ ناموں کا مفرد رکھنا خلافِ ادب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں دوسرا لفظ ضرور ہونا چاہیئے۔ اور بچپن میں عرف کے طور پر وہی دوسرا لفظ مشہور ہونا چاہیئے۔ ذرا بڑے ہو جانے پر پورا نام لینا مناسب ہے۔ جیسے نسیم فاطمہ کنیز عائشہ وغیرہ

حسن دہلی

مطالعۂ قرآن

(۲)

مسلمان کون ہے۔ کہتے ہیں کہ جو خدا کو اور رسولؐ کو برحق مانے وہ مسلمان ہے۔ لیکن مسلمان کے معنی بہت وسیع اور عمیق معلوم ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک پکا مسلمان وہ ہے جو ان دونوں باتوں کے ساتھ قرآن کے احکام پر عامل بھی ہو کیونکہ قرآن کے احکام آئینِ حیات یا ایمان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو آدمی، جو خاندان اور جو قوم آئینِ حیات سے سرتابی کرتی ہے وہ اگرچہ مذہب کی زبان میں مسلمان تو ضرور ہے لیکن اس کے باغی ہونے میں شک نہیں۔ ایک آدمی اگرچہ بادشاہ و وزیر کے وجود کا قائل تو ضرور ہے لیکن اُس کے بنائے ہوئے قانون سے سرکشی کرتا رہتا ہے تو ایسے سرکش اور باغی کے لئے سزا لازمی و ضروری ہے۔ اور سب سے بڑی اور بُری سزا غلامی کی ہے۔ چنانچہ آج کے نام نہاد مسلمان کو یہ سزا مل رہی ہے۔ ملنی چاہئے اور اس وقت تک ملتی رہے گی۔ جب تک کہ یہ آئینِ حیات پر عامل نہ ہوگا۔ مولوی اس کو مانے یا نہ مانے۔ غلامی کی سزا ایک مسلمان کے لئے دوزخ کے عذاب سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

آئینِ حیات کا عامل دین و دنیا بنا نا جانتا ہے۔ دنیا بنانے کے معنی ہیں دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ آزاد رہنا۔ اور آزادی اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتی، جب تک قوت نہ ہو، اور قوت نہ تو تارکِ دنیا ہونے سے آتی ہے، نہ صوفی و مولوی بننے سے۔ نہ پیری مُریدی کرنے سے نہ محرم میں سبیل لگانے سے نہ مساجد و مقابر پر روشنی کرنے سے۔ نہ میلاد و مواعظ کی محفل کرا دینے سے اور نہ تنہا عبادات و وظیفہ وظائف سے کہ یہ تمام افعال تو خوش اعتقادی کے تحت میں ہیں۔ ان باتوں سے اور نجات سے کوئی واسطہ نہیں۔ نجات تو تنہا قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے متعلق قرآن کا یہ علیٰ الاعلان دل کی آنکھوں سے پڑھئے اور غور کیجئے کہ یہ کیا ہے؟

سنیے یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین، و ان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانہم قوم لا یفقہون یعنی اے نبی مسلمانوں کو جنگ کا شوق دلا (مسلمانوں) اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں کو برداشت کرنے والے نکل آئے تو یقین کرو وہ دو سو دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے۔ اور اگر تم میں ایسے آدمی سو نکل آئے تو سمجھ لو کہ ہزار دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے کہ کافروں کی قوم میں سمجھ بوجھ نہیں ہوتی۔

اس اعلانِ جنگ کا مقصد و مدعا اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، اس لئے اس کو بجز ایک طاقت کے کسی کے روبرو نہیں جھکنا چاہئے کہ ماسوا اللہ جھک جانا انسانیت کو ذلیل و رسوا کرنا ہے۔ پس جو لوگ دنیاوی طاقتوں کے روبرو خوف و ہراس کے ساتھ جھکنے والے ہیں اور جو لوگ ظلم و عدوان کے خوگر ہیں ان کو راہِ راست پر لانے کے لئے قتال و جدال کا یہ حکم دیا گیا ہے اس حکم میں طمع و حرص اور لوٹ مار کا شائبہ تک نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے ضروری نہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ اسی وقت کیا جائے جبکہ سامانِ جنگ کافی ہو۔ نہیں بلکہ سامانِ جنگ سے زیادہ خوفناک قوتِ تنظیم ہوتی ہے۔ جہاں قوتِ تنظیم ہوگی وہاں سامانِ حرب کی چنداں ضرورت نہیں۔ آلاتِ حرب قوتِ تنظیم کے مقابلہ پر اکثر زنگ آلود نظر آتے ہیں۔ اور جنگ کے مقابلہ پر ہمیشہ بغاوت زیادہ ہولناک ہوتی ہے اگر ایک طرف مسلح سو آدمی غیر منظم ہونگے اور ان کے مقابلہ میں بیس منظم ہوں گے تو یقیناً یہ بیس آدمی کامیاب ہونگے اسی کے متعلق قرآن کا یہ اعلان ہے کہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ یعنی اکثر ہوا ہے کہ قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آئی ہے بحکم خدا۔

اس اعلان کے ثبوت میں متعدد واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں یعنی جس قدر انبیاء عظام و صدیقین و صالحین پیدا ہوئے ہیں جو انسانیت

سے گزرتے رہے سب کے سب قلتِ تعداد رکھتے تھے لیکن جب کبھی
یہ قلت مقابلہ پر آئی کثرت کو ہمیشہ نیست و نابود کر کے رہی۔ قرآن
ایسے واقعات سے بھرا پڑا ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ پھر یہ کیا
ہے کہ آج کا مسلمان کثرت سے ڈرتا، کپکپاتا، اور بھاگ کر اسلام
کو ایک محدود دائرے میں رکھنا چاہتا ہے حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ ان الارض
یرثہا عبادی الصالحون یعنی تم ساری زمین کے وارث ہو۔ اسی کا جواب اقبال نے کیا ہے۔

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

گزشتہ زمانہ میں جنگ کا جو طریقہ تھا وہ آج نہیں ہے۔
آج سائنس کی جنگ ہے جو ملک و قوم علم و سائنس سے باخبر و بہرہ ور
ہو گی وہی زمین کی وارث ہو گی۔ آج اور آئندہ کوئی قوم بلا حصول
سائنس زندہ نہیں رہ سکتی۔ آج حصولِ آئینِ حیات سائنس کا
محتاج ہے۔ اس لئے قرآن نے مطالعۂ کائنات پر بار بار زور دیا
ہے۔ فولاد، کوئلہ، بخارات، الیکٹرک اور نباتات و جمادات کی طرف
ابر و باد اور نظامِ شمس کی طرف رجوع کرنے کے لئے کیوں زور دیا ہے
اس لئے کہ قومیں اس کے مطالعہ سے اور اس کے نظامات سے
قوت حاصل کریں، آئینِ حیات کا درس دیں، اور انسانیت کو بلند کریں۔
ابھی قدرت کے رازوں اور بھیدوں کے مطالعہ میں انسان
مبتدی ہے۔ اور باوجود ایٹم بم کی ایجاد کے ناواقف ہے کہ بے خبر کہ
عالمِ شمس کی ایک ایک شعاع میں کتنے آتشیں دریاؤں کے
دھارے پنہاں ہیں۔ خاک کے ایک ایک ذرہ میں کتنے اور کیسے
کیسے ایٹم بم نہاں ہیں؟ اور فضا میں کیسے کیسے ہولناک سامان
چھپے ہوئے ہیں۔ یعنی انسان اور مخصوص طور پر مسلمان کے لئے
مناظرِ قدرت میں وہ وہ انکشافات موجود اور مطالعہ کے لئے اتنا
وسیع میدان ہے کہ جس کے تصور سے عقل حیران ہے۔ ویسبح
الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ۔

ہمارا مولوی اور صوفی اول تو فطرت کے رازوں اور بھیدوں
کا مطالعہ کرتا ہی نہیں۔ اور اگر کبھی اچٹتی ہوئی، بھٹکتی ہوئی
اور سطحی سی نظر ڈالتا بھی ہے تو وہ حور و قصور کے لالچ میں
موسیٰ کی طرح اس کا جلوہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کو حصولِ قوت
اور آئینِ حیات کے قیام کا خیال تک نہیں آتا [illegible]
پس آج سب سے مقدم اور سب سے افضل کام یہ ہے۔

کا حصول یعنی عبادت سے علم سائنس ہے کہ بلا اس کے حصول
کے مسلم قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ قرآن میں جس قدر آیات درج
ہیں ان میں سے روپیہ میں دو آنے آیاتِ مذہب سے متعلق ہیں۔
باقی چودہ آنے حصولِ قوت کے لئے ہیں۔

پس آج اگر عبادت کے لئے مسجدیں کافی سے زیادہ ہیں تو کل
ان عبادت گاہوں کے مقابلہ پر سائنس گاہیں بھی ہونی لازمی ہیں۔
تاکہ عبادت کے ساتھ ساتھ ٹھوس عبادت کا بھی درس دیا جا سکے۔
کہ یہ درس بھی عبادت خاص ہے جب بیوی بچوں کی پرورش و تربیت
عبادت میں شامل ہے تو پھر قوم کی پرورش کا نسخہ بھی عبادت سے
الگ نہیں اور اگر اب بھی مسلمان درسِ حکمت سے غافل رہا تو نہ صرف
ہندوستان بلکہ روئے زمین پر اس کو گونڈ اور بھیل کی سی زندگی
گزارنی پڑے گی۔ اور یہ زمین کی وراثت سے بالکل محروم کر دیا جائے
گا جیسا کہ قرآن کا اعلان ہے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم
یعنی اگر تم نے (آئینِ حیات) کو چھوڑ دیا تو (زمین) کسی دوسری قوم
کے سپرد کر دی جائے گی۔

پس وہ قوم جو آج اپنے تئیں خدا کی لاڈلی سمجھتی ہے، اور جس کو
یہ زعم ہے کہ ایک بار خالی کلمہ پڑھ لینے سے ہماری شفاعت ہو جائے
گی، وہ آنکھیں کھول کر قرآن کے ان اعلانات کو پڑھے اور بار بار
پڑھے کہ ہماری غفلت و بدمستی سے ایسا ہی ہوتا چلا جا رہا ہے یا
نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اس درجہ کاہل ہو گیا ہے کہ بلا
عمل کے شفاعت و نجات چاہتا ہے اور بلا محنت و مشقت کے
دستِ غیب کا خواہش مند رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

اس وقت جبکہ مسلمان آئینِ حیات پر کاربند تھا تحصیلِ قوت
کے طور و طریق جانتا تھا، خودداری کے جذبہ سے لبریز تھا کسی کے
روبرو جھکنا نہ جانتا تھا۔ غلامی کو عذابِ الیم سے کم نہ سمجھتا تھا اس
وقت پہلی دنیا کا نصف تھا یعنی چین، بحر الکاہل، ہندوستان
افغانستان، ایران، ترکستان، ایشیائے روم، مصر، عراق، عرب،

شام و افریقہ سسلی و سائپرس، اسپین و نصف فرانس، جنوبی روس و آسٹریا اور ممالک بلقان سب کے سب اسی کے نتیجے لیکن جب سے خالی عقائد و بے معنی وظائف مسلمان پر مسلط ہوئے۔ یہ سب کچھ کھو بیٹھا۔ عقائد کا یہ حال ہے کہ زانوئے مرشد پہ سر رکھ دیا تو نجات کا باعث ہو سکتا ہے خانقاہ نشینوں کے رہبران اگر مزار اقدس کی خاک اور دو پھول کسی کو دے کر یہ کہہ دیں کہ جا تیری شفاعت ہو گئی۔ بس یہ محض دادری خاک اور پھول لے جانے والے کے روبرو جنت کو پیش کر دیتا ہے لیکن چوری، ڈاکہ، جھوٹ، فریب، دغا بازی، بدکرداری ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے روبرو دوزخ پیش نہیں کرتی۔ یہ کیا ہے؟ شفاعت

کا زعم باطل

یہ مرض مسلمانوں کے جاہل طبقہ ہی میں نہیں پایا جاتا ہے۔ بلکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور اکثر دیکھتا اور سنتا رہتا ہوں کہ اس مرض میں عالم وفاضل، اور انگریزی کے بڑے بڑے ڈگری یافتہ مبتلا ہیں۔ خوش اعتقادی کا یہ عالم ہے کہ تنہا مسلمان ہو جانے پر بخشش کا یقین کیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا ۔۔۔

یعنی زمانہ گواہ ہے کہ انسان گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے لیکن وہ لوگ مستثنےٰ ہیں۔ جو قانون الٰہی پر عمل پیرا ہیں۔ تو شفاعت کا مدار تو عمل پر ہے۔ عمل سے مراد تنہا وہی عبادت نہیں ہے جو مولوی وصوفی بتاتا ہے۔ بلکہ وہ ہے جو قرآن پیش کرتا ہے اور جو پیش کش قوت و طاقت کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اگر قرآن میں نماز روزہ حج زکوٰۃ عبادات میں داخل ہیں۔ تو مطالعۂ کائنات بھی عین عبادت ہے۔ اگر یہ غلط ہے تو پھر فولاد کوئلہ مختلف کانوں اور مختلف دھاتوں، نباتات، و فواکہات کے نفع و نقصان کا کیا ذکر ہے؟ زمین کے دفائن و خزائن اور پہاڑوں کے اندر چٹانوں کی تہوں کے نیچے سرخ و سفید لکیروں کا بیان کیوں ہے؟ پانی کے اندر نباتات اور موتیوں کی تلاش کی طرف کیوں رجوع کیا گیا ہے؟ بجلی کی چمک اور کڑک کی طرف کیوں اشارے ہیں؟ کیڑے اور گھوڑوں کی داستان کیوں ہے؟ فولاد اور کوئلہ کے بیان سے کیا غرض؟ پھر ان سے انعامات حاصل کرنے کا قصہ کیسا؟

یعنی حصولِ قوت کا درس کس لئے ہے؟ قتال و جدال کی طرف کیوں توجہ دلائی گئی ہے۔ زمین کی وراثت کے کیا معنے ہیں؟ اور دنیا بنانے کا سبق کیسا؟ اگر یہ سب کچھ قرآن حصولِ قوت کے لئے نہیں، دنیا بنانے کے لئے نہیں، اور انسانیت کو بلند کرنے کے لئے نہیں ہے، تو پھر کس لئے ہے؟ زمانہ گواہ ہے، اور ہمیشہ گواہی دے گا کہ قوت نے ہمیشہ قوموں کو ابھارا ہے، اور اس کا حصول عین عبادت ہے جہاں قوت نہیں عبادت نہیں۔

پس آج قوت حاصل کرنے کا بڑا اور سب سے بڑا ذریعہ تنہا علم سائنس کا حصول ہے یہی ایک چیز ایسی ہے، یہی وہ شاہراہ ہے، جس پر چلنے سے خدا کے وجود کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، اور زمین کی وراثت بھی مل جاتی ہے۔ (باقی آئندہ)

امام اکبرآبادی

مشرق کی رنگینی

مغرب کی تہذیب اور معاشرت کے اثر سے مشرق میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں جن کو بعض لوگ مفید اور بعض مضر بتاتے ہیں لیکن مغربی اثر کے ایک نتیجہ کی طرف بہت کم لوگوں کا خیال گیا ہے یعنی مغرب کے اثر سے مشرقی زندگی کی رنگینی اور روحانیت کا فنا ہو جانا۔ اصلاح رسوم اور فضول خرچی کے انسداد کی آڑ میں ہندوستانی معاشرت کی ہر ایک دلچسپ چیز کو مٹانے کی کوشش کی گئی اور افسوس کہ یہ کوشش کامیاب ہوئی اور اب ہماری معاشرت بہت خشک ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن ابھی تک یہ کوشش جاری ہے۔ اور جو چند ایک رسمیں باقی رہ گئی ہیں۔ جن سے شادی بیاہ یا تقریبوں کے موقعوں پر ذرا لطف آجاتا ہے۔ ان کو بھی اڑا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر کیوں؟ آخر رسموں سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ رسمیں ہی ایک قوم کی پہچان ہیں۔ انہیں سے ایک قوم کی انفرادیت کا پتہ چلتا ہے۔ اور ہندوستان کی رسمیں تو ہندوستان کی روح ہیں۔ آج بھی یورپ میں ہندوستان کو "خوبصورت رسموں کا ملک" شاندار جلسوں کا ملک کہہ کر پکارا جاتا ہے لیکن ہماری اصلاحی کوششیں اگر جاری رہیں۔ تو بہت جلد ہندوستان کا لقب خوبصورت رسموں کا ملک کے بدلے نہایت ہی بے لطف معاشرت کا ملک ہو جائیگا کیونکہ رسموں سے یکسر کنارہ کشی کر کے ہماری معاشرت نہایت ہی فرسودہ اور بے رنگ ہو جائے گی جیسے کہ "اصلاحی" شادیاں بلکہ ان اصلاحی "شادیوں کے لئے شادی کا لفظ ہی استعمال کرنا غلط ہے۔ [illegible] شادمانی کی بات ہی کون سی [illegible] [illegible]

بقول محمد عاقل کی والدہ کے "انگھتی اداس" ہوا کرتی ہے ہندوؤں میں بھی اگرچہ ایک بڑے حلقہ نے رسموں کو چھوڑ رکھا ہے۔ لیکن احساس قومیت کی بیداری کے ساتھ ساتھ وہ پھر اپنی مردہ رسموں کو زندہ کرنے لگے ہیں۔ ہولی دیوالی بڑی دھوم سے منائی جانے لگی ہے۔ آتشبازی بھی چھوڑی جاتی ہے رنگ بھی پھینکے جاتے ہیں مٹھائیاں اور حصے بانٹے جاتے ہیں غرضکہ پوری شان و شوکت سے ہولی دیوالی منائی جاتی ہے۔ کہا جائے گا کہ اس قسم کے فضولیات مثلاً آتشبازی یا تحفے تحائف یا شادی کی ایسی رسمیں جیسے بری ساچق سہاگ پڑے وغیرہ میں کون سا فائدہ ہے۔ اس کا جواب یہ کہ مادی فائدہ کچھ بھی نہیں صرف دل کی خوشی ہے اور انسان کو خوشی کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اس کی ہستی کے لئے روح کی بالیدگی کی مسرت کا جذبہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ روٹی اور پانی، انسان ایک ارمانی ہستی ہے اس کو زندگی میں سب سے زیادہ حسن اور خوشی کی تلاش ہے اس کی زندگی سے رنگینی کو مٹانے سے حوصلے سرد اور ارمانی احساسات مردہ ہو جائیں گے۔ اور یہی ہوا۔ مغرب زدہ ہندوستانی خصوصاً موجودہ نسل سے ایک نسل پہلے کے مغرب زدہ ہندوستانیوں سے بڑھ کر زیادہ مردہ دل بے حس اور احساس سے یکسر عاری لوگ شاید کسی اور ملک میں پیدا ہوئے ہوں۔ ان خواتین اور حضرات نے انگریزی تہذیب اور معاشرت اس حد تک تو سیکھ لی تھی کہ ان کو نشست برخاست گفتگو وغیرہ آگئی تھی۔ لیکن کسی قوم کی تفریح میں شریک ہو سکنے کے لئے اس قوم کی روایات سے بہت زیادہ گہری واقفیت چاہیے جو کہ ان لوگوں کو نہیں تھی اس لئے [illegible] [illegible]

مغربی سوشل لائف کا ایک جزِ اعظم ہے) اور نہ اپنی قومی تفریحات کا مذاق ان میں باقی رہا تھا۔ وہ ناچ گانے یا قوالی کو انتہا درجہ کا جنگلی پن سمجھتے تھے۔ اور ہندوستانی باجہ سے ان کے سر میں درد ہوتا ہے۔ ان کی بیویاں سفید وائل کی ساریاں باندھتی تھیں۔ ہاتھ میں دو کے سوا تیسری چوڑی ڈالنا گناہ سمجھتی تھیں۔ بال نہایت سیدھی طرح سے باندھتی تھیں اور جا و بیجا بیہودہ رسموں کے خلاف لکچر دیا کرتی تھیں لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ انسان بغیر تفریح کے رہ نہیں سکتا ہم لوگوں نے اپنی رنگین لیکن بے ضرر اور ساتھ کے ساتھ نہایت ہی کم خرچ تفریحات سے منہ موڑ لیا لیکن مغربی مہنگی اور کہیں زیادہ نقصان دہ تفریحوں کو اپنا جزو معاشرت بنا لیا۔ اس نسل کے مغرب زدہ ہندوستانی آگے کے نسل والے مغرب زدہ ہندوستانیوں کی طرح بے لطف زندگی بسر نہیں کرتے وہ ڈانس کرتے ہیں۔ مرد بھی۔ عورتیں بھی مخلوط تیراکی میں حصہ لیتے ہیں۔ اور برج کھیلتے ہیں۔ کاک ٹیلز پیتے ہیں۔ اور سان کی اس کی ذمہ دار ہماری غلط اصلاحی کوششیں ہیں۔ ہمارے مصلحین نے یہ کہہ کر رسموں کی اصلاح شروع کی تھی۔ کہ یہ فضول خرچی کے باعث ہیں۔ لیکن ہندوستانی کسی رسم میں اتنا خرچ نہیں ہوتا تھا جتنا کہ ان انگریزی تفریحات میں۔

اگرچہ ہمارے مصلحین کہتے تھے کہ وہ رسموں کے اس لئے مخالف ہیں کہ وہ ہمیں فضول خرچ بناتی ہیں۔ لیکن در اصل ان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ رسمیں ہی تھیں جو ہماری معاشرت کو ہمارے حاکموں کی معاشرت سے جداگانہ حیثیت دیتی تھیں اور ہم چونکہ غلام ذہنیت رکھتے تھے ہم اس جداگانہ حیثیت کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اس کے علاوہ بدقسمتی سے ہمارا تعلق یورپ کے اس ملک سے ہوا جو سارے یورپ میں Dullness یعنی مردہ دلی مشہور ہے اور وہ تعلق بھی اس ملک کے اس دور میں ہوا جو کہ سوائے اینی اور عہد کے انگلستان کا سب سے مردہ دل عہد قرار دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں وکٹوریہ [illegible] پریڈ جس میں ہندوستان انگلستان کے زیر تحت آیا مشہور ہے۔ مردہ دلی، بے حسی اور ...

لیکن حاکم قوم کی ہر ادا پسند آتی ہے۔ اس لئے ہم اپنے حاکموں کی مردہ دلی پر بھی عاشق ہو گئے۔ ہم نے اپنے مشاعرے چھوڑے۔ اپنے میلے چھوڑے۔ اپنے تہوار چھوڑے۔ اپنی موسیقی اور رقاصی سے کنارہ کشی کی۔ اپنی رسموں سے منہ موڑا اور ایسے مردہ دل بنے کہ خود وہ مردہ دل قوم اب ہم پر یہ الزام لگاتی ہے کہ ہم کو فرصت کا استعمال نہیں آتا۔ ہم صرف کام کرنے کی مشین ہیں ہم میں "سوشل" احساس نہیں اور ان معقول سے چڑھ کر ہماری موجودہ نسل مضر اور بے تکلف مغربی تفریحوں کی گرویدہ ہو رہی ہے۔ قصور کس کا ہمارے مصلحین کا۔ نہیں ہماری غلام ذہنیت کا۔

شائستہ اختر سہروردی

دودھ کی قیمت

منشی پریم چند آنجہانی ہندوستان کے بہترین [illegible] نگاروں میں سے تھے اور دودھ کی قیمت منشی جی کے بہترین افسانوں کا مجموعہ ہے دودھ کی قیمت میں ایک ڈرامہ ہے اور ۹ افسانے اور یہ سب کے سب خاص طور سے رسالہ عصمت کے لئے منشی جی آنجہانی نے لکھے تھے عنوانات یہ ہیں (۱) دودھ کی قیمت (۲) کسم (۳) الپسو (۴) عیدگاہ (۵) سکون قلب (۶) ریاست کا دیوان (۷) خدا کا [illegible] (۸) دو بہنیں (۹) زاویہ نگاہ - ان عنوانات میں بظاہر جاذبیت اور کشش نہیں لیکن کوئی سا افسانہ اس مجموعہ کا پڑھ لیجئے ممکن ہی نہیں کہ منشی جی آنجہانی کی سحر نگاری کے آپ قائل نہ ہو جائیں۔ اصلاح اخلاق [illegible] اور جذبات نگاری کے لحاظ سے یہ افسانے اردو کے بہترین افسانوں میں [illegible] میں جو [illegible] شہریوں کی پر مسرت [illegible] کا نقشہ کھینچا گیا ہے ہر افسانہ میں ایک پیام ہے [illegible] اور ہر افسانہ لبریز ہے [illegible] دوسری دفعہ چھپا ہے قیمت [illegible]

سنگاپور کی ایک شادی

اپنے فلسطینی دوست کیپٹن خالدی کی معرفت آج شام ہم ایک عرب خاندان کے ہاں شادی کی تقریب میں مدعو تھے۔ یہ عرب خاندان، دوسرے بہت سے عربوں کی طرح، ایک مدت سے، ملایا میں آباد ہے اور یہاں تجارتی کاروبار کرتا ہے۔ ملایا۔ جاوا اور سماٹرا میں عرب تاجروں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ یہ لوگ مدتوں سے ان ملکوں میں رہنے بسنے اور ملائی عورتوں سے شادیاں کر لینے کی وجہ سے عرب کم اور ملائی زیادہ معلوم ہوتے ہیں وضع قطع، عادت و اطوار ۔ ۔ پوری کی پوری زندگی ملائی سانچے میں ڈھل چکی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو دیکھ کر پہلی نظر میں مجھے ان کا عرب ہونا کچھ اچنبھا سا معلوم ہوا اور اگر وہ عربی زبان عربوں کی سی روانی کے ساتھ نہ بول سکتے تو شاید میں انہیں کبھی عرب ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا ۔ ۔ ۔ آدمی دوسری نسلوں میں خلط ملط ہونے سے کتنا تبدیل ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ مجھے ان عربوں کو دیکھ کر ہوا۔

ہم لڑکی والوں کی طرف سے مدعو تھے۔ مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک مختصر لیکن خوبصورت بنگلے کے چمن زار میں نہایت سلیقے کے ساتھ ترشے ہوئے گھاس کے ہموار تختوں پر مصر کے ساحلی قہوہ خانوں کے انداز میں کرسیاں اور میزیں لگی ہوئی ہیں اور ان کے ارد گرد خوش پوش لوگوں کی ٹولیاں خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ مہمانوں [illegible] چائے، شربت اور پھل پھول کے ساتھ کی [illegible] خدمت کرنے کے لئے کمربستہ خدام موجود تھے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

جاتے۔ کم و بیش وہی منظر تھا۔ جو ہندوستان میں ان موقعوں پر دیکھنے میں آتا ہے۔

کوٹھی کے صحن میں ایک طرف سرخ رنگ کی قنات لگائی تھی۔ جس کی اوٹ میں کھانے تیار ہو رہے تھے۔ ہندوستانی بیاہ شادی کی تقریبوں کی طرح یہاں بھی مکان کے اس حصے میں نوکروں چاکروں کی دوڑ دھوپ، اور اہلِ خانہ کے خاص کارندوں کی سرگرمیوں کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ اور فضا دیگوں کی کھڑکھڑاہٹ اور برتنوں کے ٹکرانے کی آوازوں سے بھری ہوئی تھی۔

بنگلے کی اصلی عمارت، ملایا کے عام دستور کے مطابق کافی بلند کرسی دے کر اٹھائی گئی تھی۔ اور ایک خوبصورت چوبی زینہ پام کے بڑے بڑے گملوں کی دو طرفہ قطاروں میں سے گزرتا ہوا سامنے کے برآمدے میں چلا گیا تھا۔ یہ برآمدہ کافی طویل و عریض تھا۔ اس کے تین طرف کھڑکی کے چوکھٹوں پر ریشم کی جالی دار چادریں کھڑی کر دی گئی تھیں یہ گویا پردہ تھا۔ جس کے عقب میں خاندان کی خواتین اور جوان عورتیں شادی کے گیت گا رہی تھیں۔ ہم ان کی آوازوں کو غور سے سن رہے تھے۔ پہلے تو دیر تک قرآن کریم کی تلاوت ہوتی رہی۔ اور پھر جیسا کہ کیپٹن خالدی نے ہمیں بتایا، وہ مشہور عربی شاعر المتنبی کا ایک قصیدہ پڑھ رہی تھیں جس میں عربوں کے جنگی کارنامے فخریہ انداز میں بیان کئے گئے تھے یہ چیز ہمارے لئے نئی تھی۔ کیونکہ ہندوستان میں [illegible] پھلکے اور ہلکی قسم کے گیت سننے میں آتے ہیں۔

[illegible] چادروں کے پیچھے [illegible] ایک طوفان تھا
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سے اُتر کر ہر طرف مسلط ہوگیا اور رنگین فانوسوں میں بجلی کے قمقمے روشن ہوئے تو صحت مند عرب لڑکیوں کے چہرے شعلوں کی صورت بھڑک اٹھے۔ لرزتی ہوئی چادروں کے ریشمی روزنوں میں سے یوں نظر آتا تھا۔ جیسے ان گنت آتشیں ستارے ٹوٹ کر وہاں بکھر گئے ہوں۔ ان میں سے کچھ شوخ ستارے بار بار افق پر اُبھرتے اور ابھر کر غائب ہو جاتے تھے۔

جس وقت ہم پہنچے ہیں کیپٹن نمالدی وہاں موجود تھے صاحبِ خانہ نے کوٹھی کے پھاٹک پر ہمارا استقبال کیا۔ ہمارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور اسلامی دستور کے مطابق مصافحہ و معانقہ کے بعد ہمیں ایک میز پر چھوڑ آئے اس میز پر ہم سے پہلے ایک چینی ڈاکٹر شو اپنی بیگم اور جوان صاحب زادی سمیت بیٹھے تھے۔ صاحبِ خانہ نے ڈاکٹر شو سے اور ڈاکٹر نے اپنی بیوی اور بیٹی سے ہمارا تعارف کرایا۔

اب باتیں شروع ہوئیں۔ جیسا کہ ان موقعوں پر ہوتا ہے گفتگو کا کوئی خاص موضوع نہ تھا۔ گویا ہر موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں موسم سے شروع ہو کر اسلام مسیحیت، چین، جاپان اور ہندوستان پر سے گزرتے ہوئے ہم اُردو زبان کی گرائمر پر بات چیت کر رہے تھے۔ موضوع کچھ بھی ہو باتیں اتنی دلچسپ تھیں کہ ہم فالسے کے شربت کے گلاس کئی مرتبہ خالی کر چکے تھے۔ لیکن ہمیں اپنی محویت میں خبر بھی نہ ہوتی کہ ہم نے گلاس کب خالی کیا اور نوکر اسے پھر کس وقت لبریز کر گیا۔ اس درمیان میں صاحبِ خانہ یا اُن کے کوئی عزیز پوچھ گچھ کے لئے ادھر آ نکلے تو ان سے بھی دو چار یونہی غیر متعلق سی باتیں ہو جاتیں، ورنہ پھر وہی ہماری اپنی باتیں۔ اور سچ پوچھو تو میرے نزدیک سنگاپور کی شادیوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ان تقریبوں پر مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور باتوں ہی باتوں میں آدمی ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ ایسی صحبتوں سے آدمی اٹھتا ہے تو ضرور ایک آدھ نئی بات سیکھ کر ہی اٹھتا ہے۔

ڈاکٹر شو تو خیر تھے ہی، لیکن ان کی بیگم اور صاحبزادی بھی ہندوستان کے سیاسی واقعات سے حیرت انگیز واقفیت رکھتی تھیں۔ اور ہندوستان کا ذکر اس طرح کر رہی تھیں جیسے سنگاپور ہی کے کسی دوسرے محلے کی بات ہو۔ نہرو، گاندھی، جناح نے پہلے دو تین سال میں کیا کیا کہا تھا؟ آپ ان سے پوچھ لیں۔ وزارتی مشن کی سرگرمیوں میں ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ گویا چین کی زندگی اور موت کا سوال حل ہو رہا تھا۔ مستقبل میں ہندوستان اور چین کے سیاسی گٹھ بندھن، اور ایشیا کی آئندہ عظمت کے بارے میں اس سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ تجویزیں سوچی جا رہی تھیں، جیسے ایشیا بلکہ ساری دنیا کی قیادت کا بوجھ ان کے کندھوں پر آ پڑا ہو۔ وہ ماں بیٹی باتیں کر رہی تھیں اور ہم دونوں حیرت سے ان کا منہ تک رہے تھے کہ یہ بھی عورتیں ہیں جو ساری دنیا کو جیب میں ڈالے پھرتی ہیں۔ اور ایک ہندوستان کی مائیں، بہنیں، بیٹیاں۔ کہ بقولِ غالب۔ "ہر چند کہ ہیں مگر نہیں ہیں"

اوپر ہندوستانی لیڈروں کے نام گنواتے ہوئے پنڈت نہرو کا نام میں نے عمداً گاندھی جی سے پہلے لکھا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہندوستان میں لیڈروں کی ترتیب یا اہمیت چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن مشرقِ بعید میں پنڈت جواہر لال نہرو سب سے زیادہ چھائے ہوئے ہیں۔ اور چینی لوگوں کو تو جیسے ان سے [illegible] ہے۔ چنانچہ حال ہی میں پنڈت نہرو جب [illegible] تھے تو ہندوستانیوں سے زیادہ چینیوں کے لیڈر [illegible] ہو رہے تھے۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ لیجئے [illegible]

[illegible] پہنچا دیا گیا۔ اور کھانا بسم اللہ بسم اللہ کی صداؤں سے شروع ہو گئی۔ ہم بھی اپنی نشستیں چھوڑ کر کھانے کی میز پر جا بیٹھے۔ مشرق بعید میں خوراک کی خوفناک قلت کی وجہ سے کھانے میں گو یہ تنوع تو زیادہ نہ تھا مگر جو کچھ تھا، لذیذ اور پاکیزہ تھا۔ پلاؤ، گوشت، سبز پلاؤ، دسلے - - جو چیز تھی خوش ذائقہ تھی۔

پلاؤ میں گوشت کے بڑے بڑے مصالحہ دار ٹکڑے تھے اور ان کے ساتھ شکست شامی کبابوں نے تو خاص طور پر بڑا لطف دیا۔ ہمیں یہ دیکھ حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ مسلمان چاہے دنیا کے کسی حصے میں ہو پلاؤ اور کباب ضرور کھاتا ہے۔ ڈاکٹر شو سے یہ معلوم کر کے اور بھی خوشی ہوئی کہ چین کے مسلمان بھی پلاؤ کھاتے ہیں۔ سنگاپور میں اتنا اعلیٰ اور باقاعدہ قسم کا پلاؤ دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے پلاؤ مسلمانوں کے کلچر کا ایک ضروری حصہ بن چکا ہے اور اسلام کی عالمگیر برادری میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ ہمارے "قومی نشانوں" میں "خنجر ہلال" کے بعد شاید پلاؤ ہی کا نمبر آتا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر پھر باتیں شروع ہوئیں۔ اب دولہا کا انتظار ہو رہا تھا۔ برات کو ۸ بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ لیکن ساڑھے آٹھ اور پھر نو بج گئے مگر برات کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔ آخر کوئی سوا نو بجے غل ہوا کہ نوشہ آ گیا۔ ہم نے سوچا، یہ بھی غنیمت ہے۔ ورنہ اگر ہندوستان کی برات ہوتی تو ایک بجے رات سے پہلے بھلا کیوں پہنچتی۔ خیر اہلاً وسہلاً کی پُرشور صداؤں کے درمیان تین موٹریں کوٹھی کے دروازے کے سامنے آ کر رکیں۔ پہلے چند مستورات گھونگھٹ نکالے ہوئے ہمارے سامنے سے گزر گئیں۔ ان کے بعد عزیز اور دوستوں کے جھرمٹ میں دولہا میاں بھی تشریف لے آئے۔ اسی اثنا میں دولہن والوں کی طرف سے عزیز مہمانوں [illegible] گئے تھے۔ [illegible]

[illegible] سے گردن بڑھا لی۔ ہم نے [illegible] کر دیا۔ گردن تو وہاں کہاں تھی۔ پھولوں کے ہار پہنا دیئے۔

دولہا میاں شکل سے بیس اکیس برس کا نوجوان تھا۔ دھان پان، دبلا پتلا، گہرے سیاہ رنگ کا انگریزی قطع کا سوٹ، سفید براق مکلف قمیص اور اس میں سیاہ نکٹائی، سر پر دو پلی ٹوپی، جو رامپوری ٹوپی سے ملتی جلتی تھی، اور بوٹ بھی کالے رنگ کے تھے۔ شادی کے تہوار پر یہ مکمل بلیک آؤٹ ہمارے لئے ذرا تعجب انگیز چیز تھی۔ لیکن پھر سوچا کہ کھلی مارکیٹ میں سے تو ان دنوں کچھ ملتا نہیں ممکن ہے شادی کا جوڑا بلیک مارکیٹ سے خرید لیا گیا ہو۔ اور کالا کپڑا ہی مل سکا۔

خیر تو کچھ دیر کوٹھی کے صحن میں ہنگامہ سا برپا رہا۔ لڑکی والوں کے عزیز اور دوست دولہا اور [illegible] سے منہ میٹھا کرنے کے لئے نذرانہ مانگ رہے تھے۔ دونوں طرف سے ٹھٹھا مذاق ہو رہا تھا۔ ادھر "حسن اندرون" بھی اس اثنا میں پردے سے باہر آ رہا تھا۔ جیسے ع

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

یہ منظر دیکھ کر مجھے بیساختہ خیال آیا کہ عورت چاہے ہندوستان کی ہو یا سنگاپور کی، اس کی فطرت ایک ہے۔ برات اور دولہا کو دیکھنے کے لئے وہ سات کوٹھریوں کے اندر سے بھی نکل آئے گی۔

قصہ کوتاہ، کوٹھی کے احاطہ میں کوئی نصف گھنٹے کے ہنگامے کے بعد نوشہ کو کسی لیڈر کے جلوس کی صورت میں اندر لے گئے۔ دولہا کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا۔ کیوں تھا؟ یہ ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔ ایک صاحب سے پوچھا بھی تھا، مگر انہوں نے عربی میں جو کچھ سمجھایا وہ ہمارے پلے نہ پڑ سکا۔ دولہا کے بعد، دولہا کے رشتہ داروں اور چند خاص خاص مہمانوں کو بھی اندر لے جایا گیا۔ یہ سعادت ہمارے حصے میں بھی آئی۔ چنانچہ اب کوٹھی کے اندر ایک بڑے کمرے کا

دل نواز نظارہ ہمارے سامنے تھا۔ بیش قیمت قالینوں کے اوپر بوریں فانوسوں میں چھنتی ہوئی رنگین روشنیاں ایک عجیب منظر پیدا کر رہی تھیں۔ فضا عود و عنبر کی خوشبو سے مہک رہی تھیں۔ ساگوان کی چھوٹی بڑی منقش سہ پائیوں پر دھرے ہوئے چاندی کے دمکتے گلدانوں میں سوسن، نرگس اور دوسرے پھولوں کے گچھے بڑے سلیقہ سے سجائے گئے تھے۔ بغلی کمروں میں جو فرنیچر پڑا تھا، اور جو اس کمرے میں سے بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ اگر خاص اس تقریب کے لئے کہیں سے مانگ کر کرایہ پر نہیں لایا گیا تھا۔ تو یہ لوگ واقعی کافی متمول تھے۔

دروازے کے سامنے کی دیوار سے ملے ہوئے ایک تخت پر جیسے میناکاری والے مخملی جھولوں اور پھولوں کی لڑیوں سے جایا گیا تھا۔ دلہن بیٹھی ہوئی تھی۔ کنبہ کی دوسری عورتیں اور لڑکیاں نیچے قالین پر تھیں۔ دلہن کا گہنا تو معمولی سا ہی تھا۔ البتہ سفید جارجٹ کا سوٹ بڑا نفیس معلوم ہوتا تھا۔ ایک خادمہ سے مورچھل کر رہی تھی، مورچھل کیا کر رہی تھی۔ ایک طرح سے اس کے چہرے کو برائے نام سی اوٹ دے رہی تھی۔ چہرے مہرے سے دلہن عرب کم اور ملائی زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ناک نقشہ کافی اچھا تھا مگر جثے کی خاصی خبردار تھی۔ دولہا میاں جو بعد میں اسی تخت پر بٹھا دیئے گئے تھے، اس کے سامنے مریل سا چوہا معلوم ہو رہے تھے۔ دولہن کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی نقاب نہ تھا۔ سر کے بالوں میں دو ایک بال ٹنگے ہوئے تھے شاید گنیدے کے پھول اور سر کے درمیان نہایت نفیس نفر کی سفید مخروطی جھالر لہرا رہی تھی۔ اس جھالر کے ساتھ دلہن قدیم انگلستان کی مشہور ملکہ الزبتھ معلوم ہوتی تھی یا پریوں کے ملک کی کوئی شہزادی۔

قالین پر بیٹھی ہوئی خواتین میں سے ایک بڑھیا اٹھی اور اس نے قرآنی آیات پڑھ کر دولہا اور دولہن پر کیوڑا چھڑکا

یہ دونوں خاموش بت بنے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر ہندوستانی عروس کی جو کیفیت ہوتی ہے، وہ تو خیر کہاں تاہم دلہن کچھ شرمائی شرمائی، کچھ سمٹی سمٹی ضرور تھی۔ اس کی آنکھیں فرش پر جمی ہوئی تھیں۔ اور کم از کم جب تک ہم وہاں رہے اس نے آنکھ اٹھا کر ادھر ادھر نہیں دیکھا۔ البتہ دوسری لڑکیوں کی کلیلیں اور بے باکیاں دیکھنے کے قابل تھیں۔ ان کے چہروں پر ان کے دلی جذبات کی ایک انوکھی سی روشنی کھیل رہی تھی۔

ہم حیران ہو رہے تھے کہ کھانا پہلے ہو چکا ہے اور برات بعد میں آ رہی ہے۔ لیکن ایک صاحب نے بتایا کہ عقد سویرے پڑھا جا چکا تھا۔ عقد کے بعد دولہا اپنے گھر چلا جاتا ہے اور اب یہ برات نہیں آئی۔ بلکہ دولہا کو ایک طرح سے سسرال کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔ وہ اب برابر تین روز سسرال میں رہے گا اس دوران میں دلہن اسے کھانا وغیرہ خود کھلایا کرے گی لیکن تخلیہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ تین دن کے بعد رخصتی عمل میں آئے گی۔ ان صاحب نے یہ بھی بتایا کہ عرب اور ملائی لوگ لڑکی کو جہیز وغیرہ کچھ نہیں دیتے۔ البتہ لڑکی اپنے باپ کی جائیداد میں شرعی حصے کی حقدار ہوتی ہے۔ جو باپ کی موت کے بعد یا اس کی زندگی میں ہی سے مل جاتا ہے۔

سید ضمیر جعفری

سرتاج من

ایسی بھی سنجیدگی کس کام کی! میرا تو جی گھبراتا ہے ایسے
لوگوں سے! کیسے پتھر ہوتے ہیں یہ! نہ بولنا جانیں نہ ہنسنا
غیر اوروں کو تو پھر بھی بھگت لیا جاتا ہے۔ لیکن سرتاج من
سلامت کی متانت ایک خوش باش اور بذلہ سنج اہلیہ کے لئے
سوہانِ روح سے کم نہیں!

ان کی سنجیدگی کا گھاؤ اب ناسور کی شکل اختیار کر چکا
تھا کہ دل چاہتا تھا کہ در و دیوار سے سر پھوڑ لوں، سائبان
کو توڑ دوں۔ پیڑوں کو جڑ سمیت اکھیڑ ڈالوں اور اس مریل
کتیا کو جو ہر دم ٹکر ٹکر میرا منہ تکتی رہتی ہے قیمہ قیمہ کر ڈالوں
جب وہ دفتر سے آتے ہیں تو میں دوڑ کر مسکراتے ہوئے ان
کا استقبال کرتی، چھتری اور ہیٹ ان کے ہاتھ سے لے لیتی
اور جلدی سے پنکھا جھلنے کھڑی ہو جاتی اور جب وہ کوٹ
اور پتلون بدلتے تو میں اس کو تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھ آتی
ان کے بوٹ اور موزے بھی میں اپنے ہاتھ سے اتارتی۔ مگر
مجھے آرزو ہی رہی کہ وہ مجھے جھوٹ موٹ ہی کہہ دیتے کہ "تم
تم رہنے بھی دو یہ تمہارا کام نہیں" اور جب وہ رات کو سونے
کے لئے لیٹتے تو میں رسان رسان ان کی پنڈلیاں دبانے
بیٹھ جاتی۔ چھوٹے موٹے چٹکلے سنا کر ہنسانے کی کوشش
کرتی۔ لیکن ہنسی کیسی؟ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ
بھی نہیں آتی۔ "اللہ کیسا جوڑا ہے اس شخص کا" یکایک
میں تھکان سی محسوس کرنے لگتی۔ میری انگلیاں ڈھیلی پڑ جاتیں
اور آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا آتے۔ پھر بھی دل پر جبر کر کے
سر ملنے بیٹھ کر ان کے گھونگھریالے بالوں کو انگلیوں میں
الجھا کر کنگھی کرتی۔ رفتہ رفتہ میری انگلیاں پیشانی اور [illegible]
[illegible] شاید تم [illegible] انگلیاں [illegible]
[illegible] "[illegible]"

بھی دو۔ صبح سویرے اٹھنا چاہیے۔ جاؤ تم بھی سو جاؤ" اور
کروٹ لے لیتے۔ ٹھنڈی اور لمبی سانس تیر کی طرح میرے
کلیجے کے پار ہو جاتی۔ اور میں کھسیانی سی ہو کر اپنے بستر پر جا
پڑتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ میرے جسم کا ہر رواں ببول کے
کانٹے سے زیادہ نوکیلا اور تیز ہو گیا ہے۔ رات کا بیشتر حصہ
غصہ اور بے چینی میں گزر جاتا اور پھر ۔۔۔ نہ جانے نیند یا
تھکاوٹ، کس کا غلبہ مجھے صبح تک بے ہوش کر دیتا۔

ان کے پسندیدہ کھانے میں اپنے ہاتھ سے تیار کرتی۔
بہتر سے بہتر اور لذیذ سے لذیذ پکاتی۔ دھوئیں میں میری
آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ دم گھٹنے لگتا۔ اور ہاتھ پاؤں جابجا
سے جل جاتے۔ پر وہ اللہ کے بندے خاموشی سے کھا کر اٹھ
جاتے۔ ارمان ہی رہا کہ کبھی یہ کہتے کہ "بیگم آج تو شوربہ نہایت
لذیذ تھا" بالآخر میں خود ہی بے غیرت بن کر پوچھتی "کہئے
شامی کباب پسند آئے؟" نہایت خشک جواب ملتا: "ہاں
ٹھیک تھے۔" میرا دل بھن جاتا اور جی چاہتا کہ اپنا سر کسی پتھر
پہ دے ماروں۔

گرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔ لاہور کی گرمی ویسے ہی بڑی
شدید ہوتی ہے۔ انہوں نے ایک ماہ کی چھٹی لے لی تھی دوسرے
دن شام کو ہم نینی تال روانہ ہو گئے۔ گاڑی میں بہت زیادہ
بھیڑ تھی۔ نہ جانے ساری دنیا کے مسافروں کو آج ہمارے ہی
ساتھ کیوں سفر کرنا تھا۔ دو تین براتیں بھی تھیں اور فوجی بھی
زیادہ تعداد میں بھرے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے ہم [illegible]
ڈبے میں گھس گئے۔ چاروں طرف نگاہ ڈالی کر خاموش
نگاہیں پھر واپس آ گئیں۔ آخر وہ [illegible] کے پاس [illegible]
بستر کے اوپر [illegible] بیٹھ گئے۔ برابر [illegible] ایک سیاہ
رنگ کا موٹا آدمی بیٹھا تھا جس کے چہرے [illegible]

شانات نے بُری طرح مسخ کر دیا تھا۔ نچلا ہونٹ ضرورت سے زیادہ موٹا ٹھوڑی کے برابر لٹک رہا تھا۔ اور چمکتی ہوئی چاند پر ایک لمبی چوٹی لٹک رہی تھی۔ اس نے چپ چپی آنکھوں سے چندھیا کر ہماری طرف دیکھا اور کہا "بابو جی آیئے دیوی جی کو یہاں بٹھا دیجئے۔ اور آپ بھی ٹک جایئے۔" میرے شوہر نے بغیر شکریہ ادا کئے۔ مجھے اشارہ سے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی میرے برابر بیٹھ گئے۔ اس کالے چیچک رُو شخص نے اپنا بستر نیچے ڈال دیا اور ہم کو اچھی طرح جگہ دیدی۔ اب ہماری نشست اس طرح تھی کہ میرے برابر میرے شوہر۔ اس کے بعد وہ سیاہ موٹا آدمی اور پھر اور دوسرے لوگ کچھ دیر کے بعد ہم لوگوں نے ناشتہ دان کھول کر کھانا کھایا۔ ڈبیا میں سے پان کھائے اور ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گئے۔ کچھ کچھ اندھیرا ہو چلا تھا میں نے بایاں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اپنے شوہر کی کھڑکی کے اوپر رکھ دیا۔ فوراً ہی ایک مردانہ پنجے میں میری انگلیاں بھنچ گئیں۔ اور میں نے اپنا ہاتھ بے جان شے کی طرح اُس گرفت میں ڈال دیا۔ میرے شوہر محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اُن کا سنجیدہ اور خشک چہرہ کنول کے پھول کی طرح کھل رہا تھا۔ اللہ! میں نے ایک لمبی سانس لی ہلکی سی پھریری آئی۔ اور میرے جسم کا ہر رواں گُکبلا گُکبلا کر بیدار ہو گیا۔ میں نے بھی نہایت گرمجوشی اور انتہائی محبت سے ان سخت سخت انگلیوں کو اپنی کمزور مٹھی میں دبا لیا اور آہستہ آہستہ مسلنے لگی۔ کسی نامعلوم جذبہ نے مدہوش کر کے میری گردن کھڑکی کی جانب گرا دی۔ یکایک میری نگاہ کھڑکی سے باہر ان سنگم پنجوں پر گئی۔ جو والہانہ اور وارفتہ ایک دوسرے پر قربان ہو رہے تھے۔ او خدا! میری چیخ نکل گئی میرا ہاتھ اُس چیچک رُو کالے بھینسے کی گرفت میں تھا۔ اور وہ کھڑکی پر سر ٹکائے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا بجلی کی روشنی میں اُس کی کھوپڑی سیمنٹ کی سڑک کی طرح چمک رہی تھی۔ اور لمبی پتلی سی چوٹی ہوا کے تھپیڑوں سے جھکی منڈیا رہ

اِدھر اُدھر لہرا رہی تھی۔ ارے میں تو مر گئی میرے خدا۔ میں نڈھال سی ہو کر اپنے شوہر کے اوپر گرنے لگی۔ "کیا کرتی ہو سیدھی بیٹھو۔ کہیں جگہ بھی ہے سونے کی۔" انہوں نے تلخ لہجہ میں کہا۔ پسینوں میں شرابور کپکپاتے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر میں گٹھری سی بن گئی۔

کاش دو گاڑیوں کا تصادم ہو جاتا۔ اور میں اُن کے کام آجاتی۔

مجھے اپنے شوہر کا متین چہرہ زہر معلوم ہو رہا تھا۔

آرزو

آمنہ نازلی

ستاروں سے روشن ہے ایسا فلک
درخشاں ہو جیسے جبینِ مَلک!
مصفّا ہے کیا روشنی چاندکی!
ستاروں کی جس نے ضیا ماند کی
منوّر کیا چاند نے کُل جہاں
زمیں پر ہے چاندی کا دریا رواں
زمیں پر ہے پھیلی ہوئی چاندنی
کہ ہے نور کی ہلکی چادر بچھی
ستاروں سے ہے آسماں گُل فشاں
زمیں پر نہیں اب اَلم کا نشاں؟
مجھے بھی فلک پر بُلا لے قسم
ان آلائشوں سے مجھے پاک کر
میرے درد کا تو ہی بن چارہ گر
کہ فکروں کا ہرگز نہ ہو کچھ اثر
اگر تو بُلا لے فلک پہ مجھے
تو سویا مقدر ہرا جاگ اٹھے

قیصر جہاں قیصر

سحر بنگال

عصمت میں کئی مضامین جادو اور سحر کے عنوانات سے نظر سے گزر چکے ہیں۔ میں بھی ایک سچا لیکن حیرت انگیز واقعہ اپنی عصمتی بہنوں کے لئے تحریر کرتی ہوں۔ یہ واقعہ ایک بہت مشہور ہندو جادوگر سے تعلق رکھتا ہے جو عرصہ ہوا بنگال میں رہتا تھا اور ہر کس و ناکس اس شخص کے عجیب غریب کارناموں سے انگشت بدنداں تھا۔ دور و نزدیک کے لوگ اس کے ان بے جا عملوں سے خائف بھی تھے۔ کسی کو سخت سے سخت ضرر پہنچانا اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ اس کے ہاں ان دنوں ایک نوعمر مسلمان لڑکا بطور چیلے کے کام سیکھا کرتا تھا۔ اس کی ماں تھی نہ باپ۔ غربت کی وجہ سے دوسرے رشتہ داروں نے بھی اس سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور مجبور ہو کر اس بیچارے نے یہ پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اس کام میں کافی مہارت پیدا کر لی تھی۔ کہ اتفاقاً ایک روز کچھ مذہبی اعتقادات کی بنا پر دونوں میں رنجش کا ایک سلسلہ پیدا ہو گیا۔ جادوگر نے اس لڑکے کو سور کا گوشت کھانے پر مجبور کرنا چاہا۔ لیکن اس شخص نے جس کی رگوں میں ہنوز اسلامی خون دوڑ رہا تھا، اپنی مفلسی کی پروا نہ کی اور اس بات سے قطعی انکار کر دیا۔ جادوگر نے اس کو کافی سخت و سست کہا اور بالآخر جادو سے اس کو نیچا دکھلانے کی دھمکیاں دینی شروع کیں۔ لڑکا بیچارہ ہر طرف سے مجبور ہو گیا۔ اور کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ تو ایک روز جادوگر کی عدم موجودگی میں چپکے سے بھاگ گیا۔ ایک مفلس غربت زدہ انسان کے لئے آخر کہاں ٹھکانہ تھا۔ عرصہ تک بہت سے شہروں کی خاک چھانتا اور محنت مزدوری سے پیٹ بھرتا رہا۔

[illegible]

جو سلطنت افغانستان کا پایۂ تخت ہے۔ پہنچ گیا۔ ان دنوں میرے خسر ڈاکٹر علی محمد صاحب جو اب پنشن پر واپس ہندوستان تشریف لا چکے ہیں۔ افغان گورنمنٹ کے ایک رائل ڈاکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ اور ایک بڑے ہسپتال کے انچارج تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ واقعہ مجھے انہیں کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ تو خیر یہ نوجوان مسلم چونکہ کابل کے رسم و رواج سے ان کی بول چال سے نا آشنا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ یہاں ایک ہندوستانی ڈاکٹر صاحب بھی قیام پذیر ہیں۔ چنانچہ یہ پتہ لگاتے لگاتے ان کے ہاں پہنچ گیا۔ اپنی سب روداد بیان کرنے کے بعد ان سے امداد کی درخواست کی۔ میرے خسر صاحب بہت رحم دل اور شریف الطبع انسان ہیں۔ انہوں نے اس کی حالت پر رحم کھا کر اپنے ہسپتال میں ہی نوکری دے دی اور یہ وہاں کام کرنے لگ گیا۔ لیکن چند ماہ گزرنے کے بعد اچانک اس کے پُرسکون طبیعت میں کچھ عجیب و غریب سا تغیر پیدا ہو گیا۔ اور یہ اداس سا رہنے لگا۔ ہر چند اس نے اپنی اس ذہنی کوفت کو نہایت پُراسرار طریقہ سے دبانا چاہا۔ تاہم دوسروں کی نظر شناس نگاہیں اس کی اس الجھن کو تاڑے بغیر نہ رہ سکیں اور ایک روز خود ڈاکٹر صاحب اس سے پوچھ بیٹھے کہ آخر تمہاری اس اداسی پریشانی کی کیا وجہ ہے۔ لڑکے کا تو یہی خیال تھا کہ پرانی باتیں گزر چکی ہیں۔ اچھا ہے انہیں یاد نہ کیا جائے۔ لیکن اس [illegible] نگاہوں کے سامنے اس کے سب گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے آنے لگے اور اس کا کمزور دل خود بخود ان کو بتانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے شروع سے آخر تک اس زمانے کے سب حالات بیان کر دیئے کہ وہ اس جادوگر کے ہاں کام سیکھا کرتا تھا اور کس طرح اس کا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔ نیز اس [illegible]

اور راز کا بھی انکشاف کر دیا جس کے سننے سے واقعی سب لوگوں میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ کہنے لگا کہ ان دنوں وہ جادوگر مجھے خواب میں دکھائی دیتا ہے اور مجھ سے بدلہ لینے کے درپے ہے۔ کہتا ہے کہ اگرچہ تم مجھ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر پہنچ گئے ہو۔ تاہم میں بدلہ لئے بغیر نہیں رہوں گا۔" یہ کچھ ایسی بے معنی سی بات تھی۔ کہ کوئی بھی ذی ہوش آدمی اس کو یقین نہ کر سکا۔ لیکن علی الصبح جبکہ یہ بستر سے بیدار ہوا تو فکر و تردد۔ غم و پریشانی سے بُری حالت ہو رہی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ رات کو پھر وہی جادوگر خواب میں نظر آیا اور اس نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے۔ کہ دن کو ٹھیک بارہ بجے وہ اپنی کسی غیبی طاقت سے اس شخص پر حملہ کرے گا۔ یہ اس کی دوسری انوکھی پیشین گوئی تھی جس نے لوگوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے۔ اس نے ڈاکٹر صاحب سے سب بات واضح طور پر بیان کر دی۔ اور یقین دلایا کہ یہ صرف مجھ پر ہی حملہ ہونے والا ہے اور دوسرے کسی شخص کو گزند پہنچنے کا احتمال نہیں۔ نیز اس نے یہ بھی کہا کہ آپ صرف اس بات کا خیال رکھیں کہ جب وہ کوئی ایسی ویسی بات ظہور میں آوے۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ کچھ بھی ہو جاوے آپ مجھے تین روز تک دفن نہ کریں اور میری لاش کو ویسا ہی رہنے دیں جس حالت میں کہ مجھ پر حملہ کیا جائے گا۔ وقت مقررہ کے آنے سے پہلے اس نے پوری پوری تیاری کر لی تھی۔ ایک رقعہ پولیس کے نام لکھا کہ میری موت اس طریقے سے واقع ہو رہی ہے۔ اور کسی شخص کو بھی اس کے لئے ذمہ دار نہ ٹھیرایا جائے۔ یہ واقعہ کابل میں اتنا عام ہو گیا۔ اور لوگ اس میں اس قدر دلچسپی لینے لگ گئے تھے کہ بارہ بجے تک لوگوں کا ایک انبوہ کثیر ہسپتال کے احاطے میں جمع ہو گیا تھا۔ ایک کمرے میں ڈاکٹر صاحب اور چند ہندوستانی اور کابلی ڈاکٹر موجود تھے اور آنے والی گھڑی کا نہایت بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ مین جس وقت گھڑیال نے بارہ بجائے ایک قسم کا زبردست زلزلہ محسوس ہوا اور ایک خوفناک آواز کے ساتھ یہ لڑکا زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ اور گرتے ہی اس کے منہ سے کف جاری ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب اور دوسرے لوگ جو وہاں سہمے بیٹھے تھے جلدی سے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ برقی رو کی طرح یہ معاملہ سارے کابل میں منٹوں میں پھیل گیا۔ اور وہاں کوئی آدمی ایسا نہ تھا۔ جو اس لاش کو دیکھنے نہ آیا ہو کابل کے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی آئے اور انہوں نے اچھی طرح اس کی لاش کا معائنہ کیا۔ لیکن حرکتِ قلب بند ہو چکی تھی اس کے کہنے کے بموجب تین روز تک لاش کو ویسا ہی رہنے دیا۔ سب سے عجیب بات یہ نظر آئی کہ تین روز گزرنے پر بھی اس کی لاش میں سے کسی قسم کا تعفن پیدا نہیں ہوا۔ تین روز بعد اس کا جنازہ اٹھایا۔ اور قبرستان لے جا کر لوگ اس کو ہمیشہ کے واسطے اپنے سے جدا کر آئے۔ حکومت افغانستان اس معاملہ میں اس قدر متاثر ہوئی کہ اس کی قبر پر دو آدمیوں کا پہرہ لگا دیا تاکہ لاش پر کسی وقت کوئی شخص حملہ نہ کر بیٹھے۔ لیکن اسی رات کا ذکر ہے کہ پہرہ دار کہیں اونگھ رہے تھے اور اونگھتے اونگھتے ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبر اندر سے پھٹی ہوئی ہے۔ اور لاش غائب ہے۔ اتنا واقعہ تو حرف بہ حرف صحیح اور چشم دید ہے بعد میں یہ بھی سنا گیا تھا کہ یہ لڑکا پھر ہندوستان کے کسی حصہ میں چلتا پھرتا نظر آیا تھا۔

مسٹر نذیر احمد خاں شاد ہندوستانی

مزدور لیڈر

جیون ایک کہانی ہے۔ ۔ ۔

دھن کی چاٹ کسے نہیں ہوتی۔ سب ہی لوبھی ہوتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ۔ زیادتی ہر چیز کی بُری ہوتی ہے یہ آپ بھی جانتے ہیں۔ اور ہم بھی مگر پھر بھی اس کے سُندر جال میں مُور کھ منش پھنس ہی جاتا ہے۔ رمیش کی عمر ہی کیا تھی بس ہی سترہ اٹھارہ سال کا دیہاتی لڑکا۔ جس کی تعلیم اُردو مڈل تک تھی، جب وہ گاؤں سے نوکری کرنے چلا تو اس کے من میں کیسے سُندر سپنے ناچ رہے تھے۔ وہ سوچتا تھا کہ جب وہ شہر جائے گا۔ لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس کی کم عمری پر اتنا علم دیکھ کر لوگ دانتوں تلے انگلی دبالیں گے۔ سینکڑوں آدمی اس کے چرن چھوئیں گے اور وہ کسی اچھی جگہ لگا دیا جائے گا۔ جہاں یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔ اور پھر۔ ۔ ۔ جب ایک برس بعد وہ گاؤں آئے گا تو روپیہ کے بوجھ سے وہ چل بھی نہ سکے گا۔ قیمتی کوٹ پتلون پہنے، منہ میں سگریٹ لگائے۔ صاحب لوگوں کی طرح وہ موٹر پر گاؤں میں آئے گا۔ اس کا بوڑھا پٹواری باپ اس کو دیکھ کر کتنا خوش ہوگا۔ زمیندار صاحب اس سے ملنے خود آئیں گے۔ اور پھر وہ "رملا" کی بات اس کے باپو سے کریں گے۔ میں دھوم دھڑکا کر دوں گا وہ خوشامد کریں گے۔ ۔ ۔ ۔

ایسے ہی نہ جانے کتنے سونے کے محل اس کے من میں بنتے اور بگڑتے رہے۔ ۔ ۔ ۔ شہر آ کر معلوم ہوا کہ وہ تو نہ نوین ہے نہ تیرہ میں کوئی اس کو ٹکے کو بھی پوچھنے والا نہیں۔ آخر۔ ۔ ۔ گھبرا کر وہ ایک مل میں مزدور ہو گیا۔ سارے سپنے ٹوٹ گئے۔ ۔ ۔

ایک دن میں دھنی بن جاتا کسے بھلا نہیں لگتا۔ ۔ لال جھنڈے کے [illegible] کی شام کو جب کامریڈ مل کے دروازے پر آتے [illegible] مزدوروں کو اکٹھا کر [illegible] مل مالک [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible]

تمہارے بل بوتے پر لاکھوں کما کر اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں۔ موٹروں پر اڑے پھرتے ہیں، بنگلوں میں رہتے ہیں۔ بجلی کے پنکھوں تلے سوتے ہیں۔ یہ ڈاکو ہیں سماج کے ڈاکو۔ غریب کے پیٹ کے ڈاکو۔ ۔ ۔ " تو وہ کتنا خوش ہوتا اور لال جھنڈے والے کامریڈ کے لئے اس کے دل میں محبت کا سمندر موجیں مارنے لگتا۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد جب وہ یہ سنتا کہ اگر سب مزدور ایکا کر لیں گے تو یا تو مل مالکوں کا دیوالہ نکل جائے گا، یا پھر وہ مزدوروں کے ساتھ برابری کا برتاؤ رکھے گا۔ ان کے رہنے کے لئے بھی بنگلے نہیں گے۔ بجلی کے پنکھے ہوں گے چڑھنے کو موٹریں ہوں گی، اور کام، کام بس چھ گھنٹے کرنا ہوگا تنخواہ بڑھ جائے گی۔ اور وہ بھی مزدور سے دھنی ہو جائیں گے تو اس کا جی چاہتا کہ ابھی سب مزدوروں کے گلے میں باہیں ڈال کر سب کو ایک ہو جانے کو کہہ دے اور وہ اس کے کہنے کو مان لیں۔ ۔ پھر پھر وہ رئیس ہو جائے گا۔ اور اس کے گاؤں کے سپنے پورے ہو جائیں گے۔ وہ ہر سنیچر کو یہی ساری باتیں سنتا۔ بڑے دھیان اور پیار سے۔ اسے پوری آشا تھی کہ ایک دن ضرور ایسا ہوگا۔ ۔ ۔ وہ برابر یہ سب باتیں سنتا رہا۔ ۔ ۔

ایک دن لال جھنڈے والے کامریڈ نے ایک ہرے رنگ کی کاپی نکالی اور مزدور سبھا کے ممبر بنانا شروع کئے ہر مزدور جو چار آنے دیتا اس کا نام پتہ لکھ کر وہ ایک چٹ پھاڑ کر اسے دے دیتا۔ رمیش بھی ممبر ہو گیا۔ مزدور سبھا کا ممبر اور وہ دفتر بھی جاتا۔ اس کو بتایا گیا کہ یہ دھنی سیٹھ کچھ نہیں کرتے۔ غریب کا کھاتے ہیں۔ اور یہ بیٹھے بیٹھے کھاتے ہیں۔ [illegible] اور یہ مزدور [illegible] مزدوروں کو چاہئے کہ [illegible] [illegible] ۱۱ [illegible]

کمائی کو سجا کر رکھیں۔ ہاتھ کا بنا ہوا سادہ کپڑا پہنیں اور لال جھنڈے تلے اکٹھا رہیں۔ بل ملکوں کو لوٹ کر ہر مزدور سیٹھ بنا دیا جائے گا۔ جو کچھ آمدنی ہوگی وہ سب بھائیوں میں برابر بانٹ دی جائے گی۔ نہ کوئی بڑا ہوگا نہ چھوٹا۔ سارے پاپ کٹ جائیں گے۔ وہ وہاں کی کمیٹی کے پریسیڈنٹ سے ملا۔ انہوں نے بھی یہی سب باتیں دھرا دیں۔ وہ من میں سوچ رہا کہ کتنے اچھے یہ لوگ ہیں۔ ۔ ۔ ہے ایشور! مزدوروں کے لئے، دوسروں کے لئے یہ لوگ اپنا جیون بتا رہے ہیں، نہ کام کرتے ہیں نہ کاج، کتنے مشکل سے ان کا گزر ہوتا ہوگا۔ کتنے اچھے ہیں یہ لوگ۔ یہ سوچ کر وہ چاہتا کہ مزدوروں غریبوں کی خدمت وہ بھی کرے۔ ۔ آخر اس نے نوکری چھوڑ دی!

اب وہ بھی جلسوں میں تقریریں کرنے لگا۔ وہی جو اس کو سنائے گئے تھے، کچھ دن تو بچی بچائی پونجی چلی مگر کب تک چلتی! ایک دن وہ بھی آنے والا تھا کہ وہ بھوک سے مر جاتا۔ ۔ اس نے دیکھا کہ پریسیڈنٹ، سکریٹری اور سارے دفتر والے ہوٹلوں میں کھاتے ہیں، صاف کپڑے پہنتے ہیں اور صدر سکریٹری تو رات کے ایک ایک بجے گھر لوٹتے ہیں آخر وہ کہاں سے کماتے ہیں، اتنی رات گئے کہاں سے لوٹتے ہیں، اور ساتھ کئی کام کرنے والی بہنیں سگریٹ کیوں پیتی ہیں۔ رات کو دیر تک کہاں رہتی ہیں۔ غیر مرد، غیر عورت۔ اور اس کے دل میں "پاپ" کا تخیل ابھرنے لگا۔

ایک دن وہ صدر کے ساتھ ہو لیا۔ دور دور وہ ایک شراب خانہ میں گیا۔ یہ وہ بیٹھا دیکھا کیا اس نے وسکی کے گلاس پر گلاس خالی کئے۔ چینی کی پلیٹوں میں کھانا کھا کر وہ چل دیا۔ اسی بازار کی طرف جہاں جسم بیچے اور خریدے جاتے ہیں۔ ۔ ۔ تو کیا وہ بھی اسی کا بیوپاری ہے۔ لال جھنڈے والا کامریڈ نہیں وہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ۔ مگر یہ کیا۔ لو! وہ تو ایک بیسوا عورت کے کوٹھے پر چڑھ گیا۔ لڑکھڑاتا ہوا شرابی، اُف دنیا اسی کا نام ہے کیا؟ وہ یہ سوچتا ہوا لوٹ رہا تھا کہ سامنے بائیسکوپ میں بھیڑ دیکھ کر ٹھہر گیا۔ وہاں یوسف آفندی یعنی سکریٹری، کملا بہن کے ساتھ کھڑے تھے وہ بڑھا کہ ان سے صدر کے کرتوت بیان کرے کہ ایک بڑی سی کار زن سے آکر رکی اس میں بیٹھا ہوا آدمی اسی مل کا مالک تھا جس میں رمیش کام کرتا تھا۔ اس نے گاڑی روک کر کملا کو گاڑی میں برابر بٹھا لیا۔ یوسف کی طرف کچھ نوٹ بڑھا دیئے اور حکمانہ لہجے میں بولا "یوسف، کل شانتی کی بالکی ہے اس کو اودین مل کا مالک یا وہ مسلمان کمشنر دے لے جانے پائے ورنہ یاد رکھو کہ جو رقمیں تم لوگ پا رہے ہو وہ بند ۔ کل شانتی ہمیں ساتھ رہے گی"، اور کامریڈ یوسف نے سر تسلیم خم کر کے جواب دیا "سرکار کا جو حکم ہوگا وہی ہوگا"

کار آگے بڑھ گئی، کملا بہن کو لئے ہوئے، کامریڈ یوسف نے جلدی سے قلینچی مار کر سگریٹ خریدی اور بالکونی کا ٹکٹ خرید کر سینما میں گھس گیا۔ ۔ ۔ رمیش اپنی جگہ پہ جم گیا۔ کیا دنیا اسی کا نام ہے۔ کیا یہ سب ٹھیک ہوتا ہے۔ کیا وہ زبان سے وہی کہتے ہیں جو کرتے ہیں، کیا یہ عورتیں بہنیں اور مرد کامریڈ کہلانے کے حق دار ہیں۔ کیا ان کے جیون اتنے گندے ہیں۔ اس کا جی متلانے لگا۔ ۔ ۔ اس کی سمجھ میں آ گیا کہ لیڈری کیا ہے اور مزدور کو کتنا دھوکا دیا جا رہا ہے۔ ۔ ۔ !

ایسی سبھاؤں کے نیتا کہاں سے روٹی پاتے ہیں اور کیسا اپنا جیون مزدور اور غریب کی رکشا پر مٹا دیتے ہیں۔ اگر سیٹھ کچھ نہیں کرتے اور مزدور کی محنت پر زندہ ہیں۔ تو مزدوروں نے آج تک خود کوئی کارخانہ کیوں نہیں کھول لیا۔ ۔ اور بیوپار میں تو نفع بھی ہوتا ہے نقصان بھی۔ پھر سیٹھ کیسے حرام کا کھاتے ہیں وہ اپنی دولت جواری کی طرح داؤں پر لگا دیتے ہیں اگر پانسہ پلٹ گیا تو وہ کہیں کے بھی نہیں رہتے مگر مزدور ایک جگہ کام چھوڑ کر دس جگہ کر سکتا ہے۔ کون زیادہ محنت کرتا ہے کون زیادہ [illegible] ہے۔ مزدور تو چین سے رات کو سوتا ہے مگر [illegible] وہ کیسے سو سکتا ہے۔ آخر [illegible]

بیسویں صدی میں ہندوستان

زمانے کی نیرنگی کوئی نئی چیز نہیں، انقلابات ہمیشہ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ اوراقِ تاریخ شاہد ہیں کہ "ہر کمالے را زوال"۔ جہاں عروج ہے وہاں پستی کا آنا لازمی ہے اور جہاں پستی ہے وہاں عروج کی آمد یقینی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ بھی اسی قانونِ قدرت کے تحت رہی ہے۔ یہاں کی تہذیب و تمدن۔ اخلاق و معاشرت۔ اقتصادیات اور صنعت و حرفت نے جو ترقی کی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہندوستانی اخلاق کی حکایات آج تک غیر ممالک میں ہر خاص و عام کی زبان پر ہیں۔ اقتصادی ترقی نے اس ملک کو جنت نشان کا دلکش خطاب دلایا۔ صنعت و حرفت نے جو خراجِ تحسین وصول کیا وہ بقائے دوام حاصل کر چکا ہے مگر آج ہندوستان کی وہ تمام خوبیاں افسانہ ہائے ماضی سے زیادہ نہیں۔ خلق و محبت جو انسانیت کے خاص جوہر ہیں۔ اس طرح غائب ہو گئے۔ جیسے کبھی وجود ہی میں نہ آئے تھے۔ دولت جس نے اس ملک کو ممتاز بنایا تھا آج اس طرح غائب ہو گئی، جیسے ہندوستان نے کبھی اس کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کی مرفہ الحالی کو دیکھ کر کہا جاتا تھا "اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است"۔ یہاں کے باشندے توانائی اور وجاہت میں مشہور تھے۔ ہر شخص کو پیٹ بھر کر ملتا امیر و غریب اپنے اپنے حال میں مست تھے۔ زمانے میں چین کی بنسی بجتی تھی آنکھوں سے مسرت ٹپکتی تھی۔ لوگ مسرور [illegible] ضرورت کے مطابق اپنا تن ڈھانک سکتے تھے ہر شخص کو [illegible] جو [illegible] ہو گئے میں [illegible] پر جشن منائے جاتے تھے [illegible] کے لئے [illegible] بے چین ہو جاتی [illegible] ہم نے [illegible] حاضر [illegible]

کی آرزو اور یاد میں آج سر دھنتے ہیں مگر وہ زمانے بھی کیسے خواب و خیال ہو گئے۔ آج جن کے لئے ہم بیتاب ہیں وہ اس طرح منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ گویا ہم سے اور اُن سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ آخر ہم انہیں کی اولاد ہیں جن کے زمانہ نے ناز اٹھائے تھے اور اس پر اس طرح بیگانگی۔

آہ ہندوستان آج تیری فضا کس قدر مغموم ہے ممکن نہیں کہ دیدۂ بینا دیکھے اور اشکِ خونیں نہ بہائے۔ کیا یہ وہی ہندوستان ہے جس کے باشندے گزشتہ زمانہ میں فکرِ معاش سے آزاد تھے۔ ایک شخص اتنا پیدا کر لیتا تھا کہ تمام خاندان کی گزر اوقات کے لئے کافی ہوتا تھا۔ لیکن آج ہندوستان کو ہر طرف سے مصائب و افکار کی طوفان خیز امواج نے اس طرح گھیرا ہے جیسے ماہِ نیم ماہ کو سیاہ بادل احاطہ کر کے اس کی حسین روشنی کو مکدر کر دیتے ہیں۔ کتنی تعجب خیز بات ہے کہ جو ملک کاشتکاری کا تمغۂ امتیاز لئے ہوئے ہو۔ اور وہاں کی نصف سے زیادہ باشندے روٹی تک کو محتاج ہوں۔ پردے میں بیٹھنے والیاں روزی کمانے کے لئے ناصیہ فرسائی کرتی نظر آئیں۔ صنفِ نازک جس کے لئے گھر ہی کے فرائض کم نہیں ہوتے وہ اس طرح پیٹ پالنے کی خاطر چند پیسوں کے لئے شاہراہِ عام پر محنت و مشقت میں مشغول نظر آئے۔ کیا اس سے زیادہ دردناک تصویر اور ہو سکتی ہے کہ وہ بچے جن کی عمر کھیل کود میں گزارنے کی ہو زمانہ کی سفاکی سے تنگ آ کر مزدوری کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ لازمی بات ہے کہ جس نوجوان نے دس برس کی عمر ہی سے مزدوری و مشقت سے زندگی شروع کی ہو۔ وہ شباب کی بہار سے کیا لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسے پھول کی سی ہے جو کھلنے سے قبل ہی مرجھا جائے۔ مزدور عورتیں تمام [illegible] مزدوری کرتی ہیں

اور مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ اس لئے کہ اگر ایسا نہ کریں تو ان کو فاقہ کشی اور موت سے دوچار ہونا پڑے بلکہ اس بیسویں صدی میں ایسے بھی بہت سے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ بہت سے انسانوں نے فاقہ کشی سے تنگ آکر جان دیدی ہے۔ غریب مائیں جس لخت جگر کو نو مہینے پیٹ میں ہزاروں آرزوں کے ساتھ رکھتی ہیں۔ وہ بہت جلد انہیں داغ مفارقت دے جاتے ہیں اس کے وجوہات دل ہلا دینے کے لئے کافی ہیں۔ ایام حمل میں عورت کو اچھی اور مناسب غذا ملنی ضروری ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد کافی عرصہ تک آرام درکار ہے مگر یہاں بالکل الٹی گنگا بہتی ہے۔ آرام تو کجا پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں جو اولاد ہو گی وہ یقینی کمزور اور موت کا جلد از جلد شکار ہو گی۔ ہماری مفلسی کی بڑی وجہ ہماری جہالت اور غلامانہ زندگی ہے وہ قوم کس طرح تندرست اور خوشحال ہو سکتی ہے جس کے افراد غیر قوم کے غلام ہوں۔ آپس کا نفاق خود غرضی، چالاکی اور تعصب نے ہندوستانیوں کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ بے لوثی سے اپنے مستقبل کی فکر کریں اور موجودہ دور نکبت کو خوشحالی سے بدلنے کی سعی کریں کہاں گئے وہ صاف دل و روشن دماغ شاہان ہند جن کے وقت کا ہر لمحہ رعایا کی فلاح و بہبود اور ترقی کی کوشش میں صرف ہوتا تھا۔ آج ہمارے دل ان کی جستجو اور ہماری آنکھیں ان کے دیدار کی جویا ہیں۔ ہمارے خالی پیٹ ان کے لنگر خانوں اور ہمارے پژمردہ حوصلے ان کی ہمت افزائی کے کلمات کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ہندوستان کی دولت جس سے غیر اقوام مزے کر رہی ہیں۔ آج وہی ہندوستان کے لئے مچھلی کا کانٹا بن کر اس کی آزادی کے آڑے آرہی ہیں۔ اور اس دولت مند ملک کے باشندے مادر گیتی پر نیم برہنہ فاقہ مست فرش زمین پر زندگی کی جد و جہد کے لئے پڑے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔

بیسویں صدی کی مستورات میں چاند بی بی رضیہ سلطانہ اور نور جہاں کا سا بہادرانہ جذبہ، خدمت ملک و قوم کا احساس اور قربانی کا جذبہ ہی نہیں ہے۔ ورنہ ہماری مفلسی اور دردناک زندگی کا خاتمہ آج سے کئی سال پہلے ہی ہو گیا ہوتا۔

آیئے ہم ایک بار پھر اپنے مردہ افسانوں میں رنگ آمیزی کریں۔ فرسودہ حالی کو خوش حالی اور ماتمی نغموں کو پُر مسرت شادیانوں میں تبدیل کر دیں۔ تاکہ ہمارے آباؤ اجداد کی روحیں ہمارے ایثار و ہمت پر مرحبا کہنے لگیں اور دنیا کی دیگر اقوام پر بھی یہ ظاہر ہو جائے کہ اس دور میں بھی ہندوستان میں اکبر اعظم، ٹیپو سلطان جیسے بہادر اشخاص اور حضرت خولہ، نور جہاں، رضیہ سلطانہ اور رانی جھانسی جیسی اولوالعزم مستورات کی کمی نہیں ہے

صدیقہ بانو۔ الہ آباد

سچی خوشی (بقیہ صفحہ ۳۲)

کیا تم شمسہ کو اب ہمارے پاس چھوڑ دو گی۔ میری بہن نے فوراً شمسہ کو آواز دی اور اسے چمکار کر بولی "شمسہ تم فریدہ کے پاس رہو گی؟ یا میرے ساتھ چلو گی"

اس نے کچھ تامل کیا۔ اس کا چہرہ حیرت سے سفید ہو رہا تھا۔ وہ سہم کر ہمیں دیکھنے لگی۔ پھر بولی "میں بجیا کے ساتھ رہوں گی" اور خوشی سے اچھلتے کودتے دونوں باہر بھاگ گئے۔ اس وقت مجھے یہ اندازہ ہوا کہ سچی خوشی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے۔ جب ہم اپنے عمل سے دوسروں کا دل خوش کرتے ہیں۔ (ترجمہ)

جمیلہ بیگم کلکتہ

کسی ماہ کا پرچہ ڈاک خانہ کی غلطی یا آپ کے ملازموں کی غفلت سے آپ کو نہ ملے تو [illegible] نمبر کے حوالہ سے دفتر کو فوراً اطلاع دیجیے ورنہ [illegible]

سچی خوشی

ابھی ابھی میں ایک کمرشل کالج سے اپنی ٹریننگ کی تکمیل کا سرٹیفکیٹ حاصل کر کے آئی تھی اور مجھے بہت ہی جلد ایک اچھی ملازمت حاصل کرنے کا یقین تھا۔ اس کے ساتھ ہی اقتصادی زندگی کی آزادی کا خوشگوار خواب دیکھ کر ہی دل ہی دل میں پھولی نہ سماتی تھی۔۔۔ مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ یہ ایک شریف النفس محنتی اور بہت ہی ہونہار نوجوان تھے قسمت میں ان سے بیاہ ہونا لکھا تھا کہ آخر دو ماہ کی ملاقات کے اندر اندر ہم دونوں کی شادی ہو گئی اب جب کبھی میں سوچتی ہوں تو یہ ایک خواب سا محسوس ہوتا ہے ہاں ایک ایسا شیریں خواب کہ جاگنے پر بھی اس خوش آیند خیال سے میں دل میں سکون محسوس کرتی تھی۔

کبھی کبھار زبیری صاحب مجھ سے پیار سے کہتے "تم میرے اس جٹ منگنی پٹ بیاہ کرنے پر کبھی نہیں پچھتاؤ گی۔ میں نے ایک ہی نظر میں اندازہ کر لیا تھا۔ ہاں پہلی ہی نظر میں کہ۔۔ تم ہی ایک ایسی ہمہ صفت موصوف لڑکی ہو جس کو میں انتخاب کر سکتا ہوں اس لئے میں نے دیر مناسب نہ سمجھی۔"

مجھے اپنا مختصر سا مکان بہت پسند تھا میں نے اپنے اس ننھے مکان کو موزوں اور مناسب سامان سے آراستہ کر کے نہایت خوشنما اور خواب آور بنا لیا تھا میں خود ہی کئی روز کی شاپنگ نپٹ کے روز کر لیتی کھانا تیار کرتی اور مکان کو صاف ستھرا اور چمکیلا بنائے رکھتی لیکن اس دو شخص کے ننھے سے گھروندے میں تھا ہی کیا کام۔ تھوڑی دیر میں سب کچھ انجام دے کر میں بیکار بیٹھی مکھیاں مارتی یا ناول پڑھتی لیکن اس سے مجھ جیسی ہنرمند لڑکی کی کاروباری تشنگی کی تسکین کیوں کر ہوتی میں ملازمت کرنا چاہتی تھی اور اقتصادی آزادی کا ایک دم سے خیال کو دل میں [illegible] رہا تھا لیکن زبیری صاحب [illegible] [illegible] [illegible] کا خواب

اور ہے اور اس پر عمل کرنا ایک ٹیڑھی کھیر ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ ملازمت آسان ہے۔ مگر نہیں بیگم اس میں ہزاروں پابندیاں سینکڑوں دشواریاں اور الجھنیں ایسی ہیں کہ کام کرنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس خیال خام سے باز آؤ۔"

بظاہر میں خاموش ہو گئی۔ مگر مجھے ہر دم اپنی بیکاری اور پابندی پر افسوس ہوتا۔ اور کبھی اپنی تعلیمی جد و جہد کو بے مصرف چھوڑنے کا صدمہ ہوتا۔ گویا میری زندگی بڑی مصیبت میں پڑ گئی تھی اتنے میں میرے شوہر زبیری صاحب کو فوج میں ایک عہدہ مل گیا۔ اور انہیں بادل نخواستہ گھر بار چھوڑ کر فوج میں شرکت کرنی پڑی۔

اب گھر کی تنہائی مجھے کاٹنے کھاتی تھی۔ شوہر سے اجازت حاصل کر کے میں نے ایک مقامی آفس میں ٹائپسٹ کی ملازمت قبول کر لی کئی روز تو کام کی نوعیت نے مجھے فلک پر چڑھائے رکھا میرا دماغ عرش بریں پر تھا۔۔۔ ہاں میں برسرکار تھی۔ میں نے اپنی کامیابی اور نئی زندگی کی چہل پہل کا تذکرہ اپنے شوہر سے خط میں کیا۔۔۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ نشہ ہرن ہونے لگا اور میں آہستہ آہستہ حقیقت پر اترنے لگی۔

۔۔ یکایک زبیری صاحب کے طویل و پر لطف خطوط کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کئی کئی ہفتوں مدہوشی کے عالم میں میں اپنے محور پر مشین کی مانند گھومتی رہی۔ فرائض منصبی انجام دیتی رہی مگر زندگی بدمزہ اور بے معنی رہ گئی تھی۔ کھانے پینے میں لطف نہیں آتا۔ دل ہر دم اڑا اڑا سا رہتا۔ آہ! اب مجھے معلوم ہوا کہ ان کی جدائی میں زندگی بے معنی سی رہ گئی ہے۔ اتنے میں ایک شام دفتر سے آنے پر ان کے واپس آنے کی چٹھی ملی۔ گویا میں آ کر دوسرے روز اسٹیشن پہنچی جس وقت ٹرین آئی اور اس میں سے میرے زبیری تندرست اور صحیح سالم باہر آئے تو گویا میری روح قالب سے نکل کر [illegible] لگی میں فوراً ان کے استقبال کو آگے بڑھی۔

ایک سال ہاں ایک سال کی جدائی کے بعد دیدار محبوب کوئی

آسان بات نہ تھی۔ میرے شوہر نے اس مسرت کا اندازہ خوب کیا۔ میں نے کہا کہ "آہ یہ ایک سال میں نے قیامت کی طرح گزارا ہے۔" آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر خوشی سے چھاتی پھٹی جا رہی تھی۔

میں نے اسی وقت اسٹیشن پر اعتراف کر لیا۔ "ہاں زبیری صاحب آپ کی بات بالکل درست نکلی۔ کاروباری زندگی ہم عورتوں کے لئے بے حد صبر آزما ہوتی ہے۔ ہمارے لئے اپنے گھر کا کونہ ہی بہشت ہے۔ آج سے میں صرف تمہاری بیوی اور گھر کی نگراں ہوں دفتر کو دور سے سلام۔" میں نے یہ کہہ کر فرطِ مسرت سے زبیری کی طرف دیکھا۔ زبیری کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دلی مسرت کے ساتھ کہا۔ "میری زندگی میں سچی خوشی کا یہ بیش قیمت لمحہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔"

میں نے اپنے شوہر اجیت کی طرف حسرت سے دیکھا۔ وہ کس قدر زرد اور دُبلے نظر آ رہے تھے میں نے سوچا کہ ان کے آنے سے پیشتر میں کس قدر خیالی تمنائیں رکھتی تھی کہ اِدھر وہ سمندر پار جنگ کی فتنہ سامانیوں سے واپس آئے اور میں نے اپنی چھوٹی سی گُڑیا کو آباد کرنے کی فکر کی۔ ان کے لئے ان کے پسندیدہ کھانے پکاؤں گی ان کے لئے مکمل آرام کا بندوبست کر دوں گی کیونکہ اتنی مدت شور و ہنگاموں کی دُنیا میں رہنے کے بعد انہیں کچھ تو آرام اور راحت نصیب ہو جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ میدانی شور و شغب کی انتہائی بے چینیوں کی یاد بھول جائیں لیکن شومیٔ قسمت کہ میں سخت بیمار پڑ گئی اور ان کی واپسی سے کئی ہفتہ پیشتر بستر پر دراز تھی ڈاکٹروں کا حکم تھا کہ مجھے مکمل آرام چاہیے اور یہ کہ میں بستر نہ چھوڑ سکوں۔ اس لئے ہسپتال میں گئی تھی پریشانی سے میری بُری حالت تھی صاحبِ اولاد ماؤں کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ گھر پر یار دوستوں کے رحم و کرم پر ننھے ننھے بچوں کو سونپ کر بیمار ماں اسپتال میں پڑی کیا آرام کر سکتی ہے۔ جس وقت اجیت واپس آئے اور مجھے دیکھنے ہسپتال آئے تو میری آنکھوں نے ساری داستان سُنا ڈالی اور انہوں نے مجھے مطمئن کرنے کے لئے یقین دلایا کہ تم فکرمند نہ ہو۔ اب تو میں آگیا ہوں۔ میں گھر جاتے ہی بچوں کو اپنی نگرانی میں لے لوں گا۔ اور سب کام درست ہو جائے گا۔ کیونکہ ابھی مجھے واپس جانے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم آرام کرو اور جلد اچھی ہو جاؤ۔

"لیکن جناب بچے سنبھالنا بہت ہی سخت کام ہے اور گھر چلانا۔" میں نے کراہ کر کہا۔ "بچی ابھی تک بوتل پیتی ہے۔ دس بجے رات کو آخری خوراک دینی ہوگی۔ وہ تم سے مانوس نہیں۔ دودھ نہیں پئے گی۔ تمہیں ستائے گی۔ رمیش ایسے شریر ہیں کہ سارے گھر میں دوڑتے پھریں گے۔ اور ہریش تو ایسا پیٹو ہے کہ اگر آپ خیال نہیں رکھیں گے تو وہ رسوئی کی ساری چیزیں کھا جائے گا بلکہ تاکید نہیں رکھتی تو کتے کی ہڈیاں بھی چھوڑنے والا نہیں۔ آہ تمہیں ایک منٹ کو بھی گھر میں چین نصیب نہ ہوگا ... میرے بغیر!"

اس کے کوئی تین ماہ بعد میں ہسپتال سے تندرست ہو کر گھر لوٹی۔ میں اچانک آ گئی تھی۔ اس لئے بچوں کا شور و غل سُن کر اجیت پھاٹک تک آ گئے ٹیکسی والے کا کرایہ چکایا اور مجھے اندر لے چلے۔ میں پریشانی کے ساتھ اُن کا منہ تکنے لگی انہوں نے محبت سے مجھے دیکھا۔ ان کا چہرہ تندرستی سے اب سُرخ ہو رہا تھا۔ میں نے چلا کر کہا۔ "آہا! سوامی جی آپ تو اب اس قدر دُبلے نہیں جیسا کہ میدانِ جنگ سے واپسی پر تھے۔ اور ہاں تم تو بڑے خوش اور بشاش بھی نظر آ رہے ہو۔ ان فتنوں نے تمہارا ناک میں دم کر دیا ہوگا۔ کیوں؟ اور یہ کیا جی! یہ نئی چار دیواری کیوں بنا ڈالی۔ یہ دیوار تو بڑی مضبوط اور خوبصورت معلوم ہو رہی ہے۔"

"اجی یہ تو تمہارے لاڈلوں کو اندر رکھنے کے لئے تیار کی گئی ہے اندر آؤ رانی۔ ادھر ہاں دیکھنا! اب میری تربیت میں منّا تمام رات کیسی آرام کی نیند سوتا ہے۔ بس جہاں میں نے اپنی فوج کی کہانی سُنائی اور وہ سو گیا۔"

جب میں اندر گئی تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اجیت اپنی زندگی کی ذمہ داریوں سے اکتائے نہیں بلکہ صحیح معنوں میں لطف اٹھا رہے تھے میں نے ان کی طرف تشکر کی نظر سے دیکھا۔

اچیت مجھے کیسی رہی؟"

انہوں نے منہ اوپر اٹھا کر دیکھا اور کہا "سچ کہتا ہوں مجھے بس اسی قسم کے کاموں میں مصروف رہنے کی ضرورت تھی جن سے میں اپنی گزشتہ صبر آزما اور بے کیف زندگی کو بھلا سکتا تھا۔ چنانچہ ان مصروفیتوں نے ان تمام پریشان کن خیالات کو دل سے مٹا ڈالا۔ کیونکہ نہ تو مجھے سوچنے اور فکر کرنے کا موقع ملتا تھا اور نہ کسی مصیبت کو یاد کرنے کا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، مگر یہ خوشی کے آنسو تھے اور یہ لمحے میری زندگی میں سب سے بڑھ کر مسرت خیز اور سرور آگیں تھے۔

میرے ابا گزشتہ جنگ عظیم میں مارے گئے تھے اس صدمے سے میری والدہ جنگ آزمائیوں کی سخت مخالف نظر آتی تھی۔ اور جنگی جدوجہد کو بہت ہی خطرناک سمجھتی تھیں۔ جنگی فضا سے انہیں کلیتہً نفرت ہو چکی تھی۔

ایک دن اسکول میں میرے ایک ٹیچر نے کہا کہ وہ W.A.A.F میں شرکت کرنے جا رہی ہیں۔ بس پھر کیا تھا میرے دل میں بھی یہ شوق از سر نو زندہ ہو گیا۔ میں نے اپنی امی سے اس کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مجھے اس میں داخلہ کا بہت شوق ہے۔ یہ سننا تھا کہ والدہ خفا ہونے لگیں۔ انہیں غش پر غش آنے لگے۔ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ اب تو یہ سوال ہی عبث تھا۔ میں نے دم سادھ لیا۔ کون بلا اپنے سر مول لیتا۔ دوسرے میں نے اپنے فرائض کو خواہش دل پر ترجیح دے کر جنگی خدمات کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

ایک رات سوء اتفاق سے میں والدہ کے ہمراہ پکچر دیکھنے گئی۔ وہاں جنگ کی تصویر دکھائی جا رہی تھی۔ جب پکچر دیکھ کر ہم گھر آنے لگے تو امی نے کہا "پیاری! میں نے سخت غلطی کی اور تمہیں اپنے فرض سے روک دیا۔ میں بڑی خود غرض اور [illegible] تھی۔ [illegible] اب تو تمہیں ساری [illegible] اچھی [illegible] قوم کی خدمت [illegible] تمہیں خواہش ہو تو

W.A.A.F میں جا سکتی ہو۔"

میری ماں بے حد خوش تھیں۔ اور مجھے اپنے ہم قوم بھائیوں کی خدمت اور اپنے ملک کی خدمت کر کے کیا بتاؤں کیا مسرت ہوئی۔

جب میرے بیٹے اصغر نے خط لکھا کہ اسی ماہ کے آخر میں جنگی خدمات سے سبکدوش ہو کر وہ گھر آ جائے گا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میں پھولی نہیں سماتی تھی۔ کہ میرا بچہ اب اصل خیر سے گھر آ جائے گا۔ ادھر میں گھر کی صفائی میں مصروف ہوئی۔ اور جلد سے جلد نشست گاہ کو آرام دہ بنانے کا پلان سوچ ہی رہی تھی کہ بہو نے کہا "اماں جان! ہمیں ایک مکان دیکھنا پڑے گا۔ آخر اصغر آکر رہیں گے کہاں؟"

میں چونک پڑی گویا مجھ پر بجلی گر گئی "کیوں کیا یہ اصغر کا گھر نہیں ہے۔ پہلے تو اس میں اس کے ابا مرحوم بھی رہتے تھے کیا اب اس میں اتنی جگہ بھی نہیں رہی۔ دوسرے اس وقت خالی مکان تمہیں ملے گا کہاں؟"

میری بہو بلقیس نے جھک کر میری پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا "اماں میں تلاش کر لوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ اور یہاں اس گھر میں جگہ ہے کیوں نہیں۔ مگر ہمیں تو اپنی جھوٹی سی دنیا بسانا ہے۔" یہ کہہ کر بہو باہر نکل گئی۔

مکان تلاش کرنے میں وہ دن بھر سرگرداں رہی۔ اور کئی روز گزر گئے مگر مکان نہ ملنا تھا نہ ملا۔ میں اپنی ایک سہیلی کو جانتی تھی۔ اس نے مجھ سے بہت دنوں سے کہہ رکھا تھا کہ میرے مکان میں ایک کمرہ خالی ہے۔ کوئی کرایہ دار ہو تو دے دینا۔ اس کی یاد دہانی کا خط بھی آیا۔ مگر میں نے بہو پر اس بات کا اظہار نہیں کیا۔ کئی روز تک جب تلاش کرتے گزر گئے اور مکان نہ ملا تو مجبور ہو کر گھر کی صفائی شروع کر دی۔ اور نشست گاہ کو سجانے لگی میں نے اپنی رہائش کے لئے سب سے آخری کمرہ پسند کر لیا۔ تاکہ ان کے درمیان حائل نہ ہوں کہ

اتنے میں بہو کر ہماری کتابوں کی الماری سے تصویر کی البم مل گئی اُس نے الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا اور سوء اتفاق سے اس میں میرے خسر مرحوم کی نوجوانی کی تصویر جو شادی کے کچھ دنوں بعد نیا مکان لینے پر کھنچوائی گئی تھی۔ اُس نے ڈھونڈھ نکالی اور مجھے دکھلا کر کہنے لگی "دیکھئے اباجان مرحوم بالکل اصغر کی طرح تھے۔ وہی شکل وہی انداز"

بے ساختہ میرے مُنہ سے نکل گیا۔ اور ہاں یہ ہمارا پہلا فلیٹ تھا جو شادی کے بعد ہم نے لیا تھا۔ صرف تین کمرے تھے۔ اور ہاں اس چہار دیواری کے اندر ہم کس قدر خوش تھے۔ آہ! صرف ہم دونوں تھے مگر کیسے خوش!

بلقیس میرے مُنہ کو غور سے تکنے لگی۔ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ جس طرح میں اپنی دُنیا علیحدہ بنانے کی مسرت اندوزیوں میں نہال تھی۔ اسی طرح یہ شوق اس وقت بہو کے دل میں ہے۔ پھر مجھے کیا حق ہے کہ ان کی مسرتوں کو پامال کروں۔ ان کی تنہائی میں مخل ہوں۔ مجھے اس وقت اپنی ساس کی طرف سے رکاوٹ یاد آگئی۔ میں نے کہا "بلقیس تم سچ کہتی ہو۔ نئے جوڑے اپنی ننھی سی کُٹیا ہمیشہ الگ تعمیر کرنا پسند کرتے ہیں۔ ٹھیرو میں انتظام کرتی ہوں"

چنانچہ میں نے اپنی سہیلی کو فون کیا اور اُس کا فلیٹ بہو بیٹے کے لئے ٹھیک کرا دیا۔ دو روز بعد جب میرا اکلوتا بیٹا جنگ ختم کر کے گھر واپس آیا۔ تو ہم اس کی فلیٹ میں بے حد مسرور تھے۔ یہ فلیٹ میرے گھر سے بالکل قریب تھا۔ میری جب طبیعت گھبراتی میں وہاں چلی جاتی۔ اور گھنٹوں بہو بیٹے کا سکھ چین دیکھ کر جی بہلاتی کیونکہ اپنے گھر میں وہ آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ میری بہو نے ایک دن فرطِ مسرت سے میرا مُنہ چوم لیا اور میرے گلے میں بڑے پیار سے باہیں ڈال کر کہنے لگی۔

"پیاری امّی یہ تو تمہاری مہربانی ہے جو ہم ایسا آرام دہ کشادہ فلیٹ اس زمانے میں لے سکے۔ اور ہاں اصغر دیکھو امی اگر یہ گھر تلاش نہ کرتیں۔ تو ہمیں اپنے گھونسلے کا لطف کہاں ملتا۔ دونوں کا چہرہ خوشی سے سُرخ ہو گیا میری زندگی میں سب سے بڑھ کر خوشی کا یہ لمحہ تھا!

جب میرے عزیز بھائی فیروز کا ہوائی جہاز سے گر کر انتقال ہوا۔ اور اس ہونہار جاں باز کی بے وقت موت نے چھ ماہ کے اندر اس کی حسین عاشق زار بیوی کو بھی اچانک موت کا مزہ چکھا دیا۔ تو ان کے دو بچے شمسہ اور فریدہ دُنیا میں یکہ و تنہا رہ گئے۔ فریدہ ۷ سال اور شمسہ ۵ سال کی تھی۔ میں نے فریدہ کو اپنے پاس رکھا اور شمسہ کو اپنی چھوٹی بہن فیروزہ کے حوالے کیا۔ اس کی بھی دو بچیاں تھیں۔ اس لئے اس بچی کو میں نے بہن کو دے دیا۔ اور میرے ہاں ایک لڑکا تھا۔ اس لئے فریدہ میرے پاس زیادہ موزوں تھا۔ تین ماہ بعد ایک دن فیروزہ میرے یہاں مجھ سے ملنے آئی۔ تو سب بچوں کو ساتھ لائی۔ یوں تو سب ہی خوش تھے۔ مگر فریدہ شمسہ کو پا کر اس قدر نہال ہو رہا تھا۔ گویا اس کی دل کی مُراد بر آئی تھی۔ یا دولت ہفت کشور اسے حاصل ہو گئی تھی۔ یا اس کی پژمردہ اور بے کیف رُوح از سر نو زندہ ہو رہی تھی۔ دونوں بغل گیر ہو کر دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد کھیلنے باغ میں چلے گئے۔ میں کیا بتاؤں دریچے سے ہم دونوں بہنیں جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ سب اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ مگر جو مسرت شمسہ اور فریدہ کو حاصل تھی اور ان دونوں کے سُرخ و سفید چہرے پر جو ملکوتی تبسم چھایا تھا۔ اور اُن کی اندرونی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ کسی میں؟ تھا۔ تھوڑے عرصے پر جہاں یہ الگ ہوئے کہ شمسہ اور فریدہ نے ایک دوسرے کو پکارنا شروع کر دیا۔

میں نے بہن سے کہا فیروزہ یہ مجھ سے بڑی سخت غلطی کہ میں نے ان دونوں محبت کرنے والے بے ماں باپ کے معصوم بچوں کو ایک دوسرے سے جُدا کر کے انہیں سخت قلبی اذیت دی۔ آہ! اب مجھے معلوم ہوا کہ [illegible] جدا کرنا گناہ عظیم تھا۔

(باقی صفحہ [illegible] پر)

جنسی رشتے اور ان کا انتخاب

آج کل لڑکے لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بے حد نازک اور پیچیدہ ہو رہا ہے۔ فی زمانہ سسرالی اور ازدواجی زندگیاں جس ناخوشگوار دور سے گزر رہی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

آئے دن دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ کہیں بہو ساس کی شاکی ہے تو کسی گھر میں ساس بہو کی شکوہ سنج۔ کہیں نند بھاوج میں چل رہی ہے۔ تو کسی جگہ دیور بھاوج میں جنگ ہو رہی ہے۔ ایک گھر میں میاں بیوی سے ناخوش ہیں تو دوسرے گھر میں بیوی میاں کی صورت سے بیزار۔ میاں بیویوں کے جھگڑوں اور نااتفاقیوں کی بدولت گھر کے گھر اجڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر کہیں کہیں گھر بنے ہوئے ہیں تو وہ بھی دوزخ کا نمونہ ہو رہے ہیں۔ امن و سکون کی فضا کلیتہً معدوم ہے۔ مگر زندگی کی گاڑیاں بمشکل تمام گھسٹ گھسٹ کر چلی جا رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ برادری میں نہ لڑکوں کو بیویاں ملتی ہیں اور نہ لڑکیوں کو بر۔ یہاں تک کہ نہ صرف اچھے اچھے خاندانوں میں بلکہ میری برادری میں پچیس پچیس اور تیس تیس سال کی عمر کی لڑکیاں کنواری بیٹھی ہوئی ہیں۔ مگر ان کے لئے پیغام نہیں آتے۔ غرض آجکل سے

یہی چرچا ہے کہ بچہ بچہ گھر بہ گھر ہے
نہ بہو کو ٹھکانا نہ بیٹی کو بر ہے

افسوس ہے کہ ان واقعات کے سدھرنے کی کوئی صورت تو نکلتی نہیں بلکہ جوں جوں ہمارے تہذیب و تمدن میں ترقی ہو رہی ہے ان میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ جب موقع آتا ہے تو زوجین اپنے اختلافات و ناچاقیوں کی ذمہ داری ایک دوسرے بلکہ تیسرے فریق پر بھی جو اکثر و بیشتر والدین ہی ہوتے ہیں۔ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باوجود اس کے زوجین کے تعلقات کو سدھارنے اور اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ حد یہ ہے کہ اب یہ معاملات عدالتوں میں پہنچنے لگے ہیں۔ مگر کوئی فریق بھی جھکنے اور اپنی غلطیوں و قصوروں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں۔ میاں کہتے ہیں کہ گرانی بہت بڑھ گئی ہے۔ اخراجات کم کر دو۔ تانگہ بگھی کا خرچ بہت بڑھ گیا۔ آنا جانا کم کر دو۔ مگر بیوی کو احساس نہیں وہ تڑاق سے جواب دیتی ہیں "اونہہ! تم یہی کہا کرتے ہو۔ تم اپنے اخراجات کم کیوں نہیں کر دیتے۔ اپنی بہن، بھائی کو نکال دو۔ پھر دیکھو خرچ کتنا کم ہوتا ہے"۔ ایک دوسرے گھر کی بیوی صاحبہ ایک موقعہ پر اپنے شوہر سے کہتی ہیں "مجھ سے گرمی میں روٹیاں نہیں پکتی ہیں یا تو ماما تلاش کر کے لاؤ۔ یا خود روٹیاں پکاؤ"۔ شوہر غریب جواب دیتے ہیں۔ کہ آمدنی جو کچھ ہے۔ تم پر ظاہر ہے اس میں ماما کا خرچ کیسے نکل سکتا ہے۔ دوسرے ماما آجکل ملتی بھی نہیں ہے۔ ہمارے سعود صاحب بہت تلاش کر رہے ہیں۔ اور روٹیاں تو مجھ کو پکانی آتی نہیں کیونکہ اماں نے پکانی نہیں سکھائیں۔ البتہ سالن پکا دیا کروں گا۔ خدا بھلا کرے اسکاؤٹنگ کا کہ اس نے کچھ ہنڈیا پکانی سکھا دی ہے"۔ اس کا جواب بیوی صاحبہ سخت و تند لہجہ میں ارشاد فرماتی ہیں "میں کچھ نہیں جانتی۔ لاؤ مجھے دس روپیہ دیدو میں گرمیاں میکے میں گزار آؤں۔ ہنڈیا تو تم پکا ہی لیا کرو گے روٹیاں تنور پر پکوا لیا کرنا"۔ جب شوہر نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ (کیونکہ ان کے پاس اس وقت روپے نہیں تھے) تو بیوی دوسرے دن گھر میں تالا ڈال کر کنجی پڑوس میں کسی کے یہاں جا بیٹھیں جب شوہر شام کو دفتر سے واپس آئے تو گھر میں تالا پڑا دیکھا۔ بیوی کو بمشکل تمام محلہ میں ڈھونڈا اور گھر کی چابی مانگی۔ بیوی نے کہا کہ جب تک دس روپے کا انتظام نہیں کرو گے چابی نہیں ملے گی۔ چنانچہ بیوی صاحبہ نے چابی اس وقت تک نہیں دی جب تک ان کا مطالبہ پورا نہیں ہو گیا۔ بھائی بہنوں نے کہا۔ "بھئی زبردست بیوی کا ہے ڈر" بیوی۔ نے تنقید شروع کر دی اب ہوا۔

زوجین ایسی ہی زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ ایک مرد ٹھیک ہی رہتے ہیں۔ ایک اور بیوی صاحبہ جو کچھ پڑھی لکھی بھی کہلاتی ہیں، اپنے میاں سے بالکل ان الفاظ میں مخاطب ہوتی ہیں۔ "اگر تو میرا کہنا نہیں مانے گا تو ہمیشہ خوار رہے گا"۔

ایسے بے شمار واقعات ہیں جو فی زمانہ زوجین کی سوشیل زندگیوں کے آئینہ دار ہیں۔ اور اکثر و بیشتر زیر بام ہی رہتے ہیں۔ اس سے خفیدہ وہ واقعات ہیں جو لب بام آجاتے ہیں جو کوئی سنتا اور زیر لب مسکرا کر رہ جاتا ہے ان سے زیادہ وہ شرمناک داستانیں ہیں جو سوسائٹیوں کی محفلوں اور مجلسوں میں گفتگوؤں کا دلچسپ موضوع بنتی ہیں۔ ایسی ازدواجی معاشرت کا نتیجہ آئے دن یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ یا تو شوہر صاحب اپنی رفیقۂ حیات کی زندگی کی کشتی کو ٹھیک منجدھار میں چھوڑ دیتے ہیں یا بیوی لڑ جھگڑ کر اپنے میکے جا بیٹھتی ہیں۔ اور واپس آنے کا نام نہیں لیتیں۔ یوں تو طبائع انسانی کے اختلاف کی وجہ سے میاں بیوی میں تھوڑا بہت باہمی اختلاف ہونا قدرتی بات ہے۔ جو چنداں قابل اعتراض نہیں مگر ایسے اختلافات اور روزمرہ کے مناقشے جن کی وجہ سے زندگیوں کی تلخیوں میں اضافہ ہوتا رہے ہماری ازدواجی معاشرت کے نہایت تباہ کن اور شرمناک پہلو ہیں۔ دنیا میں خون کے رشتوں کے بعد یہی ایک ایسا رشتہ ہے جسے برملا زیادہ سے زیادہ خیر و برکت، پُر لطف اور کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ کہا جا سکتا ہے جس سے جب محبت و مودت کے میٹھے اور کیف آور سوتے پھوٹنے لگتے ہیں تو یہ رشتہ یکسر حلاوت ہی حلاوت بن جاتا ہے یہی ایک ایسا پاکیزہ اور روحانی رشتہ ہے جس میں منسلک ہو کر زندگی کا خارستان بھی جنت بداماں بن جاتا ہے۔ مگر کس قدر جائے افسوس ہے کہ طرفین کی جہالت، ضد بیجا، بدمذاقی، کورذوقی اور فرائض سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی سے یہی رشتہ بعض اوقات رقوم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور مشاہدات بتلاتے ہیں کہ سب سے زیادہ اسی رشتہ میں باہمی ناچاقیاں اور اختلافات رونما ہوتے ہیں ——— اس لئے یہ سوال

کہ ان کے رشتے کہاں اور کیسے کئے جائیں ... والدین کے لئے خاص طور سے اہمیت رکھتا ہے لیکن قبل اس کے کہ میں اس سوال کا جواب اور اس کے متعلق کچھ ذاتی نظریہ پیش کروں۔ میں ازدواجی زندگی کی بے لطفیوں کے اسباب پر نفسیاتی و اخلاقی نقطۂ نظر سے مختصراً بحث کرنا چاہتا ہوں۔

تقریباً ہر انسان میں ایک جذبہ نفرت یا ناپسندیدگی پوری قوت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے یہ زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اگر یہ جذبہ انسان کی فطرت میں ودیعت نہ ہوتا تو اچھائی و برائی میں کوئی فرق نہ ہوتا اور دنیا کا تہذیب و تمدن بالکل ترقی نہ کرتا۔ بہرحال زید کو کسی کام یا پیشہ سے طبعاً نفرت ہے یا بالفاظ دیگر وہ کام اس کی طبیعت کے خلاف ہے تو وہ اُسے ہرگز اختیار نہ کرے گا یا اگر مجبوری کرے گا تو وہ اس میں دل نہیں لگائے گا یہاں تک کہ طبیعت کے خلاف کسی کام یا پیشہ میں الجھ جانے سے اس میں ترقی کا جوش اور امنگیں سرد پڑ جائیں گی۔ اور اُسے اپنے کام میں قطعاً کسی قسم کی دلچسپی نہیں رہے گی۔ ہاں اگر اُسے اپنے فرائض کا کماحقہٗ احساس ہے اور اس کی اخلاقی حالت کی ایسی ہی تربیت کی گئی ہے تو وہ صرف اپنے فرائض کو پورا کرتا رہے گا ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری سے پہلوتہی کرنے لگے اور اُکتا کر چھوڑ بیٹھے۔ چنانچہ آئے دن دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ بے شمار ہونہار و قابل نوجوان ایسے کاموں یا پیشے سے چپکے ہوئے ہیں جو ان کی طبیعتوں کے خلاف ہیں لیکن فرائض و ذمہ داری کا احساس بھی سب کچھ کراتا ہے۔ اس لئے نبا رہے ہیں مگر طبعاً خوش نہیں ہیں۔ اسی طرح مرد کسی ایسی عورت کو اپنی رفاقت کے لئے منتخب کرے جو اس کی طبیعت اور خانگی ماحول کے خلاف ہو تو یہ شخص اگر اس کی تربیت اچھی سوسائٹی میں ہوئی ہے تو جیسے تیسے زندگی گزار دے گا اور اپنے فرائض کو ... [illegible] ... مگر جس بات کا وہ متلاشی تھا اور جس ... [illegible] ... مل سکے گی ... [illegible]

اس کی اخلاقی قوت مانع ہے لیکن اس شخص کی تعلیم و تربیت میں
نقص ہے جو اس کے گرد و پیش کے ماحول سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتی
ہے تو اس سے شرافت کی بجائے آدمی کی بھی توقع فضول ہے۔ اسی طرح
کسی لڑکی کو ایسے لڑکے کے ساتھ بیاہ دیا جائے جو اس کی طبیعت و خیالات
کے ہم رنگ نہ ہو بلکہ اس کے بالکل برعکس ہو تو اس لڑکی کی تمام عمر
بے لطفی میں کٹے گی گو عاقبت اور سماج کے خوف سے وہ اپنے
فرائض کو اس خوش اسلوبی سے بجا لائے کہ کسی کو یہ بات محسوس نہ ہو
کہ جس کے پلے سے وہ باندھی گئی ہے اس سے وہ خوش نہیں ہے مگر
اس میں اس امر کا شدید اندیشہ ہے کہ یہ بے دست و پا ہستی بے لطف
زندگی کے دن پورے کر کے جلد سے جلد ختم نہ ہو جائے۔ وجہ یہ ہے
کہ عورت بہ نسبت مرد کے طبعاً زیادہ حساس اور رقیق القلب ہوتی
ہے اور ہر اچھی۔ بُری بات کا اثر جلد قبول کر لیتی ہے میں نے اپنے
خاندان و برادری میں ایسی بے لطف و ناکام ازدواجی زندگیاں بہت دیکھی
ہیں جن میں ادائیگی فرض تو کم و بیش ضرور تھی مگر مکمل یگانگت یا قلبی مودت
جس کو اصطلاح عمومی میں محبت کہا جاتا ہے اور جو ازدواجی زندگی کا
طرۂ امتیاز ہے، ایک عرصہ دراز کی رفاقت بھی پیدا نہ کر سکی تھی چنانچہ
ایسی ازدواجی زندگیاں کبھی حقیقی طور پر کامیاب نظر نہیں آئیں اور
ان کے بچے بھی قریب قریب ایسے ہی اٹھے جیسے خود ان کے ماں باپ
تھے۔ بہرحال یہ روز کا مشاہدہ ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کو ایسے
لڑکوں کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں۔ جو قطعاً ان کی طبیعت کے خلاف
ہوتے ہیں بعض اوقات آگ اور پانی کا ساتھ ہوتا ہے مثلاً میں نے
دیکھا ہے کہ میری ایک بزرگ عزیزہ جو خود تو بہت نیک اور اپنے
مذہب کی پابند تھیں، میرے ایک عزیز سے بیاہی گئیں جن کے
دل میں احترام مذہب بالکل نہیں تھا۔ طبیعتوں میں بھی کافی فرق تھا۔
مگر [illegible]
[illegible]

ہوتا غیر ہو جائے تو میاں ناراض ہو جائیں اور یہاں تک بیدھڑک
کہہ دیں کہ جب تک تم نماز پڑھنی نہیں چھوڑو گی میں روٹی نہیں کھاؤں
گا اور اسی ضد پر کئی کئی دن تک بھوک ہڑتال کئے رہیں مگر عزیزہ موصوفہ
کی نیک طبیعت دیکھئے کہ وہ آخر کار چھپ کر نماز پڑھنے لگیں۔ اور
حتی الامکان نماز سے پہلے اپنے شوہر کو کھانے سے فارغ کرا دیتیں
بہرحال تھوڑا بہت نباہ ہو رہا ہے۔ عزیزہ محترمہ کی جگہ کوئی دوسری
تیز طرار عورت ہوتی تو واقعی بھائی صاحب کی ایک ہی دن میں ہستی
گم ہو جاتی یا پھر "یہ اپنے گھر خوش اور وہ اپنے گھر خوش" والا معاملہ
نظر آتا۔ مگر اب نئی نسل میں ایسی عورت یا لڑکی کہاں ملے گی جس
سے اتنے نباہ کی بھی توقع ہو۔ اسی طرح ایک تعلیم یافتہ اور شائستہ
اطوار کی لڑکی ایسے خاندان میں بیاہ دی گئی جس کے افراد اعلیٰ تعلیم
اور اعلیٰ خیالات کے قدردان نہیں تھے مگر وہاں اس لڑکی کی کوئی
قدر نہیں کی گئی۔ گو اسے وہاں ہر طرح کا آرام تھا۔ مگر محض سسرال والوں
کی دقیانوسی معاشرت اور ماحول میں گھر کر اس کی زندگی اجیرن ہو گئی۔
اس نے اپنے طرز عمل اور حسن سلوک سے سسرال والوں کو خوش رکھنا چاہا
مگر ناکام رہی۔ کچھ شوہر سے بھی وہ مطمئن اور خوش نہیں تھی مگر اس نے طرز
عمل سے اُسے ضرور خوش رکھا۔ یہ رشتہ اس بنا پر ہوا تھا کہ شوہر گھر سے
خوش حال تھا۔ صرف اسی ایک خصوصیت کی وجہ سے غریب لڑکی کے
جذبات کو پامال کر دیا گیا۔ فرمائیے۔ ایسی لڑکی اس جگہ کیسے خوش رہ
سکتی ہے جہاں اس کی ذات سے کوئی دلچسپی رکھنے والا نہ ہو۔

بے جوڑ شادیوں کا کون ذمہ دار ہے

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے میل
بے جوڑ شادیاں یا ایسی ناخوشگوار زندگیوں کا
جن میں موافقت کم اور مخالفت زیادہ پائی
جاتی ہے۔ در اصل کون ذمہ دار ہے اور اس کی تہہ میں کون سے جذبہ
کے عناصر کارفرما رہتے ہیں [illegible]
[illegible]

خیالات بھی قریب قریب خشک ہو جاتے ہیں۔ جن میں لے دے کر "اولاد کی محبت اور خواہش زر" باقی رہ جاتی ہے وہ ان چیزوں کے مقابلہ میں اولاد کے جائز محسوسات اور عمدہ خیالات کی قدر نہیں کرتے یہاں تک کہ بعض دفعہ عزیز داری کے اچھے تعلقات کو بھی تج دیتے ہیں محض اس بنا پر کہ وہ غریب ہیں اس لئے رشتہ تلاش کرتے وقت ان کے سامنے صرف ایک ہی سا نصب العین یا مقصد ہوتا ہے جو یہ ہے "بیٹیاں آرام سے" یا بڑی بوڑھیوں کے الفاظ میں "لالوں کی لال" رہیں اور بہو میں بہت سا زیور اور جائداد لے کر آئیں۔ واضح ہو کہ ان کا "اس آرام سے" رہنے کا مفہوم بس یہی ہوتا ہے یعنی روپیہ والا گھر ہو مگر کس قدر ظلم ہے ان معصوم لڑکیوں پر کہ "لالوں کی لال" رہنے کی دھن میں ان کی تمام جائز خوشیوں اور محسوسات کو قربان کر دیا جائے اور مستقل خوشیوں کے ان کا سودا کر کے ان کی تکمیل نااہلوں کے ہاتھوں میں دیدی جائے۔ یہی حشر لڑکوں کا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھی زبردستی یا دھوکے سے ایسی لڑکیوں کے پلے باندھ دیئے جاتے ہیں جو عادات یا خصائل کے لحاظ سے ان کے خیالات و مزاج کے خلاف ہوتی ہیں بعض اوقات آگ و بارود کا ساتھ ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ شادیاں دوسرے طریقہ سے بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً اپنی پسند سے شادی یا دوسروں کے ذریعے جیسے کسی لڑکے یا لڑکی نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا متاثر ہو گئے اور تعلقات بڑھ گئے یا کسی دوسرے سے اپنا عندیہ ظاہر کر دیا کہ مجھے فلاں لڑکا یا لڑکی اچھی لگتی ہے بزرگوں نے مناسب سمجھا تو ان کا بیاہ اور شادی ہو گئی اور نہیں تو بالمجبور شادی ہو گئی سب جذبات کا بخار اترا اور ایک دوسرے کے جوہر کھلے اور عیب و ہنر ظاہر ہوئے تو اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔ یہ شادیاں اول الذکر شادیوں سے بھی زیادہ ناکام اور نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ اُن کی بنیاد بہت کچھ سطحی جذبات اور عشق و محبت کی رنگ کاری پر ہوتی ہے۔ اس قسم کا کھیل کھیلنے والے لڑکے و لڑکی بالکل نو عمر ہوتے ہیں اور نو عمر لیعنی پندرہ پندرہ بیس بیس سال کے بھلا اس عمر کا لڑکے و لڑکیاں زندگی کے نشیب و فراز کیا سمجھ سکتے ہیں جبکہ ایسے معاملات میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ تجربہ کار بزرگوں کا انتخاب بھی غلط ہو جاتا ہے مگر اپنی پسند کی شادی کچھ کامیاب ہو سکتی ہے تو ۲۰ سال سے ۳۰۔۴۰ سال کی عمر میں۔ کیونکہ اس عمر میں عقل پختگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر بھی بزرگوں کی رائے اور مداخلت ضروری ہے۔ دیگر بچپن کی شادیوں کا رواج۔ یہ زیادہ تر تعلقات یا ماں باپ کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہوتی ہیں مگر چونکہ ان کا رواج تعلیم یافتہ اور سمجھدار افراد کے طبقہ میں کم ہو رہا ہے فی الحال اس کا ذکر بھی فضول ہے۔ دوسرے کاروباری شادیاں جو اکثر ایجنٹوں یا دلالوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں اور یہ ایجنٹ یا دلال اکثر ایسے خاندانوں کے ہی افراد ہوتے ہیں۔ اور بے حد مضرت ہوتے ہیں۔ یہ دوسروں کو پھنسا کر اور اپنا مطلب نکال کر الگ ہو جاتے ہیں۔ چونکہ فی الحال ایسی شادیوں کا رواج بھی بہت کم ہے اس لئے ان پر رائے زنی نہیں کی جا سکتی بعض شادیاں یا رشتے حسن صورت کے علاوہ حسن سیرت و لیاقت سے متاثر ہو کر کی جاتی ہیں۔ یہ شادیاں اگر جذبات سے ہٹ کر کی جائیں اور ذریعۂ معلومات صحیح ہو تو واقعی پُرخلوص اور خوشگوار ہوتی ہیں جن میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا یا کم از کم اُن شادیوں سے تو کچھ زیادہ ہی استوار ہوتی ہیں جن کی بنیاد اکثر رئے حسن کے سوا لا نہ جذبات پر رکھی ہوتی ہے۔ حسن ظاہری ایک زوال پذیر چیز ہے مگر حسنِ سیرت غیر فانی شے ہے یہ دلوں پر انمٹ نقوش چھوڑتی ہے۔

رشتہ کا انتخاب اصولاً کس کا بہتر ہونا چاہئیے

اب سوال یہ ہے کہ شادیوں کے رشتے اصولاً کس کی رائے و پسند سے ہونے چاہئیں تاکہ ان تردد جی آویزشوں کا انسداد یا کم از کم ان میں کمی ہو۔ جن کی وجہ سے آجکل خاندان کے خاندان بے چین اور مضطرب ہیں۔ اس ضمن میں میری مستحکم رائے یہ ہے کہ ہمیں فطری اور پرانی روش کو نہ چھوڑنا چاہئے جس طرح خداوند عالم جل شانہ نے اولاد کے فرائض والدین کو ودیعت کئے ہیں انہی میں سے ایک اہم فرض شادی کا بھی ہے وہی اصولی طور پر اس کے بہترین اہل ہیں۔ کیونکہ ان بزرگوں کو اس قدر عملی تجربہ ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی نشیب و فراز کو سمجھ سکیں مگر یہ بھی مسلمہ ہے کہ جب تک والدین اور بزرگ موجودہ فضا کے مطابق اپنی ذہنیت تبدیل نہیں کریں گے اس وقت تک اس میں کامیابی مشکل ہے۔ بہت سی

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز۔ سماج و قوم کی فلاح اسی میں ہے
بہر نوع اگر والدین اور بچوں کے متعلقین زمانہ کی روش کا خیال
کرکے نہایت دوراندیشی اور جانفشانی سے اپنے بچوں کی تعلیم
وتربیت کریں اس کے ساتھ ان کی جائز خواہشات کا خیال کریں
اور اس سے زیادہ خود اپنا احترام اور اعتبار بچوں کے دلوں میں بٹھا
دیں تو یہ کام کچھ مشکل بھی نہیں بلکہ جب بچوں کو معلوم ہوگا کہ ہمارے
والدین نہایت خلوص دل سے ہمارے ساتھ ہیں انتخاب رشتہ میں
انہوں نے اپنی رائے سے زیادہ ہماری مرضی کو مقدم رکھا ہے تو خود
ایسے بچے نہایت سعادت مندی سے اپنے بزرگوں کی خواہشات
کا بھی احترام کریں گے اور خود بھی دلگیر نہیں ہونگے اور بعد میں اختلاف
کی صورت میں اس رشتہ کو ہنسی خوشی سنبھالنے کی کوشش کرینگے
اگر کوئی رشتہ والدین یا سرپرستوں کی رائے میں نہایت ضروری
اور مناسب ہو جو خاندان یا خود لڑکے و لڑکی کے لئے واقعی کسی پہلو
سے مفید ہو اور ان میں سے کوئی راضی یا خوش نہ ہو تو بزرگ نہایت
خوش اسلوبی سے تمام باتیں سمجھا دیں تو بھی لڑکے یا لڑکی کے دل میں
اصل بات بیٹھ سکتی ہے اور وہ ان کی مرضی و رائے کے سامنے سر
تسلیم خم کر سکتے ہیں مگر ضد جبر حکم و دھمکی ان میں سے کوئی چیز بھی ایسے
معاملات میں کارگر نہیں ہو سکتی بلکہ ایسی باتوں اور سختیوں کے
نتائج آگے چل کر نہایت پریشان کن ہوتے ہیں اور دونوں گھروں
کا اطمینان و سکون غارت ہو جاتا ہے مگر باوجود اس حقیقت کے یہی دیکھا
جاتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کی خوشی و رائے پر اپنی رائے عزیز داری
کے تعلقات خاندانی مصالح اور ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ
یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر والدین اس معاملہ میں اپنی اولاد کے ساتھ
بہت تشدد کا برتاؤ کرتے ہیں میری بچپن کی جان پہچان ایک بہن
صاحبہ کے خاندان میں دو سگی بہنیں ہیں ان میں سے ایک بہن کا لڑکا
تھا اور دوسری بہن کی لڑکی۔ اس لڑکی کے لئے کسی وجہ سے پیغام
نہیں آتے تھے لڑکی کی خالہ کی خواہش تھی کہ بھانجی اور گھر کا
معاملہ ہے کہیں دور جائے گی تو قصے فضیحتے ہوں گے لڑکی بیاہ
کر لائے مگر ان کے لڑکے کو وہ لڑکی پسند نہیں تھی یا شاید ابھی
شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ انکار
کیا اور خوشامد بھی کی کہ مجھے ابھی اس جھگڑے میں نہ پھنسائیے
مگر ماں کی سختی دیکھئے کہ اس کو تکلیفیں دینی شروع کر دیں کئی کئی دن
تک اس غریب کا کھانا پینا بند رکھا ہر وقت اس کو مقید رکھتی تھیں
کہ کہیں بھاگ نہ جائے یا کوئی اچھی تائی (بھگا کر اپنے گھر میں نہ رکھ
لے اور اپنی لڑکی سے شادی نہ کر دے۔ ذرا سوچئے کہ شادی
بیاہ کے معاملہ میں ایسے جبر و اکراہ کا کیا نتیجہ مفید برآمد ہو سکتا ہے
اس کے علاوہ ایسے معاملات میں بہت تصنع اور مبالغہ آمیزی سے
بھی کام لیا جاتا ہے۔ در اصل یہی ایسے امور ہیں جن سے ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے ازدواجی زندگی کے گوناگوں مناقشات اور اختلافات
کے تخم پڑ جاتے ہیں جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

شادی ایک قسم کا جوا ہے

شادی درحقیقت ایک قسم کا جوا ہے جس میں کامیابی و ناکامی محض
اتفاق پر مبنی ہے اس اہم معاملہ میں خواہ کوئی زیرک سے زیرک
چھان بین کرے اور بہتر سے بہتر رشتہ انتخاب کرے لاتعداد خطوط اور
تصویروں کا طرفین میں (منگیتروں میں) تبادلہ ہو جائے اور طویل
سے طویل کورٹ شپ ہی ہو جائیں یا ہو چکے ہوں اس امر کا اطمینان
اور یقین ناممکن ہے کہ آیا شادی شدہ جوڑہ میں شگفتگی یا محبت تو
درکنار معمولی یگانگت اور استواری یا کم از کم نبھاؤ بھی قائم رہے گا۔
بہرحال جب تک طبائع کا اختلاف رہے گا شادی کے مقاصد
میں کامیابی کا امکان مشتبہ رہے گا اس لئے یہ قطعی طور پر نہیں کہا
جا سکتا کہ محض والدین کی صائب رائے یا خود لڑکے و لڑکیوں کی
انفرادی پسند سے یا ان کے اور والدین کے مشترکہ مشورہ و مرضی سے
جو شادیاں ہوں گی آیا حقیقتاً کامیاب ہوں گی تاہم جیسا کہ پہلے
کہا جا چکا ہے اصولاً اس معاملہ میں والدین کی مداخلت اور مشورہ و
رائے کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ اسی میں خاندان کی بہتری اور
فلاح مضمر ہے اگر والدین اور بزرگ اس ضد اور غرض سے دستکش
ہو جائیں اور وہ اپنے بچوں کو اس معاملہ میں بالکل خود مختار اور
آزاد کر دیں تو خاندان کا شیرازہ بکھر جائے۔ آج قوم کا یہی

عصمت دہلی

بدگمانی

ریحانہ ذہین تھی اور اگرچہ اپنے بھائی بہنوں میں غیر معمولی حسین نہ تھی لیکن اس میں بعض خوبیاں ایسی تھیں جنہوں نے اس کو معمولی لڑکیوں سے بلند کر دیا تھا اُس کی تمیز سلیقہ اور ہنرمندی مشہور تھی ضعیف العمر بیویوں کے سامنے وہ شرم و حیا کی پتلی بن جاتی اور فیشن ایبل خواتین کے جمگھٹ میں اپنی شائستہ ظرافت سے سب کو ہنساتی بوڑھی مامائیں تک جن کا کام صرف چغلی اور غیبت کرنا ہوتا ہے اس کی دلفریب باتوں سے اُس کے گُن گاتی تھیں۔

انٹرنس کا امتحان دے کر اس کو اسکول چھوڑنا پڑا۔ آج اسکول میں اس کا آخری دن تھا ہیڈ مسٹریس مسز جوزف کی میز کے گرد نصف دائرہ کی شکل میں دس لڑکیاں کھڑی تھیں اُن کے چہرے اُداس تھے۔ ہمجولیوں کے چھٹنے کا رنج اسکول کی دلچسپیوں کے ختم ہونے کا خیال کچھ اس وقت کے ماحول کا اثر سب سے پہلے ریحانہ کی آنکھ سے آنسو کے دو قطرے رخساروں سے بہتے ہوئے دکھائی دیئے۔ استانی صاحبہ نے ہر ایک کے چہرہ پر نظر ڈالی تعلیمی زمانہ کی خفگی کا خیال اور جا بے جا غصہ کا دھیان آتے ہی اُن کے دل میں ان بچیوں کی طرف سے ایک بے پناہ محبت اور شفقت کا جذبہ پیدا ہو گیا انہوں نے ہمدردی کے لہجہ میں لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا: تم لوگ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا"

اُستانی کے یہ الفاظ سنتے ہی ریحانہ کو دادی کی رات والی بات یاد آگئی اس کی پیشانی پر بل آگیا اس نے دادی کے فقرہ کو دل میں دہرایا "کیا لڑکی سے نوکری کرانی ہے۔ خبردار جو آئندہ پڑھنے وڑھنے کا جھگڑا نکالا۔ پڑھا پڑھا کر شادی کی عمر نکال دو گے تیس سال کی ہو جائے گی تب فکر کرنا" وہ چونک پڑی اُستانی جی نے اور زور سے کہا: میری بچیوں اگر تمہیں آئندہ مجھ سے مدد کی ضرورت پڑے تو میری طرف رجوع کرنا شاید میں تمہارے کام آسکوں"

تانگہ آچکا تھا ریحانہ گھر آئی آج سب چھوٹے بڑے اس کی طرف مسکراتے ہوئے غور سے دیکھ رہے تھے ریحانہ ٹھٹھکی دادی کی بات پھر یاد آئی اور مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے ماما کی لڑکی سے پوچھا "گلشن آج کوئی نئی بات ہوئی ہے جو تم لوگ بہت خوش ہو"

" ہاں چھوٹی بیگم آج آپ کی بات چیت بڑے اچھے گھر سے آئی ہے لڑکے کی اماں اور بہن آئی تھیں"

تعلیم کے خاتمہ کی یہ صورت دیکھ کر اس کو بہت غصہ آیا اور ضبط کرنے کے باوجود اس کی پیشانی پر دو بل آہی گئے۔ اگلے مہینہ وہ دلہن بنی بیٹھی شوہر کے بارے میں سوچ رہی تھی خدا جانے وہ کیسے ہیں شادی کے بعد وہ خوش تھی کہ ایک ہنس مکھ خوش مزاج اور محبت کرنے والا شوہر اس کو ملا ہے نسیم ڈاک خانہ میں دو سو روپیہ کا ملازم تھا پہلی مرتبہ جب اس نے دو سو روپیہ کے نوٹوں کی گڈی ریحانہ کے ہاتھوں میں دی تو بہت ضبط کرنے کے باوجود ریحانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اس کا دل باغ باغ تھا اس لئے نہیں کہ یہ دو سو روپیہ ہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا شوہر اُس سے محبت کرتا اور اس پر بھروسہ رکھتا ہے اس نے بھی نسیم کی خوب خدمت کی اور گھر کا انتظام اس سلیقہ سے کیا کہ نسیم کے دل میں محبت بڑھتی گئی۔ وہ اگرچہ خوشامدی نہ تھا پھر بھی دوستوں کی محفل میں اس کی زبان سے ریحانہ کی تعریف میں کوئی نہ کوئی کلمہ نکل ہی جاتا۔ ریحانہ بھی اپنی سہیلیوں میں اپنے شوہر کی تعریف کرنے پر آتی تو وہ طومار باندھتی کہ سہیلیاں رشک کرنے لگتیں آخر اُکتا جاتیں اور انہیں ریحانہ پر غصہ آنے لگتا۔ نسیم کی ہر چیز ریحانہ کو اور ریحانہ کی ہر چیز نسیم کو پسند تھی۔ حقیقت میں وہ ایک دوسرے کے [illegible]

چھ مہینے یونہی گزر گئے ساتویں مہینے [illegible]

کہ میں نے اسے مجھے یہ بتایا کہ "ایک دوست کو دے دیئے ہیں۔ نہ جانے کیوں وہ یہ پوچھتے پوچھتے رہ گئی کہ "کیوں" لیکن اس نے پوچھا نہیں۔ ایک طرح کا شک یا بدگمانی اس کے دل میں پیدا ہو گئی۔ تب ریحانہ نے نہایت غور سے اس کے حرکات و سکنات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ کلب جانے سے پیشتر اس قدر سجتا کیوں ہے عورت تو ہے نہیں۔ واپسی پر چہرہ میں کچھ اور ہی شادابی سی ہوتی ہے۔ کلب جانے سے پیشتر کچھ کھویا کھویا سا معلوم ہوتا ہے ایک روز بارش کے باعث وہ جا نہیں سکا۔ تو وہ کافی سے زیادہ چڑچڑا ہو گیا۔ ریحانہ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ اس کی پژمردگی کا سبب معلوم کرے لیکن ہمت نہ پڑی اس کی حالت زار کو دیکھ دیکھ کر وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہی۔ بار بار اسے اپنی کلاس فیلو رضیہ کا یہ قول یاد آتا "شادی کے بعد تو سب ہی کے شوہر محبت کرتے ہیں۔ مگر ریحانہ جو بہت زیادہ گرجتے ہیں برستے نہیں مرد کی محبت میں پائداری بہت کم ہوتی ہے"

ایک دن وہ کلب جانے کی تیاری کر رہا تھا طبیعت میں سستی سی تھی تکان سے وہ کچھ چڑچڑا سا ہو رہا تھا۔ ریحانہ بولی۔ "نہ جانے کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کیا کچھ طبیعت ناساز ہے؟"

"نہیں تو ہاں ذرا سر میں درد ہونے لگا ہے۔"

"آپ نے مجھ سے بالکل ذکر نہیں کیا۔ کیا بتلانے میں بھی کوئی حرج تھا" اس کو خوب غصہ آ رہا تھا۔

"تو اس میں غصہ کی تو کوئی بات نہیں ریحانہ میں نے سوچا کہ تمہیں سنکر بیکار تکلیف ہی ہو گی" نسیم بیوی کے رویہ سے متعجب تھا۔

ریحانہ نے جواب نہ دیا۔

اگلے مہینے تنخواہ [illegible] سے غائب تھی [illegible] ایک ہفتہ تک وہ انتظار کرتی رہی [illegible] کہ وہ خاموش رہی پھر اس سے [illegible]

"کیا [illegible] ایک صاحب نے اپنی بہن کی شادی [illegible]

بہت کچھ عذر کیا لیکن وہ شدت کے نبضے اپنی ضرورت سے ایسے مجبور تھے کہ خدا و رسول کا واسطہ دے کر میری خوشامد کرنے لگے اتنے باعزت آدمی اور پھر اتنا اصرار میری زبان نہ کھل سکی۔"

ریحانہ کو غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا آج اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا شوہر ایک بیوقوف انسان ہے۔ کیا سارے مہاجن مر گئے تھے یہی بس بڑے وضعدار سیٹھ ہیں اور ذرا تندی سے کہا۔

"دیں گے کب تک؟"

"وعدہ تو اگلی تنخواہ تک ہے۔ انہیں پوری امید ہے کہ روپیہ مل جائے گا پھر ریحانہ کے چہرہ کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر کہا۔ "یوں تو بڑے شریف اور وضعدار آدمی ہیں وعدے پر روپیہ ادا کر دیں گے۔"

"ہوں گے لیکن اگلی تنخواہ تک کیا ہو گا" اس نے پوچھا۔

"ادھار سامان منگا لو اگلی تنخواہ پر ادا کر دینا۔"

"قرض ادھار سے تو مجھے سخت نفرت ہے یہ میری انگوٹھی بیچ لایئے۔ روپیہ ملنے پر اس کے بدلے گھڑی خرید لوں گی۔"

نسیم نے اتنی جلدی معاملہ طے ہوتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا لیکن گھڑی کا نام سنکر وہ کچھ فکرمند سا ہو گیا۔ چہرہ سے بیکسی ظاہر ہوتی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے کہا "انگوٹھی فروخت کیوں کی جائے چوڑیاں وغیرہ میں گروی رکھ آؤں۔"

ریحانہ کے دل میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ انہوں نے دو سو روپے ادھر ادھر اڑا دیئے ہیں اور اب میری چوڑیاں آنکھوں میں کھٹک رہی ہیں۔ میں ایسی بھولی نہیں سمجھنے لگی۔

"تو میں اپنی [illegible] جی کے ہاں سے روپیہ لئے آتی ہوں۔ وہاں سود بیاج کا جھگڑا نہ ہو گا۔" فوراً ماما کو آواز دے کر تانگہ منگوایا۔ اور زیورات کا صندوقچہ لے کر چل دی۔

ہیڈ مسٹریس اپنی [illegible] شاگرد کو دیکھ کر خوش ہوئیں اور پیشانی پا کر حال پوچھا۔ ریحانہ نے سارے شکوک و شبہات ظاہر کئے اور [illegible] پیش کر کے روپیہ مانگے انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تمہارے شوہر [illegible] سے کلب جاتے ہیں؟"

ریحانہ نے کہا۔ "نام تو مجھے معلوم نہیں استانی جی"۔
"ممکن ہے بُری صحبت نے مسٹر نسیم کو کسی بُری طرف مائل کر دیا ہو۔ تم روپیے جاؤ چوڑیوں کی ضرورت نہیں"۔ ہاں اس کا خیال رکھنا کہ تمہارے زیور کہیں تمہارے شوہر کی بُری صحبت کی نذر نہ ہو جائیں۔ ابھی تو محض شک ہی ہے یقین نہیں۔ خدا کرے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو لیکن اگر خدانخواستہ تمہارا خیال صحیح نکلا تو"
"یہی تو میں سوچ رہی ہوں"۔ ریحانہ نے کہا۔
"اگلے مہینے بھی اگر یہی حال رہا اور خرچ کی ضرورت پڑے تو نسیم صاحب پھر زیور مانگیں گے۔ تم انکار تو کر ہی نہیں سکتیں بہت سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں۔ کہ بیوی کا زیور شوہر کے ہاتھوں گیا اور پھر واپس نہیں آیا"۔
ریحانہ کو معلوم ہوا کہ استانی جی کے لہجہ میں درد خلوص اور شفقت کا جذبہ پایا جاتا ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں درست ہے اُس نے کہا "تو پھر ڈاک خانہ یا بینک میں رکھ دوں"
"لیکن بیٹی وہ وہاں سے بھی لا سکتے ہیں"۔
"تو میں یہ کہہ دوں کہ زیور چوری چلے گئے"
"رکھو گی کہاں"۔
"صندوق ہی میں رہیں گے"۔
"نہیں بیٹی اتنا بڑا جھوٹ تم نبھا نہیں سکتیں عیب کرنے کو ہنر چاہئے"۔
خفیف مسکراہٹ سے وہ کہنے لگی "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ ابھی تو میں نے صرف آپ سے ذکر کیا ہے۔ امی جان سے کہا اور انہوں نے آفت مچائی۔ وہ اُن کو بلائیں گی اور سمجھائیں گی۔ اور اگر یہ بات غلط نکلی تو وہ مجھے بہت ذلیل خیال کریں گے اور مجھے بھی بے انتہا شرمندگی ہوگی"۔
"تمہیں کسی پر بھروسہ ہو اس کے ہاں رکھ دو"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"استانی جی سب سے زیادہ مجھے آپ پر بھروسہ ہے"۔ وہ جلدی سے بولی۔
"نا بابا یہ بالکل غلط بات ہے۔ سو روپیہ جو میں نے تم کو دیئے ہیں۔ ممکن ہو تو دینا نہیں تو سمجھ لوں گی کہ میری ایک بیٹی کے کام آگئے"
"میں آپ کا نام کیوں کسی کے آگے لوں گی۔ میں تو آپ کو اپنی امی جان کے برابر سمجھتی ہوں"۔
"یہ تو ٹھیک ہے بیٹی لیکن تمہارے زیور کم از کم تین ہزار کے ہیں۔ کہیں اِدھر اُدھر ہو جائیں تو میں مفت میں دھر لی جاؤں تم سے خفت ہو سو الگ نوکری جائے سو جدا"۔
"لیکن اس طرح سے تو میرے زیور اور زیادہ خطرے میں ہیں۔ میں اگر یوں لُٹ گئی تو وہ آپ کو پسند آئے گا دیکھئے آپ نے وعدہ کیا تھا کہ وقت بے وقت ہماری مدد فرمائیں گی"۔
"یہ تو ٹھیک ہے۔ خیر اس صندوقچی میں تالا ڈال کر کنجی اپنے پاس رکھو اور صندوقچی چھوڑ جاؤ"۔
ریحانہ نے شکریہ ادا کر کے صندوقچہ بند کیا اور مطمئن ہو کر چلی گئی۔
کفایت شعاری سے کام لے کر اس نے مہینہ کاٹا تیسری تاریخ کو حسب معمول نسیم نے چار سو روپیہ لا کر دے دیئے مسرت سے ریحانہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اپنی پچھلی بدگمانی کے خیال سے اُس کا سر نیچے جھک گیا اور دل ہی دل میں سخت نادم ہوئی۔ اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ سچ مچ اس نے بڑا بھاری گناہ کیا ہے کیا وہ اتنی تہمت رکھتی ہے اس نے دل میں سوچا کہ سارا معاملہ ان سے کہہ دے۔ مگر اُسے معلوم ہوا کہ اس کی اخلاقی ہمت جواب دے چکی ہے۔ تھوڑی دیر میں اُس نے طبیعت کو سنبھالا۔ اور یوں کہہ کر دل کو تسکین دی کہ میرے جذبات غیر اختیاری ہیں۔
دوسرے دن ریحانہ استانی جی کے گھر پہنچی مگر اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی جب اُس نے دیکھا کہ ایک نئی کرایہ دار موجود ہیں۔ اُن سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ پندرہ دن ہوئے وہ مکان چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔ یہ سُن کر وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے لڑکھڑاتے قدموں سے جا کر وہ تانگہ میں جا بیٹھی اور تانگہ والے سے اسکول چلنے کو کہا۔ وہ اس وقت رنج و افسوس کی انتہائی حالت میں تھی سدل پی

"اگر شوہر زیور اٹھا دیتا تو سارے خاندان کو ہمدردی ہوتی خود شوہر پر بھی ایک وبال سا پڑتا۔ اب جو سنے گا خود اسی کو نفرین کرے گا اور کہے گا کہ زیورات ایک غیر مذہب کی عورت کے حوالے کر دیئے اچھا ہوا جو کھو گئے نہ تحریر نہ رسید لاکھ قابل اعتبار سہی لیکن انسان کی نیت بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ مگر اتنی معزز اور مالدار تین چار ہزار کے لئے کیا اپنی نوکری چھوڑ دے گی۔ ممکن ہے کہیں اور تبادلہ ہو گیا ہو۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس روز الیس کہہ رہی تھی کہ ماما کا ارادہ اب دوسری جگہ ملازمت کرنے کا ہے یہاں تنخواہ بہت کم ملتی ہے نہ معلوم کہاں گئی ہوں گی اُس روز کیسی باتیں بنا رہی تھی گویا دنیا میں ان سے بڑھ کر کوئی ایماندار ہی نہیں۔ خرانٹ بڑھیا! دغاباز اب ان سے جا کر کیا کہوں گی۔ اگر یہ کہتی ہوں کہ وہاں زیور رکھا دیئے تھے تو جان کو آ جائیں گے۔ ڈاک خانہ اور بینک کیا مر گئے تھے۔ پرسوں سینما جانے کو کہہ رہے تھے میں نے دام نہ ہونے کا عذر کر دیا اب کیا کہوں گی۔ وہاں ایک آدھ زیور تو پہن کر چلنا ہی پڑتا۔ اگر نہیں کہتی ہوں تو بات کھلنی ہو کہ میرے تین ہزار پر پانی پھرا جاتا ہے۔ خدایا رحم کر کل جو ڈھونگ رچایا تھا آج اس کا پھل مل گیا۔ خدایا رحم کر مجھ گناہگار کے قصور معاف کر میں سچ مچ بڑی گناہگار ہوں۔ جو اتنے پُرخلوص شوہر پر دغابازی کا الزام رکھ کر اس سے دغا کر بیٹھی

یکایک اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ تانگہ کسی غیر مانوس سڑک پر چلا آ رہا ہے اس نے ذرا سا پردہ اٹھایا۔ یہ سڑک بالکل پختہ نئی نئی بنی ہوئی اور بہت کشادہ تھی۔ اس پر تو کوئی تانگہ والا نہیں آتا تھا اس نے پوچھا: "تانگہ والے ارے کہاں جا رہے ہو؟"

"جی بی بی لڑکیوں کے اسکول جا رہا ہوں۔"

اس نے تانگہ [illegible] گھبراتے ہوئے کہا۔ یہ سے کونسی سڑک کا نام [illegible] مجھے راستہ نہیں معلوم [illegible] سڑک [illegible] کی کتنی خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔

"بی بی وہ سڑک بن رہی ہے۔ دوسرے راستے سے چل رہا ہوں۔"

اس نے پردہ اٹھا لیا۔ سڑک بالکل سونی اور خالی پڑی تھی کسی آدمی یا آدم زاد کا نشان نہ تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کے حواس اس کے اختیار سے باہر ہو رہے ہیں۔ دل ہی دل میں وہ دعائیں مانگ رہی تھی۔ اور آیات قرآنی جلدی جلدی پڑھ رہی تھی۔ تانگہ رک گیا اور تانگہ والا اتر پڑا۔ ریحانہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہاتھ دعا کے لئے پھیلا دیئے بے اختیار اس کے منہ سے نکلا "رحمان رحیم"

"بی بی جی گھبرائیے نہیں راس ٹوٹ گئی ہے پاؤں اٹھا لو تو میں رسی نکال لوں۔ ابھی ٹھیک ہو جاتا ہے تانگہ۔"

اس نے بے حد ڈرتے ڈرتے پیر اٹھا لئے۔ اب تانگہ فراٹے بھر رہا تھا۔ اس کا دل شاید اس سے بھی زیادہ تیز دھڑک رہا تھا۔ تانگہ دھیما ہونے لگا۔ اور ایک جگہ رک گیا۔ ریحانہ کی روح فنا ہو رہی تھی۔ سارا بدن پسینے سے تر تھا پھٹی پھٹی آنکھیں [illegible] گھومتا ہوا۔ ہونٹ خشک چہرہ زرد۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب خیر نہیں کہ یکایک یہ آواز آئی۔ "اترو بی بی کیا سوچ رہی ہو۔ دام جلدی بھیجنا۔"

"اوہ اسکول آ گیا۔" اسے لگا گویا جان میں جان آ گئی برقعہ اٹھا اور تانگہ سے اتری تو سارا بدن کانپ رہا تھا اسکول میں داخل ہوئی تو اسکول میں کوئی لڑکی نہ تھی [illegible] حیرت [illegible] ایک تھرماس [illegible] میں [illegible] گئی آدھ گھنٹے کے بعد ایک تانگہ میں سے مسز جارج اسکول میں آتی نظر آئیں۔ وہ آداب کہنے کو آگے بڑھی مگر [illegible] کا کچھ نہ پوچھئے خوشی کے باعث [illegible] دور سے دھڑکتا کہ سارا جسم کانپ جاتا۔

استانی جی نے پوچھا۔ [illegible] ریحانہ تم اتنی جلدی کیسے آ گئیں سب خیریت؟

"[illegible] آپ کی دعا سے سب خیریت ہے۔"

"لیکن میری بچی یہ تیری شکل کو کیا ہوا۔ کیا کچھ طبیعت خراب ہے۔ ارے نسیم کے بارے میں تو بتاؤ۔ خدا خیر کرے تم تو بیماروں کی سی شکل بنائے ہوئے ہو۔"

"جی نہیں میں تو بالکل اچھی ہوں۔ رات کو ذرا سینما گئی تھی اس لئے نیند پوری نہیں ہوئی۔ اور صبح سے سر میں درد بھی ہو رہا ہے۔ آپ کے مکان گئی تھی۔ مگر وہاں کوئی اور کرایہ دار آباد تھے اس لئے میں نے کہا اسکول ہو آؤں۔"

"ہاں ریحانہ میں نے ابھی ۱۵ دن ہوئے مکان تبدیل کر لیا ہے۔ اس میں نل نہ تھا اور اس میں نل اور بجلی دونوں ہیں۔ ہاں نسیم کے بارے میں تو بتاؤ۔"

"جی ہاں وہ ٹھیک کہتے تھے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی۔"

"شکر خدا کا۔ تم اب اپنے زیور لے جانا میرے سر سے بوجھ ہلکا ہو جائے۔ دن اسکول میں گزار لو۔ شام کو میرے ساتھ گھر چلنا۔ الیس تمہیں بہت یاد کرتی ہے۔ الیس کو اس سال فرسٹ ایر میں جگہ نہیں ملی۔ اب گھر پر ہی تیاری کرنے کا ارادہ ہے۔"

"الیس کو آداب کہئے گا۔ اور مجھے معاف کیجئے۔ گھر پر بہت کام ہے۔ شام کو حاضر خدمت ہوں گی۔"

"ہاں ضرور آنا۔" شام کو زیورات لے کر گھر پہنچی تو آج ایک ماہ کے بعد اس کے چہرہ پر اطمینان کی مسکراہٹ تھی۔

سیدہ۔ ر۔ جعفری

(بقیہ صفحہ ۴۰) اور اس میں اپنی اعلیٰ خوبیاں [illegible] کی تلافی ممکن نہیں۔ خاندانی شرافت اور نسبی اصالت بہت بڑی چیزیں ہیں۔ جن کی قیمت لعل و گہر سے بھی نا ممکن ہے۔ والدین و بزرگ ان چیزوں کے پاسبان کہلاتے ہیں۔ اس نئے شباب کی گرم منزلوں کے تیز رو شہسواروں سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی تیز گامی میں اپنے جوہر شرافت کو پامال نہ کریں گے۔

سید رضا احمد جعفری

رنگِ زمانہ

زر کی قیمت بڑھ گئی ہے ان دنوں ایمان سے
جا رہا ہے روز انساں دور تر انسان سے

جو محبت سگ کو ہے انساں سے انساں کو نہیں
اشرف المخلوق کم تر ہو گیا حیوان سے

خود غرض اقوام ہیں ہر وقت آمادہ بہ جنگ
زیست مشکل ہو گئی لوگوں کو اطمینان سے

نفع اپنا اور اپنی قوم کا ہوتا ہو جب
پھر غرض ان کو نہیں ہے غیر کے نقصان سے

نام ہے اصلاح کا اور ہوتی ہے غارتگری
کچھ کما لیتے ہیں ماہی گیر ہر طوفان سے

اسلحہ کے ساتھ ان کے پاس ہے زورِ زباں
بزمِ شوریٰ تک نہیں ہوتی کبھی ایمان سے

باعثِ افلاس مشرق ہے فضائے مغربی
ہے سبکدوشی بہت دشوار اس احسان سے

کھا رہی ہیں قحطِ عالمگیر کی فکریں نئی
لوگ مر مر کر ابھی نکلے ہی تھے طوفان سے

روزِ روشن کی بہت جلد آ گئی افسوس شام
بعد مدت صبح آئی تھی بڑے ارمان سے

کس طرح چھ سال میں ہوں صاف صدیوں کے گناہ
ہو گا شاید ان کا کفارہ اب اپنی جان سے

ہو رہی ہے دھوم ایٹم بام کی چاروں طرف
اپنا مستقبل عیاں ہوتا ہے اس سامان سے

حکم تھا اللہ کا کرنا تفرق سے حذر
یہ سزا ہے ہم ہوئے غافل اسی فرمان سے

[illegible]

چھاچھ

کوئی دس بارہ سال ہوئے یورپ کے سربرآوردہ سائنس داں اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے کہ آیا ہماری غذا میں کوئی ایسی چیز بھی ہے۔ جو عمر کو بڑھاتی ہو اور جس کے استعمال سے انسان ہمیشہ تندرست رہے۔ کچھ عرصہ غور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے بعد ان سب کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا۔ کہ قیام صحت اور درازیٔ عمر کے لئے چھاچھ سے بہتر کوئی دوسری شئے تجربے میں نہیں آئی۔ اور اگر شروع ہی سے انسان دودھ کے اس حصّے کو اپنے استعمال میں رکھے تو پیٹ اور آنتوں کے عوارض سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

یورپ اور امریکہ والوں کے لئے چھاچھ کی یہ دریافت ممکن ہے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہو۔ لیکن ہندوستانیوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ چھاچھ کی ان غذائی و معالجاتی خصوصیات سے ہندوستان کے قدیم حکماء بخوبی واقف تھے۔ اور کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اس نفع بخش غذا کے تذکرے سے خالی ہو۔

یورپ کے اطبا کی یہ تحقیق ہے کہ ایک خاص قسم کا جرثومہ انسان کی آنتوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جو موقع پا کر ایک دفعہ میں ہزاروں کی تعداد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بالآخر انسان کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ چھاچھ کا استعمال اس جرثومہ کی پرورش کو جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ روک دیتا ہے۔ چھاچھ پینے والا ہمیشہ اس جرثومہ کے مہلک اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ [illegible] کا [illegible] پایا جاتا ہے [illegible] [illegible] چھاچھ [illegible] [illegible] نہیں [illegible] [illegible]

بلغاریہ اور یورپ کے دوسرے دیہاتی علاقوں کے باشندے عام طور پر بڑی بڑی لمبی عمروں کو پہنچتے ہیں۔ سو سال تک پہنچنے والوں کی اوسط مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ان دیہاتی ضلعوں میں کئی گنا زیادہ ہے۔ اس کا تمام تر سبب یہی بتایا جاتا ہے کہ ان علاقوں کے باشندے دہی کی لسی اور چھاچھ کا استعمال گوشت اور چائے اور قہوہ کی نسبت زیادہ کرتے ہیں۔ یہی حال ہندوستان کے دیہاتی علاقوں کا ہے۔ پنجاب کا کسان طبقہ جو زیادہ تر دہی چھاچھ سبزیوں اور پورے گیہوں کے آٹے پر بسر اوقات کرتا ہے شہریوں کی نسبت بہت زیادہ مضبوط ہوتا اور لمبی لمبی عمروں کو پہنچتا ہے۔ آریوویدک علم [illegible] کی رو سے چھاچھ حسب ذیل فوائد و خصوصیات کی حامل بتائی جاتی ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں جبکہ سورج کی تپش اور لوؤں کے تھپیڑوں سے منہ خشک ہو جاتا ہے۔ چھاچھ کا ایک گلاس آنکھوں کو تراوت اور کلیجہ کو ٹھنڈک دیتا ہے۔ یہ نہایت زود ہضم شے ہے روزانہ ناشتہ اور کھانے کے ساتھ اس کا استعمال جسم کی قوت کو بحال کرتا ہے۔ بالوں کو قبل از وقت سفید ہونے سے روکتا ہے جہاں اس کا رواج ہو بیماری وہاں سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔ بد ہضمی کے مریضوں کے لئے یہ نہایت عمدہ غذا ہے۔ اسہال اور پیچش میں دوا کا کام دیتی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے چھاچھ جیسی چیز کو چھوڑ کر اس کی جگہ چائے قہوہ کوکو کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ یہ چیزیں نہ صرف [illegible] آب و ہوا میں موافق نہیں آتیں بلکہ [illegible] چھاچھ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ضمانتی ہنڈیاں

موجودہ غذائی معرکہ جو ہمارے ملک کے لئے ایک نہایت
ہی بھیانک اور اہم مسئلہ کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔
مکمل طور پر جنگ حال کی پیداوار ہے۔ چھ سال کی مسلسل
جنگ اور اس جنگِ عظیم کے محیر العقول اخراجات نے صرف
ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک کی اقتصادی اور
مالی حالتوں کو ناگفتہ بہ کر کے چھوڑا ہے۔ جنگ کے اختتام پر
امریکہ اور شاید کچھ حد تک روس ہی دو ملک ایسے تھے جو بلا کسی امداد
خارجی کے اپنے پیٹ پال سکتے تھے۔ جب دنیا کے بیشتر ممالک
کا یہ حال ہو تو ہندوستان غریب کی حالت جتنی بھی خراب ہو
کم ہے۔ ہندوستان کی غذائی زبوں حالی جس کے متعلق میں
ماہ اپریل کے پرچے میں لکھ چکا ہوں۔ بہت حد تک ہمارے
ملک کی مالی بدحالی کا مرہونِ منت ہے۔ اس مختصر مضمون میں
ہم ملک کی مالی حالت کے اس پہلو پر کچھ روشنی ڈالیں گے جسے
ضمانتی ہنڈیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہماری
مالی بہبود اور صنعتی ترقی کے لئے بہت اہم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ
دونوں چیزیں یعنی مالی خوشحالی اور صنعتی ترقی ہندوستان کے
آئے دن کے قحط، بھوک، بیماری اور جہالت کے دور ہونے
نہ ہونے پر کس قدر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں
ہمارے معیارِ زندگی کا دار و مدار انہیں پر ہے۔

اس جنگ سے بیشتر جس سے ہم نے ابھی حال میں نجات
پائی ہے۔ ہندوستان ایک مقروض ملک تھا جس پر دولت
برطانیہ کے کثیر قرضہ کا بار مسلط تھا لیکن جب ۱۹۳۹ء میں
جنگ شروع ہوئی تو اس جنگ کے روز افزوں اخراجات کو
برداشت کرنا حکومت برطانیہ کے لئے سخت دشوار ہونا
شروع ہوا۔ انگریزوں نے جس قدر بھی پونجی بیرونی ممالک
میں لگا رکھی تھی۔ وہ سب آہستہ آہستہ ختم ہوتی گئی
لیکن اخراجات اور بھی بڑھتے گئے۔ چنانچہ اس صورت
حال کے پیشِ نظر انگریزوں نے مختلف ایسے طریقے اختیار کئے جن سے
جنگ کے لئے سب ضروری سامان بھی فراہم ہو سکے اور
اور انہیں فوراً نقد وغیرہ کی قسم سے کچھ دینا بھی نہ پڑے۔
سوائے ایک وعدہ بعید کے۔ اسی قسم کا ایک طریقہ
ہندوستان میں اختیار کیا گیا۔ تاکہ جاپان کی لڑائی کے کثیر
اخراجات بالخصوص اور عام برطانوی جنگی مصارف بالعموم
پورے ہوتے رہیں۔ مذکورہ بالا ضمانتی ہنڈیاں کا باعث
بنا جس کا فوری اور لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان ایک
مقروض ملک سے ساہوکار ملک ہو گیا۔ اور آج انگریزوں
پر ہندوستان کی ایک بہت بھاری رقم یعنی تقریباً ایک ہزار
کروڑ روپیہ قرض چڑھا ہوا ہے۔ ایک اتنی بڑی رقم اگر کسی
ملک کو اپنی صنعتی و معاشی بہتری پر آزادی سے خرچ کرنے
کے لئے مل جائے تو اس کی اقتصادی حالت کتنی مستحکم ہو سکتی
ہے۔ اس کا اندازہ پورے طور پر جب لگایا جا سکتا ہے۔
جب ہم اپنے ملک کی اقتصادی حالت کا پورا پورا جائزہ
لے لیں۔

ان ضمانتی ہنڈیوں کا طریق کار کیا ہے؟ مناسب ہوگا
اگر مختصراً اس چیز کو یہاں بیان کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں
سب سے اول چیز جو قابلِ غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ قانون ہند
۱۹۳۵ء کے ایک دفعہ کے مطابق ہندوستان کا سرکاری
بینک یعنی ریزرو بینک برطانیہ کے ہر کاغذی ضمانت کے عوض
میں حکومت برطانیہ کے نمائندوں کو نقد روپیہ۔ اور نوٹ
(ہندوستانی) دینے پر پابند ہے لیکن اس قسم کی کوئی
پابندی عاید کی جائے تو وہ دو طرفہ ہونی چاہئے۔
اس کے بعد ہندوستان کے جنگی اخراجات

مذکورہ بالا اعداد و شمار کے مطالعہ سے چند باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ مثلاً :-

(۱) یہ کہ ذخیرۂ زر جو جدول نمبر ۱ میں دکھایا گیا ہے۔ برابر خاصی رہا۔ جب کہ جاری شدہ نوٹوں کی مقدار جو جدول نمبر ۳ میں دکھایا گیا ہے۔ چارگنی ہو گئی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر اشیائے خورد و نوش یعنی غلہ وغیرہ وغیرہ کی قیمتیں بھی چارگنی ہو گئیں۔

(۲) یہ کہنا کہ نوٹوں کی مقدار ہندوستان کی اپنی آمدنی کے اضافہ کی بنا پر بڑھائی گئی ہے۔ اور یہ آمدنی حاصل تجارت کی صورت میں ہوئی سراسر غلط ہے اور دھوکہ ہے۔ حاصل تجارت جو جدول نمبر ۴ میں دکھایا گیا ہے۔ ضرور آمدنی پر مشتمل رہا اور ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۴ء تک اس میں قدرے اضافہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ جس چیز کو ہم فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ ہوم چارجز کی رقم ہے۔ جو جدول نمبر ۶ میں دکھائی گئی ہے۔ جو دوران جنگ میں دوگنی ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ تجارت کی آمدنی کا تقریباً دو تہائی یعنی ۶۶ فی صدی کا رقم ہوم چارجز کی ادائی میں خرچ ہو گئی (۱۹۴۴ء کے اعداد)۔

(۳) یہ کہ دولت برطانیہ کے اخراجات ہندوستان میں ۱۹۳۹ء میں صرف ۴ کروڑ تھے اور ۱۹۴۴ء میں یہ ۲۹۲ کروڑ ہو گئے۔ یعنی پانچ سال کے عرصہ میں اخراجات تقریباً سو گنے ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ نوٹوں کی مقدار بھی یہاں بہت بڑھ گئی۔

یہ تو ۱۹۴۴ء کے آغاز تک کا حساب ہے سال مذکور کے مختلف مہینوں کے اعداد بھی ملاحظہ ہوں :-

اعداد کروڑ میں ہیں

ماہ	ضمانتی ہنڈیاں	جاری شدہ زر کاغذی
اپریل ۱۹۴۴ء	۷۸۸٫۵۸	۸۹۶٫۸۰
جون "	۸۴۱٫۳۳	۹۲۶٫۰۰۰
ستمبر "	۸۴۱٫۹۳	۹۳۷٫۰۸
اکتوبر "	۸۵۱٫۸۳	۹۵۶٫۳۳

اکتوبر ۱۹۴۴ء کے اعداد سے جاری شدہ نوٹوں کی مقدار کی مناسبت اور تعلق ضمانتی ہنڈیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی دونوں تقریباً مساوی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ نوٹوں کی مقدار ہندوستان کی آمدنی کے بالمقابل میں بڑھائے گئے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ نوٹ جو ضمانتی ہنڈیوں کے عوض میں جاری کئے گئے۔ غریب ہندوستان کے خون پسینے کی کمائی ہیں۔ اور یہ ضمانتی ہنڈیاں ہم نے کوئی منفعت بازی سے نہیں جمع کی ہیں بلکہ یہ ہندوستان کے کروڑہا مفلوک الحال اور بے کس مزدوروں کے منہ کے نوالے ہیں۔ جس سے انہیں محروم کر دیا گیا۔ یہ ان کی محنت و مشقت کا ذخیرہ ہے۔ یہ ۱۹۴۳ء کے قحط بنگال میں لاکھوں فاقے اور بھوک سے مرنے والوں کی جانوں کی قیمتیں ہیں۔ یہ ہماری وہ آسائشیں ہیں۔ جن کو حاصل کرنا ہمارا حق تھا۔ یہ نادار مفلس اور فاقہ زدوں کے خون کے قطرے ہیں۔ جو آج دولت بن گئے ہیں۔ اس دولت کو اکٹھا کرنے میں ہندوستان کے لوگوں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہیں۔ اب اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہمارا حق ہے۔

انگریز ماہرین اقتصادیات یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ان ضمانتی ہنڈیوں کی قیمت میں تخفیف کر دے اور اپنے اس دعوے کے سلسلے میں وہ چند عذر لنگ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اولاً یہ کہ جس وقت برطانوی اخراجات ہندوستان میں کئے گئے جن کی بنا پر یہ ہنڈیاں جمع ہوئیں اس وقت روپے کی قیمت بہ مشکل چار آنے تھے۔ چنانچہ اب ان ہنڈیوں کی پوری قیمت ادا کرنے میں ان کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑے گا۔

(۲) دوم یہ کہ یہ قرضہ انگلستان نے کسی تجارتی یا معاشی معاملہ میں ہندوستان سے نہیں لیا ہے [illegible] جنگ کے سلسلے میں وجود میں آئے [illegible] برابر کا شریک تھا [illegible]

میں خود ہندوستان کی فلاح و بہبود اتنی ہی شامل تھی جتنی کہ انگلستان کی۔

اب ان کا جواب بھی سن لیجئے جو ان اعتراضوں کو بالکل مہمل کر دیتے ہیں

(۱) ہندوستان یہ کہہ سکتا ہے اور بالکل بجا ہوگا کہ جس وقت ہندوستان کے کروڑوں آدمیوں نے جنگ کے لڑے جانے میں مختلف خدمات انجام دیں۔ اس وقت ان کو جو معاوضات دیئے گئے۔ وہ کسی طرح بھی زمانۂ امن کے دس گنے یا چار گنے نہ تھے۔ بلکہ تقریباً اتنے ہی تھے جتنے کہ وہ ہمیشہ سے پاتے رہے تھے لیکن چونکہ روپیہ کی قیمت صرف چار آنے رہ گئی تھی۔ اس لئے ان کو اپنی محنت و مشقت کا ایک چوتھائی معاوضہ ملتا رہا۔ ۷۵ فی صدی ان کی محنت و مشقت آخر کس امید پر قربان ہوتی رہی۔

علاوہ ازیں ہندوستان کے عام باشندوں نے تمام اشیائے استعمال کی چوگنی اور دس گنی قیمتیں ۱۹۴۲ء سے آج تک ادا کی ہیں۔ اور کر رہے ہیں اس سے ان کو جو مالی نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس کا کیا صلہ ہوگا۔

(۲) اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اولاً تو یہی سراسر غلط ہے کہ یہ جنگ اتنی ہی ہماری تھی جتنی کہ برطانیہ کی علاوہ اگر ہم مان بھی لیں کہ ہندوستان اس جنگ میں برابر کا شریک تھا۔ پھر بھی ان ضمانتی ہنڈیوں کے تخفیف کئے جانے کی کوئی دلیل پیدا ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوستان میں جنگی اخراجات دو قسم کے تھے۔ ان میں سے ایک وہ مد جس کی حکومت ہند [illegible] ہندوستانی [illegible]

[illegible]

اب ہم کسی صرف کے کفیل نہیں ہو سکتے۔

اس وقت جبکہ وزارتی وفد ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر چکا ہے اور یہاں کے سیاسی اور آئینی نظام کو از سر نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ بہتر ہوگا اگر دولت برطانیہ اپنے خلوص کے ثبوت میں ہندوستان کی ضمانتی ہنڈیوں کو پورا پورا بغیر کسی شرط کے ادا کرنا شروع کر دے۔ اور ہندوستان کو اپنا سرمایہ اپنی منشاء اور مرضی کے مطابق خرچ کرنے کی آزادی دیدے۔ یہ چیز ہندوستان کو نئی سیاسی اور معاشی نظام کے تعمیر میں بہت سہولتیں فراہم کردے گی۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ برطانیہ اور ہندوستان کے تعلقات مستقبل میں ہمیشہ خوشگوار اور مستحکم رہیں گے

بدر عالم قریشی بی اے آنرس۔ ایم اے علیگ

تصویر کے دو رُخ

(دو نظمیں)

پہلا

کالج کی ایک جماعت میں
زیر تعلیم لڑکیاں ہیں بہت!
کالج آتی ہیں زیب و زینت سے
بے نقاب و بے پردہ مگر!
مغربی رنگ کی ہیں تصویریں
قابل شرم عادت و اطوار!
سر پہ آنچل نہیں ہے ساری کا
گفتگو میں بھی طرز بے باکی!
ان کی نظروں میں مقصد تعلیم
صرف بے پردگی و آزادی
کل کی [illegible] زندگی [illegible]
قوم کے واسطے مفید نہیں!

دوسرا

لیکن اک ہم جماعت ان کی
کیسی صورت تھی یہ نہیں معلوم!
جسم برقعہ میں رخ پہ اک نقاب
بات آہستگی سے کرتی تھی!
بیٹھتی تھی الگ تھلگ سب سے
جتنے اطوار سب شریفانہ!
بے حجابی نہ کوئی بے باکی
صرف تحصیل علم نصب العین
تھی تصور مقصد تعلیم
[illegible] عصمت کی اصل [illegible]
آہ جو ہندوستان کو [illegible]
[illegible] کی ضرورت ہے!

رسول اللہ صلعم کی کفایت شعاری

مسلمانوں میں اس وقت کفایت شعاری کا لفظ خست اور نحوست کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف تو عام افلاس مسلمانوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ کفایت شعاری اختیار کریں۔ مگر دوسری طرف کفایت شعاری ان کے نزدیک ایسی معیوب چیز ہے کہ وہ اسے اختیار کرنا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کے سامنے کفایت شعاری کا نمونہ اُن کے بعض برادرانِ وطن کی زندگی ہے۔ جو نہ خود کھاتے ہیں۔ اور نہ اپنے وابستگان کو کھانے دیتے ہیں۔ وہ میلی دھوتیوں میں زندگی کے کئی کئی سال گزار دیتے ہیں۔ اور بس۔ بھلا اب بتائیے کہ مسلمان طبعاً فیاض دل اور مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔ خواہ کیسے ہی مفلس اور تباہ حال کیوں نہ ہو جائیں۔ وہ کس طرح لئیم اور بخیل ہو سکتے ہیں۔ البتہ اگر وہ اپنے سردارِ دو جہاں اور ہادیٔ برحق کی پاک اور سادہ زندگی کو پیش نظر رکھیں تو عجب نہیں کہ اس کشاکش کے زمانہ میں اُن کا بیڑا پار ہو جائے آنحضرت صلعم کی زندگی میں متعدد متضاد امور پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو آپ پیوند لگے کپڑے زیب تن فرماتے ہیں۔ ایک قسم کے کھانے سے زیادہ نہیں کھاتے ستو اور کھجوروں پر بسر کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کئی کئی روز آپ کے گھر میں آگ جلنے کی نوبت نہیں آتی۔ مگر جب مہمان آجاتے ہیں۔ تو وہی گھر دن عید اور رات شب برات بن جاتا ہے اور جو کچھ بن پڑتا ہے خوش دلی کے ساتھ ان کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ ایک طرف سرورِ کائنات صلعم خود اپنے مکان میں جھاڑو دیتے ہیں۔ اپنے اونٹوں اور بکریوں کے سامنے چارہ ڈالتے ہیں۔ ان کا دودھ دوہتے ہیں۔ شبل مزدوروں کے خندق کھودتے ہیں۔ مسجد کے کام میں ٹوکری ڈھوتے ہیں۔ دوسری طرف جسم کو اندرونی کثافتوں سے اس درجہ پاک صاف رکھتے ہیں کہ پاس بیٹھنے والوں کو جسم مبارک سے خوشبو آتی ہے ایک طرف فتح خیبر کے بعد تک کچی اینٹ اور گارے کے مکان میں رہتے ہیں۔ جس کا کل فرنیچر ایک چارپائی اور پانی کی ٹھلیا ہے۔ دوسری طرف ہزاروں درہم اور دینار اپنے دستِ مبارک سے مجاہدین میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور خود ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں پس آپ کو کفایت شعاری نہ مکان اور جسم کی غلاظت کی موجب ہوتی ہے۔ نہ ایسی تنگ دلی پیدا کرتی ہے۔ جو اعزا اور احباب مسلمانوں اور مسافروں کی کوفت کی باعث ہو۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو مسلمانوں کے اس نازک زمانہ میں آنحضرت صلعم کی اس سنت کو اختیار کر کے محض اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ قوم اور قوم کے بچوں کے لئے کفایت شعاری کا نمونہ بنیں اور اس زمانہ میں جو طریقے روپیہ کو پس انداز کر کے اُسے بڑھانے کے پیدا ہو گئے۔ سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلائیں وہ طریقے یہ ہیں کہ اپنا اور اپنے بچوں کے حسابات "ڈاک خانہ اور بنکوں میں کھولیں۔ اپنی زندگی کا اور بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائیں۔ اپنے ہم قوم کاشتکاروں۔ کاریگروں اور دوکانداروں کے لئے معین منافع پر روپیہ فراہم کر کے انہیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلائیں اور انھیں اشدھی ہونے سے بچائیں۔ یہی اس زمانہ کا اقتصادی جہاد ہے

قیصر جہاں نظامی بدایونی

دُودھ

گذشتہ جنگ سے پہلے ہندوستان میں غذا کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی اور نہ کبھی یہ محسوس کیا گیا کہ ہندوستان جیسا وسیع اور زرعی ملک اپنی غذائی ضروریات میں خود کفیل نہیں ہے۔ جنگ میں اور بالخصوص برما پر جاپان کا قبضہ ہو جانے کے بعد اس کا شدت سے احساس ہوا۔ اور اس کے نتیجے میں بنگال میں وہ خوفناک قحط پڑا جس میں لاکھوں انسان فاقوں سے تنگ آکر سسک سسک کر مر گئے اور لاکھوں خاندانوں کی زندگی تباہ و تاراج ہو گئی۔ جب غذا کی قلت نے خطرناک شکل اختیار کر لی تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں راشننگ کے طریقہ کا آغاز ہوا اور اس کے ساتھ ہی انسانی صحت اور توانائی کو برقرار رکھنے والی کم سے کم مقدار پر زیادہ غور و خوض کیا جانے لگا۔ اس قسم کی تحقیق اور تجربات کا مقصد یہ تھا کہ کہیں ایسی نوبت نہ آجائے جس سے عام آبادی اور بالخصوص جنگی شعبوں میں کام کرنے والے مزدور اور کلرک قلت غذا کی وجہ سے اپنی طاقت اور توانائی کھو بیٹھیں۔ ساتھ ہی آئندہ آنے والی نسلوں کے صحت کے معیار کو نہ صرف برقرار رکھنے بلکہ اس کو بلند کرنے کی خاطر بھی مختلف تجاویز پر غور کیا جانے لگا۔ اگرچہ کام جتنا ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا اور نہ اس سے کچھ بہت زیادہ فوائد عوام کو حاصل ہوئے تاہم پھر بھی ہندوستان کے لئے ایک اقل ترین غذائی معیار مقرر کیا گیا جس میں چھوٹے بچوں کو زیادہ سے زیادہ دودھ دینے پر بھی زور دیا گیا۔

دودھ کے فوائد سے کوئی ذی ہوش آدمی انکار نہیں کر سکتا اور ہندوستان کے چھوٹے گاؤں [illegible] وقت سے سب ہی جانتے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]

اب سائنس کی تحقیق سے اس میں مزید موشگافیاں کی گئیں اور پتہ چلا کہ دودھ میں نہ صرف پروٹین، وٹامن (حیاتین) کیلشیم اور دوسرے مادے پائے جاتے ہیں بلکہ اس میں بعض وہ اجزا بھی شامل ہیں جو غلے میں نہیں ہوتے اور صرف غلہ کھانے والوں کو بعض امراض میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے مگر دودھ کے استعمال سے یہ خطرہ پیدا نہیں ہونے پاتا۔ غالباً بہتوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایک سیر عمدہ اور خالص دودھ میں وہی غذائی قوت ہوتی ہے جو نصف سیر عمدہ گوشت یا ایک سیر مچھلی یا نو انڈوں یا دس چھٹانک چوزہ کے گوشت میں ہوتی ہے۔

پیدا ہونے والے بچوں کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان کے واسطے ابتدا سے اچھی غذا کا انتظام کیا جائے اور اس غذا کا آغاز نہ صرف پیدائش سے شروع ہوتا ہے بلکہ اس کا اہتمام اسی وقت سے ہونا چاہئے جبکہ بچہ ماں کے پیٹ میں ہو۔ بچہ کی پیدائش سے قبل اور اس کو دودھ پلانے کے زمانے تک ماؤں کو اچھی غذا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے بچوں کو اچھی غذا مل رہی ہے۔ بچہ کا دودھ چھڑا دینے کے بعد اس کو اچھی غذا کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کم عمر بچوں کو اس زمانے میں جو غذا دی جائے اس میں اگر دودھ کا مناسب جزو شامل نہ ہو تو یہ بالکل بے کار ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دودھ کی وہ کونسی مقدار ہے جو ایک انسان اور بالخصوص ایک بچے کے واسطے ضروری ہے تو تحقیق و تجربوں کے بعد پتہ چلا ہے کہ دس سال تک کی عمر کے بچوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کے واسطے کم از کم [illegible] ایک [illegible] کی ضرورت ہے [illegible]
[illegible]

۸ اونس یا نصف پونڈ دودھ کافی ہے۔

لیکن شاید آپ کو یہ معلوم ہو کر حیرت ہوگی کہ ہندوستان میں دوسرے ملکوں کے مقابلے میں ضرورت سے کہیں زیادہ مویشی ہیں مگر دودھ کی مقدار یہاں بہت ہی کم ہے چنانچہ ذیل کے اعداد سے اس کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

نام ملک	دودھ کا یومیہ اوسط فی کس	
کینیڈا	۲۲	اونس
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۱۷	"
برطانیہ	۱۱	"
آسٹریلیا	۵	"
ہندوستانی دیہات	۴	"
ہندوستانی بڑے شہر	۲	"

لہذا سب سے پہلے اہم چیز تو یہ ہے کہ دودھ کی پیدائش کی مقدار میں اضافے کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ساری آبادی اور تمام بچے معقول مقدار میں دودھ استعمال کرنا شروع کر دیں تو ملک میں اتنا دودھ ہی نہیں ہوتا کہ ان سب کی ضروریات پوری ہو سکیں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ہندوستان میں مویشی کی کوئی کمی نہیں بلکہ ان کی تعداد ضرورت سے زائد ہے مگر ہمارے جانوروں کا بڑا حصہ لاغر، کمزور، بیمار اور ناکارہ مویشی پر مشتمل ہے۔ جن کو نہ تو مناسب غذا اور چارہ ملتا ہے۔ اور نہ ان کی نگہداشت کا کوئی معقول انتظام ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے ناکارہ مویشی تندرست جانوروں کے واسطے ایک قسم کا بار ہیں کیونکہ ان سے کوئی فائدہ تو حاصل نہیں ہوتا۔ مگر وہ ان اچھے جانوروں کا حصہ بٹا لیتے ہیں اور اس طرح اچھے جانوروں کو بھی کافی غذا نہیں ملتی۔ پھر ہندوستان میں یہ خیال عام ہے کہ بھینس سب سے زیادہ دودھ دیتی ہے لیکن ملک کے صرف چند ہی حصے مثلاً کاٹھیاواڑ، گجرات یا پنجاب اور یوپی کے بعض علاقے ایسے ہیں جہاں ایک بھینس ۹-۱۰ سیر دودھ روزانہ دیتی ہے مگر دکن، سنٹرل انڈیا، مدراس، اڑیسہ اور جنوبی بہار میں اچھی سے اچھی بھینس سے ۳-۴ سیر سے زیادہ دودھ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ گائے کے دودھ کا اوسط تو دو سیر سے نصف سیر بلکہ بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ حالانکہ اچھی نسل کی گائیں اگر ان کی کھلائی اور نگہداشت اچھی ہو تو بہت کافی دودھ دے سکتی ہیں سکندرآباد کے ڈیری فارم میں ایسی متعدد گائیں ہیں جو روزانہ ۶۰، ۷۰ پونڈ دودھ دیتی ہیں۔ اور یہاں کی ایک گائے کا ریکارڈ تو ۹۳ پونڈ تک پہنچ چکا ہے جب گائیں اتنا دودھ دے سکتی ہے تو بھینسوں کی اگر نگہداشت اچھی ہو اور ان کو معقول غذا دی جائے اور صحت بخش ماحول میں رکھا جائے تو ان سے اس سے زیادہ یا کم از کم ان ہی کے برابر دودھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنے ذاتی مویشی ہیں ان کے علاوہ دوسرے آدمیوں کو خالص دودھ میسر نہیں آتا، پہلے دیہات اور چھوٹے قصبات میں خالص دودھ مل جایا کرتا تھا مگر اب تو وہاں بھی دشواری ہی سے خالص دودھ فراہم ہو سکتا ہے۔ بڑے شہروں میں تو خالص اور اچھے دودھ کا فقدان ہے۔ اگر دودھ بیچنے والے آدمی سے دودھ کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نصف سے زائد پانی ہے اور نصف سے کم دودھ پھر دودھ بیچنے اس کو رکھنے اور اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے جو طریقے رائج ہیں وہ بہت ہی خراب اور ناقص ہیں دودھ بڑی نازک چیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ خراب اثرات بہت جلد قبول کر لیتا ہے اور اس قسم کا دودھ صحت بخش ہونے کے بجائے مضر صحت ہوتا ہے۔ دودھ جن برتنوں میں نکالا جاتا ہے ان کو حقیقی طور پر بہت ہی کم صاف کیا جاتا ہے نہ دودھ نکالنے سے پہلے تھنوں اور ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے۔ دودھ ہر جگہ عام طور پر کھلا رکھا جاتا ہے خواہ وہ حلوائی کی دکان ہو یا حلوائی کی دوکان، بڑے شہروں میں دودھ بیچنے

جا سکے تیل کے کنستروں گھڑوں یا بھنگیوں میں آتا ہے جن میں بیشتر اوقات ڈھکنے نہیں ہوتے اور جو دودھ کو چھلکنے سے روکنے کے لئے ان کے منہ پر گھاس رکھدی جاتی ہے، گھاس میں جو کوڑا کرکٹ اور جراثیم ہوتے ہیں وہ تو خیر دودھ میں شامل ہوتے ہی ہیں مگر ریت، مٹی اور ریل کے کوئلے کے باریک ذرات بھی بڑی آسانی سے گھاس میں سے چھن کر دودھ میں مل جاتے ہیں، تغریب سے بچانے کی خاطر اکثر اوقات دودھ کے برتن میں ایک بڑا سا کوئلہ ڈال دیا جاتا ہے۔ دوکانوں پر بھی کھلے ہوئے برتنوں میں فروخت ہوتا ہے اس طرح نہ معلوم کن کن امراض کے جراثیم دودھ میں گھل مل جاتے ہیں۔

اگر خالص دودھ فراہم بھی ہو جائے۔ تو سب سے اہم سوال اس کی قیمت کا ہے۔ جنگ سے پہلے دودھ بہت زیادہ گراں نہ تھا۔ مگر اچھے مویشی کی قلت۔ ان کی غذا چارہ وغیرہ کی قیمت میں اضافہ اور دودھ کی مانگ بڑھ جانے کی وجہ سے دودھ کی قیمت میں کافی اضافہ ہو گیا ہے آج غالباً دور افتادہ دیہات میں بھی روپیہ کا ½ ۲ سیر سے زیادہ دودھ نہ ملے گا۔ قصبات اور چھوٹے شہروں میں دودھ کا نرخ عموماً ½ ا سیر فی روپیہ ہے۔ اور بڑے بڑے شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی وغیرہ میں تو روپیہ کا ایک پونڈ دودھ ملتا ہے۔ ان حالات میں غربا تو درکنار متوسط طبقے کے آدمیوں سے بھی توقع رکھنا بے کار ہے کہ وہ اپنے بچوں کے واسطے دودھ کا انتظام کر سکیں گے۔

دوسرے ملکوں میں دودھ کی جانب خاص توجہ کی جاتی ہے اور بعض ملک مثلاً ڈنمارک، بلجیم اور ہالینڈ تو ڈیری کی اشیا کے واسطے مشہور ہیں یورپ اور انگلستان کے بڑے شہروں میں بہت بڑی بڑی ڈیریاں قائم ہیں، میلان کی ایک ڈیری میں روزانہ چار لاکھ پونڈ دودھ تقسیم ہوتا ہے لندن کی ایک ڈیری میں ۲ لاکھ پونڈ دودھ ہفتہ وار تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس ڈیری میں ایک تجربہ گاہ بھی ہے جہاں سال بھر میں ۸ لاکھ دودھ کے نمونوں کا معائنہ اور تجزیہ کر کے دیکھا جاتا ہے کہ کہیں اس میں کوئی آمیزش یا خراب قسم کے جراثیم تو سرایت نہیں کر گئے۔ ان تمام ڈیریوں میں سارا کام مشین سے کیا جاتا ہے۔ اور کہیں دودھ کو انسانی ہاتھ نہیں لگتا۔ یہ دودھ گرم کر کے بوتلوں میں بند کیا جاتا ہے پھر ان پر مہر لگا کر سارے ملک میں تقسیم کیا جاتا ہے یورپ کے تقریباً تمام ملکوں میں بچوں کے واسطے دودھ کا خاص انتظام ہے۔ اور تمام اسکولوں میں ماسٹروں کی نگرانی میں ان کو دودھ پلایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں دودھ کی افراط اور اس کی عمدگی کا معیار اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا جائے۔ اور غربا کو اس وقت تک دودھ میسر ہی نہیں آ سکتا جب تک ان کے واسطے ارزاں دودھ فراہم کرنے کا انتظام نہ کیا جائے۔ کچھ دنوں سے حکومت بمبئی نے اس جانب خاص توجہ شروع کی ہے۔ مثلاً اول تو اس نے شہر بمبئی [illegible] کے ہوٹلوں، چائے اور قہوہ خانوں اور کافی گھروں میں دودھ کی چائے، لسی، کافی، آئس کریم وغیرہ بنانے کی ممانعت کر دی ہے اور یہاں چائے اور کافی وغیرہ میں پاؤڈر کا دودھ استعمال کیا جاتا ہے اس طرح دودھ کی بڑی مقدار کی بچت کر لی گئی ہے دوسرے ہوٹلوں کو رات کے گیارہ بجے بند ہو جانے کا حکم دے دیا گیا ہے اور تقاریب اور بڑی پرائیویٹ ضروریات کے واسطے بھی دودھ نہیں ملتا۔ دوسری جانب اس نے خالص اور ارزاں دودھ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے۔ چنانچہ آج کل تقریباً ۲۲ ہزار من دودھ روزانہ حکومت کی جانب سے [illegible] کے ذریعے بچوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اس سے شہر میں ½ ۲ لاکھ اور مضافات میں پچاس ہزار خاندان مستفید ہو رہے ہیں اس دودھ کی قیمت [illegible] سیر ہے جبکہ بمبئی میں دودھ

عام مجاور ... پیک ... ہے۔ حکومت سالانہ ۸ کروڑ روپیہ کا
دودھ فروخت کر رہی ہے اور اس میں نصف کے قریب خسارہ
بھی برداشت کر رہی ہے مگر اتنا کثیر خسارہ عارضی ہے کیونکہ
وہ عنقریب خود اپنے بڑے بڑے ڈیری فارم کھولنے والی ہے
اور اس قسم کی دوسری تدابیر اختیار کرنے والی ہے۔ جس سے
یہ خسارہ بہت کم ہو جائے گا۔ اور اس اسکیم سے زیادہ سے
زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں گے۔

ہندوستان میں دودھ کے مسئلے کا حل صرف یہی ہو سکتا ہے کہ دیہات، قصبات اور چھوٹے شہروں میں لوگ اپنے اپنے ذاتی مویشی پالیں اور اس طرح اپنے بچوں کے واسطے خالص دودھ حاصل کریں، بڑے شہروں میں حکومت کے اشتراک و تعاون کے بغیر نہ خالص دودھ مل سکتا ہے اور نہ وہ ارزاں قیمت پر دستیاب ہو سکتا ہے۔ جس سے غربا اور متوسط طبقے کے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ لہٰذا وہاں کے عوام کو اپنی اپنی حکومتوں، میونسپلٹیوں اور ریاستوں میں مقامی حکومتوں سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ ان کے بچوں کے واسطے خالص اور ارزاں دودھ فراہم کریں، صوبوں میں یہ مطالبہ کچھ بھی مشکل نہیں کیونکہ ہر جگہ حکومت عوام کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ بہت آسانی سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ آنے والے قحط کے خطرات کے پیش نظر یہ مطالبہ اتنی شدت اختیار کر سکتا ہے کہ اگر حکومتیں اس مطالبہ پر دھیان نہ دیں تو ان سے مستعفی ہو جانے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

محمد احمد سبزواری ایم۔ اے

بچھونے پر

اے مرے منتشر خیالو جاؤ — جاؤ جاؤ نہ اس طرح ستاؤ
کب تلک تم مجھے ستاؤ گے — نیند میری یونہی اڑاؤ گے
روح افسردہ مضمحل ہے دماغ — ذہن کا ہے بجھا بجھا سا چراغ
کلفت اور ماندگی خدا کی پناہ — سخت مشکل ہے زندگی سے نباہ
رات بھی جب سکون دے نہ پائے — کیوں نہ جینے سے کوئی اکتائے
دل یہی چاہتا ہے مر جاؤں — زندگی سے کنارہ کر جاؤں
دن سب افکار لے کر آتے ہیں — ہر طرح سے ہمیں ستاتے ہیں
محنتوں اور مشقتوں سے گھرے — سو طرح کی مصیبتوں میں گھرے
پیستی ہے حیات کی چکی — عافیت جس سے مل نہیں سکتی
رات کا چین تم مٹاتے ہو — خواب تسکین کے یوں گنواتے ہو

کتنا پیارا ہے نیند کا سایا — جس نے ہستی پہ کیف برسایا
بستیاں ہو رہی ہیں ویرانے — سو رہے ہیں غموں کے کاشانے
نکہت و رنگ کی حسیں پریاں — شاخساروں پہ دلنشیں کلیاں
کھو گئیں نیند کی حلاوت میں — سارا عالم ہے خواب راحت میں
آشیانوں میں سو گئیں چڑیاں — سو گئیں [illegible]
سو بھی جاؤ مجھے سلاؤ نا — خواب کی بستیاں بساؤ نا

موت سے ہمکنار ہو جاؤ
رات کی تیرگی میں کھو جاؤ

نوشابہ [illegible]

دنیا میں زندگی

پہلے یہ خیال تھا کہ زندگی صرف ہمارے ماحول کی سی فضا، حرارت اور دوسری چیزوں کی موافقت رکھنے والے سیاروں ہی میں ہو سکتی ہے لیکن آج تجربات و مشاہدات سے واضح ہو گیا ہے کہ زندگی ماحول سے اثر پذیر ہوتی ہے اور اسی کی موزونیت سے پنپتی اور بڑھتی ہے۔

زندگی کے وجود کے لئے کسی ایسے کیمیاوی نظام کی ضرورت ہوتی ہے جو دوسری چیزوں کی آمیزش سے کئی لاکھ مختلف مرکبات بنا سکے جس میں کچھ ٹھوس، کچھ مائع اور کچھ سیال کی شکل میں ہوں۔ جہاں ایسا نظام ہوتا ہے وہاں دو یکسر مختلف قسم کے جاندار وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی خوراک ایک دوسرے کی خارج کردہ چیزیں ہوتی ہیں۔

ہماری دنیا کاربن کیمیاوی نظام پر مشتمل ہے۔ کاربن صرف دو چیزوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ساتھ مختلف تناسب میں مل کر کئی لاکھ مرکبات بناتا ہے۔ اکثر و بیشتر استعمال کی چیزوں میں کاربن ہوتا ہے مثلاً شکر میں، سبزی میں، پھلوں میں، پٹرول میں، تیلوں میں، گھی میں، دودھ میں، اور اسی طرح کاربن کئی چیزوں کا لازمی عنصر ہے۔

کاربن خود جلتا ہے اور آکسیجن گیس جلنے میں مدد کرتی ہے ہم اپنی غذا میں دوسری چیزوں کے ساتھ کاربن کی بہت بڑی مقدار استعمال کرتے ہیں سانس لینے سے ہوا کی آکسیجن گیس اندر جا کر کاربن کو جلاتی ہے اس گرمی سے ہمارا جسم دوسری چیزوں سے زیادہ گرم رہتا ہے اور دوسرے کیمیاوی عمل ہوتے ہیں جس سے خون گوشت اور دوسری چیزیں بنتی ہیں جو ہوا ہم سانس کے ذریعہ خارج کرتے ہیں۔ اس میں آکسیجن اور کاربن کے آمیزش سے بنی ہوئی گیس کاربن ڈائی آکسائڈ کہلاتی ہے ہوتی ہے۔ اگر ہم ایسے کمرے میں بند کر دیئے جائیں جہاں صرف کاربن ڈائی آکسائڈ گیس ہو اور خالص آکسیجن موجود نہ ہو تو ہم فوراً ہی مر جائیں گے کیونکہ ہماری زندگی کے لئے آکسیجن لازمی ہے۔

سانس کے ذریعہ باہر نکالی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ درخت کی زندگی کے لئے ضروری ہے وہ کاربن ڈائی آکسائڈ گیس کی سانس لیتا ہے اور آکسیجن خارج کرتا ہے جو ہمارے لئے ضروری ہے اس طرح کاربن اور آکسیجن کی اتنی ہی مقدار ہے جو دنیا میں پہلے سے ہے کئی جاندار اپنی اپنی غذا حاصل کرتے رہتے ہیں اور بغیر ایک ذرہ ضائع کئے ہوئے قدرت کے کارخانہ میں ہر سال کئی حیوانات و نباتات بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔

درخت کاربن ڈائی آکسائڈ گیس سے حاصل کی ہوئی کاربن اور زمین اور روشنی سے حاصل کی ہوئی دوسری چیزوں سے بنتا ہے۔ پھر ہم پھولوں، پھلوں اور پودوں سے کاربن حاصل کرتے ہیں۔ اور اس طرح ایک پورا چکر چلتا رہتا ہے۔ اسی کا نام توازنِ قدرت ہے"

زندگی کے آغاز سے پہلے کیمیاوی عمل کے لئے سمندر کا ہونا لازمی ہے۔ یہاں سمندر سے مراد صرف مائع کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ خواہ وہ پانی کا ہو یا کسی دوسری چیز کا سمندر اس لئے ضروری ہے کہ اس میں عناصر آسانی سے گھوم سکیں اور اس طرح کیمیاوی عمل میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے بعد فضا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ہوا یا کسی دوسری سیال چیز کی لپٹ پیدا کر سکے جس سے سمندر میں حرکت ہو۔ تیسرے کسی ٹھوس زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو اکثر دھاتوں اور ان کے مختلف نمک سے مل کر بنتی ہے یہ ٹھوس اجزاء کو ملانے کا کام انجام دیتی ہے اور اس طرح کیمیاوی عمل کا ایک سلسلہ بن جاتا ہے۔

محققین کا خیال ہے کہ زندگی سمندر میں شروع ہوئی ہو گی

(بقیہ مضمون صفحہ ۴٦ کالم ۲ پر دیکھئے)

ست دہلی

سِسکیاں

پنجاب میل پوری رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ میں نے ڈبہ میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو ابھی غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اب کوئی کام نہ ہونے کی وجہ سے ساتھی مسافروں پر ایک نظر ڈالی سامنے ایک مضبوط اور خوبصورت جوان بیٹھا تھا پاس ہی اُس کے دو تین ساتھی بیٹھے تھے اور دوسری سیٹ پر ایک ضعیفہ مُنہ لٹکائے بیٹھی تھیں۔

میں یو۔ پی کے ایک مشہور بینک میں ملازم تھا۔ بینک کے منیجر صاحب والد صاحب کا بڑا دوست تھا۔ بی۔ اے کا نتیجہ نکلتے ہی میں ایک خالی جگہ پر ملازم ہوگیا اور رفتہ رفتہ میرا رُعب داب بھی جم گیا۔ بینک چونکہ ابھی حال ہی میں شروع ہوا تھا اس لئے دوسرے مقامات پر اس کی شاخیں کھولنے کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ الٰہ آباد میں بھی بینک کی شاخ قائم کی جا رہی تھی معتمد اور دیانت دار ہونے کی وجہ سے مجھے روپیہ الٰہ آباد پہونچانے کے لئے دیا گیا۔ وہاں کا کام بھی درست کرنے کا مجھے حکم ملا۔ اسی سلسلے میں جس وقت سفر کر رہا تھا۔ زیادہ روپیہ ساتھ ہونے کی وجہ سے میں کچھ خوف زدہ سا بھی تھا۔ خوبصورت ساتھی مسافر نے مجھ سے دریافت کیا۔ "آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟"

"میں نے کہا الٰہ آباد" میں باتیں کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن بادلِ ناخواستہ مجھے جواب دینا ہی پڑا۔

انھوں نے پھر پوچھا "آپ کون ہیں؟"

میں نے کہا "میں ذات پات کا جھگڑا نہیں رکھتا میں صرف ایک ہندوستانی ہوں"

انھوں نے ذات دریافت کرنے میں زیادہ اصرار سے کام لیا تو میں نے مجبور ہو کر کہا "میں برہمن ہوں"۔

"آپ کا اسم شریف"

میں تعجب میں تھا۔ کہ اس طرح کی باتیں دریافت کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے! اول تو یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ حضرت خفیہ پولیس کے نہ ہوں۔ پھر خیال کیا کہ ممکن ہے کوئی چور ڈاکو ہو۔ جس کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ میرے پاس روپیہ ہے"۔

یہ خیال کر کے میں خوف زدہ ہو گیا اور اب میں نے جھوٹ بولنا شروع کیا "آدمی مجھ کو کیا کہتے ہیں یہ تو میں نہیں جانتا لیکن میں خود اپنے کو پاگل کے نام سے یاد کرتا ہوں"

آپ کا نام تو بڑا عجیب و غریب ہے۔

"مجھے یہ ہی اچھا لگتا ہے"

"آپ کے بال بچے الٰہ آباد ہی میں ہیں"

"بھئی واہ! کہیں شادی کے بغیر بھی بال بچے ہو سکتے ہیں؟"

میرے مُنہ سے یہ سچ بات نکل گئی۔

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا تھا" یہ کہہ کر۔

وہ صاحب میرے پیروں پر گر پڑے۔ میں نے دیکھا کہ اُن کی آنکھیں آب دیدہ تھیں میں حیرت میں تھا آخر ماجرا کیا ہے۔ میں نے اُن کو تسلی دے کر نیچے سے اُٹھایا۔

"ارے ارے آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ فرمایئے تو آخر بات کیا ہے؟"

"بات کیا ہے" انھوں نے دبی زبان سے کہا۔

"آپ ایک ہونہار نوجوان ہیں۔ آپ سے مجھے خیر خواہی کی پوری پوری امید ہے۔ میں اس وقت بہت تکلیف میں ہوں۔ میری ایک بچی ہے۔ برسوں سے اُس کی شادی کی فکر میں ہوں۔ اُس کی عمر زیادہ ہو رہی ہے۔ میں ایک غریب برہمن ہوں اور لوگ دولت کے لالچی ہیں۔ ہزار سے کم تو کوئی کہتا ہی نہیں۔ سینکڑوں جگہ مارا مارا پھرا لیکن کہیں کام نہ ہوا شاید آپ ایک ہونہار نوجوان ہیں، آپ کو روپیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکی تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہے۔ آپ دیکھ کر

خوش ہو جائیں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ آپ اُس کو ضرور قبول کریں گے۔

میں کیا جواب دیتا۔ راستہ چلتے پکڑا گیا۔ میں چاہتا تھا دوران گفتگو ہی میں اُن کو روک دوں۔ لیکن۔ وہ تمام داستان ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔ میں نے کہا "آپکا ارشاد درست ہے۔ میں بھی معمولی شادی کا خواہش مند ہوں لیکن سردست میں شادی نہیں کر سکتا۔"

ایسا نہ فرمایئے میرے پاس دولت نہیں ہے۔ اور دولت کے خواہشمند مجھے دم نہیں لینے دیتے۔ جہاں جاتا ہوں روپیہ کا سوال پہلے ہوتا ہے۔ گھر بیٹھے لڑکی بھی ملے اور روپیہ بھی یہ تو بڑی بے انصافی ہے۔ میرا تو بس نہیں چلتا۔ نہیں تو ......اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اُس نے اپنی گفتگو جاری رکھی ...... "مجھے کامل یقین ہے کہ آپ میری لڑکی کا بیڑا پار لگا دینگے۔ لڑکی ساتھ ہی ہے وہ زنانہ ڈبہ میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ آپ اُس کو اچھی طرح دیکھ لیں اور پسند کر لیں۔

میں نے خیال کیا۔ ابھی شادی کا کچھ ٹھیک تو ہے نہیں مقدم تو گھر والوں سے اجازت حاصل کرنا ہے۔ لیکن لڑکی دیکھنے میں کیا حرج ہے جیسا بیان کیا ہے اگر ویسی ہی ہوئی تو کیا کہنا ہے۔ والدین کو لکھ دیںگے۔ والدہ صاحبہ بھی شادی کی جلدی کر رہی ہیں۔

میں نے عرض کی۔ ابھی میں آپ سے وعدہ نہیں کر سکتا ہاں لڑکی کے دیکھنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اُن صاحب کا چہرہ کھل گیا۔ فوراً اُنھوں نے میرے پاؤں پکڑ لئے میں نے کوشش کر کے اُنھیں اوپر اُٹھایا۔ ان کے ساتھی بھی خوش نظر آتے تھے۔ ہاں اُن شیخ کو ہی باتوں سے کچھ مطلب نہ تھا وہ برستور گردن جھکائے بیٹھی تھی

گاڑی جس جگہ کھڑی ہوئی زیادہ بڑا اسٹیشن نہیں تھا۔ یہاں سے ولا آباد صرف پندرہ منٹ کا راستہ تھا۔

موصوف نے ہاتھ پکڑ کر مجھے نیچے اُتارا اور ایک زنانہ ڈبہ کی طرف چلے میں بھی اُن کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے ہونے والے خسر نے تمام ڈبے تلاش کر ڈالے پر اُن کے گھر کا کوئی آدمی نظر آیا۔ بڑے ناراض ہوئے پھر اپنے سر پہ ہاتھ رکھ کر اور ڈبہ کا نمبر یاد کرکے بولے۔ ارے بھائی یہ دوسرا ڈبہ ہے۔

میں ہنس پڑا۔ وہ اب دوسرے زنانہ ڈبہ کو تلاش کرنے لگے۔ اس میں بھی کوئی نہ ملا۔ ہم لوگ حیران تھے پوری ٹرین کے دو چکر لگا ڈالے مگر مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا۔ اُن صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ آپ کو میں نے بڑی تکلیف دی۔ چلئے ویٹنگ روم میں تشریف رکھئے۔ انھوں نے مجھے ویٹنگ روم میں بٹھلا دیا۔ اور چلے گئے میں ویٹنگ روم میں بیٹھا اپنے خیالات میں اس قدر محو تھا کہ مجھے یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ میرے اطراف میں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے خیال کیا بس اب آتی ہی ہوگی۔ خوبصورت تو ضرور ہونا چاہئے۔ قد میں صرف مجھ سے ۳-۴ انچ چھوٹی ہو بال کم از کم گھٹنوں تک ہوں، رنگ گورا ہونا ضروری ہے شرم سے سر نیچا ہونا چاہئے۔ ورنہ ایک بے شرم کو ساتھی بنانے سے کیا فائدہ۔ دانت دودھ سے زیادہ سفید۔ آواز کافی مہین ہو۔ ناک نہ بہت چھوٹی ہو اور نہ زیادہ لمبی۔ کشیدہ کاری سے ضرور واقف ہونا چاہئے۔ کھانا بنانے کو تو مہرانی رکھ...... ارے یہ تو ٹرین نے سیٹی دیدی۔

میں باہر کی طرف دوڑا۔ لیکن کمرہ کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ میں نے دروازہ تھپ تھپایا۔ لیکن ٹرین کی آواز کے آگے میری آواز کوئی کیا سنتا۔

میں دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ خیالی طاقت کام نہیں دے رہی تھی گاڑی روانہ ہونے کی تکلیف کتنی زیادہ تھی کہ آپ لوگ بھی خیال کر سکتے ہیں۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ دوسری ٹرین ۹ گھنٹہ بعد آتی ہے۔ افسوس ہائے خدا۔ میرا سامان اُسی ٹرین کے ہمراہ چلا گیا اور جیب کا روپیہ بھی

ہونے لگا۔ آ۰ پندرہ منٹ اس ویٹنگ روم کے دروازہ پر گر پڑا۔ آنکھ کھلی تو رفتہ رفتہ تمام باتیں یاد آنے لگیں۔ گھڑی میں دیکھا تو ۳۰ منٹ گذر چکے تھے۔ دروازہ پھر کھٹکھٹایا۔ اب کی دفعہ اسٹیشن کے ملازموں نے آواز سُن لی تین چار آدمیوں کی آواز دروازہ پر سُنائی دی۔ ایک نے دریافت کیا کون ہے؟

"میں نے کہا۔ ارے بھائی۔ ایک بد ذات مجھے یہاں بند کر گیا ہے۔ میں ایک مسافر ہوں۔ مہربانی کرکے دروازہ جلد کھولو "ایک آدمی نے دروازہ پر ہاتھ لگایا۔ اور فوراً چلا اٹھا۔ ارے۔ اس میں تو تالہ پڑا ہے"۔

"میں نے کہا ارے بھائی جلدی کو تالہ توڑ ڈالو کوئی پروا نہیں۔ میرا سامان ٹرین پر چلا گیا ہے"۔

دروازہ پر اب کافی ہجوم ہو چکا تھا۔ تالہ توڑنے کا انتظام ہو رہا تھا۔ بڑی مشکل سے تالہ توڑا گیا۔ میری جان میں جان آئی۔ خیال کیا۔ اب سامان بچانے کا کچھ تو انتظام کر سکوں گا۔ گاڑی روانہ ہوئے گھنٹہ بھر ہو چکا تھا۔ سوچا۔

کیا کروں کوئی حکمت ذہن میں نہ آئی۔ پھر ایک دم دوڑا اسٹیشن ماسٹر کے پاس پہنچا اور تمام داستان سُنائی۔

"بیچارے نے مجھ کو تسکین دی۔ میں نے کہا تسکین و تسلی کا وقت نہیں ہے۔ آپ جلد کوئی تدبیر کیجیے"۔

اُنھوں نے ٹیلی فون کا آر اُٹھایا۔ کچھ باتیں کیں۔ آخر میری طرف دیکھ کر کہا۔ الہ آباد جنکشن کہتا ہے کہ گاڑی کمرے میں جو تھا سب چلے گئے ہیں سامان کا پتہ نہیں ہے۔ وہ اس چالاکی سے آج تک سسکیاں لے رہا ہے۔

سید قاسم علی

(بقیہ صفحہ ۵۳)

اس دُنیا کے سمندر میں پہلے نباتات شروع ہوئی پھر نباتات حیوانات میں تبدیل ہوئی حیوانات اور نباتات میں دو بڑے بڑے فرق پائے جاتے ہیں۔ نباتات کاربن ڈائی آکسائڈ گیس لے کر آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ اور حیوانات آکسیجن گیس لے کر کاربن ڈائی آکسائڈ گیس خارج کرتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ نباتات اپنی غذا غیر جاندار چیزوں سے حاصل کرتے ہیں اور کچھ مستثنیات کے ساتھ کبھی حیوانات کو اپنی غذا میں شامل نہیں کرتے مگر حیوانات کو اپنی غذا کیلئے حرکت کرنی پڑتی ہے اور وہ اپنی غذا ہمیشہ درختوں یا دیگر حیوانوں کو بناتے ہیں۔ اس طرح دنیا میں درخت بے جان چیزوں کو جاندار بناتے ہیں۔ اور حیوانات جاندار کو بے جان۔

زندگی کے وجود پذیر ہونے کے بعد جسم کی بناوٹ اطراف کی فضا سے یا پانی میں سے حل شدہ آکسیجن نکالنے کا طریقہ اور دوسرے ضروریات زندگی کے طریقے ماحول کے اثر سے بنتے ہیں۔ اور اسی کی تبدیلی سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اسی لئے زندگی مختلف ڈھانچوں میں نظر آتی ہے۔

سید امام علی ہمدرد

شکست

گائی ڈی موپاساں فرانس کی اُن مشہور و معروف ہستیوں میں
سے ہے جو انیسویں صدی کے ممتاز افسانہ نگار تھے۔ موپاساں شمالی
فرانس کے ساحلی گاؤں فیکامپ میں ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۷۰ء کی جرمنی
اور فرانس کی جنگ میں اپنے ملک کی طرف سے بہادری کے جوہر دکھائے
تلوار کا دھنی ہونے کے ساتھ ساتھ موپاساں اہل قلم بھی تھا چنانچہ
جب افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوا تو اپنی قلم کے جوہر سے دنیا کو ایک
عرصہ تک محظوظ کرتا رہا۔ اس نے بے شمار ناول افسانے گانے اور
ڈرامے تحریر کئے ہیں۔ جو آج تک اہل فرانس میں مقبول اور پسندیدہ ہیں
اور دنیا کی ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

موپاساں اپنے آخری ایام حیات میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا
تھا اور اسی حالت میں ۱۸۹۳ء میں اپنے ملک کے ایک پاگل خانہ میں اپنی
جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔

یوں تو موپاساں نے بہت سے ناول لکھے ہیں۔ لیکن "زندگی" جو
۱۸۸۳ء میں شائع ہوا اور جو اس کا سب سے پہلا مکمل ناول ہے اس کی
بہترین تصنیف ہے۔ یا یوں کہئے "زندگی" اُس کا شاہکار ہے اس کتاب میں
ایک عورت کے واقعات زندگی کو جس خوبی سے اس نے پیش کیا ہے آج
تک کسی اور ناول نگار کے حصہ میں نہیں آیا۔

موپاساں کے مختصر افسانے بھی امتیازی خصوصیت کے مالک ہیں
بعض چھوٹے چھوٹے افسانوں میں اس نے زندگی کے کسی ایک پہلو کو
ایسے دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا ان میں اپنے ہی جذبات
کو منعکس پاتا ہے۔ یہی اُس کے افسانوں کی کامیابی کا راز ہے موپاساں
کے افسانے زیادہ تر جذباتی ہیں وہ زندگی کے واقعات اور حقائق کو
بڑی صداقت و عریانی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ وہ ان جذبات کو جو ہر انسان
کی زندگی میں [illegible] حقیقت میں ہم [illegible]
دوچار ہیں [illegible]
پیرائے میں [illegible]

اس کا شیوہ اور انسانی ہمدردی اس کا ایمان ہے۔ اس کی زبان میں ملاحت
بیان میں گداز اور خیالات میں روانی ہے۔

پانچ چھ سال ہوئے اس کے چند افسانے میری نظر سے
گزرے۔ جو آج تک میرے ذہن میں اسی طرح موجود ہیں ذیل
میں انہیں میں سے ایک افسانے کو آزادانہ تصرف اُردو کے
قالب میں ڈھال کر قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس
افسانے میں اس چیز کو واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک سپاہی
جس کا پیشہ ہے کہ موت سے کھیلے اور خطروں کے طوفان
میں بھی اپنے فرائض ادا کرتا رہے اور یاس و ناامیدی کو
کبھی پاس نہ آنے دے۔ جب اپنے جذبات کو نادانستہ طور پر
بھی کہیں کچلتے ہوئے پاتا ہے تو وہ اس محبت کے معرکہ میں ایک
ہی شکست پر اپنی زندگی کی سپر ڈال دیتا ہے۔ سچ ہے انسان
کہیں پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہے اور کہیں موسم خزاں کی
ایک سوکھی ہوئی پتی سے زیادہ کمزور اور لاچار ہے۔ جس کی
ہستی مٹانے کے لئے ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا بھی کافی
ہے کون جانتا ہے زندگی کے کن نشیب و فراز نے فاضل
مصنف کو دیوانوں میں شامل کر دیا اور کب ہمیں بھی پاگل [illegible]

ہر اتوار کو جیسے ہی انہیں چھٹی ملتی دونوں سپاہی گاؤں
کی طرف چل دیتے۔ بیرک سے باہر آکر وہ سڑک پر لمبے لمبے قدم
رکھتے ہوئے ایسے جاتے گویا وہ اب بھی قواعد کر رہے ہیں۔
لیکن جب شہر کا آخری مکان بھی گذر جاتا تو ان کی رفتار دھیمی
ہو جاتی۔ یہ سڑک جس پر ہر ہفتہ وہ گاؤں کو جایا کرتے تھے
بہت ہی گرد آلود اور [illegible] سنسان ہوا کرتی تھی۔

وہ دونوں پستہ قد اور دبلے پتلے تھے چنانچہ [illegible]
[illegible]

شاذ و نادر ہی کوئی گفتگو کرتے۔ اکثر دونوں کے دماغ میں ایک ہی خیال موجزن ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو اپنی موت کی سی خاموشی کبھی گراں نہ گزرتی تھی۔ ان کے تصورات کی یہ دنیا شاہ موئ کے جنگلات تک وسیع تھی۔ جہاں انھوں نے ایک ایسی جگہ ڈھونڈ نکالی تھی جو ان کو اپنے وطن کی یاد دلایا کرتی تھی۔ جہاں جاکر وہ اپنی پابند اور بے کیف زندگی کو وہاں کی آزاد فضا میں بھلا کر خوشی اور دلبستگی میں کچھ وقت گذار لیتے تھے۔ راستہ میں وہ تارا ندی کے پل پر تھوڑی دیر کے لئے ضرور قیام کرتے دریا کا شفاف پانی ہزاروں پیچ و تاب کھاتا سرکتا نہایت ہی دلکش اور حسین نظارہ پیش کرتا تھا۔ کچھ ہی آگے سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی دوکان تھی جہاں سے وہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں خریدا کرتے۔ دوکان کی مالکہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ جو کچھ دلچسپ خبریں ان کو سنایا کرتی تھی۔ اور یہ خدمت بڑھیا اپنے گاہکوں کے لئے مفت انجام دیتی تھی۔ یہاں سے یہ دونوں سپاہی آپس میں کچھ بات چیت بھی کرنے لگتے۔

ان کی ساری گفتگو اس موضوع پر ہوتی کہ سڑک کا کونسا حصہ ان کے اپنے وطن کی فلاں سڑک سے مشابہ ہے۔ درختوں کا کونسا جھنڈ ان کے اپنے وطن جاکی کے جنوب میں چراغ ہے اس کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ غرضیکہ وہ اپنے گرد و نواح میں جاکی کا نقشہ جاتے چلتے اور ہر اس شے کو دیکھ کر جو ان کے دماغوں میں کوئی بھولی بسری بات جو دکر آتی ان کے دلوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی اور وہ اپنے بچپن کی باتیں دہرانے لگتے۔ عباس اور چلتے درخت سے کوئی ٹہنی توڑ لیتا اور اسے دانتوں سے چھیلتا جو عباس اور حاکم اپنی قسمتوں پر قانع تھے۔ لیکن ایک احساس محرومی ان کے دماغ پر مسلط تھا۔ ایک پُراسرار نا امیدی انکے دلوں میں بھری ہوئی تھی جس سے وہ ایک میٹھا میٹھا درد محسوس کرتے اور ہمیشہ ایک محبوس جانور کی طرح جو اپنی آزادی کے دن یاد کرتا ہو اُداس رہتے۔

جنگل میں بیٹھ کر وہ اپنا مختصر سا ناشتہ مزے لے لیکر کھاتے اور آرام کرنے کے لئے خاموشی سے گھاس پر دراز ہوجاتے۔ یہاں کا گاؤں اس جگہ سے صرف تھوڑے فاصلہ پر آباد تھا اور اکثر گاؤں والے اپنے جانوروں کو وہاں لے کر آجاتے۔ عباس اور حاکم کی آنکھیں بازین کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتیں۔ یہاں تک انکی پلکیں تھک کر بوجھل ہوجاتیں۔ گاؤں سے آنے جانے والوں میں سے انھیں کسی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ صرف اس لڑکی کی راہ تکا کرتے جو تقریباً ہر اتوار کو ان کے پاس سے اپنی گائے لئے ہوئے گذرتی۔ گو انھوں نے لڑکی سے کبھی کوئی گفتگو نہ کی لیکن اسے آتے دیکھ کر ان کو بہت مسرت حاصل ہوتی۔ آج بھی بہت جلد انھوں نے لڑکی کو آتے ہوئے دیکھ لیا۔ اس کی ٹین کی بالٹی جس میں وہ دودھ نکالتی تھی دھوپ میں چمک چمک کر ان غریب سپاہیوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتی۔ وہ اسے دیکھ کر کیوں خوش ہوتے تھے یہ وہ خود بھی نہ جانتے تھے۔

ہمیشہ ان دونوں کو اسی جگہ بیٹھے دیکھ کر آخر ایک روز لڑکی نے ان سے پوچھا کہ "تم دونوں یہاں کیا کرتے ہو"۔ حاکم نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا۔ عباس آہستہ سے بولا کہ "ہم یہاں سیر و تفریح کے لئے چلے آتے ہیں"۔ اس کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔ دوسرے ہفتہ جب اس نے ان دونوں کو پھر اسی مقام پر بیٹھے ہوئے پایا تو ہنسی ضبط نہ کرسکی اور پوچھا "آخر تم یہاں بیٹھے کیا کرتے ہو۔ کیا تم گھاس کو بڑھتے دیکھا کرتے ہو"۔ عباس کو اس برجستہ جملے سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا کہ "ہوسکتا ہے"۔ اس پر لڑکی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی کہ "اسی عادت سے تو تم لوگ جنت سے نکالے گئے"۔ واپسی پر لڑکی نے ان سے نہایت ہمدردی سے پوچھا کہ "تم لوگ کچھ دودھ لوگے یہ تم کو بالکل اپنے گھر جیسا معلوم ہوگا"۔ بچارے سپاہیوں کو اس میں کیا اعتراض ہوسکتا تھا چنانچہ لڑکی نے بڑی دقت سے کچھ دودھ ان کی بوتل کے تنگ منہ میں انڈیلا۔ عباس نے مزے سے لے کر پینا شروع کردیا۔

وہ ہر گھونٹ کے بعد اس بات کا اطمینان کر لیتا کہ کہیں اس نے
آدھے سے زیادہ تو نہیں پی لیا۔ پھر اس نے بوتل حاکم کو دیدی۔
لڑکی نے بالٹی زمین پر رکھ دی اور اپنے دونوں ہاتھ کولہے پر رکھے
کھڑی ان کا تماشہ دیکھتی رہی جب وہ دودھ ختم کر چکے تو اگلے اتوار
کو پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

دوسرے ہفتے جب وہ بیرک سے چلنے لگے تو حاکم نے کہا کہ
کیوں نہ ہم اس کے لئے کوئی اچھی چیز خرید کر لے چلیں۔ بہت سوچنے
کے بعد انھوں نے کچھ اچھی قسم کی مٹھائیاں لیں۔ وہاں پہنچ کر
انھوں نے بہت جلد اپنا ناشتہ ختم کر دیا۔ اور لڑکی کا انتظار
کرنے لگے۔ حاکم نے لڑکی کو آتے دیکھا اور بے ساختہ اس کی
زبان سے نکلا "وہ آ رہی ہے" آج وہ ان کے پاس آکر اطمینان
سے بیٹھ گئی۔ اپنے سر کو ہلکے ہلکے جنبش دیتے ہوئے وہ دیر تک
باتیں کرتی رہی۔ آج اس نے اپنے متعلق سب کچھ ان دونوں کو
بتا دیا۔ وہ اس کو اپنا لایا ہوا تحفہ دیتے ہوئے ڈر رہے تھے لیکن
کشور کی بے تکلف باتوں سے انھیں جرأت ہوئی اور عباس آہستہ
سے بولا "کشور ہم تمہارے لئے کچھ چیزیں لائے ہیں" کشور نے قدرے
کھنچتے ہوئے کہا "ہاں! اچھا تو لاؤ دکھاؤ" حاکم نے اپنی جیب سے مٹھائیاں
نکال نکال کر کشور کے سامنے رکھتا گیا۔ کشور نے شہر کی مٹھائیوں
کو بہت پسند کیا۔ دونوں دوستوں کے دل خوشی سے پھولے نہ سماتے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں کوئی بہت بڑی دولت مل گئی تھی۔

تمام ہفتہ کشور کا تصور ان کے دماغ میں چکر لگاتا رہا۔ اکثر
انھوں نے آپس میں اس کے متعلق چند باتیں بھی کیں۔ دوسرے
ہفتے کشور کافی دیر تک باتیں کرتی رہی گاؤں کی معمولی سے معمولی
خبریں بھی ان کو سناتی رہی۔ اس کی گائے نے بھی اپنی مالکہ کو اطمینان
سے بیٹھے دیکھ کر گردن نیچی کر کے ایک ہلکی سی آواز بلند کی گویا وہ
اپنی مالکہ کو گھر چلنے کے لئے بلا رہی تھی۔

اگلے اتوار کو عباس نے چند روپے قرض لے کے کچھ چیزیں خریدیں
اور پھر کسی سے کہے بغیر ہی گاؤں کی طرف چل دیا۔ حاکم بھی ساتھ
تھا۔ اس روز حاکم نے محسوس کیا کہ عباس کچھ غیر معمولی طور پر مسرور ہے
حاکم کو اس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ راہ میں دستور کے مطابق دونوں
بالکل خاموش رہے۔ اپنی معینہ جگہ پہنچ کر انھوں نے خاموشی سے
اپنا ناشتہ ختم کیا۔ ہمیشہ مقررہ جگہ پر بیٹھنے سے وہاں کی گھاس
بھی زرد ہو چلی تھی۔ چند لمحوں کے بعد کشور آتی نظر آئی۔ نزدیک
آکر اس نے دودھ کی بالٹی زمین پر رکھ دی۔ اور عباس کے پاس
بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ حاکم نے دیکھا کہ آج کشور نے اس کی موجودگی
تک کا کوئی احساس نہ کیا۔ کشور کی اس بے معنی سی بے التفاتی بھی
سے حاکم کے دل پر ایک چوٹ لگی۔ عباس کی گذشتہ غیر معمولی مسرت
کا مطلب اب اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اپنے دوست کی اس عیاری
اور فریب پر حاکم بہت دل برداشتہ ہوا۔ اس کے غم زدہ دل
میں احساسات کا ہیجان برپا تھا۔ اس کا سینہ اندر ہی اندر
غم و غصہ سے پھٹا جا رہا تھا۔ انتہائی کرب اور روحانی اذیت
سے حاکم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

گائے اپنی جگہ سے بہت دور جا چکی تھی۔ عباس اور کشور
اس کو لانے گئے۔ حاکم انھیں جاتے دیکھ کر نظروں ہی نظروں
میں ان کا تعاقب کرتا رہا۔ عباس نے جا کر گائے کو پکڑا اور
اس کی گردن پر تھپکی دینے لگا۔ کشور نہایت صفائی اور سرعت
سے دودھ نکالنے لگی۔ حاکم کے دل میں اک ہوک اٹھی۔ آج وہ
خود اپنے احساسات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا
کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ لیکن وہ اپنی زندگی سے بیزار تھا۔ وہ وہاں
سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کہیں جا کر چھپ جائے
کھو جائے نہ کسی سے بات کرے اور نہ کسی کو اپنا منہ دکھائے
اس کو اپنے ماحول سے نفرت تھی۔ اسے ہر چیز سے نفرت تھی حتی کہ
اپنے دوست عباس سے نفرت تھی وہ کسی ایسی جگہ چلا جانا چاہتا
تھا جہاں اس کو کوئی نہ پا سکے۔ کشور نے جاتے وقت آج ان سے
تھوڑا سا دودھ بھی پینے کو نہ پوچھا۔

کشور کے جانے کے بعد عباس حاکم کے پاس خاموشی
سے بیٹھ گیا۔ دونوں دوستوں کے دلوں میں دو بالکل متضاد جذبات
موجزن تھے ایک کا دل خوشی اور مسرتوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا

"امی مجھے یہ ناپسند ہے"

آپ نے یہ جملہ اکثر بچوں کو کہتے سنا ہوگا جو چھوٹے بچے جو بولنا نہیں
جانتے زبان سے ادا کرنے کی بجائے حلق سے رو کر یا اشاروں میں
اس کا مطلب ظاہر کر دیتے ہیں۔ بہت سی مائیں بچے کے اس جملے پر کان دھرنے
کی بجائے اُسے دوسری طرف متوجہ کر کے بچے کا خیال ہٹا دیتی ہیں وہ یہ
سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں کہ آخر بچہ اس چیز سے نفرت کا اظہار کیوں کر رہا
ہے وہ کیا چاہتا ہے؟ لیکن ہر ماں کا فرض ہے کہ وہ بچہ کی ہر عادت
اس کی پسند اور ناپسند کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

سات آٹھ ماہ کی عمر کے بچے کو ماں کے دودھ یا اوپری دودھ
کے علاوہ دوسری غذاؤں کی طرف مائل کرنا چاہیے۔ ماں اگر بچے کو
دوسرا دودھ پیالے سے پلانے کی خواہش مند ہے اور بچہ اس عادت
کو سیکھنے سے انکار کرتا ہے تو اُسے پیالے سے پینے کا عادی آہستہ
آہستہ بنانا چاہیے۔ دو ایک روز تک محض تھوڑا تھوڑا دودھ پیالے سے
پلائیے پھر چمچے سے پلائیے پھر ضبط و برداشت سے کام لے کر زیادہ دنوں
تک اس کی عادت ڈلوائیے۔ ہوتے ہوتے بچہ یہ تبدیلی خوشی سے منظور
کرے گا اور پھر وہ پیالے سے پینے کی عادت کو اس قدر پسند کرنے
لگے گا کہ اکثر اوقات وہ اپنی امی جان کے ہونٹوں سے بھی پیالہ لگا دے گا

بعض بچے ماں کے دودھ یا بوتل کے دودھ کے علاوہ دوسری
ہر غذا کو ناپسند کرتے ہیں اکثر دیکھا گیا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دو
ڈھائی سال کی عمر تک صرف دودھ پر رکھتی ہیں۔ گویا وہ بچے
کی نشوونما پانے کے لئے دوسری ضروری چیزوں کو اس کے جسم
میں جانے سے روکتی ہیں۔ دودھ بے شک بچے اور بوڑھے کے لئے
نہایت مفید اور مکمل غذا ہے لیکن علاوہ دودھ کے بچوں کو کچھ
وقت دوسری غذائیں بھی دینی چاہئیں۔ تجربوں سے ثابت ہو چکا
ہے کہ سات ماہ کی عمر سے بچے کو موسمی، رس، [illegible] پھلوں کا
رس سبزیوں کا شوربا [illegible] رس دیا جا سکتا ہے سال کی
عمر سے [illegible] شوربہ سبزیاں [illegible]

سلاد کے پتے اور پھل دینا چاہیے۔ ان غذاؤں سے نہ تو بچے کا ہاضمہ
خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا
احتمال ہو سکتا ہے۔

دو سال سے چار سال کی عمر تک کے بچوں کی خوراک بڑوں سے
ذرا مختلف ہونا ضروری ہے۔ ثقیل اور دیر ہضم اشیاء سے ان کے
جگر کے بڑھنے اور معدہ و ہاضمہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اسی
عمر میں اکثر و بیشتر بچوں کے جگر بڑھ جاتے ہیں کیونکہ والدین اس
عمر میں بچوں کو بڑوں کی غذا کھلانے پر تل جاتے ہیں جگر کے مریض بچے
زرد رو اور دبلے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی بھوک کھو بیٹھتے ہیں اور
سست ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج توجہ سے کرنا چاہیے کیونکہ
یہی عمر ہوتی ہے جبکہ بچہ جلد جلد بڑھتا اور نشوونما پاتا ہے۔

دو سال سے چار سال کی عمر تک کے بچوں کو ہلکی لیکن
مقوی غذائیں دینی چاہئیں چکنائی حتی الامکان انکے کھانوں میں
نہ دی جائے۔ انڈا، دودھ، دہی، سبزیاں، شوربے، چپاتی، مکھن،
شہد، دلیا وغیرہ چیزیں انکی غذائیں بکثرت اور بآسانی دی جا سکتی ہیں
روزانہ ایک وقت ان کو گوشت یا مچھلی بھی کھانے کو دی جا سکتی ہے
لیکن اعتدال اور کھانے کے اوقات کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے۔ ایسی
ہلکی اور مفید غذاؤں کے بچے ہمیشہ ہر چیز کو خوشی کے ساتھ کھاتے ہیں۔
اور بہت کم کسی کھانے کو ناپسند کرتے ہیں۔

اکثر بچے کھانے کی کسی خاص پلیٹ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے
دیکھنے لگتے ہیں۔ ماں کو چاہیے کہ بچے کی مرضی کے خلاف اس کو وہی
چیز کھانے کے لئے کبھی مجبور نہ کرے بلکہ وہی چیز دو ایک ماہ تک
بچے کو کھانے کے لئے بالکل نہ دی جائے پھر وہی چیز تھوڑی تھوڑی
مقدار میں دوبارہ دینا شروع کر دیجئے بچہ بھی سابقہ نفرت کو بھول کر وہی
کھانے خوشی سے کھانے لگے گا۔

بچوں کو کھانے ہمیشہ [illegible] کر دینے چاہئیں [illegible]
[illegible]

عورت

شرم و حیا فطرت میں اس کی   مہر و وفا عادت میں اس کی
پریم نگر کے رہنے والی   شکل سے روشن خوش اقبالی
خودداری سے کام ہمیشہ   دلداری دلجوئی پیشہ
درد و الم کی سہنے والی   غم میں بھی خوش رہنے والی

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

مردوں کی سی جرأت اس کی   شیر سے بڑھ کر ہمت اس کی
ڈر کس کا اندیشہ کس کا   جو کہہ دینا وہ کر دینا
عزم و استقلال قیامت   ظاہر الفت باطن الفت
راہ وفا میں قائم رہنا   اپنے دل کا بھید نہ کہنا

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

اس کی ہر ایک گھات نرالی   دنیا بھر سے بات نرالی
شوخی ہر انداز میں اس کے   دل آویزی ناز میں اس کے
کس دن کام ادھورا کرنا   جو کرنا وہ پورا کرنا
پریم کی تانیں گانے والی   سیدھی سادھی بھولی بھالی

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

خوبی یہ اس میں ہی دیکھی   باتوں میں امرت بھی رس بھی
سب کو رہی کیا کیا حیرانی   کس نے ذات اس کی پہچانی
دم بھر میں افلاک کے اوپر   دم بھر میں پھر خاک کے اوپر
لائق فائق عالم، قابل   اس کے آگے سب ہیں جاہل

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

اپنی ضد پہ جب آ جانا   سہل نہیں ہے پھر باز آنا
راہ وفا سے ہٹنا کیسا   جوش طبیعت گھٹنا کیسا
رنج اٹھانا صدمے سہنا   قائم اپنی ہٹ پہ رہنا
دھن کی کیسی جبر کی کیسی   ضد کی پوری دھن کی پکی

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

رحمت بھی ہے زحمت بھی ہے   دوزخ بھی ہے جنت بھی ہے
شیریں ایسی دنیا کھائے   کڑوی اتنی قے آ جائے
جس کو چاہے عزت دیدے   جس کو چاہے ذلت دیدے
دنیا کی ہر بات کی مالک   دن کی مالک، رات کی مالک

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

سچائی فطرت میں اس کی   بے لوثی طینت میں اس کی
مکر و دغا سے نفرت اس کو   رسم وفا سے الفت اس کو
کیا خوب دعا کی دیکھی بھالی   عورت ہے اک چیز نرالی
مہر و وفا کی جوگن کہیئے   صدق و صفا کی سمرن کہیئے

خانۂ دل کی زینت عورت باعفت باعصمت عورت

دعا ڈبائیوی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰۶ کا)

چیز روزانہ کھلانے سے انکی طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ ایک ہی چیز کو آپ بچے کے سامنے مختلف صورتوں میں پیش کر سکتی ہیں۔ مثلاً پالک کی سبزی روزانہ کھانے سے بچہ عاجز آ گیا ہے۔ آپ اس کو پالک کا شوربہ دیجئے پالک کبھی ٹماٹر دیکر اور کبھی آلو کے ساتھ پکائیے۔ بچہ پھر اسی چیز کو کھانے لگے گا

اکثر لوگ اور والدین کھاتے وقت دستر خوان پر ہی کسی کھانے کے متعلق اپنی پسند یا ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں بچوں میں تھوڑی تقلید کا مادہ پورا پورا موجود ہوتا ہے۔ یوں چھوٹے بچے بھی نقل کرنے میں بندر سے کسی طرح کم نہیں ہوتے۔ آپ کی رائے کے اظہار کا نتیجہ بچوں پر اثر انداز ایسے ہوتا ہے کہ بچہ بھی اسی چیز کو پسند یا ناپسند کرنے لگتا ہے بچے کے سامنے کسی کھانے کی چیز پر کبھی تبصرہ نہ کیجیے۔

تقریباً ہر بچہ دوسرے کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھانا چاہتا۔ وہ فطرتاً ہر بات میں ہر کام میں آزادی کو پسند کرتا ہے۔ آزادی ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ بچے کو بھی بتدریج آزادی ضرور ملنی چاہئے کھانے کی پلیٹ میں دو چمچے رکھا کیجئے۔ ایک چمچے سے آپ کھانا کھلایئے۔ دوسرے سے اگر بچے کا جی چاہے تو اُسے کھانے دیجئے شروع کی بدتمیزیوں کو نظر انداز کر دیجئے۔ چند روز کی کوشش سے وہ خود کھانا کھانے لگے گا۔

غرضیکہ بچے کے اس عملے پہ داتی مجھیہ ناپسند ہے تو جو چیز ہر ماں کا فرض ہے خواہ کچھ کھانے کے متعلق اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔

مچھلی

گوشت ترکاریوں اور دیگر نباتاتی غذاؤں سے زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ اس میں نائٹروجن والے اجزا چربی ضروری نمکیات اور فولادی اجزا زیادہ ہوتے ہیں اور ترکاریوں سے اس میں غذائیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں پر ہم گوشت کی دوسری قسموں کو دوسرے وقت کے لئے نظرانداز کر کے مچھلی کے گوشت کے خواص اور فوائد لکھتے ہوں۔

مچھلی کا گوشت سفید رنگ کا ہوتا ہے اس کو انگریزی میں (white meat) کہتے ہیں اور یہ بہت ہی لذیذ چیز ہے اس کی بے شمار قسمیں ہیں ساحلی میدانوں کے باشندوں کی عام خوراک یہی ہے یہ دوسرے گوشتوں سے زیادہ زود ہضم ہے جن مچھلیوں میں چربی اور فاسفورس زیادہ ہوتی ہے وہ بہت جلد اور آسانی سے ہضم ہو جاتی ہیں اور اس اعتبار سے یہ دماغی کام کرنے والوں کے لئے موزوں غذا ہے۔ جس طرح مچھلی کی بے شمار قسمیں ہیں اسی طرح اس کے پکانے کے بھی مختلف طریقے ہیں۔

پکانے سے پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مچھلی تازہ ہے یا باسی۔ باسی کی پہچان یہ ہے کہ مچھلی کو انگوٹھے سے دبایا جائے اور اس کی ساخت یکساں نہ ہو یا اس کا گوشت کھال سے علیحدہ محسوس ہو یا اس کے چھلکوں پر رونق نہ رہی ہو تو سمجھ لو کہ باسی ہے چونکہ مچھلی ذبح نہیں ہوتی ہے اس لئے مرنے کے بعد اس کا خون منجمد ہو جاتا ہے اور سرخ رنگ کے رقیق مادہ کی شکل میں کاٹتے وقت نکلتا ہے اس میں بدبو ہوتی ہے اگر مچھلی کو دریا سے نکالنے کے بعد اس کا یہ خون نکال دیا جائے انتڑیاں اور آلائش پیٹ چاک کر کے علیحدہ کر دی جائیں تو زیادہ عرصہ تک اچھی حالت میں رہ سکتی ہے۔ تازہ مچھلی چھونے سے یکساں اور سخت محسوس ہوتی ہے اور اس کے چھلکوں پر رونق اور تازگی معلوم ہوتی ہے اور بدبو کا احساس نہ ہوتا یا کمی ہوتی تو ایک کھلی پہچان ہے۔

([illegible]) سے تیل نکالا جاتا ہے یہ کمزور جسم جننے والے دبلے اور سل و دق کے مریضوں کے لئے مفید ہے یہ خون صالح پیدا کرتی ہے۔ جسم کے ضائع شدہ حصوں کی درستی کرتی ہے کاتل اس کے جگر سے نکلتے ہیں ۱۴۰ فارن ہائٹ درجہ کی حرارت پر اور ۳۲ درجہ فارن ہائٹ کی حرارت پر منجمد دہنی مادہ نکالتے ہیں مچھلی کھانے میں اس کے کانٹے کی خاص احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ اگر اولے کے پانی میں چاول بھگو کر ان کو خشک کر لیا جائے اور پیس کر سفوف بنا کر رکھ لیا جائے اور کانٹے کے وقت ایک چمچہ نگلا جائے تو مچھلی کا کانٹا نکل جاتا ہے۔ مسور کی دال کڑوا تیل اور بیسن سے مچھلی دھونے سے بھی اس کی بدبو جاتی رہتی ہے۔ بعض لوگ مچھلی کے استعمال کو ناپسند کرتے ہیں ان کے خیال میں اس کا استعمال برص و جذام و دیگر جلدی امراض پیدا کرتا ہے اگرچہ یہ صحیح نہیں لیکن اس کے متعلق شبہ ضرور ہے۔ پروٹین جو کہ انسانی جسم کی پرورش کرتی ہے اور ضائع شدہ اجزا کی تلافی کرتی ہے اور فیٹس (fats) جو جسم کو حرارت اور قوت بخشتی ہے یہ دونوں چیزیں بہت اہم اس کے گوشت میں موجود ہیں۔

مچھلی کا ال چار گھنٹہ میں ہضم ہوتی ہے۔ خورد سال بچوں کے لئے مضر صحت ہے اس کے ہمراہ دودھ اور سرکہ کے استعمال کو اطبا منع کرتے ہیں۔ سمندروں میں جہاں مختلف قسم کے خونخوار جانور اور بیش قیمت موتی ہوتے ہیں وہاں مختلف خوبصورت رنگوں کی مچھلیاں بھی پائی جاتی ہیں بعینہ جیسے خشکی پر رنگین چڑیا ([illegible]) چمکیلی سنہرے رنگ کی ہوتی ہے اور اس پر سرخ رنگ کی چتیاں بنی ہوتی ہیں angel [illegible] کی دم کی چاروں طرف کان لیے سے بنے ہوتے ہیں کچھ مچھلیاں آسمانی اور سنہری ہوتی ہیں کچھ نارنجی اور سرخ اور بعض بالکل سیاہ اور سنہری دھاری دار اور بعض

ساون کا مہینہ

فلک پر دوڑتے ہیں ابر پارے
زمیں کے روح پرور ہیں نظارے
بنا ہے غیرتِ گلزار جنگل
زمیں پر بچھ گئی ہے سبز مخمل
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی ہیں
خوشی میں آرزوئیں پل رہی ہیں
درختوں نے لباسِ سبز پہنا
چڑھا ہر شاخ پر پھولوں کا گہنا
ہرے ہیں کھیت دہقاں شادماں ہے
تمناؤں سے بوڑھا دل جواں ہے
زمیں کا رنگ سنولایا ہوا ہے
فضا پر کیف سا چھایا ہوا ہے
پھواریں ننھی ننھی پڑ رہی ہیں
گھٹائیں سرمئی گھر گھر کھڑی ہیں
طیورِ خوشنوا کی نغمہ ریزی
دلوں پر کر رہی ہے کیف طاری
پہاڑی ندیاں نالے رواں ہیں
مناظر ہر طرف جنت نشاں ہے
سیرِ کہسار یا دل کے نظارے
نظر آتے ہیں دل کش پیارے پیارے
سیہ راتوں میں بجلی کا چمکنا
گرجنا بادلوں کا مینہ برسنا
بڑا پُر کیف ہو جاتا ہے منظر
نہ کیوں بے ساختہ آئے زباں پر
بہارستاں ہے ساون کا مہینہ گہر افشاں ہے ساون کا مہینہ

خلیق برہانپوری

رباعیات

سیلاب نفس جیسے تھما جاتا ہے
نبضوں میں مری خون جما جاتا ہے
یہ کس کے گداز دل کی تانیں ہیں شمیمؔ
خود اپنی ہی لے میں جو بہا جاتا ہے

دُنیا کو نئے رنگ بدلتے دیکھا
ہر دم نئے قالبوں میں ڈھلتے دیکھا
ہر قطرہ میں طوفاں کے نظر آئے نشاں
ہر ذرّے میں زیست کو مچلتے دیکھا

دُنیائے کثافت میں لطافت کیسی
اِس کارگہِ رنج میں راحت کیسی
کانٹوں میں شمیمؔ گل کی نکہت کیسی
دُنیا ہے یہ دنیا ہے مسرت کیسی

خالی ہے تمناؤں سے سینہ اپنا
بے آب سا ہے دل کا نگینہ اپنا
خاموش ہیں موجیں تو ہوائیں ساکت
طوفاں کا طالب ہے سفینہ اپنا

دل وقت کے دھارے میں بہا جاتا ہے
ماضی کا ہر اک نقش مٹا جاتا ہے
رنگینیٔ فطرت سے ہر اک لمحۂ زیست
فردوس کا اک خواب ہوا جاتا ہے

صفیہ بیگم شمیمؔ ملیح آبادی

میرے ملنے والے

دُنیا کی ظاہرداری اور خود غرضی کو محسوس کرتے کرتے اب
تو جی یہ چاہتا ہے کہ

رہئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

مجھ سے ملنے والے کیسے کیسے ہیں کیا بتاؤں آپ سے۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ ضرورت ہی پر کوئی ملتا ہے۔ غرض جب آپڑتی ہے تو پوچھتا ہے۔ یوں تو مجھ میں خود اتنی خودداری ہے کہ بلا وجہ کسی اپنے سے بڑے (پوزیشن کے بڑے مراد ہیں) سے ملنا یا کسی ضرورت پر بھی ملنا مجھے پسند نہیں۔ لیٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا یہ تو ہماری حالت ہے۔ اور ان ملنے والوں کا دماغ۔ جب انکی ضرورت مجھ سے پوری ہو جاتی ہے۔ یا اور کوئی کام مجھ سے نکل جاتا ہے۔ یا انکی کوئی خدمت مجھ سے ہو جاتی ہے۔ تو پھر ان کا دماغ ساتویں آسمان پر۔ اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے کہیں ملیں گے تو ایسی بے رخی سے کہ جیسے ان تلوں تیل ہی نہیں ایسے بے مروت لوگ جانے اپنے آپ کو اپنے خیال میں کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ دنیا میں کرسی کی عزت ہے۔ رتبہ کی وحشت ہے۔ انسان کی نہیں۔ آج کوئی بڑے عہدے پر ہوتا ہے ساری دنیا اس کی خوشامد کرتی ہے۔ اُسی کو کل پنشن مل جاتی ہے کوئی اس کی بات بھی نہیں پوچھتا۔ اُس کی طرف پلٹ کر دیکھنا بھی بار معلوم ہوتا ہے۔ اور سلام علیک تو کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی یہ دنیا ہے! اگر واقعی یہ دنیا ہے۔ تو کیا یاد رہے گی یہ دنیا؟ مجھے نہیں معلوم! ایسے ہوش والوں سے تو وہ دیوانہ اچھا ہے جو نہ تم کو جانے پہچانے بلکہ تم کو دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑے۔ تم سے اخلاص برتے۔ تم سے مصافحہ کرے۔ تمہارا ہاتھ ایک بے ساختہ پن سے کھینچے۔ کبھی آنکھوں سے لگائے کبھی ماتھے پر رکھے اور پھر دیکھتے دیکھتے کسی طرف کو چل دے۔ اچھا ہے نا یہ دیوانہ ایسے ہوش و حواس رکھنے والوں سے جو کبھی جانتے پہچانتے ہیں اور کبھی ایسے انجان جیسے کبھی جان تھی نہ پہچان مجھے تو اب اس ہوش کی بے ہوشی اور دولت کی مدہوشی سے نفرت سی ہو چلی ہے۔ ذرا مردم شناسی آگئی ہے۔ ہر ملنے والے سے جھجک سی ہونے لگی ہے۔ ہر آنے والے خط کو کھولنے سے پہلے ہی یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ضرور سا پڑا ہوگا کچھ وقت ورنہ وہ کیوں یاد کرتے۔ آپ کہتے ہونگے۔ تم تو ذرا سی بات کا افسانہ بنا رہی ہو۔ اور ہمیں اس تفصیل سے نیند آرہی ہے لیکن سنئے تو مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ ان جذبات کے ظلمبند ہونے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ پر نہیں گذری ایسی کوئی واردات؟ کیا آپ زمانہ سے اس بات کے شاکی نہیں ہیں؟ کیا آپ کی زندگی میں ایسے مواقع نہیں آئے۔ جبکہ آپ کو محض ضرورت پر بڑی خوشامد سے یاد کر لیا گیا۔ اور جو نہیں ضرورت پوری ہوئی پھر آپ کا خیال بھولے سے کسی نہ آیا؟

اس معاشرہ کی دنیا میں انسانیت ایسی منتشر ہوگئی ہے کہ جیسے ذرّے منتشر ہیں عقل ایسی کم ہے جیسے انسانوں میں اخلاق و مروت کم ہے۔

موجوداتِ عالم کا وہی ایک مالک ہے۔ ہم سے بڑا کوئی نہیں سوائے ایک ذات کے۔ سوائے ایک ہستی کے۔ ہم سب یہ کیوں نہ سمجھنے لگیں۔ کیوں کسی بڑے کا رتبہ ہم پر چھا جائے۔ کوئی ہم کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتا تو یہ اس کی سمجھ کا فتور ہے۔ ہمارا دل ایک ہی ہستی کے آگے جھک سکتا ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔ اگر طلب صادق ہے اور پروانہ شمع سے حقیقی معنوں میں لو لگائے رکھے تو پھر دل اتنا مستغنی ہو جاتا ہے کہ یہ ملنے والے اگر نہ بھی ملیں تو پرواہ نہیں ہوتی ہم کو تسلیم کی خوشامد کی آخر ضرورت؟ جب بے نیازی کسی کی عادت ہو جائے تو خودداری کو چاہیئے۔ اس پر بھی [illegible] نہ کرے ہم تو اسکے

بندے ہیں جو محبت اور مروت و خلوص کے بندے ہیں۔ غرور و خود بینی راندۂ درگاہِ باری تعالیٰ ہیں۔ ہم کو اپنی ہستی کو بہت کچھ سمجھنے یا اہمیت دینے کا حق ہی کیا ہے؟

ریحانہ میری خیریت اسی وقت پوچھتی ہیں جب ان کو میرے قلم سے کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ رشیدہ کے پاس سے بھولے بھٹکے اسی وقت کوئی آتا ہے جب ان کو مجھ سے کچھ ترجمہ کروانا ہوتا ہے۔ محمودہ ایسے موقعوں پر میری کمی کو محسوس کرتی ہیں جبکہ اسکول میں کوئی ڈرامہ وہ کروانا چاہتی ہیں۔ سعیدہ کو میری ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کسی جلسہ میں انھیں تنہا شرکت کرنے سے جھجک سی ہوتی ہے رضوانہ کو میری یاد اس وقت ستاتی ہے جبکہ اُردو میں کوئی مضمون لکھ کر اس کو کسی مقابلہ میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ وہ انگریزی کی ایک فاضل ادیب ہے اس کے دماغ پر آٹھوں پہر چوبیس گھنٹے انگریزی کا نزلہ سوار رہتا ہے س کی زبان پر ٹویر بوار Have you seen وگڈ لس' جیسے جمل جیسے رقص کرتے رہتے ہیں وہ رضوانہ جس ا اُردو زبان کا ایک معمولی سا شعر سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اُردو بول چال پر پوری قدرت نہیں۔ ہونا انگی زر بیزارگی جیسے غلط الفاظ آئے دن استعمال کرتی ہے۔ جس کو یہ نہیں معلوم کہ صرف ہائے ہوز کے بعد 'گی' کا لفظ آتا ہے جیسے دیوانگی۔ ملیا خنگی۔ پروانگی وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسے رکھنے والوں کا کیا بھروسہ انکی غرض پوری ہو جاتی ہے پھر مہینوں کوئی خبر بھی نہیں لیتا۔ یہ سب کچھ مجھ ہی پر نہیں ڑی۔ آئے دن ہر فرد بشر پر جو قسمت کے دروازے سے صرف ضرورتوں کو پورا کرنے کی حد تک خوش نصیب ہے گذرتی ا ہے نہ تو میں نے آج تک کسی مقابلہ کے لئے کوئی مضمون ملا نہ خود مجھے اچھی طرح کوئی شعر کہنا یا سمجھنا آیا نہ میں آج تک کسی ڈرامہ میں کسی کو مدد دی نہ ترجمہ کرنے کی میں قابلیت ہے نہ میرے پاس کوئی طلسم ایسا ہے زور اور ناتجم کا ہے جیسے علاؤالدین کے پاس چراغ تھا غرض ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ خیالات سب پر یکساں طریقے سے چسپاں ہو سکتے ہیں۔ زندگی کے ان تلخ تجربوں نے بوکھلا دیا ہے۔ یہ شاید میری فطری کمزوری ہے یا پھر ان سب کی زیادتی۔ کیا سمجھوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں تو دکھ ہوتا ہے حقیقی بھائی بہن سے بُرا سلوک دیکھ کر دل کو فت ہوتی ہے۔ کہ دنیا میں سب مل سکتے ہیں۔ یہی چند پتے تلے رشتے نہیں ملتے۔ اپنا جب اپنا نہیں تو بیگانہ کب اپنا ہے۔

دل اتنا حساس کیوں ہو چلا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پہاڑ کیوں معلوم ہوتی ہے۔ تیکھی چتون کی بہار کب آئے گی۔ بیگانہ دوستی کو دل کب برداشت کرنے لگے گا۔ کیوں کسی کا سلوک ناگوار ہوتا ہے کیوں کسی کی بے مروتی کا بہت زیادہ احساس ہوتا ہے۔ یہ دنیا جب اپنی نہیں تو ہم کیوں اس کے لئے مر مر کر جئیں۔ یہ دل پتھر کا اور فولاد کیوں نہیں ہو جاتا ہے۔ یہ آنکھیں اتنی حد رس کیوں ہو گئیں۔ کون جواب دے ان سب کا۔

قیامت تو ایک قیامت کی چیز ہے۔ کیا قدرت کا یہ منشا ہے۔ کہ روز میرے دل حزیں پر ایک قیامت برپا کر دے؟ کیا اچھا اصول ہے پھر تو لیکن یہ کیا ہے . . .

رزاقِ دو جہاں کے خزانے کو کیا ہوا
ملتا ہے غم سو وہ بھی کسی کا دیا ہوا۔

جہاں بانو نقوی

بچہ اور ماحول

یہ مسلّمہ امر ہے کہ بچہ جو کچھ اپنے اردگرد دیکھتا ہے بغیر سوچے سمجھے وہی کرتا ہے اس لئے ماں کا اوّلین فرض ہے کہ اس کے سامنے اس قسم کے نقوش پیش کرے جن کا کہ اس کے کردار اخلاق پر اچھا اثر پڑے۔ لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مائیں اپنی سہل انگاری سے اس خدمت کو ادا نہیں کرتیں اور بعد میں اس کا رونا روتی ہیں کہ بچہ کی تربیت خراب ہو گئی بچہ جو کچھ سیکھتا ہے وہ اپنے والدین بہن بھائیوں سہیلیوں اور نوکروں اور دوستوں ہی سے سیکھتا ہے مثل مشہور ہے کہ بچہ کا پہلا اسکول ماں کی گود ہے اس لئے اس کی پہلی معلّمہ کا یہ فرض ہے یعنی ماں کا کہ اپنے اخلاق اور مزاج کو نہایت خوشگواری سے اس کے سامنے پیش کرے اگر میاں بیوی میں تعلقات خراب ہیں اور نئے دن جھگڑے رہتے ہیں تو یقیناً بچہ کی تربیت پر اس کا بڑا اثر پڑیگا بچہ کے لئے بہترین ماحول بنانے کی تنہا ماں ہی ذمہ دار نہیں۔ باپ بھی اس میں برابر کا حصہ دار ہے کم از کم ابتدا میں لیکن باپ صرف یہ خیال کر لیتے ہیں کہ یہ ذمہ داری تنہا ماں ہی پر عائد ہے اگر والدین ابتدا سے ان باتوں کا خیال رکھیں تو یقیناً ان کو بچہ کی تربیت میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئے گی مثلاً پہلے اوقات کا پابند ہے وقت پر کھانا پینا نہانا کھیلنا وقت پر سونا اور اٹھنا تو یقیناً دوسرا بچہ ان اصول کا پابند ہوگا اور کبھی نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

بچہ کی زندگی میں ایک سخت نگرانی کا وقت وہ ہے جب بچہ اپنے ہم جولیوں عزیز و اقارب نوکروں اور ہمسایوں کی سیرت عادات و اخلاق اور کردار سے اثر قبول کرتا ہے۔ اور ان کے مواقع گھر کے علاوہ اسکول بورڈنگ کھیل کے میدان سیر کلفٹنگ وغیرہ میں بھی پیش آتے ہیں ایسے مواقع پر اس بات کی سخت نگرانی کرنی چاہئے کہ بچہ کی تربیت پر خراب ماحول کا اثر نہ پڑے۔ اس لئے اپنے بچہ کو خراب تربیت کے بچوں سے علیحدہ رکھنا چاہئے۔ والدین بزرگوں اور سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ ایسے لوگوں کو بچہ کا دوست نہ بننے دیں نہ اپنے گھروں میں ان لوگوں کو آنے دیں جن کے اخلاق و کردار ان کی نظر میں خراب ہیں کیونکہ ان کا آنا جانا گھر کے اس ماحول کو خراب کر دے گا۔ جس میں بچہ نشوونما پا رہا ہے بچہ سے بہت زیادہ بے باکی آزادی اور بدتمیزی سے ملنے والے دوست بہت خطرناک ہیں۔ اس سے بچہ میں آزادی بیباکی گستاخی کی عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے تحائف اور کھلونے بچوں کو اپنی فرمائش سے نہیں لینے دینے چاہئیں اس سے ان میں موقع بے موقع حرص و لالچ اور بیباکی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کو صرف ایسے دوست احباب اور عزیزوں سے ملنے دیں جو اعلیٰ اخلاق اور کردار رکھتے ہیں گھر کے ملازمین کو بچہ کے اخلاق کی نشوونما میں کم دخل دینے دیں کیونکہ اکثر ملازمین کے اخلاق و کردار بہت گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے ملازمین کو اپنے گھر میں جگہ نہ دینی چاہئے ورنہ آئندہ بہت دقتیں پیش آئیں گی۔ کیونکہ بچہ کو سیر و تفریح کیلئے باہر ملازمین ہی لیجاتے ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی کا قول ہے کہ بچہ کو صرف ایک زندہ کھلونا سمجھنے والے والدین اگر اس سے اپنا دل بہلانے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ اس کھلونے کے اندر صناعِ ازل نے بڑی بڑی عجیب قوتیں پنہاں رکھی ہیں اور مناسب ذریعوں سے اس کی ان قوتوں کو نشوونما دینے کی کوشش کرتے رہیں تو یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے پیچھے اس دنیا میں ایک ایسی نسل چھوڑ جائیں جسمیں زندہ رہنے کی صلاحیت ہو اور جو کشمکش حیات میں دوسری قوموں کے دوش بدوش چل سکے ورنہ قدرت کا ہاتھ جسطرح اور بہت سی نااہل قوموں کو فنا کر چکا ہے اسی طرح ہماری آئندہ نسلوں کو بھی مسا کر چھوڑیگا۔ کاش ماں کی ذمہ داری رکھنے والی خواتین اس اخلاقی بنا و ض کے اصل ... کریں اور انکو اپنا دستور العمل بنائیں۔

شفیق جہاں بنت چودھری [illegible]

عورت کی خدمات

عورت کی خدمات ابتدائے آفرینش سے عیاں ہیں۔ آدم کی جنت میں انیس اور دنیا میں مدتِ فراق ختم ہونے کے بعد ہمدم و جلیس رہی۔ آدم کے ساتھ حوا کا وجود نہ ہوتا تو آج یہ گلہائے رنگ رنگ جن پر زینتِ چمن موقوف ہے اس دنیا میں موجود نہ ہوتے۔ جوں جوں دنیا وسعت پاتی گئی عورت کی جہد ماوری میں بھی ترقی ہوتی گئی تا آنکہ عورت کی خدمت نے ایک بے یار و مددگار مسافر کو خدا کی دکن سے یوں روشناس کرایا کہ گئے تھے آگ لینے اور مل گئی پیغمبری۔ ظاہری آگ تو خیر نہیں ملی یا ملی۔ مگر دل کی چنگاری جل اٹھی اور شرر نے شعلہ کی صورت اختیار کی تو آزادی کی آگ میں کود پڑے تھی کہ غلامی کے اژدھائیوں نے انھیں اور ان کی قوم کو سالم نگل لینا چاہا۔ مگر وہ دلوں میں ایسی آگ لگا چکے تھے جسے نیل کی موجیں بھی نہ بجھا سکیں اور ظالموں کو شرم کے مارے ڈوب کر مرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ کعبہ جسے آج دنیا پوجتی ہے ایک باوفا بیوی اور ایک مامتا کی ماری ماں ہی کی یادگار نہیں تو اور کیا ہے آج صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے والے اس دوڑ کو بھلا بیٹھے ہیں جس نے نوجوان کے دل کی گہرائی میں بھی اثر کر کے چھوڑا تھا۔ کو تبرک سمجھ کر غٹ غٹ پی جانے والے کیا اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ یہ دراصل اسمٰعیل کی ماں کی مامتا ہی کا چشمہ تھا جو بے آب و گیاہ وادی میں ابل پڑا اور اس کا فیض آج تک جاری ہے ورنہ وہ ذات جو کربلا کے میدان میں نہ پہنچی۔ جس کی بے کسی کے سامنے عثمانؓ نے بے آب مدینہ کے محل میں اپنی جان بھینٹ چڑھادی۔ وہی جس کے متعلق اقبال علیہ الرحمۃ فرما گئے ہیں ؎

مینداراں کہنہ نخچیر گیر — بدامِ معلّے تو گردد اسیر

اگر احسانی پیار وادیٔ مکہ میں بے تحاشا ہو کر نہ ابل پڑتا تو وہ ذات چشمۂ زمزم کیا ایک پیالۂ آب سے بھی اصغر بے شیر کی طرح اسمعیل کے لب خشک کو شاید تر نہ فرماتی۔ اصغر کی ماں کا صبر جس طرح آج تک بے مثال ہے۔ اسمٰعیلؑ کی ماں کی مامتا اسی طرح آج تک لازوال اور فیض جاری ہے۔ پھر جب اسمٰعیل کی اولاد سے اس آخری نور کا ظہور ہوا جس کے نور کی مثال باقی انوار کے سامنے ایسی ہے جیسے سورج کے نور کی باقی ستاروں کے انوار کے سامنے۔ جس کے طلوع کے بعد انجمِ شب کی چاندنیاں سب بے نور ہو جاتی ہیں۔ اس آخری نور کا ظہور سب سے پہلے ایک عورت ہی کی مواسات و مروت کا رہینِ منت ہے۔ برقِ حرا کو سب سے پہلی پہنچانے والی اور حضورؐ کو سب سے پہلی لبادہ اڑھانے والی خدیجہؓ طاہرہ کی خدمات کو بھلا کب بھلایا جا سکتا ہے۔ اس نورِ پاک پر شریروں نے جب انتہائی خبثِ باطن سے خاک ڈالی تو سیدہ ہو کر اس خاک کو دھونے والی سیدۂ پاک اسی خدیجہؓ کی لختِ جگر ہی تھی حتیٰ کہ عورت کی خدمات کا یہ انتہائی باریک نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آخری نبوت کی یادگار باقی رکھنے کے لئے قدرت نے اس کا سلسلۂ نسب کسی مرد کی طرف سے باقی نہیں چھوڑا بلکہ اسی سیدۂ پاک کی یادگار کو خود حضورؐ کی یادگار قرار دیا اور آج تک نہیں بلکہ تا قیامت آخری نبوت کے نام لیوا سیدۂ پاک کی اس خدمت سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ میدانِ احد میں زخمیوں کی مدد کرنے والی اور دم توڑنے والوں کو پانی پلانے والی عورتوں کی خدمات کو آج کا بزدل اور غلام مسلمان بھلا چکا ہو تو کچھ بعید نہیں مگر تاریخ کے اوراق ان کے زرّیں کارناموں کو زندگیٔ جاوید کے ضمن میں ثبت کر چکے ہیں اور جب تک تاریخ کا وجود ہے ان مجاہد عورتوں کی خدمات کو طاقِ نسیان پر نہیں رکھا جا سکتا جنھوں نے زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کے علاوہ صرف خیمے کی بانسوں ہی سے سارے کیمپ کی حفاظت بھی ساتھ ہی کی تھی اور کیا عورت کی اس خدمت کی کوئی قیمت نہیں کہ نورِ نبوت

سکے آخری لمحے بھی عورت ہی کی گود میں بسر ہوسکے اور عورت
ہی کی گود سے اس روحِ مقدس نے عالمِ بالا کا سفر اختیار
کیا۔ پھر سارے مردوں کی خدمات دینی ایک طرف اور اس
تنہا عورت کی خدمات ایک طرف جس سے آدھا دین
منقول ہوا ہے پھر کیا خاتونِ جنت کے ان جگر کے ٹکڑوں
کی خدمات کو دنیا بھلا سکے گی جنھوں نے بھائیوں بیٹوں
اور شوہروں کی قربانیاں دیکر یزید و ابن زیاد جیسے کے سامنے
بھی کلماتِ حق کہنے سے اپنی زبانوں کو گنگ نہ پایا عراق کے
تپتے ہوئے صحراؤں کی جھلس دینے والی لو کو برداشت کرکے
دمشق میں جب پہونچیں تو بھی مصلحت نے انکی زبانوں کو روکنے
سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب دَورِ ولایت شروع ہوا
تو کیا رابعہ بصریہ کی خدمات کو کسی مرد کی خدمات سے ہم وزن کیا
جا سکتا ہے۔ یا پیران پیر کی والدہ ماجدہ کی حقیقی تربیت کا کوئی
جواب پیدا کیا جا سکتا ہے جس کی تربیت کے اثر سے ڈاکوؤں کے
سردار دلیوں میں شمار ہونے کے قابل ہوگئے۔ اس گئے گذرے
دور میں رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی کی خدمات کی ہمسری کا دعویٰ
کیا جا سکتا ہے؟ یہ ہے عورت کی ان خدمات کا ایک مختصر سا
خاکہ جو اس نے ابتدائے آفرینش سے آج تک انسانیت کبریٰ
کے لئے ادا کی ہیں۔ اگر اس خاکہ میں رنگ بھرا جائے تو ع

سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

نیز ہم بریں مختصر طور پر۔ مصرعہ

زیر دِن در گزشتم ز درونِ خانہ گفتم۔

ریحانہ محمودہ

عِلم و عَمل

حسرتِ نامراد ہے علم ہے گر عمل بغیر
نخلِ حیات میں نہیں یعنی ثمر عمل بغیر

علم اگر ہے بے عمل، مُرغِ بُریدہ بال ہے
مُرغ نہ ہو جو پَرفشاں زیست اسے وبال ہے

علم ہے مشعلِ ھُدیٰ۔ راہ عمل کے واسطے
عزمِ عمل اگر نہیں فائدہ کیا ہے علم سے

ذوقِ عمل کو علم سا راہنما ضرور ہے۔
راہ مسافتِ عمل علم سے پُر سُرور ہے!

ارضِ عمل کی وادیاں علم سے گلفشاں ہوئیں
راہرؤں کیواسطے باعث لطف جاں ہوئیں

گلشنِ زندگی میں گر علم و عمل بہم ملیں
جُھونکے نشاط کے چلیں، پُھول مراد کے کِھلیں

علم کے ساتھ ہو عمل، مانگ خدا سے یہ دُعا
شر نہ ہو بلکہ خیر ہو ذوقِ عمل کا مُدعا

محروم

حشمت علی

ہوشنگ

دو چیزیں انسان کو جان و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہیں ایک مذہب اور دوسرا ماضی۔ ماضی سے مراد گذشتہ تاریخ ہے۔ ہر قوم کو اپنا ماضی عزیز ہوتا ہے۔ اور وہ اس عزت کا وہ مستحق بھی ہے کیونکہ دنیا کی بہتر سے بہتر تہذیب اور اچھے سے اچھے تمدن کی بنیاد ماضی ہی کے کھنڈرات پر رکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ ایک دلچسپ مضمون بھی ہے۔ خصوصاً قدیم تاریخ اور وہ بھی اُن ملکوں کی جو ہزاروں برس پہلے تہذیب و تمدن کا مرکز علم و ہنر کا گہوارہ اور عقل و حکمت کے مخزن سمجھے جاتے تھے انہیں قدیم مشاندار ملکوں میں سے ایران بھی ہے یہاں کی تہذیب زمانہ میں دور دور تک مشہور تھی۔ اور یہاں کے تاجدار عقل و شعور اور علم و ہنر میں شہرۂ آفاق تھے۔ جن خاندانوں نے اس مشہور ملک پر حکومت کی ان میں سے ایک خاندان "پیشدادیان" بھی تھا جو حضرت مسیحؑ سے بہت پہلے ایران پر حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ کیومرث تھا جس کی نسل سے دس بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت سلطنت جلوہ افروز ہوئے جن میں جمشید، ضحاک، فریدوں، افراسیاب بہت مشہور ہوئے ہیں یہ خاندان اپنے دوسرے بادشاہ ہوشنگ کے نام سے بھی مشہور رہے۔ ہوشنگ کی عدل گستری کے سبب لوگ اس کو داد بھی کہتے تھے اور اہلِ فارس اس کا نام ایران بھی بتاتے ہیں بعض ایرانی مورخین کہتے ہیں کہ ادریس پیغمبرؑ ہی ہوشنگ تھے ہوشنگ نے چالیس سال حکومت کی۔ بہت سی نہریں جاری کیں۔ لومڑی اور سمور کی کھال اور بالوں سے فرش تیار کئے۔ شہر استخر کی آبادی میں جو اس کا دارالسلطنت تھا اضافہ کیا اور دو نئے شہر شوش اور بابل بسائے۔ لیکن بعض مورخ بابل کا بانی ضحاک کو بتاتے ہیں۔

ایک دن ہوشنگ نے اپنے جانشین طہمورس کو بلایا اور کہا کہ "میں تجھے عقل و علم میں کامل دیکھتا ہوں اور تجھ میں جہانداری کا سلیقہ پاتا ہوں اس لئے میں سلطنت تیرے سپرد کرتا ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے خاندانی قبرستان میں چلا گیا۔ اور مرتے وقت تک وہیں خدا کی عبادت میں مصروف رہا۔ اس کے اقوال و نصائح جو اس کی تصنیف "جاویدان خرد" میں ہیں نہایت مفید اور حکیمانہ ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) سب سے اچھی چیز جو خدا سے بندے کو ملتی ہے وہ اس جہاں کی عقل اور اُس جہان کی بخشش ہے (۲) نیک کاموں کی چار قسمیں ہیں، علم کو دوست رکھنا پرہیزگاری اور پاک نفسی — (علم سے مراد مذہب ہے اور مطلب یہ ہے کہ مذہب کو دوست رکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور پرہیزگاری سے مراد صبر، ضبط اور پاک نفسی سے خواہشوں کا مٹا دینا ہے) (۳) انسان کی اچھی عادتیں چار ستونوں پر استوار ہیں۔ علم، ضبط و تحمل، پاک دامنی اور انصاف امیری قناعت میں اور محتاجی امیر بننے کی خواہش میں ہے بخشش مروت اور حوصلہ پر موقوف ہے اور عزت و وقار خطا معاف کرنے میں۔ (۴) اپنی موت کو بُرا سمجھ اور اس کا منتظر رہ جس وقت تو آرام میں خوش ہو تو تکلیف سے ڈر کیونکہ آرام اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے (۵) سب سے بڑا غم دنیا میں رہنے کی خواہش ہے (۶) دو چیزوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ خدا اور موت اور دو چیزوں کو بھول جانا چاہیے۔ اس نیکی کو جو تو نے کسی شخص کے ساتھ کی اور اس بدی کو جو تیرے ساتھ کسی نے کی (۷) جو شخص صلاح اور مشورہ سے کام کرتا ہے وہ ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔

ہوشنگ کے بعد طہمورس حکمران ہوا۔ اس نے پانچسو برس حکومت کی۔ وہ کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتا تھا۔ البتہ اس کا حکم تھا کہ لوگ نیک اعمال کی حد سے قدم باہر نہ نکالیں۔ اور اس کا وزیر نہایت عقلمند تھا جو ملک کی آبادی اور لشکر کی نگہبانی میں مصروف

بیٹا تھا۔ سرداروں کو اس پر حسد ہوا اور انھوں نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ تہمورس اور اُس کے وزیر کا انتظام بہت اچھا ہے لیکن ممکن ہے ہوشنگ گوشہ نشینی ترک کر کے واپس آجائے اور اس نظام کو ناپسند کرے۔ اس پر بادشاہ اور سرداروں میں لڑائی ہوئی۔ سرداروں نے شکست کھا کر معافی مانگی۔ مگر بادشاہ نے معاف نہیں کیا اور انھیں سزا دی۔

انگریز مورخین لکھتے ہیں کہ ہوشنگ نے تہمورس کو جو اس کا بھتیجا یا پوتا تھا اپنی زندگی ہی میں مار ڈالا تھا۔ اور اس کے گوشہ نشیں ہونے کے بعد ایک شخص نے ظاہر ہو کر یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ہوشنگ کا جانشین ہے۔ اس دعوے کا کچھ لوگوں نے یقین کیا اور کچھ نے نہیں کیا اس پر لڑائی ہوئی تھی۔

تہمورس کے زمانہ میں ایک مرتبہ ملک کے اندر سخت قحط پڑا اس نے حکم دیا کہ قحط زدہ لوگوں کو شام کے وقت کھانا تقسیم کیا جائے اور دوسرے دن کے شام کے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ روزہ کی بنیاد اسی دن سے پڑی۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ ایک خوفناک وبا ظاہر ہوئی تھی۔ جس کا کوئی عزیز مر جاتا وہ اس کی تصویر لکڑی پتھر یا دھات کی بنا لیتا تھا اور وقتاً فوقتاً اسے دیکھ لیا کرتا تھا۔ بت پرستی کی بنیاد جب ہی سے پڑی۔ شہر اصفہان اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اس کا قول ہے کہ تھوڑی چیز پر صابر رہنا بہت سی چیز کی خواہش سے بہتر ہے۔

تہمورس کے بعد جمشید بادشاہ ہوا۔ اس کا نام جم تھا مگر اس کا چہرہ چونکہ سورج کی طرح روشن تھا۔ اس لئے اس کا نام جمشید مشہور ہوا۔ یہ تہمورس کا بھائی یا بھتیجا تھا۔ تہمورس کے کوئی بیٹا نہیں تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد سرداروں نے تاج و تخت جمشید کو پیش کیا۔ اس کی نیک نیتی اور نیک اعمال کے سبب رعایا کے دلوں میں اس کی محبت بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے شہر اصطخر کی آبادی بڑھائی۔ اور ایک عالی شان سرائے تعمیر کرائی جس کا ملبہ اب تک باقی ہے۔ اس کے نقوش اور کندہ کی ہوئی تصویریں دیکھ کر سیاح تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ ان یادگاروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل فارس تعلیم تہذیب یافتہ قوموں پر ہنرمندی اور آرٹ میں سبقت رکھتے تھے۔ جمشید نے اپنے محل میں جشن تاجپوشی منایا اور اس کا نام جشن نوروز رکھا جسے پارسی اب تک مناتے ہیں۔ مشہور یونانی حکیم فیثاغورس اسی کے زمانہ میں تھا۔ اور اس نے جمشید کی خوشی کے لئے ساز و نغمہ کو از سرِ نو ترتیب دیا تھا۔

شراب بھی اسی کے زمانہ میں ایجاد ہوئی۔ اس کا واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ لکھتے ہیں جمشید کو انگور کا بہت شوق تھا ایک مرتبہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹکے میں انگور بھر کر رکھے جائیں تاکہ وہ جاڑوں میں کام آئیں۔ مگر جب سردیوں میں مٹکے کا ڈھکن کھولا گیا تو وہ انگور متغیر ہو گئے تھے۔ اور ان کا عرق اس قدر تلخ تھا کہ بادشاہ نے اسے زہر سمجھا اور اس پر لکھ دیا کہ اس میں زہر ہے۔ ادھر محل میں ایک کنیز درد سر کی وجہ سے عاجز تھی۔ اس نے چھپ کر خودکشی کے ارادہ سے اس میں سے کچھ پیا اور سو گئی۔ جب اٹھی تو اس کا درد کافور تھا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے بھی پیا اور رفتہ رفتہ یہ قاتل زہر آبِ حیات کی طرح پیا جانے لگا۔ جامِ جم کا قصہ اب تک زبان زدِ خاص و عام ہے۔

کہتے ہیں جمشید نے پہلی مرتبہ نیزہ اور تلوار کا استعمال کیا اس سے پہلے ہتھیار لکڑیوں یا پتھر کے ہوا کرتے تھے۔ روئی بونا۔ کاتنا اس سے کپڑا بنانا اور اس کا رنگنا بھی اسی کی ایجاد ہے تیرنا غوطہ خوری اور موتی نکالنا بھی اسی نے لوگوں کو سکھایا۔

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جمشید نے خدا پرستی ترک کر کے اپنے آپ کو خدا کہلوایا۔ مگر اہل فارس کو اس سے انکار ہے وہ کہتے ہیں کہ جمشید بڑا عقلمند پیغمبر تھا۔ اس نے رعایا سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ گناہ کے پاس نہ پھٹکیں گے مگر کچھ عرصہ بعد لوگوں نے عہد شکنی کی اور خدا نے جمشید کو ان میں سے اٹھا لیا۔ اور ضحاک جیسے ظالم بادشاہ کو ان کی سزا دہی کیلئے

رسیدہ بود بلائے

پردہ پہلا

مسٹر خلیق شہروں سے دور ایک بستی میں ایک چھوٹے سے بنگلے میں تن تنہا رہتے ہیں۔ ایک کواپریٹو بنک کے منیجر ہیں۔ بنگلے ہی میں دفتر بھی ہے۔ بنگلے میں دفتر گول کمرے اور کھانے کے کمرے کے علاوہ دو خواب گاہ کے کمرے بھی ہیں۔ ایک اپنے لئے اور ایک مہمانوں کے لئے کیونکہ کاباری لوگ اکثر آکر مہمان ہوتے رہتے ہیں۔

مسٹر خلیق اپنے مختصر مگر سجے ہوئے گول کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شام کا وقت ہے کہ اتنے میں کالی آندھی آتی ہے۔ مسٹر خلیق نوکر کو آواز دیتے ہیں۔ نوکر حاضر ہوتا ہے اور اس مختصر ڈرامے کا آغاز ہوتا ہے۔

مسٹر خلیق۔ کرمو دیکھ آندھی آگئی، جلدی سے برآمدے میں سے کرسیاں وغیرہ اٹھالے اور کواڑ بند کر دے۔

کرمو نوکر۔ (کواڑ بند کرتے ہوئے) حضور باہر برآمدے میں تو میں نہیں جاؤں گا۔ سنا ہے جب ایسی آندھی آتی ہے تو دیوؤں کی برات نکلتی ہے۔ (آندھی کی شوں شوں کی آواز آتی ہے) دیکھا حضور کیسی آوازیں آرہی ہیں۔

مسٹر خلیق۔ (مذاق سے) کیوں رے جی دیوؤں کی برات میں پریاں بھی تو ہوتی ہوں گی۔

کرمو۔ نہیں حضور پریوں کا اس میں کام نہیں۔

مسٹر خلیق۔ تو دیو شادی کس سے کرتے ہیں۔

کرمو۔ سرکار دیو کی بیوی دیوی ہوتی ہے۔

مسٹر خلیق۔ ارے باہر نکل کر دیکھ تو کہ اس برات میں کوئی دیوی بھی ہے۔ (اتنے میں دروازے پر زور سے کھٹ کھٹ ہوتی ہے۔ اور کرمو ڈر کے مارے چونک پڑتا ہے) ڈر کا کھیل ہے۔ دیکھ تو کون ہے؟

کرمو۔ (شیشے کے کواڑوں میں سے باہر جھانک کر) حضور سچ فرماتے ہیں۔ یہ تو کوئی دیوی جی ہی ہیں۔

مسٹر خلیق۔ کیا بکتا ہے۔ میرے پاس عورت کا کیا کام۔ ذرا کواڑ کھول کر دیکھ تو سہی۔

(نوکر کواڑ کھولتا ہے۔ تو پہلے آندھی کی گرد اندر داخل ہوتی ہے اور پھر ایک دیوی جی)

مسٹر خلیق۔ لاحول ولا قوت۔ ارے کم بخت کواڑ بند کر۔

دیوی جی۔ جناب میں کوئی شیطان تو نہیں۔ آپ لاحول کیوں بھیجتے ہیں۔

مسٹر خلیق۔ (خفیف ہو کر) معاف کیجئے گا میرا مطلب آندھی سے تھا

دیوی جی۔ معاف کیجئے گا۔ میرے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ میرے کپڑے گرد آلود ہو رہے ہیں۔ میرا سانس چڑھ رہا ہے۔ معاف کیجئے گا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں ایسے وقت پر اسٹیشن سے باہر نکلی اور میں گھبرا بھی گیا۔ معاف کیجئے گا۔ میرا سانس چڑھ رہا ہے۔ اور میں تھک گئی ہوں۔ آندھی کے ڈر سے اسٹیشن سے یہاں تک بھاگتی ہوئی آئی ہوں۔ (صوفے پر بے تکلفی سے دراز ہو جاتی ہے) اجازت ہو تو ذرا دم لے لوں۔ آپ بھی کہیں گے کیسی بدتمیز عورت ہے مگر سنئے تو مجھے کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اسٹیشن پر کوئی خوانچے والا نہ تھا۔ سودا لینے میں اسٹیشن کے باہر نکلی کہ شاید اسٹیشن والوں کے لئے کوئی دکان ہو اور ریل چل دی۔ (اور روتے ہوئے) میرا سارا سامان بھی ریل ہی میں رہ گیا۔ روپے کا بٹوا معہ ٹکٹ کے بھی ریل ہی میں رہا۔ (روتی ہے) اب میں کیا کروں۔ اسٹیشن والوں نے بتایا۔ خاک بتایا! (روتی ہے) میں سیدھی بستی کی طرف آنے لگی کہ آندھی

آگئی۔ اور میں بھاگی اور بھاگم بھاگ آپ کی کوٹھی نظر آئی تو میں اندھا دھند اندر گھس آئی۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی (سوچتا ہے اور کر شیرا جاتی ہے) سنئے تو آپ چاہ تو پی چکے ہوں گے۔ اب تو کھانے کا وقت آگیا۔ اور دیکھئے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ سخت بھوک لگ رہی ہے اور آپ سے بے تکلفی نہیں۔ آپ خدا جانے مجھے کیا سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ عورت زبردستی مجھ پر مسلط ہو رہی ہے۔ مگر پیٹ بری بلا ہے اور میں تندرست ہوں اور جوان ہوں۔ بھوک کو کس طرح مارکوں۔

(مسٹر خلیق نوکر کو بلا کر کہتے ہیں کہ کھانا بہت جلدی تیار کر کے میز پر لگا دو۔ جلدی کرو۔) (دیوی جی سے مخاطب ہو کر)

مسٹر خلیق۔ آپ کو ہمارا کھانا کھانے میں عذر تو نہ ہوگا۔

دیوی جی۔ آپ کو شاید میرے لباس سے شبہ ہوا۔ اور میری آزادی سے۔ جناب میرا نام ریحانہ ہے۔ میری بے تکلف سہیلیاں ریحانہ مستانہ بھی کہتی ہیں۔ سچ ہے اللہ بڑا رازق ہے شکر ہے اب بھوک کی آگ تو دب جائے گی۔ مگر میرے کپڑے میلے ہو گئے ہیں۔ اور میرے پاس بستر بھی نہیں ہے۔ توبہ توبہ میں بھی کیسی دیوانی ہوں۔ آپ کی بیگم صاحبہ کے کپڑے میرے بدن پر ٹھیک آجائیں گے۔ ذرا اپنی بیگم صاحبہ سے تو ملوا دیجے آپ کی بیگم صاحبہ کہاں تشریف رکھتی ہیں۔ آپ اتنے خاموش کیوں ہیں۔ میری کسی بات کا جواب ہی نہیں دیتے کچھ بولتے ہی نہیں۔

خلیق۔ آپ مجھے جواب دینے یا بولنے کی مہلت بھی دیں۔ آپ کے غیر مسلسل خیالات کی رو میری قوت سامعت اور ادراک کے بیچ میں سے اس زور سے گزر جاتی ہے کہ۔۔

ریحانہ۔ اچھا تو آپ ادیب بھی ہیں۔

خلیق۔ یہ کیسے؟

ریحانہ۔ میں جب کسی عبارت یا کلام کا مطلب نہیں سمجھ سکتی تو اتنا ضرور سمجھ جاتی ہوں کہ اس عبارت کا مصنف ضرور ادیب ہوگا۔ مگر خیر اس بحث کو چھوڑیئے۔ آپ نے مہربانی فرما کر کھانے کا تو انتظام کر دیا۔ اب میرے غسل کا انتظام کیا ہوگا۔

خلیق۔ مہمان خانہ کے کمرے میں غسل خانہ موجود ہے۔

ریحانہ۔ اور آپ کی بیگم صاحبہ کے کپڑے ہم کو مل جائیں گے۔ ملوا تو دیجئے۔

خلیق۔ میں نے شادی ہی نہیں کی۔

ریحانہ۔ یہ مجھے ایک اور مشکل کا سامنا ہوا۔ مگر خیر اب آپ مہربانی فرما کر میرے لئے کپڑوں کا انتظام کیجئے کہ میں نہا کر کپڑے بدل لوں۔ سنتے ہیں؟ یہ کیجئے اپنا کرتہ اور تنگ پاجامہ لا دیجئے۔ اور آپ کے نوکر کی وردی کا دوپٹہ کوئی دھلا ہوا ہو تو اس میں سے اپنے لئے پھاڑ لوں گی۔ یہ کپڑے دھو لوں گی۔ رات بھر میں سوکھ ہی جائیں گے مگر لاحول ولا قوۃ میں زبردستی آپ پر مسلط ہو رہی ہوں۔ اچھا یہ بتائیے کہ اب رات کو یہاں سے کے بجے ریل جائیگی

خلیق۔ رات کو کوئی ریل اس اسٹیشن پر ٹھہرتی ہی نہیں۔

ریحانہ۔ پھر مجبوری ہے۔ رات یہیں بسیرا کرنا پڑے گا مگر آپ گھبرائیں نہیں صبح سویرے ہی میں جدھر منہ اٹھے گا چلی جاؤں گی۔ آپ کو زیادہ تکلیف نہ دوں گی۔ ہاں تو غسل کا کیا رہا۔

خلیق۔ اس دروازے سے مہمانوں کے کمرے میں چلی جائیے۔ وہاں ایک الماری میں آپ کو کپڑے مل جائیں گے دوپٹہ کا میں بندوبست کرتا ہوں۔ برابر غسل خانہ ہے آپ اتنے غسل فرمائیں گی۔ اتنے کھانا تیار ہو جائے گا۔

ریحانہ۔ شکریہ (روانہ ہو جاتی ہے)

خلیق۔ (نوکر کو بلا کر) دیکھو کریم اپنا ایک دھلا ہوا نیا دوپٹہ لا کر جب بیگم صاحب غسل خانہ میں ہوں تو ان کے کمرے میں رکھ دینا۔ جاؤ۔ اور سنو۔ وہیں میز پر سوئی تاگا بھی رکھ دینا۔

پردہ دوسرا

(کھانے کا کمرہ۔ بیرا ادب سے ایک طرف کھڑا ہے۔
مسٹر خلیق اور ریحانہ داخل ہوتے ہیں)۔

مسٹر خلیق۔ (ریحانہ سے) آپ بیچ کی سیٹ پر تشریف رکھیں

ریحانہ۔ آپ تکلف کیوں فرماتے ہیں میں کہیں بیٹھ جاؤں گی۔

خلیق۔ نہیں نہیں آپ کے لئے یہی جگہ ہے۔

ریحانہ۔ آپ کی یہی خوشی ہے تو بسم اللہ۔

(دونوں بیٹھ کر نیپکن اپنے زانو پر پھیلاتے ہیں۔ بیرا کھانا تقسیم کرتا ہے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری ہے)۔

خلیق۔ معاف کیجئے گا کھانا پر تکلف نہیں ہو سکا نوٹس بہت کم تھا۔

ریحانہ۔ "اے سیر ترا نان جویں خوش نہ نماید" حضرت میرا تو بھوک کے مارے دم نکل رہا تھا۔ مجھے تو اس وقت سچ سچ جو کی روٹی بھی مل جاتی۔ تو اس پلاؤ سے زیادہ مزے دار معلوم ہوتی۔ آپ کا کھانا تو بہت مزے دار ہے مگر یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ اس کورہ میں تن تنہا کیوں رہتے ہیں۔

خلیق۔ کچھ دنیا سے تنگ آکر کچھ پیٹ کے کارن۔

ریحانہ۔ معاف کیجئے گا میں یہ پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کا یہاں شغل کیا ہے۔

خلیق۔ یعنی میں کیا کام کرتا ہوں۔ میں زمیندارہ بنک کا منیجر ہوں۔

ریحانہ۔ اور وہ بنک کہاں ہے۔ بنک میں تو بہت روپیہ ہوتا ہے۔ آپ کو ڈاکوؤں کا ڈر نہیں۔

خلیق۔ یہاں بہت روپیہ نہیں رہتا۔ میرے بیڈ روم میں [illegible] ہے۔ سرہانے پستول رکھتا ہوں۔ جب کوئی مجھے [illegible] لے گا تب روپیہ لوٹ سکے گا۔

ریحانہ۔ آپ بڑے خوفناک آدمی ہیں۔

خلیق۔ ڈاکوؤں کے لئے۔

[illegible]

صاحب کی صحبت سے کیوں نہیں رنج کرتے۔

خلیق۔ پلاؤ اور لیجئے۔ اس کے ساتھ بریانی بھی ہے۔ چاہے شوربہ لیجئے۔

ریحانہ۔ شکریہ۔ معاف کیجئے گا پہلے تو آپ بالکل چپ شاہ تھے۔ اب شکر ہے آپ طریقے سے بات تو کرنے لگے۔

خلیق۔ پہلے آپ بولنے کا موقعہ ہی نہ دیتی تھیں کبھی روتی تھیں کبھی ہنستی تھیں اب آپ نے رویہ بدل لیا۔ میں نے بھی بدل لیا۔

ریحانہ۔ اب میں صاف کہوں یہ سب ترکیبیں میں اس لئے کر رہی تھی کہ آپ میرے بن بلائے مہمان بننے سے ناراض نہ ہوں۔ اور مجھے مصیبت زدہ یا پاگل سمجھ کر مجھ پر رحم کھائیں جب میں نے دیکھا کہ آپ پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تو میں نے رویہ بدل دیا۔

خلیق۔ گویا ہماری آپ کی یہ ایک خاموش جنگ تھی۔

ریحانہ۔ خیر بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر۔ مگر آپ کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ میں کیا پوچھنا چاہتی تھی اور آپ نے مجھے بھلوا دیا۔ ۔ ۔ ہاں وہی حکیم صاحب والی بات۔ آپ اس ذکر کو کیوں ٹال جاتے ہیں۔ کیا آپ نے اب تک شادی ہی نہیں کی۔

خلیق۔ اگر میں کہہ دوں کہ نہیں کی تو۔

ریحانہ۔ تو میں پوچھوں گی کہ کیوں نہیں کی۔

خلیق۔ یہ نہ پوچھئے آپ میری مہمان ہیں۔

ریحانہ۔ (چونک کر) اس میں میرا کیا ذکر۔ میں تو آپ کے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھ رہی ہوں۔

خلیق۔ جانے دیجئے۔ ابھی تو صلح ہوئی ہے۔ پھر جنگ نہ شروع ہو جائے۔

ریحانہ۔ تب تو میں ضرور ہی سنوں گی۔ کیا آپ کی [illegible] آپ کو نامنظور کر دیا۔

خلیق۔ [illegible]

ریحانہ۔ یہ کس وجہ سے ؟

خلیق۔ آپ ضد کر رہی ہیں تو سنئے کہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں۔ جو عورت ذات سے نفرت کرتے ہیں۔

ریحانہ۔ ایسا عورت نے آپ کا کیا قصور کیا ہے۔

خلیق۔ عورت نے مرد کی جنت کھوائی اور اس دنیا میں بھی مرد کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ اس کو کسی مفید کام کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتی۔ ہر وقت اس کے لئے جال بچھاتی رہتی ہے۔ اور جب مرد اس جال میں پھنس جاتا ہے۔ تو اس کو اس میں پھڑپھڑاتا دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ اور پھر دوسرے مرد کو اسی طرح جال میں پھنسانے کی فکر میں لگ جاتی ہے۔ عورت کے پیٹ میں کبھی کوئی بات نہیں رہتی۔ عورت کی زبان کے آگے دھقان کا اور کولہو کا بیل دونوں ہار مان گئے ہیں۔ عورت کی ہٹ ضرب المثل ہے۔ عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے۔ اور دوسری کے شوہروں کو پسند کرتی ہے۔ عورت۔

ریحانہ۔ للّٰہ اب بس کیجئے۔ مجھ سے اپنی جنس کے خلاف یہ بہتان نہیں سنے جاتے۔ آپ نے عورت ذات پر حملہ کر کے میری اخلاقی غیرت اور جنسی حمیت کو ایسا جوش دلایا ہے کہ جو میں نہیں کہنا چاہتی تھی وہ مجھے مجبوراً کہنا پڑے گا۔

خلیق۔ (فتح مندی کے لہجہ میں) کہئے کہئے مجھے برا کہئے۔

ریحانہ۔ سنئے سنئے اور ذرا کان کھول کر سنئے کہ میں بھی اُن عورتوں میں سے ہوں۔ جن کو مرد ذات سے سخت نفرت ہے۔

خلیق۔ مرد ذات سے نفرت اور اسی قابلِ نفرت جنس کی پناہ میں رہنے کی مسرت اسی مجموعۂ ضدین کا نام ہے عورت۔

ریحانہ۔ اور صنفِ نازک کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے والی جنس کا نام ہے۔ مرد۔ دغا باز عیّار شیخی باز مرد۔ بے لحاظی کی حد ہے۔ کہ منہ در منہ مجھے طعنہ دیا جاتا ہے۔ اجی حضرت میں اور آپ کی پناہ خدا بھلا کرے اس فلک کج رفتار کی ستم ظریفی کا جو میں اس قید میں پھنس گئی۔ نہ آدمی آئے اور نہ میں ادھر کا رخ کروں۔

خلیق۔ ماما حوا کی سگی بیٹی۔

ریحانہ۔ (منہ پر ہاتھ ڈھک کر رونے لگتی ہے اور ہچکیاں لیتے ہوئے کہتی ہے) یا اللہ میں کس جنگلی کے پالے پڑ گئی۔ بے بس کمزور عورت (چیخیں مار مار کر رونے لگتی ہے)

خلیق۔ (بڑھتی ہوئی چیخوں سے ڈر کر) دیکھئے یہ کھلی جگہ ہے آپ کے رونے کی آواز دور تک پہنچ جائے گی ممکن ہے پولس سمجھے کہ قتل ہو رہا ہے۔ اور یہاں دوڑ آ جائے۔

ریحانہ۔ پولس یہاں کہاں پاس پولس ہے (رونا بند کر کے خوف زدہ ہو کر آنکھیں پونچھتی ہے)۔

خلیق۔ یہ نہ کہئے۔ اس لئے اس کے برابر پولس چوکی ہونا ضروری ہے۔ آپ خواہ مخواہ بگڑ گئیں۔ میں نے آپ کی ذات پر تو حملہ نہیں کیا تھا۔ آپ نے بھی اپنا آخری داؤں کر دیا اور مجھے ہرا دیا۔ کہئے تو معافی مانگ لوں۔

ریحانہ۔ آخری داؤں۔ یعنی رونا عورت کا آخری داؤں ہے معافی مانگتے ہیں۔ مگر چٹکے دیئے جا رہے ہیں۔ آخری داؤں آپ نے دیکھا ہی نہیں (اپنے دل میں کہتی ہے پولیس قریب ہے داؤں بدلنا چاہئے)

خلیق۔ وہ بھی دکھا دیجئے گا۔ پہلے کھانا تو ختم کیجے۔ لیجئے ڈبل روٹی کا حلوا لیجئے۔ اس سے آپ کا منہ میٹھا ہو جائے گا۔

ریحانہ۔ (ایک خاص انداز سے مسکرا کر) آپ باز نہیں آتے پھر چٹکی لی۔

خلیق۔ (نرم پڑتے ہوئے) اللہ خیر کرے یہ کس طرح۔

ریحانہ۔ یہ اس طرح کہ جیسے میں ترش رو ہوں میرے منہ سے کڑوی باتیں نکلتی ہیں۔ اس لئے مٹھاس کی ضرورت ہے۔

خلیق۔ آپ کا یہ الزام بھی غلط ہے۔ البتہ غلطی مجھ سے ضرور ہوئی کہ آپ کو مٹھاس پیش کی۔ لب شیریں اور شکر خند جہاں ہو وہاں اس حلوے کی کیا حاجت۔

ریحانہ۔ آپ بھی بڑی چلتی رقم ہیں آپ سے کچھ اندیشہ نہیں ہو

خلیق۔ تب ہی تو کہاں کھانا کھلا کر [illegible]

ریحانہ۔ آخر یک دم آپ پر شوریت کیوں سوار ہو گئی۔
خلیق۔ آپ کے غصے نے غضب کیا۔
ریحانہ۔ آپ میرے غصے سے ڈر گئے۔
خلیق۔ جی نہیں جب طیش میں آپ کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو ڈنڈ بار رہے تھے تو نہ پوچھیئے کہ آپ کے چہرے میں کس غضب کی کشش تھی۔
سبحان اللہ۔

ریحانہ۔ باوا آدم کا فرزند اولین۔
خلیق۔ آخر میں لے کر چھوڑا۔
(ٹن ٹن دس بجتے ہیں)
ریحانہ۔ (جمائی لیتے ہوئے) اوہو دس بج گئے۔
خلیق۔ اور آپ تھکی ہوئی بھی ہیں مگر ریحانہ میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔
ریحانہ۔ اور میں ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا یہاں کوئی گرل سکول کی ہیڈ مسٹریس رہتی ہے۔ جس کے پاس میں رات گزار سکوں۔
خلیق۔ واہ کیا کہنے ہیں۔ پہلے تو آپ اس قدر مختلا بالطبع ہوئیں کہ ایک غیر مرد سے کچھ تکلف ہی نہیں کیا اور اب یہ عورت پنا۔ آپ بے ہلائے آئیں تو بے تکلف میرے مہمانوں کے کمرے میں شب باش بھی ہو جائیے مگر ریحانہ پہلے میری ایک بات سن لو۔
ریحانہ۔ مجھے مرد ذات سے نفرت ہے۔
خلیق۔ ریحانہ میں ہارا تم جیتیں مگر میری ایک بات تو سن لو۔
ریحانہ۔ (جمائی لیتے ہوئے) سخت نیند آ رہی ہے۔ اچھا حضرت اب پھر مجھ سے بے تکلفی کا دورہ پڑتا ہے اب مجھے مہمانوں کے کمرے کا رستہ بتلایئے۔
خلیق۔ وہی کمرہ ہے جہاں آپ نے کپڑے بدلے ہیں۔
(ریحانہ چلی گئی ہے) سنو تو میری ایک بات تو سنتی جاؤ۔
ریحانہ بات کا فیصلہ صبح ہو گی ہے صبح دیکھا جائے گا۔

آداب عرض۔ (چلی جاتی ہے خلیق حیران کھڑا دیکھتا ہے)

پردہ تیسرا

(خلیق اپنے ڈرائینگ روم میں ٹہل رہا ہے اور اپنے دل سے باتیں کر رہا ہے)
خلیق۔ بلا کی بے باک غضب کی حاضر جواب۔ اور اس پر نا ہد فریب صورت۔ توبہ شکن حسن۔ اللہ جمیلٌ و یحب الجمال اس کو مرد ذات سے نفرت اور مجھ کو عورت ذات سے نفرت۔ اس پر یہ قدرت کی ستم ظریفی کہ دونوں کو ملا کر اڑا اڑا دھم کر دیا۔ واہ رے الشمیاں۔ تم بھی انسان ضعیف البنیان سے عجب عجب کھیل کھیلتے ہو۔ حوادث روزگار کے مقابلے میں یہ مغرور انسان اس تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جو تیز دھارے کے ساتھ بہا چلا جاتا ہے۔ کچھ گھنٹے پہلے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ بت شکن مغرور ایک بت طناز کے سامنے سجدے میں پڑ جائے گا۔ خیر جی اب تھوڑی دیر سو رہیں اور پھر صبح اگر جواب باصواب ملا تو فوراً ہی دو بول پڑھوا لئے جائیں گے۔ صبح نوکروں کو اول یہ حکم دینا ہے کہ قاضی اور چھوارول کا انتظام کرے ۔۔
مگر نیند نے بھی انداز شروع کر دیئے۔ یہ سامنے کیا رسالہ پڑا ہے۔ (کھول کر پڑھتا ہے)

(تیسرا پردہ چلا جا رہا ہے)

یہ کیا۔ جھوٹا سب سنسار۔ عنوان تو نہایت معنی خیز ہے۔ (پڑھتا ہے)

جھوٹی ماتا جھوٹے جگ کے ہوتے ہیں نر نار
جھوٹی باتیں جھوٹے وعدے جھوٹا سب سنسار
ریت ہے جھوٹی پریت ہے جھوٹی جھوٹا جگ کا پیار
جھوٹے ناتے جھوٹے بندھن جھوٹا ہے بیوپار
کوئی منوا پریم میں پھنس کر کرتا شور و پکار
پریت نہ کرنا جگ میں کسی سے جھوٹا ہے سنسار

(غصے سے رسالہ پھینک کر) جھوٹ ہے یہ شاعر یار تو خبط ہو گئے ہیں۔

صبح کو۔ بس صبح کو

چوتھا پردہ

(مسٹر خلیق کا بیڈ روم۔ صبح کے ۸ بجے ہیں۔ خلیق کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو رات کا خواب یاد آتا ہے۔ سوچتا ہے کہ قاضی کو بلوا رکھے۔ مگر پھر فیصلہ کرتا ہے کہ پہلے اس کی مرضی معلوم کروں۔ گھنٹی بجاتا ہے۔ نوکر بھاگا ہوا آتا ہے)

مسٹر خلیق۔ دیکھو بیرا بیگم صاحب اٹھیں یا نہیں؟

(بیرا تھوڑی دیر میں تلاش کر کے واپس آتا ہے)

بیرا۔ صاحب میں نے پہلے بیڈ روم کے دروازے پر آہستہ کھٹ کھٹ کی۔ پھر زور سے کھٹ کھٹ کی۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو دروازے کو زور دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اندر سے بند نہیں ہے۔ اندر جھانک کر دیکھا تو پلنگ خالی۔۔

خلیق۔ پلنگ خالی۔۔ ارے تو غسل خانے میں بھی آواز دی۔

بیرا۔ جی حضور۔ دی۔ مگر جواب ندارد۔ جب کواڑ کھول کر دیکھا تو

خلیق۔ تو (خوف زدہ حیرانی کے ساتھ)

بیرا۔ تو ندارد

خلیق۔ ارے کیا بکتا ہے۔

بیرا۔ حضور خود دیکھ لیں۔

خلیق۔ گھبرا کر جاتا ہے۔ کونا کونا تلاش کرتا ہے مگر ریحانہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ واپس ہو رہا تھا کہ سنگار میز پر ایک پنسل سے لکھا ہوا پرزہ ملا جس میں لکھا تھا۔

"جا چھوڑ دیا۔ تیری صورت اچھی تھی۔ مجھے تجھ پر رحم آگیا۔ ورنہ آخری داؤں میں چاروں خانے چت ہو جاتا دیکھا عورت ذات کو وہ حسن کی قدر بھی کرتی ہے اور رحم بھی کھاتی ہے"

(خلیق یہ پرچہ پڑھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے قریب تھا کہ وہ چکر کھا کر گر پڑے کہ ڈرائنگ روم سے کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید مذاق کیا ہے۔ صبح سیر کو چلی گئی ہوگی۔ اب واپس آئی ہے۔ بھاگ کر دروازہ کھولتا ہے تو ڈاکیہ)

خلیق۔ (ڈاکیہ سے) آج بس یہ ایک اخبار ہی ہے۔

ڈاکیہ۔ جی حضور۔ چٹھیاں دس بجے کی ڈاک میں بٹتی ہیں۔

(خلیق خیال ٹالنے کے لئے اخبار کھول کر پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے ہی صفحے پر ایک اشتہار دیکھتا ہے۔ جس میں ایک خوبصورت عورت کی تصویر ہے اور اوپر عنوان ہے۔ "پانچ سو روپیہ کا انعام")

خلیق۔ (دل ہی دل میں) پانچسو روپیہ کا انعام" (اور پڑھتا ہے)

"جو شخص اس چور عورت کو گرفتار کرائے گا اس کو یہ انعام دیا جائے گا"

(پھر تصویر کو غور سے دیکھتا ہے) ارے یہ تو ریحانہ ہے۔ ہو بہو ریحانہ (اشتہار پڑھتا ہے) یہ عورت کئی نام رکھتی ہے۔ لوگوں کے گھر میں بے تکلف گھس جاتی ہے۔ رات کو زبردستی مہمان بن کر کسی وقت مال لے کر غائب ہو جاتی ہے کہیں جے رانی۔ کہیں کملا بائی۔ کہیں شمسہ۔ کہیں روحانہ اپنا نام بتاتی ہے)۔

روحانہ یا ریحانہ۔ اجی یہ قطعاً وہی ہے۔ اللہ نے بچایا سچ ہے "جھوٹا ہے سب سنسار"

دیکھی منوا پریم میں پڑ کر کرتا شور پکار
پریت نہ کرنا جگ میں کسی سے جھوٹا ہی سنسار

مشتاق احمد زاہدی

خدا!

فلسفی بولا کہ رفعت ہے خدا
قول مغرب ہے کہ قوت ہے خدا
بولا بچہ ماں کی الفت ہے خدا

عظیم قریشی

پرتوِ ظلمت

قمر سے

"داغ کیسا ہے یہ سیمائے مصفا پر قمر؟ — کس سیاہی کی ہے یہ ظلمت ترے رخسار پر؟
میری صورت کیا ہے داغی تیرا بھی دل اور جگر — ہے یہ داغِ ظاہری کیا سوزِ باطن کا اثر؟
ہاں! بتا دے راز کوئی تیرے بھی سینے میں ہے؟"

"کیا یہ سچ ہے تو فقط مرادہ کرہ لاکلام؟ — سوز سے محروم کیفِ زندگی تجھ پر حرام؟
اک کشش کے تحت میں طوقِ غلامی میں مدام — روشنی کے واسطے بھی دوسرے کا ہے غلام
کیا اسی غیرت کے باعث تیرگی سینے میں ہے؟"

"زندہ ہوں یا مردہ ہوں پھر بھی ہے مجھ میں اک کشش — ہے کسی اک نظم کے ماتحت میری یہ روش
ضابطہ کے تحت میں ہے میری گردش اور روش — کیسے سمجھاؤں نہیں احساس کی مجھ میں خلش
جانے کیا تو بات جو اک راز کی سینے میں ہے؟

میری دنیا گو کہ ہے محروم کیفِ زندگی — پھر بھی میں مردہ دلوں کو دیتا ہوں تابندگی
میری گردش کیا ہے جز جو یندگی جوئیندگی — ہے مری افسردگی، پایندگی پایندگی
کیا کرے گا سن کے جو اک راز کی سینے میں ہے؟

تو خود اپنی ذات کے اسرارِ سربستہ کو دیکھ — اپنی دنیا کو سمجھ اور حالتِ خستہ کو دیکھ
اپنے ماضی پر نظر کر، حالِ پیوستہ کو دیکھ — گوشِ دل سے سن ذرا اس قولِ برجستہ کو دیکھ
پوچھتا ہے اب بھی کیا جو راز سی سینے میں ہے؟

ذات کو اپنی سمجھ مت راز اور دل کے ٹٹول — بات کو پہلے پرکھ پھر عقل کی میزان میں تول
دل ہے تیرے سینہ میں کونین کی دولت کا مول — بحرِ معنی سے تو اپنا اس دُرِ یکتا کو رول
ڈھونڈ اس کو، اک خزینہ بھی ترے سینہ میں ہے"

گلِ لالہ سے

اے گلِ لالہ! مری گلشن کے روشن تر چراغ — دے کہ ہے تجھ سے چمن کی میرے دنیا باغ باغ
ہے گلوں کی محفلِ بزمِ طرب کا تو ایاغ — کس لئے ہے پھر ترے اس سینۂ رنگیں میں داغ
کیا کسی سوزِ دروں کا داغ اس سینہ میں ہے؟

تیری یہ رنگیں قبا ہے آسماں کا حجاب — تیری چشمِ شوخ و رنگیں تشنۂ مل کا حجاب
شعلۂ خاموش تیری صورت مل کا حجاب — زہرہ وشی بھی ہے تری جادوئے بابل کا حجاب
کس ستمگر کا اک داغ اس سینہ میں ہے؟

اک فقط گلشن نہیں صحرا بھی ہے مسکن ترا
چشمِ بلبل ہی نہیں ہے دل بھی ہے مامن ترا
تو نہال لالۂ چمن میں نام ہے روشن ترا
گردِ فکر و غم سے کتنا پاک ہے دامن ترا
کس لئے لالہ! پھر ایسا داغ اس سینہ میں ہے؟

تجھ کو گہوارہ جھلاتی ہے صبحِ ہر صبح و شام
نرم رَو سورج کی کرنیں زندگی کا ہیں پیام
ہے شفق کا سرخ جلوہ ہے تری عشرت کا جام
آتش بے دود میں تیری نہیں فرقت کا نام
کیا ہے پھر وہ سوزِ پنہاں کا داغ اس سینہ میں ہے؟

سن ذرا اے گلشنِ ایجاد کے سیرِ دواں
تجھ کو کچھ معلوم ہے خود تیری منزل ہے کہاں
مدعی ہے عشق کا تو حسن کا ہے قدر داں
ادعا ہے یہ بھی پڑھتا ہے دلوں کی داستاں
کیوں نہیں واقف کہ کیسا داغ اس سینہ میں ہے؟

میں ترے نزدیک ہوں بلبلِ بے جان ہوں
گلکدہ میں دہر کے اک رات کا مہمان ہوں
اس حیاتِ مختصر کے سوگ میں حیران ہوں
دل میں اپنے میں بھی رکھتا کچھ نہ کچھ ارمان ہوں
آرزوئے مقتول شدہ کا داغ اس سینہ میں ہے؟

تیری خود بینی کو میرے راز سے کیا واسطہ
دوسروں کے تجھ کو سوز و ساز سے کیا واسطہ
تیرے کانوں کو میری آواز سے کیا واسطہ
بے نیازی کو تری اس ناز سے کیا واسطہ
سمجھے تو کس طرح کیسا داغ اس سینہ میں ہے؟

لالہ [illegible] تک کہ میں صحرا میں تھا
اپنی آزادی کے گہوارے میں ہر دم جھولتا
جب کسی نے [illegible] میری [illegible] گفتہ ترا
تو نے لا کر باغ میں اپنے مقید کر دیا
جو یہاں دیکھا اسی کا داغ اس سینہ میں ہے؟

[1] یہ نظم [illegible] کی شب [illegible]

[illegible] اس باغ میں کیا حق ہو قیل و قال کا
ہو یہاں ہر شخص ضامن اپنے ہی اعمال کا
ہر مرا اک اک ورق نامہ ترے اعمال کا
میری اک اک پنکھڑی آئینہ تیرے حال کا
بس یہی سوزِ نہاں کا داغ اس سینہ میں ہے؟
ہیں ترے کردار کا آئینہ میرے یہ ورق
حیف ہو لیتا نہیں تو ان سے پھر بھی کچھ سبق
دیکھ کیسے مجتمع آپس میں ہیں میرے طبق
کیا بنی نوعِ انسان کو نہیں اتنا بھی حق
یوں ہوں جیسے تیوں کا داغ اس سینہ میں ہے؟
گو کہ اپنے آپ کو کہتا ہے تو گیتی فروز
قلبِ باطن کے لئے یہ روشنی تیری ہے سوز
تیرہ بختی سے تری ہر دن یہاں ہے تیرہ روز
سوزنِ دانش ہے تیری آہ! کتنی قلب دوز
منعکس تیرے عمل کا داغ اس سینہ میں ہے؟

بصیر صدیقی بدایونی

عصمت دہلوی

امرس

آم ہمارے ملک میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ وہ جس کثرت سے پیدا ہوتا ہے اسی کثرت سے استعمال بھی کیا جاتا ہے واقعی وہ بآسانی و بافراط ملنے والا مرغوب و بہترین پھل اور معقول ذریعۂ آمدنی ہے۔ "پیٹ بھرے مگر جی نہ بھرے" کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اسے حاصل ہے کہ وہ بطور پھل ہی نہیں بلکہ بجائے غذا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور عموماً دیہاتوں میں کیا جاتا ہے جن لوگوں کے پاس آم کے باغ یا متفرق درخت ہوتے ہیں وہ خود کھاتے تحفۃً تقسیم کرتے اور فروخت کرتے ہیں۔ پھر بھی اکثر بسبب فراوانی اور کبھی کسی اور وجہ سے بچ بھی رہتے ہیں بدقسمتی سے ہمارے یہاں پختہ پھلوں کو بجنسہٖ عرصہ تک اچھی حالت میں رکھنے کے طریقے رائج نہیں پھول کا کاروبار کرنے والے بھی ان طریقوں سے واقف ہی کم ہوتے ہیں۔ واقف بھی ہوئے تو بوجہ پیچیدگی و زر طلبی ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ اور آموں کی بڑی مقدار خراب ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس وقت جبکہ کافی خوراک کی دستیابی دشوار ہو رہی ہے لوازمات خوراک یعنی پھل وغیرہ کا کیا ذکر آم ایسی نعمت کا تلف ہونا خواہ بوجہ لاعلمی ہو یا لاپروائی ہو تحت نقصان سے تعبیر کیا جائے گا۔ قدیم سادہ طریقوں سے کام لینا نامناسب نہیں اور اس کے مطابق جیلی جام اچار چٹنی مربے بنا کر رکھنے کے علاوہ پختہ آموں کو ضائع ہونے سے بچا کر محفوظ رکھنے اور فصل کے بعد ان سے فائدہ اٹھانے کی یہ صورت بھی ہے کہ زائد از ضرورت آموں کا رس نکال کر خشک کر لیا جائے اسکی ترکیب یوں ہے کہ پختہ آم جو خرچ نہ ہو سکیں انہیں دو بار دھو کر کسی ٹوکرے میں رکھ دیجئے پھر گٹھلیوں سے دبا دبا کر جس قدر آم ہوں ان سب کا رس نچوڑ لیجئے اور سینی یا تھالی کو گھی یا تیل سے چکنا کر کے اس میں رس سکھا لیجئے ایک مرتبہ میں نصف سے ایک انگل تک رس کا جم رہے وہ سوکھ کر پتلی چپاتی سی ہو جائیگا اب خواہ یونہیں نکال لیجئے خواہ پھر اس پر اتنا ہی یا کم و بیش رس ڈال کر سکھا لیجئے اور اس عمل کے چند بار تکرار سے نصف یا ایک انگل تک دبازت کا امرس تیار کر لیجئے۔

تیز دھوپ میں رس جلد سوکھتا ہے اور اچھا رہتا ہے ابر و بارش میں امرس بنانا بے موقع ہوگا دیر میں سوکھے گا اور بدرنگ و بدذائقہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ سوکھ ہی نہ سکے اور متعفن ہو جائے۔ سوکھنے میں کچھ کمی رہے اور ابر ہو جائے تو گرم چولہے پر رکھ کر یا اور کسی طرح دھوپ کے اندازہ کی گرمی پہنچا کر سکھا لیا جائے کیونکہ ذرا بھی نمی رہے گی تو پھپھوندی لگ جائیگی سکھانے میں گرد و غبار اور مکھیوں نیز چیونٹیوں سے بچانا چاہئے اور پھر احتیاط سے رکھنا چاہئے تاکہ رطوبت اور مکھیاں چیونٹیاں وغیرہ نہ پہنچ سکیں۔ اچھے میٹھے آموں کا امرس بھی اچھا ہوتا ہے مگر ترش و پھیکے اور ایسے آموں کا بھی جن کا ذائقہ خوشگوار نہ ہو زیادہ پک گئے ہوں بنتا ہے کیونکہ خشک ہونے میں یہ نقائص نمایاں نہیں رہتے۔ [illegible]

4 نرم ہو جائیں تو نکال کر اور تل کر تھالیوں میں سکھا لیا جاتا ہے۔ امرس یوں شوقیہ بھی کھایا جاتا ہے بچے بہت پسند کرتے ہیں اسے بھگو کر پیس کر نمک مرچ پودینہ ادرک اور سرکہ شامل کر کے خوش ذائقہ چٹنی بنائی جا سکتی ہے۔ آم کی طبی خاصیتوں سے امرس بھی خالی نہیں اسے چوسنے سے پیاس کو تسکین ہوتی ہے متلی اور صفراوی بدہضمی کو نافع ہے ایسی پیچش سے جس میں سفید آنوں آتی ہو امرس بھگو کر مل کر ایک تولہ ہر دو گھنٹے پر پینے سے صحت ہو جاتی ہے امرس پہلے بھی بھرے روپیہ سیر تک بک چکی ہے اور اب تو ہر چیز کی چڑھتی ہوئی قیمت کو دیکھتے ہوئے نہیں کہا جا سکتا کہ کس قیمت پر فروخت ہوگی

گھوڑ دوڑ

"آج آفس سے آپ جلدی کیسے چلے آئے؟ طبیعت تو اچھی ہے؟" دُلاری نے پوچھا۔

برج موہن نے مسکراتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم نہیں؟ آج گھوڑ دوڑ ہے!"

دُلاری کے چہرہ کا رنگ فق پڑ گیا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے مری ہوئی آواز سے پوچھا "کیا آپ پھر وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ بہت عرصہ نہیں گزرا آپ نے عہد کیا تھا کہ میں اب کبھی گھوڑ دوڑ نہ جاؤں گا۔ جوئے کی چاٹ بھلے سے بھلے آدمی کو حیوان بنا دیتی ہے۔ یہ بلائے بے درمان اولاد کی محبت پر بھی غالب آجاتی ہے۔ یہ موئی گھوڑ دوڑ تو سارے جوؤں سے بدتر ہے میرا بس چلتا تو میں اس قہرالٰہی کو ہندوستان ایسے غریب ملک سے ہمیشہ کے لئے جلا وطن کرا دیتی کیا تم اپنا عہد بھول گئے ابھی کل کی بات ہے جبھی تمہاری دُلاری لڑکی کیسی بلک بلک کر روتی تھی۔ جب تم نے اُس کی طلائی چوڑیاں گھوڑ دوڑ کی ہار پوری کرنے کے لئے اونے پونے بیچ ڈالی تھیں تم کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے۔ آئے دن کچا پکا کھانا کھا کر صبح سات بجے آفس جاتے ہو اور شام کو ۷ بجے واپس آتے ہو۔ بارہ گھنٹہ کی نوکری اور تنخواہ دو سو روپیہ سنگ لگے اس بمبئی کو جہاں ہر چیز بابا کے مول ملتی ہے ہر مہینہ کی بائیس تئیس تاریخ تک پوری تنخواہ نکل جاتی ہے لیکن تمہیں روپیہ کی کچھ بھی قدر نہیں تھا جوڑ نہ بلا سے تو اس تین برس کے عرصہ میں دو تین ہزار روپیہ اس نگوڑی دوڑ کے نذر ہو چکا ہے لیکن بھی واسطہ اب گھوڑ دوڑ کا نام تک نہ لو۔"

برج موہن کھسیانہ ہو کر بولا "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کثرت [illegible] ... [illegible] بھولنا چاہیئے کہ "ہمت مرداں مدد خدا"۔"

ابھی برج موہن کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ دُلاری نے مسکراتے ہوئے کہا "ایسی ہمت کی خدا کسی کو توفیق نہ دے تو بہتر ہے!"

برج موہن نے ترش رو ہو کر جواب دیا "عورتوں کے دل میں جو بات بیٹھ جاتی ہے وہ پھر اُن کے دماغ سے نہیں نکلتی۔ پہلے میری پوری بات تو سُن لو تب کچھ کہنا۔ یہ بات تم بھی مان لو گی کہ اتنے مرتبہ کی ہار سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ میں اب گھوڑ دوڑ کے نشیب و فراز کو بخوبی سمجھنے لگا ہوں۔

مارچ والی دوڑ میں میں نے آدھی ہار برابر کر لی تھی لیکن زینڈبال کے اُٹھتے ہی میری قسمت کا پانسہ پلٹ گیا اور جیتی ہوئی بازی ہار گئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اب ہمارے دن اچھے آگئے ہیں۔ گھوڑ دوڑ کے حاکم کے بیرے نے مجھے ٹپ دینے کا وعدہ کیا ہے اُس کو دوڑ کی سب باتوں کا پورا پورا پتہ رہتا ہے"

دُلاری نے کہا "مردوں کی عقل صرف غریب بیویوں پر آفات ڈھانے کے کام آتی ہے۔ ورنہ جس نے کوئی بات اُن سے کہہ دی وہ پھنس جاتے ہیں۔ اگر حاکم کا بیرا ایسا ہی جوتشی ہوتا تو وہ بیرا گیری ہی کیوں کرتا؟"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ برج موہن نے گھڑی دیکھ کر کہا "ارے پہلی دوڑ تو نکل گئی ہوگی مجھ کو تو دیر ہو گئی" یہ کہتا ہوا وہ تیزی کے ساتھ مکان کے زینے سے نیچے اُترا اور گھوڑ دوڑ کے میدان میں جا پہنچا۔

رمضانی نے سلام کرتے ہوئے کہا "بابوجی میں نے تو کیسا ٹھیک ٹپ آپ کو دیا تھا!"

برج موہن نے کہا "آج مجھ کو آنے میں دیر ہو گئی میں تمہارا بتایا ہوا گھوڑا نہیں کھیل سکا"

رمضانی نے منہ بنا کر کہا "بابو [illegible]

برجموہن نے اپنے دفتر کے خزانچی سے منت وسماجت کر کے دو سو روپیہ دوسرے دن واپس دینے کے وعدہ پر قرض لیا تھا۔ آج کی دوڑ میں وہ قریب قریب سب ہار گیا۔ انتہائی رنج فکر اور پریشانی سے اس کا سر گھوم رہا تھا وہ گہرے سوچ میں تھا کہ قرض کا روپیہ کس طرح دوں گا۔ اس کو چند قدم چلنا دو بھر ہو گیا تھا۔ ایک بُرائی کے ساتھ دوسری بُرائیاں وابستہ رہا کرتی ہیں۔ اس کو خیال آیا کہ لاؤ تھوڑی سی شراب پی لوں اس سے غم غلط ہو جایا کرتا ہے۔ اس نے گھوڑ دوڑ کے بار میں جاکر دو پیگ پیئے۔ برجموہن نے پہلے کبھی شراب نہ پی تھی شراب کے نشہ میں اس کے پاؤں قابو میں نہ رہے۔ گھوڑ دوڑ کے پھاٹک سے نکلتے وقت وہ کرنل اُوڈ کی میم سے ٹکرا گیا۔ کرنل برہم ہو گیا اور برجموہن کو بلیک مگر کہتے ہوئے ایک ٹھوکر لگائی برجموہن کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ وہ تانگہ میں بیٹھکر گھر پہنچا لیکن مکان کے زینہ پر نہ چڑھ سکا۔ اس نے دُلاری کو سہارا لینے کے لئے بُلایا۔ دُلاری جب زینے پر چڑھنے میں اُسے مدد دے رہی تھی اُس کے مُنہ سے شراب کی بو آئی۔ اور دل میں کہا: "جُوئے کے ساتھ مے نوشی بھی ان مشاغل کے لئے تو قارون کا خزانہ بھی پورا نہ پڑے گا۔" اس نے برجموہن سے ایک لفظ بھی کہنا مناسب خیال نہ کیا اور اس کو پلنگ پر لٹا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

برجموہن دوسرے دن آفس جانے کے قابل نہ تھا۔ اُسی روز شام کو اُسے اپنے آفس کا ایک ڈاکٹ ملا جس میں تحریر تھا کہ "چونکہ کل تم نے دوڑ سے واپسی پر ایک لیڈی کی بے حرمتی کی ہے اس جرم کی پاداش میں تم اپنی جگہ سے ہٹا دیئے گئے۔" اس ڈاکٹ نے بم کا کام کیا۔ گھر بھر کی اُمیدیں دم کے دم میں خاک سیاہ ہو گئیں۔ برجموہن کو اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ دُلاری سے تشفی بخش باتیں کر سکے وہ ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بمبئی زیادہ نہ ٹھہر سکے اور اپنے گھر چلے آئے۔

آگرہ میں برجموہن کا ایک آبائی مکان تھا اُس کو اُس نے پانچ ہزار روپیہ پر فروخت کر دیا۔ اُس میں سے ڈھائی ہزار روپیہ اُس نے لچھمی کی شادی کے لئے بینک میں جمع کر دیا اور باقی ڈھائی ہزار سے اُس نے اسٹیشنری کی ایک دوکان کھول لی۔ منافع قلیل ہونے پر گزر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ دُلاری کی قسمت میں چولھا جھونکنا تو روز اول سے لکھا تھا۔ اس میں اتنا اضافہ اور ہو گیا کہ اب چوکا برتن بھی اس کو کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی موقع ملنے پر وہ جمنا کے اشنان کو جایا کرتی اور وہاں کچھ عرصہ کے لئے اس کی طبیعت بہل جاتی تھی۔

ایک روز خبر آئی کہ دُلاری ڈوب گئی۔ معلوم نہیں جمنا نے اُس پر ترس کھا کر اُسے اپنے آغوش میں لے لیا تھا یا اُس نے خودکشی کی۔ برجموہن کی حالت کچھ عرصہ تک پاگلوں کی سی رہی۔

برجموہن نے لچھمی کو اُس کے ماما کے ہاں بھیج دیا اور دوکان کا مال کوڑیوں کے مول فروخت کر دیا۔ بے کاری میں اُس کے دماغ میں گھوڑے دوڑتے رہتے۔ آخر جوا کھیلنے کے بھوت نے اُس کے دل پر فتح پائی۔ اُس نے وہ روپیہ جو لڑکی کی شادی کے لئے بینک میں جمع کیا تھا برآمد کر لیا اور بمبئی گھوڑ دوڑ کھیلنے لئے پہونچ گیا۔ یہاں وہ اپنے ایک دوست کے پاس ٹھہرا۔ جو اپنی دولت و ثروت گھوڑ دوڑ کی نذر کر چکا تھا اور اُس نے گھوڑ دوڑ کے آفس میں ملازمت کر لی تھی۔ اس کی امداد سے برجموہن کو ایک دو دوڑ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ اُس نے برجموہن کو ہدایت کی کہ اب وہ گھوڑ دوڑ کھیلنے سے کنارہ کشی اختیار کرلے برجموہن کو بمبئی چھوڑ دینا پڑی۔ وہاں سے وہ پونا گھوڑ دوڑ کھیلنے کے لئے چلا گیا۔ وہاں کی ہار نے اسے اس قابل نہ رکھا کہ وہ اپنے گھر واپس آسکے زندگی سے تنگ آکر برجموہن نے خودکشی کر لی۔

خواتین ہزارہ

ملکی حالات و خصوصیات "صوبۂ سرحد کے ایک سرسبز و شاداب ضلع کا نام "ہزارہ" ہے۔ ہزارہ برف سے ڈھکی ہوئی بلند پہاڑی چوٹیوں کی گود میں صانع حقیقی کی کاریگری کا ایک دلفریب نظارہ پیش کرتا ہے۔ دامن کوہ میں ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی ندیاں اس علاقہ کی خوبصورتی بڑھاتی ہیں۔

ضلع ہزارہ کی آبادی تقریباً ۶۶۹۹۳۶ ہے۔ جس میں تقریباً نصف مسلمان ہیں اور باقی رموں میں ہندو زیادہ ہیں۔ تیسرے درجہ پر سکھ اور چوتھے پر عیسائی۔ تاریخی لحاظ سے یہ ایک پرانا ضلع ہے۔ مانسہرہ کو راجہ مان سنگھ نے اور "ہری پور" کو راجہ ہری سنگھ نلوہ نے جو کہ راجہ رنجیت سنگھ کے سپہ سالار تھے آباد کیا ہے۔ راجہ اشوک کے کتبے آثار قدیمہ میں شامل ہیں۔ غیر ملکی سیاحوں نے ان کتبوں کی تحریر پڑھنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ زمین پتھریلی ہے اور اناج بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ گیہوں۔ مکئی، چاول۔ دالیں وغیرہ یہاں کی پیداوار ہیں۔ گنا بھی ہوتا ہے۔ مگر شکر اور کھانڈ باہر سے آتی ہے۔ گرمی حبیب اللہ میں دیا سلائی کا کارخانہ ۱۹۳۶ء میں قائم ہوا تھا۔ یہاں کا پانی نہایت شیریں اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔ قدرتی چشمے اس کثرت سے جگہ جگہ جاری ہیں۔ ایبٹ آباد میں پائپ سسٹم ہے۔ مگر باقی علاقہ کنوئیں اور چشموں کا پانی استعمال کرتا ہے۔ ہوا یہاں تقریباً ہر وقت چلتی ہے۔

آب و ہوا گرمیوں میں معتدل اور سردیوں میں سخت سرد ہے برفباری تقریباً ہر سال ہوتی ہے جس کا نظارہ دیکھنے میں بہت دلفریب ہوتا ہے۔ گرمیوں میں نصف شب سے کمبل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگست میں گرمی کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ خانہ جنگی کا بازار عموماً گرم رہتا ہے۔ ہندو تجارت پیشہ ہیں مسلمان زیادہ تر کسان ہیں یہاں کی مکئی کی روٹی بہت خستہ ہوتی ہے۔

غذا۔ صبح کا ناشتہ عموماً چائے اور پراٹھے سے کیا جاتا ہے۔ دن کے کھانے میں مکئی کی روٹی۔ مکھن اور لسی استعمال ہوتی ہے۔ چائے بہت پیتے ہیں۔ رات کو گیہوں کی روٹی۔ معہ چاول اور سبزی۔ چاول یہاں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ متوسط الحال اور امیر گھرانے بکری کا گوشت اور غریب گائے کا گوشت استعمال کرتے ہیں مچھلی بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ ہر گھر میں تنور ہوتے ہیں۔ گھر کی خواتین روٹیاں پکاتی ہیں اب ایبٹ آباد اور مانسہرہ میں ہوٹل بھی کھل گئے ہیں۔

لباس۔ عام لباس کرتا یا قمیص اور پاجامہ ہے دوپٹہ تقریباً ۳ گز لمبا اور ڈیڑھ گز چوڑا مگر موٹا ہوتا ہے عورتیں سرخ سبز زرد رنگ بہت پسند کرتی ہیں۔ بیاہ شادی کے موقعہ پر ریشمی کپڑا استعمال ہوتا ہے۔ سادگی پسند ہیں۔ ہندو لوگ گوٹہ کناری سلمہ پسند کرتے ہیں۔ ایبٹ آباد کی تعلیم یافتہ عورتیں ساڑی اور بلاؤز استعمال کرنے لگی ہیں۔ باقی علاقہ میں سلمری معیوب سمجھی جاتی ہے۔ سردیوں میں بوڑھی عورتیں کھدر کی چادر جسے وہ شال کہتی ہیں اوڑھتی ہیں۔

سنگھار۔ زیور کا رواج معمولی ہے۔ چاندی کے بھدے زیور استعمال کرتی ہیں۔ البتہ مہذب طبقہ ہلکے زیور پسند کرتا ہے۔ کانچ کی چوڑیاں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ پاؤڈر سرخی۔ مہندی کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ کواری لڑکیاں سیدھی مانگ نکالتی ہیں اور یہی کوارپنے کی نشانی ہے۔

تعلیم۔ دیہات کی تعلیمی حالت ابھی خراب ہے ہر جگہ پرائمری مڈل ہائی سکول جاری ہیں۔

ایبٹ آباد میں ایک ہائی سکول اور ایف۔ اے تک کالج ہے۔ بچے مڈل۔ ایس سی کے بعد اپنے علاقہ میں نوکر ہو جاتی ہیں۔ تعلیم میں ایبٹ آباد بہت آگے ہے گاؤں کی لڑکیاں پرائمری تک تعلیم حاصل کرتی ہیں

کو کچھ شوق پیدا ہو رہا ہے قرآن شریف تقریباً ہر ایک
لڑکی پڑھ لیتی ہے۔

مذہب اور تہوار۔ روزے کی سختی سے پابند ہیں
البتہ نماز اور تلاوت قرآن مجید کبھی کبھار کرتی ہیں۔ یہاں
کی بوڑھی عورتیں رمضان شریف میں نماز اور تلاوت
باقاعدہ کرتی ہیں۔ عید کے روز خاص و عام ہر طبقہ کی
خواتین تفریح کے لئے میلے میں جاتی ہیں عیدیں ریشمی کپڑوں
سے منائی جاتی ہیں۔ عید الفطر پر سویاں پکائی جاتی ہیں۔
اور بقر عید پر زیادہ تر گائے ذبح کی جاتی ہے۔ بارہ وفات
شبرات۔ محرم الحرام کے موقعہ پر حلوہ۔ سرخی پکا کر عزیز و اقارب
اور احباب میں تقسیم کیا جاتا ہے محرم کے موقعہ پر خاص اظہار
افسوس نہیں کیا جاتا۔ ہر محلے و ہر رستے محرم پر بچوں کے ذریعہ
عجیب طریقے سے ماتم کر لیا جاتا ہے۔ بچے بچیاں۔ اپنی اپنی ہنڈیاں
جن میں زردہ کھوپرا اُبلے ہوئے انڈے اور چھوارے ہوتے
ہیں لے کر جمع ہو جاتے ہیں۔ پہلے ہائے ہائے کرتے ہیں
آنکھوں میں آنسو کا نام تک نہیں ہوتا۔ چہرے متبسم ہوتے ہیں
اس کے بعد اپنی چیزیں کھاتے ہیں۔ پیر فقیر تعویذ گنڈے
آسیب بھوت کے قائل ہیں۔

متفرق باتیں شادی بیاہ آسان طریقہ پر ہوتا ہے اور
احکام شرع کو ترجیح دی جاتی ہے۔ باجے گاجے کے برخلاف
ہیں۔ دلہن کی ڈولی پر کالے رنگ کا کپڑا ڈالا جاتا ہے۔
عورتیں توانا اور چست ہیں کھیتی باڑی میں مردوں کا ہاتھ
بٹاتی ہیں۔ بیٹے کی قدر بہت ہوتی ہے۔ مرد عموماً چار چار
بیویاں کرتے ہیں۔ سوکن کو بہن کہہ کر پکارتی ہیں۔
مہمان کی خاطر داری خوب کرتی ہیں۔ چائے کے ساتھ
لسّے پراٹھے اور [illegible] مرغی [illegible] پیش کرتی ہیں
ایبٹ آباد کے [illegible] جاتے ہیں
خواتین کے بال [illegible] جاتی ہیں
قریب عورتیں [illegible] پڑھ سکتی

کے لئے ستارے ٹانکے جاتے ہیں۔ ایبٹ آباد کے لوگ [illegible]
برقعہ استعمال کرتے ہیں۔

خاندانی جھگڑے۔ غیبت۔ شکایت محفلوں کی رونق
ہے۔ مقدمہ بازی خاص شیوہ ہے۔ عورتیں تک عدالت میں جاتی
ہیں۔ سینما۔ تھیٹر دیکھنا معیوب ہے۔ البتہ تعلیم یافتہ خواتین
دیکھنے جاتی ہیں۔ یہاں کی لڑکیاں گانے اور دیہاتی ناچ
میں ماہر ہیں۔ خوشی کے موقعہ پر دف بجا کر گاتی ہیں۔ یہاں
کے ٹانسی پر بہت ہنسی آتی ہے۔

آنسہ رئیس طلعت پشاوری

پردہ

ایک دن کا واقعہ ہے حضرتِ خیر الانام
فاطمہ زہرہؓ کے گھر پر کر رہے تھے جب قیام
اتفاقاً اک فقیرِ بے بصر نے دی صدا
دو خدا کی راہ میں اللہ رکھے شاد کام
جب اٹھیں خیرات دینے کے لئے بی بی بتولؓ
حضرت صلعم ہوئے اس طرح ان سے ہمکلام
کیا نہیں پردہ کرو گی اس سے تم اے فاطمہؓ
دین کے قانون کا لازم ہے سب پر احترام
سن کے بولیں فاطمہ یہ اے حضورِ دو جہاں
ایسے نابینا سے کیا پردہ کا کیجئے اہتمام
شاہ نے فرمایا لیکن تم تو نابینا نہیں
تم پہ بھی اے فاطمہؓ واجب ہے پردہ کا کلام
ہو اسی صحیح روایت سے [illegible]
اور [illegible]

محمدی بیگم [illegible]

لڑائی کی باتیں

جنگ ۔ کتنا اہم لفظ ہے یہ ۔ دنیا جب سے قائم ہوئی اور جب تک قائم رہے گی اس وقت تک لڑائی ہوگی ۔ یہ بھی موت کی طرح ضروری ہے لوگ کہتے ہیں بہت کم چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں سب جانتے ہوں۔

درست کہتے ہیں میرا خیال ہے (اور کون کہہ سکتا ہے کہ درست نہیں) کہ موت اور جنگ ایسے الفاظ ہیں جن سے دنیا کا کوئی شخص ناواقف نہیں ۔ انگلینڈ کے وزیر اعظم سے لے کر ہندوستانی کالے آدمی ۔ اور پھر یورپ اعظم سے لے کر خانہ بدوشی تک سبھی جانتے ہیں کہ موت کیا ہے اور لڑائی کیسی ہوتی ہے ۔ میری اور باعث ہے کہ اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں ۔ یورپ میں ہر شخص پیدا ہو کر آفت مچاتا ہے ملکوں کے امن و نظام کو درہم برہم کرکے سب پر اپنا رعب بٹھا دیتا ہے ۔ یہاں تک کہ جناب چرچل بھی خطرہ محسوس کرکے کبھی امریکہ جاتے ہیں تو کبھی روس میں اسٹالن سے ملاقات کرتے ہیں ۔ تو ہندوستان میں جنگ خاص ہندوستانی چیز ہے یعنی جب شراب خانہ میں رندانِ مست ہتّھے سے اکھڑ جاتے ہیں تو لاٹھی چل جاتی ہے ۔ کسی کا سر زخمی ہوتا ہے کسی کا پیر ٹوٹتا ہے اور بعضے خدانخواستہ مرحوم بھی ہو جاتے ہیں تو یہ بھی لڑائی ہی کہی جاتی ہے خواہ چھوٹے سے پیمانہ ہی پر کیوں نہ ہو ۔ اسی طرح افریقہ کے حبشی بھی لفظ موت سے آشنا ہونے کے ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ لڑائی کیسے لڑی جاتی ہے ۔ دست بدست لڑائی میں تو بہت لوگ ان کے مقابل نکلیں گے ۔

غرض معلوم ہوا کہ لڑائی کرنا سب جانتے ہیں مہذب بھی اور غیر مہذب بھی اسی طرح لڑائی کی باتوں سے بھی سب واقف ہیں ۔ ہمارے ہندوستان میں تو خصوصاً بچے سے لے کر بوڑھے تک اور ساس سے لے کر بہو تک سب اس فنِ شریف میں طاق اور شہرہ آفاق ہوتے ہیں ۔

لڑائی کیا ہے ؟ لڑائی کی ابتدائی صورت تو وہ تھی جسے ہم ہابیل اور قابیل کے قصہ کی صورت میں جانتے ہیں آپ نے بھی بڑی بوڑھیوں کی زبانی سنا ہوگا آدمؑ کے دو لڑکوں میں سے ایک یعنی ہابیل کو دوسرے یعنی قابیل نے پتھر سے مار ڈالا کیونکہ اس بیچارے نے "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" کے قول پر عمل کیا ۔ تاریخ شاہد ہے کہ پتھر سے لوگوں کو شہید و مرحوم کرنے سے زیادہ قدیمی چیز کچھ نہیں ہے ۔ بعد میں تلوار ، دشنہ ، خنجر نہ معلوم نہیں کیا کیا ایجاد ہوئے حتیٰ کہ آج ایٹم بم کی دریافت ہوئی جس کا اثر مژگان یار سے بھی کچھ زیادہ ہی خطرناک ہے ۔ چنانچہ جب یہ ہیروشیما کے بندرگاہ پر گرایا گیا تو شہر کا شہر تباہ و برباد ہو گیا ۔ سینکڑوں آدمی مر گئے خوبصورت خوبصورت مکان ایسے غائب ہوئے کہ آج پتہ بھی نہیں کہ دنیا کے کس حصہ میں تھے تو معلوم ہوا کہ لڑائی نام ہے خانہ جنگی اور خانہ بربادی کا یا اور کسی قسم کی تباہی کا جس کا وجود میں آنا اس امر کا شاہد ہے کہ لڑائی ہو رہی ہے یا ہو گئی ہے اس چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم خالص دیسی چیز یعنی اپنے گھروں کی لڑائیوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتے ۔ جب آپ دیکھئے کہ جاہل ساس صاحبہ بہو کے بھونڈے پن پر تنقید کر رہی ہیں یا پھر کسی خالص دیسی معاملہ پر بگڑ رہی ہیں تو سمجھ لیجئے کہ لڑائی کے بادل آپ کے گھر کی فضا پر اسی طرح چھا رہے ہیں جس طرح ابرِ حماقت نے ہندوستانی سرزمین کو تاریک کرکے خانہ جنگی کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں ۔ اس جنگ کا نتیجہ بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوتا گھر پر ابتری پھیل جاتی ہے ساس صاحبہ تو خیر بزرگ ٹھہریں [illegible] کا [illegible] نہیں [illegible] [illegible] کر کے چھپا

بھول ہی جائے گا ورنہ اس کے کئی لالے پڑ جائیں گے اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی شوہر صاحب بنگال کے کسی قحط زدہ سے کم معلوم نہیں ہوں گے۔

غور کیجئے کہ اس جنگ کے خراب اثرات جو رفتہ رفتہ ظاہر ہو کر دنیا کو اپنا شکار بنا رہے ہیں۔ اس خرابی سے کم خوفناک ہیں یا زیادہ تو معلوم ہو گا کہ کم ہی ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہٹلر کا پروپیگنڈا چرچل کے پروپیگنڈے سے کچھ کم ہی تھا۔

بس معلوم ہوا کہ لڑائی دل کی اس خواہش کے پورا کرنے کا نام ہے جو ہمیں کسی چیز پر قبضہ یا قابو یا دوستی حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اب اس کی خوفناکیاں کم بھی ہو سکتی ہیں اور زیادہ بھی۔ کم اس صورت میں جب ہماری یہ خواہش زوردار نہ ہو اور ہماری ضمیر کی آواز پر غالب نہ آ جائے جو ہمیں ہمیشہ ایسے کام کرنے سے مانع ہوتی رہتی ہے۔

لڑائی کیسے ہوتی ہے اس موضوع کا دوسرا اہم سوال یہی ہے۔ لیکن اپنی اہمیت کے ساتھ بہت مشکل بھی ہے کیونکہ اگر ہابیل کو صرف اپنے باپ کا حکم پیارا ہے تو قابیل کو محبت کی کشش کھینچتی ہے محبت کسی کی پابند نہیں ہے قابیل باپ کا حکم نہیں مانتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہے۔ یہ خالص عشقیہ سبب ہے اس کے علاوہ دوسرے دنیاوی اسباب بھی بہت زیادہ ہیں۔ جن میں حسب ذیل بہت اہم ہیں۔

۱۔ ملک گیری کی خواہش جس میں اضافہ دولت و ثروت کی خواہش بھی شامل ہے۔

۲۔ سربلندی و سرداری کی تمنا۔ سچ تو یہ ہے کہ نمبرا بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔ یہ چیز ایسی ہوتی ہے کہ یہ اپنے نشہ میں سرشار کر کے ہمیں اس چیز پر مجبور کر دیتی ہے جسے ملک گیری کہتے ہیں اور جس کا محسوس [illegible] ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

۳۔ [illegible]

اکثر ملک کا ملک اس کے اثر سے تباہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ توہین۔ یہ چیز یا تو کسی ایک شخص یا کسی پورے ملک کے خلاف ہو سکتی ہے۔ پہلے سے دوسری صورت زیادہ تباہ کن ہے اس موقع پر ہمیں ٹرائے کی یاد آتی ہے یونان کی مشہور حسینہ ہیلن کو ٹرائے کے ایک سردار نے اڑا لیا اور اس طرح ملک بھر کی توہین کی۔ بدلہ لینے کے لئے سارے جانبازوں نے اپنی اپنی تیاری کے ساتھ ٹرائے پر حملہ بول دیا اور آخرکار اس کو خاک سیاہ کر کے ہی چھوڑا۔

الغرض سوچنے سے معلوم ہو گا کہ لڑائی کے اسباب بے شمار ہیں۔ ان کی کوئی حد نہیں ہے۔

اب رہا اس سوال کا دوسرا پہلو کہ لڑائی کیونکر ہوتی ہے تو اس کا جواب سننے کی نہ تاب آپ میں ہے نہ بیان کرنے کی مجھ کو فرصت۔ مختصراً یہ سمجھ لیجئے کہ حشرات الارض سے کسی طرح اسلحات جنگ کم نہیں ہیں ان ہی کو استعمال کرنے کا نام لڑائی ہے اور جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے ویسے ویسے یہ بھی بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ آپ کے ہمارے بزرگ تو تلوار خنجر سے لڑتے تھے لیکن اب ایسے سامان جنگ ایجاد ہو گئے ہیں کہ جن کے مقابلہ میں وہ چیزیں ہیچ ہیں ایک ایٹم بم گرا دیا اور ہزاروں کا صفایا ہو گیا نہ تلوار کی ضرورت نہ خنجر کی لیکن اب بھی دنیا میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جن کا اثر کسی طرح ایٹم بم سے کم نہیں ع

"تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے"

سید امداد اللہ بکسر

آئے کسی کی یاد

برکھا کی گھنگور گھٹائیں۔
مینا کی پھوار۔
سرد ہوائیں چلی گائیں۔
"پی پی" کی فریاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
کوئل کُوکے مُور ناچے۔
بُلبُل کی چہکار۔
مست گھٹائیں جھوم کے آئیں۔
قوس قزح آزاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
سُن کوئل کی کوک سہانی۔
پپیہوں کی چہکار۔
ہوک اُٹھے مجروح جگر سے۔
آجائے وہ یاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
جھولا جھولن جائیں سکھیاں۔
مل گائیں ملہار
آنسو بنموا جھوم رہے ہیں۔
نغمہ ہے آزاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
بادل گرجے مینا برسے۔
رات پہ تیرہ و تار۔
اُف یہ میری بھیانک دُنیا۔
دل نا ہی آزاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
سُونا میرے من کا مندر
سُونا سب سنسار
انکھیں میں ہجراں بھر آئیں۔
من وا ہے ناشاد ہے ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
ٹوٹ گیا وہ سُندر سپنا۔
بیت گئی وہ رین۔
پھر تنہائی پھر ویرانی۔
کیسے کروں فریاد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد۔
سبز چُنریا گوٹا لاگی۔
گلناری شلوار
کچھ نہیں بھلائے دانش تو پھر
جیون ہے برباد ــــ سکھی ری! آئے کسی کی یاد

دانش

اقبالؒ!

عشق و مستی فرزازی کر گئے ۔۔۔ پیرِ رومی نے نوازی کر گئے
قلقلِ مینائے حافظ سن چکے ۔۔۔ مے پرستی کر چکے سر دھن چکے
سرعتِ پروازِ عرفی دیکھ لی ۔۔۔ وسعتِ فکرِ نظامی دیکھ لی
سن چکے سر دھن چکے خوش ہو چکے ۔۔۔ رقصِ عشرت ہو چکا ہم رو چکے
خطۂ پنجاب کے اک لال نے ۔۔۔ مست صہبائے خودی اقبال نے
پردہ چہرے سے اٹھایا راز کا ۔۔۔ تار پھر چھیڑا ہے اپنے ساز کا!
وہ دُرِ دریائے ناپید اکنار ۔۔۔ قلزمِ علمِ رسولِ کردگار
بستۂ دامِ امامِ مرسلاں ۔۔۔ وہ چراغِ ظلمتِ ہندوستاں
طائرِ فکرِ رسا کا بے گماں ۔۔۔ بالِ جبرائیل پر تھا آشیاں
بیخودی دستورِ افلاطون ہے ۔۔۔ اور خودی اقبال کا مضمون ہے
بیخودی ہے نقشۂ مرگ و ممات ۔۔۔ اور خودی ہے چشمۂ آبِ حیات
کر ذرا تفصیل اس اجمال کی ۔۔۔ ہاں [illegible] اقبال کی

"منکرِ حق نزدِ مُلّا کافر است
منکرِ خود نزدِ من کافر تر است" (اقبال)

اختر [illegible]

قوت ارادی

قوتِ ارادی ہی ایک ایسا جوہر ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔

وہ شخص بہادر نہیں جس کا جسم اور اعضاء مضبوط ہوں بلکہ اصلی بہادر وہ ہے جس کا ارادہ مضبوط اور بلند ہے جو شخص اس قیمتی نعمت سے محروم ہوتا ہے۔ اپنی زندگی پریشانیوں میں گذارتا ہے۔ دُکھ جھیلتا ہے۔ اُس کا ماضی اُداس اور مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ وہ آدمی جو دنیاوی دولتوں سے عاری ہو لیکن اس کی قوتِ ارادی بلند ہو۔ سارے عالم کی دولتیں اُس کے آگے ہیچ ہیں دراصل دولت حاصل کرنے کا باعث بھی یہی چیز ہوتی ہے۔ جس کی ہمیں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ایڈیسن ہی کو لے لیجئے بہرہ لڑکا۔ اور غریب والدین کا بچہ۔ اپنی قوت ارادی کے بل پر کیا بن گیا۔ ابراہیم لنکن۔ واشنگٹن۔ نپولین۔ ہٹلر۔ میسولینی وغیرہ سب معمولی لوگ تھے۔ لیکن ابتدا ہی سے ان کے ارادے بلند اور عزائم پختہ تھے وہ جس کام کا ارادہ کرتے تھے اُسے ختم کر کے اور پایۂ تکمیل تک پہونچا کر اطمینان کا سانس لیتے تھے ہمیں ان لوگوں کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے اور اپنی قوتِ ارادی کو پختہ کرنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ہم ہمایوں کی طرح صحرائے زندگی میں بھٹکتے پھریں اور ہمیں کوئی ٹھکانا نہ ملے۔

وہ انسان جو اس صفت کا مالک ہے خود کو ہر وقت ہر چیز سے بے پروا پاتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ میں ہر مصیبت پر قابو پا لوں گا اور ہر جھگڑے سے نبٹ لوں گا۔

یہ چیز اللہ تعالےٰ کی دین ہوتی ہے بعض اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور چمک جاتے ہیں اور بعض اس لیمپ کو صاف نہیں کرتے اور اس کا شیشہ دھوئیں سے خراب ہو کر روشنی پہونچانے سے قاصر ہو جاتی ہے اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ اس دھوئیں کے غبار سے شکستہ ہو جاتی ہے اور اگر اُسے زور سے صاف کرنے کی کوشش کی جائے تو ٹوٹ جاتی ہے اس لئے ہمیں اس شیشے کو ہر وقت صاف اور چمکدار رکھنا چاہیئے۔

پھول

اے گلِ تازہ نو بہارِ ازل
دہر میں تو ہے یادگارِ ازل

تیرے ہونٹوں کی مسکراہٹ پر
جان و دل سے فدا ہیں شمس و قمر

تیری تہ میں شراب کی ہے موج
تاجِ خاور سے بڑھ کے تیرا اوج

غم نصیبوں کے دل کا داغ ہے تو
وادیوں کے لئے چراغ ہے تو

ہے زمانے کو آرزو تیری
کرّۂ باد میں ہے بو تیری

فلسفی خوش ہیں ڈھنگ سے تیرے
جانچتے ہیں ہر ایک پہلو سے

رنگ سے ہے خوشنما نگاہوں میں
تیری شہرت ہے جلوہ گاہوں میں

ثاقب کانپوری

ہدفِ تیرِ بلا کیوں نہ مسلمان رہے

طاقِ نسیاں ہی پہ ہر وقت جو قرآن رہے
ہدفِ تیرِ بلا کیوں نہ مسلمان رہے

لازمی امر ہے گھاٹے میں وہ انسان رہے
رہ کے دنیا میں نہ عقبیٰ کا جسے دھیان رہے

حُبِّ دُنیا کو نہ دے دل میں جگہ کوئی اگر
نزع میں جان کا دینا اُسے آسان رہے

وقت وہ آیا ہے اب ہم تو غنیمت سمجھیں
زندگانی میں سلامت اگر ایمان رہے

یہ بھی سوچے کبھی کس واسطے آیا ہے یہاں
ہر گھڑی لہو و لعب ہی میں نہ انسان رہے

فہم و ادراک سے خالی اُسے یکسر سمجھو
نیک و بد کی نہ ذرا بھی جسے پہچان رہے

اہلِ دُنیا کی روش دیکھ کے مشکل ہے بہت
نیک باتوں کی طرف طبع کا میلان رہے

ابوالاعجاز ازل

فلم سازی

سینما دیکھنا نئی تہذیب کی ایک برکت ہے۔ جس سے کوئی محروم نہیں!! آجکل کے فلموں نے ہمارے اخلاق و کردار کو بنانے اور بگاڑنے میں جو حصہ لیا ہے اس سے اس وقت ہمیں کوئی بحث نہیں۔ دو ڈھائی گھنٹے کے اندر آپ جو "سبق آموز" اور "ناقابلِ فراموش" فلم دیکھتے ہیں آیئے غور کریں کہ یہ کیونکر بنتے ہیں۔ جب ہم کوئی فلم دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں حرکت کیسے ہوتی ہے اس کے بعد ہماری توجہ آواز کی جانب ہوتی ہے کہ یہ متحرک تصاویر کس طرح بولتی ہیں۔ ان چلتی پھرتی اور بولتی چالتی تصاویر کی آج کل بہت مانگ ہے۔ دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اس کے شیدائی اپنا عزیز وقت اور دولت صرف کرنے کو تیار نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صنعت دن بدن ترقی کرتی جا رہی ہے

کوئی چیز آپ کی نظروں کے سامنے ہو اور فوراً ہٹالی جائے تو کچھ دیر تک اس کا ہلکا سا نقش قایم رہتا ہے اگر چند خاص تصویروں کو آپ کے سامنے ایک سلسلے سے لائی اور ہٹائی جائیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ یہ حرکت کر رہی ہیں فرض کیجئے ایک شخص ہے جو نیچے پڑا ہوا رومال اٹھا رہا ہے اگر اس منظر کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہو تو اس شخص کی مختلف پوز کی کئی تصویریں لی جاتی ہیں مثلاً نیچے جھکنا، ہاتھ بڑھانا، رومال کو اٹھانا۔ رومال کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھنا۔ اس طرح ان کئی تصویروں کو یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے پردہ پر لائی اور ہٹائی جائیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ایک شخص رومال اٹھا رہا ہے ——— بالکل یہی اصول ہے ان متحرک تصاویر کا۔ سب سے پہلے مارک راگٹ نے "متحرک اشیا کا تصور" پیش کیا جس پر جان ہرشل نے متعدد تجربات کئے علاوہ ازیں مختلف سائنسدانوں نے بھی اس پر توجہ کی۔ بالآخر کولمن سیلر نے ۱۸۶۱ء میں اپنا ایجاد کردہ آلہ رجسٹر کرایا جو ایک چرخی کے مانند تھا جس پر کسی متحرک چیز کی کئی تصویریں چسپاں کر دی جاتی تھیں۔ اس کے بعد مختلف سائنسدانوں نے اس ضمن میں کئی دلچسپ تجربات کئے اور آلات بھی ایجاد ہوئے ۱۸۳۴ء میں ولیم نے متحرک تصاویر کے لئے ایک کیمرہ بنایا اور ۱۸۹۵ء کے بعد ہی ٹامس آرمیٹ نے تصویر دکھانے کا ایک خاص آلہ ایجاد کیا جو موجودہ آلہ کی ایک ابتدائی صورت کہی جا سکتی ہے۔

پہلے پہل تو خاموش فلم بنائے گئے کیونکہ ابھی آواز پر قابو نہیں پایا گیا تھا لیکن ایڈیسن نے گراموفون ایجاد کرکے اس مشکل کو آسان کر دیا۔ فلم کے ساتھ ساتھ اس سے متعلق ریکارڈ لگائے جاتے تھے لیکن ذرا سی کمی و بیشی سے ان میں بہت بڑا فرق پیدا ہو جاتا تھا چنانچہ بعض دفعہ سین کچھ اور ہوتا تھا اور ریکارڈ کسی اور سین کے ہوتے تھے یعنی فلم اور ریکارڈ میں مطابقت قایم رکھنا بہت مشکل تھا لیکن آج کل آواز بھی فلم پر درج ہوتی ہے۔ فلم پر آواز کے اندراج کے لئے بجلی کا ایک نازک سا لیمپ استعمال کرتے ہیں اس کے سامنے ایک سوراخ ہوتا ہے جس کے پیچھے فلم ہوتی ہے۔ اس لیمپ کا تعلق مائکروفون سے ہوتا ہے۔ مائکروفون اور لیمپ کے درمیان آواز کو بڑھانے اور گھٹانے کے آلات ہوتے ہیں۔ جب فلم گھومتی ہے تو فلم کو منور کرنے والی روشنی اس آلہ کی برقی رو میں کمی بیشی پیدا کر دیتی ہے۔ برقی لہروں کی یہ کمی بیشی وسعت پاکر مائکروفون میں آواز پیدا کرتی ہے۔ متحرک تصاویر کے بولنے کا یہی طریقہ ہے۔

بڑی سے بڑی آواز مثلاً بادل کی گرج۔ بجلی کی کڑک اور ہلکی سے ہلکی آواز مثلاً قدموں کی آہٹ سنائی دے سکتی ہے۔ یقیناً فلم سازی کا یہ سب سے بڑا کمال ہے مگر فلم سازی کی معراج اس وقت ہوگی جب کہ آواز کے ساتھ ساتھ تماشائی رنگ و بو سے بھی لطف اندوز ہو سکیں باغ کے خوشنما رنگین سین کے ساتھ پھولوں کی خوشبو سے سارا سینما ہال مہک اٹھے اور جلتے ہوئے مکان کا سین آتے ہی دھوئیں سے تماشائیوں کا دم گھٹنے لگے ——— وہ زمانہ اب دور نہیں کیونکہ سائنسدانوں کے پاس کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔

میرو جمیل الدین احمد اقبال خانیہ

قورمہ قسم اعلیٰ رامپوری طرز پر

گوشت ایک سیر۔ ہڈی ٹخنے کی جس کو پائے بھی کہا جاتا ہے۔ آدھ سیر۔ دودھ ڈیڑھ پاؤ۔ بالائی آدھ پاؤ۔ بادام دہائی تولہ۔ زعفران ۲ ماشہ پیاز ڈیڑھ پاؤ۔ لہسن، ادرک آدھ پاؤ۔ مرچ ۴ تولہ، دھنیہ ۴ تولہ۔ لہسن کا عرق بھونتے وقت دیا جائیگا۔ کیوڑہ ایک تولہ۔ لونگ۔ الائچی بڑی۔ الائچی چھوٹی۔ ۲۔۲ تولہ۔ گھی پاؤ بھر دہی پاؤ بھر۔ نمک بقدر ضرورت۔

چار گھنٹہ پیشتر گڈیاں یعنی پائے کچل کر پکانے کو رکھئے اور جب جوش آکر اس پر میل آجائے تو دھو ڈالئے اور پھر ۲ سیر پانی میں تیز آنچ پر پکنے کو رکھئے۔ اس میں ایک گٹھی پیاز چار پانچ پوتھی لہسن ایک گانٹھ سے ادرک کے کٹے ہوئے کئی ٹکڑے ڈالدیں۔ ڈھکن ڈھک دیں۔ جب پکتے پکتے وہ گاڑھا ہو جائے تو آدھ پاؤ دودھ شامل کیجئے ذرا سا گھی اور لہسن ۳ پوتھی کاٹ نیچے گتر کر ۴ لونگیں بھی ہوں بگھار دیدیں۔

اور اب قورمہ تیار کریں۔ گوشت کو پانی میں دھو کر گھی پتیلی میں ڈالکر گوشت اور ضرورت کے مطابق دہی و بالائی معہ تمام پسے ہوئے مصالحہ جات بادام پسے بھون لیں لیکن پیاز کا تھوڑا حصہ پہلے سے تل کر کے نکال لیا جائے جو پسنے کے بعد بھونتے وقت دیا جائے گا۔ گوشت خوب بھونئے۔ اور پھر دودھ سے بھونیں۔ اس کے بعد گوشت میں سیر بھر گرم پانی چھوڑ کر ایک ساتھ زعفران ذرا سے کیوڑے میں اور بھونی الائچی ۶ عدد، [illegible] الائچی ۳ عدد، لونگ ۴ عدد، کیوڑہ میں پسوا کر دیدیں۔ اور جب پانی گھٹ جائے، تاریکی ہوجائے تو وہ یخنی بگھاری ہوئی شامل کردیں۔ اس وقت وہ سب آدھ سیر سے زیادہ نہ ہو اتنا پک جائے اور گاڑھا ہوجائے۔ جب گوشت گل جائے۔ تو اس میں سے بوٹیاں نکال کر ململ کی گاڑھی صافی میں چھان لیں اور پھر بوٹی شامل کرکے دم پر لگادیں [illegible]

لطافت علی خاں رامپوری

آم کی چٹنی

یہ رام پور کی چٹنی دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اور یہ بہت دنوں تک مربے اور اچار کی طرح رہ سکتی ہے۔ معطر سرکہ بنتا ہے۔ یو۔پی۔ لکھنؤ [illegible] میں بکثرت ملتا ہے۔

ثمری یا لنگڑا خام آم ۱۲ عدد۔ شکر پونے دو سیر۔ معطر سرکہ ایک سیر۔ مرچ ایک چھٹانک۔ لونگ ۲۔ تولہ۔ الائچی سفید ۲۔ تولہ۔ کلونجی ۲۔ تولہ۔ لہسن ایک چھٹانک ادرک ایک چھٹانک۔ پودینہ سبز ایک چھٹانک نمک ۲ تولہ۔

آم کو چھیل کر ان کی قاشیں موٹی موٹی بنالیں۔ گٹھلی الگ کردیں۔ لہسن قدرے تو پسوالیں باقی پوتھیاں ثابت چھیل کر رکھ لیں۔ ادرک قدرے سل پر پسوالیں باقی کے باریک لچھے کٹوا کر رکھ لیں۔ لہسن اگر زائد ہو تو نصف چھٹانک کافی ہوگا۔ مرچ قدرے پسوالیں باقی ثابت رکھ لیں۔ آپ معطر میں پھانکیں آم کی ڈال کر پکائیں۔ جب پھانکیں گلنے پر آئیں فوراً شکر اور پسی ہوئی ادرک لہسن مرچ دیدیں۔ بعد میں جب شکر گھل جائے تو بقیہ مصالحہ ثابت معہ لہسن کے ڈالدیں۔ اور ۵ منٹ کے بعد اتار کر کسی مٹی کے خشک برتن میں دیگچی جس میں چٹنی پکائی ہے۔ لوٹ دیں اور اوپر سے پودینہ کے ہرے پتے ڈالدیں۔ ۳ گھنٹے کے بعد کسی اچاری میں بھر کر رکھ لیں۔ نمک میں نے دو تولہ لکھا ہے۔ اگر کمی محسوس ہو تو اور دے سکتے ہیں۔ نمک بھی مصالحہ کے دیتے وقت دیا جاتا ہے۔

لطافت علی خاں۔ رام پوری

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

ٹخنوں کی خوبصورتی

اب تو زمانہ ایسا آگیا ہے کہ ٹخنوں کی خوشنمائی کے خیال رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ پہلے تو پائنچا ٹخنہ سے اونچا کرنا نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اب بعض لباس ایسے ہیں کہ جن میں ٹخنے نظروں کے سامنے رہتے ہیں۔ ایسی جرابیں ایجاد ہوگئی ہیں جن کا رنگ اصلی انسانی جلد کا سا ہوتا ہے۔ جن کی ٹانگوں کا رنگ دلکش نہیں ہوتا ان جرابوں کے پہننے سے خاص دلکشی پیدا کر دیتی ہیں۔

ٹخنوں میں خوبصورتی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ آرام ورزش اور مالش کے نسخے ہیں جن سے ہر عورت یہ خوبی حاصل کر سکتی ہے۔ سنگھار خانوں میں عام طور سے سکون دینے والے پانی سے پاؤں کو غسل دیا جاتا ہے۔ سرد و گرم لیپ لگائے جاتے ہیں۔ گوشت کم کرنیوالی یا گوشت کو پر درشت کرنے والی کریم سے مالش کی جاتی ہے۔ ایک مشہور مشاطہ خانہ میں فٹ بال کے سے بوٹوں میں مائع دوا بھر کے پاؤں باندھ دیے جاتے ہیں۔ ان میں پھولے ہوئے ٹخنے نہایت خوبی سے ہلکے پڑ جاتے ہیں۔ ان میں پھولے ہوئے ٹخنے نہایت خوبی سے ہلکے پڑ جاتے ہیں۔

ٹخنوں کو گھر پر بھی خوبصورت بنایا جا سکتا ہے۔ انہیں کافی آرام دیجئے۔ ہر دفعہ جب بیٹھیں اپنے پاؤں کسی نیچے اسٹول یا مُنڈھیا پر رکھ کے انہیں آرام دیں۔ کمزور ٹخنے کبھی خوبصورت نہیں نظر آیا کرتے۔ ان کے رگ پٹھے مضبوط کرنے کے لئے باقاعدہ ورزش کیا کریں۔

ٹخنوں کی ورزش

جن حسینوں کے ٹخنے خوشنما ہیں وہ سب گھٹنے موڑ کے انگوٹھوں کے بل اچکنے کی وہ ورزشیں کیا کرتی ہیں۔ یہ ورزش بھی بہت عمدہ ہے۔ پنجوں کے بل جسم کو ابھارو۔ دو تین سکنڈ کے بعد ایڑیاں زمین پر لے جاؤ اور پھر پھر جتنے اونچے لے جائے جا سکیں لے جاؤ اور جسم کا سارا وزن ایڑیوں پر ڈال دو۔ شروع میں یہ ورزش پانچ دفعہ کرو اور رفتہ رفتہ انہیں بڑھاتے بڑھاتے روزانہ بیس دفعہ کرو۔

یہ ورزش ہر جگہ وقت بے وقت کی جا سکتی ہے۔ اس سے ٹخنے مضبوط پتلے اور خوشنما بن جاتے ہیں۔ بیٹھ جائیں اور ایک ٹانگ دوسری پر سے آڑی نکال لیں۔ پنجوں کا رُخ پیچھے کی طرف رکھیں ٹخنوں کے بل پاؤں کو اس طرح گھمائے جائیں کہ ہر دفعہ دائرہ بنتا رہے۔ ایک پاؤں سے یہ ورزش کر کے دوسرے پاؤں سے کریں۔ جتنی دفعہ ہوسکے دونوں پاؤں کی یہ ورزش کیا کریں۔

ٹخنوں کی مالش و غسل

موزوں کریم یا لوشن سے مالش کرنے سے موٹے ٹخنے نازک اور پتلے ٹخنے گول خوشنما بنائے جا سکتے ہیں تھکن سے ٹخنے پھولے پھولے ہوجایا کرتے ہیں اس مالش سے ٹھیک ہوجائیں گے۔ مالش ہمیشہ انگلیوں انگوٹھوں کی جانب سے اوپر کو پنڈلی کی طرف تھپک تھپک کے کی جائے۔

اگر ٹخنے گرمی یا بہت محنت و مشقت کی وجہ سے متورم ہوگئے ہوں تو انھیں سرکہ سے غسل دیں۔

مالٹ کے سرکہ کی دو پیالیاں گرم پانی میں ملائیں اور پندرہ منٹ تک پاؤں اس میں ڈبوئے رکھیں کیمفر آئل (سفید کافور) یا آیوڈین کے مرہم کی مالش سے بھی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

پاؤں میں موچ یا دباؤ پڑ جانے سے بعض اوقات ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ ایک ٹخنہ دوسرے سے بڑا ہے۔ ہر صبح آیوڈین کا گاڑھا لیپ کرنے اور رات کو ٹھنڈا دباؤ دینے سے آرام ہو جاتا ہے۔ موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ایک چھوٹی پٹی ٹھنڈے پانی میں بھگوئیں اسے نچوڑ کے ٹخنے کے گرد مضبوطی سے باندھ دیں۔ زیادہ نہ کسیں۔ کسی موٹے کپڑے کو اس پر لپیٹ دیں تاکہ سوتے وقت بستر گیلا نہ ہو اور مقام ماؤف کو آرام حاصل ہو۔

موٹے اور گداز ٹخنوں کو روزانہ ایسے پانی کا غسل دیا جایا

کیجئے جس میں گوشت چھانٹنے کا نمک کا پوڈر یا چوتھائی پونڈ اپسم سالٹس epsom salts ملا دیا گیا ہو پاؤں ٹخنوں تک اس میں بیس منٹ تک ڈبوئے رکھیں پھر کسی موٹے تولیے سے رگڑ کے خشک کر دیں اور پھر خوب مالش کریں۔ مالش کرتے وقت گوشت چھانٹنے کی کریم اور نئی قسم کے گوشت چھانٹنے کا ایک رول Reducing Roller استعمال کریں یا جلد پر گوشت چھانٹنے کا لوشن تھپک تھپک کے لگائیں۔ ٹخنے ڈھیلے پتلے ہوں ان پر ہر رات اور صبح کو روغن زیتون گرم کرکے ملا کریں۔ اگر یہ مالش استقلال سے جاری رکھی گئی تو ٹخنوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو جائے گی۔

ان علاجوں کے زمانہ میں ریشمی جرابیں جو بہت ہلکے رنگ کی نہ ہوں پہننے سے ٹخنے خوشنما نظر آنے لگتے ہیں۔ پنڈلیوں کے رخ سیاہی مائل بھورے ملمع پوڈر سے لمبائی میں نوک دار بنانے اور اس پر بہت باریک جراب پہننے سے نظروں کو پتلے ٹخنوں کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔

چہرے کا روپ

اگر ایسی غذائیں استعمال میں رہتی ہوں جن سے ہاضمہ پر برا اثر پڑتا ہو جیسے کیک۔ پیسٹری مٹھائی تو روپ دکھارنا ایشور ہی حافظ ہے۔ رات کو ہمیشہ دیر سے سونا اور ورزش سے جی چرانا بھی رنگ و روپ کو بگاڑتا ہے۔ تمباکو نوشی بھی ایک حد تک برا اثر ڈالتی ہے۔ اگر ان سب باتوں سے پرہیز کیا جائے تو ہر عورت اپنا حسن نکھار سکتی ہے بشرطیکہ وہ مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل جاری رکھے۔

سونے سے قبل پہلے گنگنے پانی اور عمدہ صابن سے چہرہ دھو لیا کریں۔ اس کے بعد کوئی صاف کرنے والی کریم لگائیں اور کسی ملائم کپڑے سے پونچھ دیں۔ کریم تین چار منٹ لگی رکھنے کے بعد صاف کر دیں۔

اس کے بعد سفید صاف اور نرم تولیہ پر کھولتا ہوا پانی ڈالیں۔ پھر اسے نچوڑ دیں جب بھاپ اس سے اٹھ رہی ہو چہرہ ایک دو سکنڈ اس پر رکھ دیں۔ ایسا دو تین دفعہ کریں مگر اس عمل کو اس حد تک نہ پہنچنے دیں کہ کھال میں جلن اور دکھ محسوس ہونے لگے۔ قدرے تمتماہٹ کافی ہے۔ فوراً ہی قوت پہنچانے والی کریم Nourishing cream کثرت سے لگانا شروع کر دیں اور پھر اسے ملیں۔ مالش ہلکی ہلکی کریں۔

نمدے سے ملنے سے جلد کو ضرر پہنچتا ہے۔ مالش کا رخ بالائی اور بیرونی ہونا چاہئے۔ اس لئے چہرہ کے بیچ میں دونوں ہاتھوں سے مالش شروع کرکے انہیں پہلوؤں کی طرف لے جائیں۔ انگلیوں کو کھینچے لیجانا کافی ہوگا مگر انہیں رگڑ کے نہ لے جائیں یا انگلیوں کے پوروں سے جلد پر تھپکی دیتے ہوئے لے جائیں جن مقامات پر جھریاں ہوں وہاں زیادہ توجہ کی جائے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ دیگر مقامات پر سرسری طور سے یہ عمل کیا جائے اس کے بعد وچ ہیزل witch hazel اور شہد لگائیں عجیب اثر نمودار ہوگا۔ پہلے چہرہ پر ٹھیک آجانے والا نقاب کتریں۔ اس میں آنکھوں، ناک، اور منہ کے لئے سوراخ بنائیں۔ نقاب وچ ہیزل میں ڈبو لیں۔ تولیہ پر کھولتا ہوا پانی ڈال کے نچوڑ لیں۔ نقاب چہرہ پر چپکا لیں۔ اور اس پر تولیہ رکھ دیں۔ سانس آرام سے آنے کے لئے تولیہ ہٹاتے رہیں اور اس کی جگہ بدلتے رہیں۔ جب پہلا تولیہ ٹھنڈا ہو جائے تو دوسرا تولیہ اسی طرح طیار رکھا جائے۔ نقاب اتار کے شہد کا گاڑھا لیپ سارے چہرہ پر کریں اور اسے آدھ گھنٹہ لگا رہنے دیں۔ جب تک یہ چہرہ پر رہے کسی قسم کی کوئی مالش نہ کی جائے۔ البتہ اس کا دھیان رہے کہ نقاب جگہ سے سرکے نہیں آخر میں چہرہ خوب پونچھ لیں اور بغیر صابن کے ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔ کسی ملائم تولیہ سے چہرہ خشک کر لیں تولیہ رگڑیں نہیں۔ جگہ جگہ رکھ کے خشک کریں اور پوروں سے جلد کو ٹہوکے دیتے رہیں۔

خانگی ٹوٹکے

برتنوں میں جلے کے دھبے پڑ جائیں منڈار کپڑے میں نمک لگا کے رگڑیں۔

کپڑوں کا برش خراب ہو گیا ہو تو برش کے بالوں کا حصہ گرم پانی میں ڈبوئیں۔ پانی میں صابن کے جھاگ اٹھائے جائیں برش کا دستہ اور لکڑی کا حصہ پانی سے باہر رکھا جائے ہتھیلی پر بال رگڑ رگڑ کے دھوئے جائیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے دھار دیں۔ بالوں کو جھٹک جھٹک کے خشک کر لیں اور لکڑی پر السی کا تیل مل کے جلا دیدیں۔

ویسلین میں سوڈا بائی کارب ملا کے باورچی خانہ میں موجود رکھیں جیسے ہی انگلی وغیرہ جلے اسے لگا دیں۔

سیر بین

خون کا دباؤ

خون کے دباؤ کا مرض عموماً خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ مچی گن (امریکہ) کے دارالعلوم میں
سنوں کے ایک ماہر نے اس کا علاج دریافت کر لیا ہے۔ اس میں
نسیں کاٹی جاتی ہیں جس کی وجہ سے مریض کو دوبارہ زندگی حاصل
ہو جاتی ہے۔ ۱۳ سال میں اس ماہر نے دو ہزار سے زیادہ کامیاب
جراحی عمل کئے۔ یہ عمل نازک ضرور ہے لیکن بڑھی ہوئی آنت کے
کاٹنے کے عمل سے زیادہ خطرناک نہیں۔ بغلوں کے نیچے دونوں طرف
سینہ کی دیواریں چاک کر کے آنتوں سے ملی ہوئی نسیں کاٹی جاتی ہیں۔
جن کی وجہ سے جگر، تلی، گردوں یا چھوٹی آنتوں کو خون پہنچانے والے
پٹھے سکڑ جاتے ہیں اور خون کم پہنچنے لگتا ہے۔ کاٹ دیئے جانے کے بعد
خون کا دباؤ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اور خون از سر نو کافی مقدار میں دوڑنے
لگتا ہے۔ عمل کے بعد مریض کو دو ہفتے سے زیادہ نہیں رکنا پڑتا۔ اس
عمل کی کامیابی عمر پر منحصر پائی گئی۔ ۲۰ سے ۴۰ سال تک کی عمر والے
گروہ میں کامیابی ۸۰ فیصدی ہوئی۔ عمر زیادہ ہوتے جانے کے ساتھ
ساتھ کامیابی کی مقدار کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بایں ہمہ ۵۵ سال کی عمر
میں ۵۴ فیصدی کامیابی ہوئی گزشتہ پانچ سے بارہ سال کے وصہ
میں ۴۳۷ مریضوں پر عمل جراحی کیا گیا جن میں سے ۲۵۱ اشخاص
یعنی ۵۷.۵ ابھی زندہ ہیں۔ ۲۰ فیصدی حالات میں خون کا دباؤ اس
حد تک بڑھ چکا تھا کہ مریضوں کو اس نوع کے پیچیدہ امراض شروع
ہو گئے تھے۔

فاقہ کش دوا

گلوکوز کو کیمیائی ترکیب سے ایسا کر دیا جاتا ہے کہ وہ ہضم شدہ کیفیت اختیار کر لیتی ہے جس کے
یہ معنے ہیں کہ مریض کے جسم میں پہنچتے ہی جزو بدن بن جاتا ہے اور معدہ
کو ہضم کرنے کے لئے کام نہیں کرنا پڑتا۔ یہ دوا ۱۹۱۳ء میں پہلی
مرتبہ جانوروں پر استعمال کی گئی۔ آدمیوں پر اس کا تجربہ نہیں کیا
گیا حتّٰی کہ ۱۹۴۳ء میں بنگال میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوک کے
مارے بیدم ہو گئے ہزاروں مر گئے۔ ملک میں ایک طوفان برپا ہو گیا
اور اب الیابی قحط ساری ملک کو بھیانک شکل دکھا رہا ہے۔
۱۹۴۳ء میں پچکاری کے ذریعہ رگ میں یہ دوا پہنچائی گئی۔ نبض
کی حرکت سانس [illegible] کی اصلاح [illegible] ہو جاتی ہے۔

چند آدمیوں کو ایک دو پچکاریوں کے بعد بخار ہو گیا مگر ان کے خون میں
پہلے سے موسمی بخار کے جراثیم تھے۔ موسمی بخار کا علاج کرنے سے بخار بھی
جاتا رہا۔ اب اس دوا میں اصلاح کر کے کافی مقدار میں تیار کیا جا رہا
ہے تاکہ اس سال اگر ہندوستان میں قحط پڑے جیسا کہ بہت کچھ خدشہ
ہے تو اس کا استعمال وسیع پیمانہ پر کر کے لوگوں کو بچایا جائے اس
اس دوا کی تین سو بوتلیں نومبر گزشتہ میں اتحادی فوجوں کے لئے
جاوا پہنچائی گئی تھیں۔

ملک کے انتخابات

اس دفعہ کے ہندوستانی انتخابات نے ثابت کر دیا کہ کانگریس ہندوؤں
کی اور مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ سرحد کے صوبہ میں ۳۰ کانگریسی
۱۷ مسلم لیگی دو قوم پرست مسلمان اور ایک دیگر اُمیدوار کامیاب ہوا۔
سندھ میں ۲۱ کانگریسی ۲۷ لیگی ۴ قوم پرست مسلمان ۴ سید پارٹی
کے مسلمان تین یورپین۔ آسام میں ۵۹ کانگریسی۔ ۳۱ لیگی ۹ یورپین
چھ انڈیپنڈنٹ۔ اڑیسہ ۴۷ کانگریسی ۴ لیگی ۴ انڈیپنڈنٹ۔
بہار میں ۹۸ کانگریسی ۳۴ مسلم لیگی پانچ مومن۔ صوبجات متوسط
میں ۹۲ کانگریسی ۱۳ لیگی ۴ انڈیپنڈنٹ۔ پنجاب میں ۵۱ کانگریسی
۷۵ لیگی ۲۰ یونینسٹ ۲۲ سکھ اکالی ۷ انڈیپنڈنٹ بمبئی میں
۱۲۸ کانگریسی ۳۰ لیگی ۲ یورپی پانچ انڈیپنڈنٹ۔ صوبجات متحدہ
میں ۱۵۳ کانگریسی ۵۴ لیگی ۷ قوم پرست مسلمان۔ ۴ انڈیپنڈنٹ۔
مدراس میں ۱۶۵ کانگریسی ۲۹ لیگی ۷ یورپی نو انڈیپنڈنٹ اور بنگال میں
۸۶ کانگریسی۔ ۱۱۴ لیگی ۲۳ یورپی دس انڈیپنڈنٹ انتخاب
میں آئے۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات سے مقابلہ کرنے پر اس سال پارٹیوں میں
حیرت انگیز ادل بدل ہوا ہے ۱۹۳۷ء میں صوبہ سرحد میں کانگریس ۱۹
غیر جانبدار ۲۱ ہندو سکھ قوم پرست ۷۔ دیگر ۳۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی
۳۰۔ لیگی ۱۷ اسلامی لیگ۔ قوم پرست مسلمان ۲ کل ۵۰۔ ۱۹۳۷ء میں
سندھ میں کانگریسی ۸ غلام حسین پارٹی یعنی مسلم لیگی ۱۷۔ متحدہ پارٹی ۱۸۔
ہندو پارٹی ۱۲۔ کانگریسی اشتراکی ایک آزاد ایک۔ دیگر ۳۔ ۱۹۴۶ء
میں کانگریسی ۲۱۔ لیگی ۲۷۔ سید پارٹی ۴۔ قوم پرست مسلمان ۴
یورپین ۳۔ فرد واحد ایک کل ۶۰۔ ۱۹۳۷ء میں آسام میں کانگریسی ۳۳

لیگی ۱۔ مسلم پارٹی ۲۲۔ غیر کانگریسی ۱۴۔ دیگر ۳۷۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریس ۵۹۔ مسلم لیگی ۳۱۔ یورپی ۹۔ آزاد ۵۔ جمعیۃ العلما ۳۔ کل ۱۰۸۔ ۱۹۳۷ء میں اڑیسہ میں کانگریسی ۳۶۔ متحدہ پارٹی ۶۔ قومی پارٹی ۴۔ آزاد ۶۔ دیگر ۴ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۴۷۔ لیگی ۴۔ آزاد ۴۔ اشتراکی ایک کل ۵۶ ۱۹۳۷ء میں بہار میں کانگریسی ۹۲۔ متحدہ مسلم پارٹی ۶۔ احرار ۳۔ بے فریق مسلمان ۲۷۔ دیگر ۲۱۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۹۸۔ لیگی ۳۴۔ مومن پانچ۔ ادی باسی ۳۔ دیگر ۱۲ کل ۱۵۲۔ ۱۹۳۷ء میں صوبجات متوسط میں کانگریسی ۷۰۔ لیگی ۵۔ مسلم بورڈ ۸۔ غیر برہمن ۳۔ دیگر ۲۶۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۹۲۔ لیگی ۱۳۔ آزاد ایک۔ اچھوت ایک مہاسبھا ایک زمیندارہ کل ۱۱۲۔ ۱۹۳۷ء میں پنجاب میں کانگریسی ۱۹۔ لیگی ایک۔ اکالی سکھ ۱۰۔ یونینسٹ ۹۶۔ خالصہ سکھ ۱۴۔ ہندو بورڈ ۱۱۔ اتحاد ملت ۲۔ احرار ۲۔ دیگر ۲۰۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۵۱۔ لیگی ۷۵۔ اکالی ۲۲۔ یونینسٹ ۲۰۔ آزاد، کل ۱۷۵۔ ۱۹۳۷ء میں بنگال میں کانگریسی ۵۲۔ لیگی ۳۹۔ پرجا ۳۶۔ کریشک سمتی ۵۔ ہندو سبھا دو۔ یورپی ۲۵۔ دیگر ۳۶۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۸۶۔ لیگی ۱۱۴۔ یورپی ۲۳۔ آزاد مسلمان ۳۔ آزاد ہندو ایک۔ اچھوت ۶۔ اشتراکی ۳۔ مہاسبھا ایک کرشک پرجا ۴۔ دیگر ۹۔ کل ۲۵۰۔ بمبئی میں ۱۹۳۷ء میں کانگریسی ۸۸۔ مسلم لیگی ۲۰۔ امبیڈکر پارٹی ۱۲۔ غیر برہمن ۱۰۔ مزدور ۴۔ جمہور سوراج پارٹی ۲۔ ورن آشرم ایک۔ گھوٹی سبھا ۲۔ دیگر ۲۹ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۱۲۸۔ لیگی ۳۰۔ یورپی ۶۔ آزاد ۵۔ مہاسبھا ۱۔ اشتراکی ۲۔ جمہوریت پسند ایک۔ دیگر ۲ کل ۱۷۵۔ صوبجات متحدہ میں ۱۹۳۷ء میں کانگریسی ۱۳۴۔ لیگی ۲۶۔ قومی زرعی پارٹی ۳۲۔ لبرل ایک دیگر ۴۵۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۱۵۳۔ لیگی ۵۴۔ قومی مسلمان ۵۔ احرار ایک آزاد مسلمان ایک آزاد ۲ کل ۲۲۸۔ مدراس میں ۱۹۳۷ء میں کانگریسی ۱۵۹۔ لیگی ۱۰۔ جسٹس پارٹی ۲۱۔ پیپل پارٹی ایک۔ دیگر ۴۳۔ اور ۱۹۴۶ء میں کانگریسی ۱۶۵۔ لیگی ۲۸۔ یورپی ۷۔ آزاد ۲۔ اشتراکی ۲۔ دیگر ۷ کل ۲۱۵ منتخب ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے کل ملک کی ۱۵۸۵ نشستوں میں سے ۷۰۴ اور ۱۹۴۶ء میں ۹۳۰ حاصل کیں۔ یہ سب تقریباً ہندو ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریس نے ۴۹۲ مسلم نشستوں میں سے ۲۶ اور ۱۹۴۶ء میں ۲۲ حاصل کیں۔ مسلم لیگ کی کامیابی اچانک اور حیرت انگیز ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ۴۹۲ میں سے اسے ۱۰۵ اور ۱۹۴۶ء میں ۴۲۸ نشستیں ملیں۔ لیگ سے سرتاب مسلمانوں کی تعداد بجائے خود ایک مرثیہ ہے۔ صوبہ سرحد، بہار، اڑیسہ میں پہلے مسلم لیگ پارٹی ہی نہ تھی۔ پنجاب اسمبلی میں صرف ایک لیگی تھا۔ بعد میں سکندر جناح میثاق کی وجہ سے یونینسٹ پارٹی کے مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اب یونینسٹ کو ملک بھر میں سب سے زیادہ سخت شکست نصیب ہوئی کہ ۹۶ سے ۱۰ ہی رہ گئے۔ فضل الحق کی پارٹی ۳۹ سے صرف تین رہ گئی۔

بناوٹی موتی

جاپان نے اپنے ترقی کے زمانہ میں اصل چیزوں کی خوب خوب نقالیں کیں چنانچہ اس نے بناوٹی موتی بنا بنا کے خوب روپیہ کمایا۔ دھوکہ بازوں کو اس سے موقع ملا کہ یہ موتی سچے موتیوں کی قیمت پہ فروخت کر سکیں۔ ان کی شناخت نہایت دشوار تھی۔ ایسے موتی حاصل کرنیکا طریقہ یہ تھا کہ بند سیپی میں جاپانی کسی قسم کا دانہ ڈال کے اسے سمندر میں ڈال دیتے تھے۔ وہاں رہ کے اس دانہ کے گرد اصلی موتی کا مادہ جمع ہو ہو کے موتی طیار ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ موتی بناوٹ اصلی موتی کے طریقہ پر ہوتی ہے اس لئے شناخت صرف ایک طرح ممکن ہے کہ اسے چیر ڈالا جائے یہ عمل بہت مہنگا ہے اور جوہری اس پر بخوشی آمادہ نہیں ہوتے۔ امریکہ کے ایک محقق نے ایک طریقہ شناخت دریافت کر لیا ہے اس موتی کو اگر ناسید روشنی میں خوردبین کے نیچے رکھ کے دیکھا جائے تو اس پر روشنی کے دو ننھے ننھے نقطے نظر آنے لگتے ہیں یہ نقطے اندرونی دانہ کی روشنی کا انعکاس ہوتے ہیں۔ اسی محقق نے ایک اور طریقہ معلوم کیا ہے۔ جو موتی میں ایسا سوراخ کرتا ہے جیسے لڑی میں پرونے کے لئے موتیوں میں کیا جایا کرتا ہے۔ وہ پھر سونے کا ایک دانہ پگھلا کے ایک نہایت باریک سونے کے تار سے کھینچتا ہے اور اسے موتی کے سوراخ میں ڈال دیتا ہے۔ پھر خوردبین میں سے نیچے تک دے جا کے وہ دیکھتا ہے۔ پگھلا ہوا سونا آئینہ کا کام دیتا ہے اور اس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ موتی کا بطن کس قسم کا ہے۔

پھلجھڑیاں

بوڑھوں کا اب تک یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ اگر شمال یعنی قطب کی طرف سر کر کے سوؤ تو نیند خوب آتی ہے سائنسدان کہتے ہیں کہ چونکہ انسانی جسم مقناطیسی ہے اور مقناطیسی سوئی قطب کی طرف ہو کے رک جاتی ہے اسی طرح انسان کا سر اس طرف ہو کے یکسوئی حاصل کر سکتا ہے۔

لندن کے عجائب خانہ میں دنیا کے سب سے زیادہ پہلے انسانی ڈھانچ رکھے ہیں۔ محققوں کا اندازہ ہے کہ وہ ۳۰ ہزار برس پہلے کے ہیں۔ اب ان کیا نشنکے فلسطین کے عجائب خانہ نادر قدیم کا محقق دریافت کر چکا [illegible] امریکا ... رائل کالج آف سرجنز لندن میں بھی رکھا جائیگا۔

علیگڑھ کے مسٹر مظفر حسین نے پانچ بجے شام ہفتے کے بعد سنایا کہ بیٹھے ہے۔ دیکھتے ... [illegible]

[illegible]

نہایت خوشبودار
فوراً ہضم پذیر
وٹامن سے مشتمل
ڈالڈا میں تلی ہوئی پوڑیاں آپ کے منہ میں
گھل جاتی ہیں — اور قوت بھی بخشتی ہیں!
ڈالڈا نہ کہ صرف آپکی غذا کو لذت دار بناتا ہے، بلکہ یہ آپکی مقوی خوراک ہے! اس مشہور مقوی خوراک کے ذریعہ آپکی روزانہ غذا میں اضافہ کیجئے، جو کہ فوراً ہضم پذیر، وٹامن آمیز رسوئی کا سامان ہے + ہر ایک خاتون کے لئے ڈالڈا ایک نعمت ہے - یہ اس کی سادی رسوئی کو بھی اپنے شیریں لذیذ خوشبو سے معطر کرتا ہے اور اس کے خاندان کو زاید قوت بخشتا ہے +

بزم عصمت

(۱) بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط نہایت مختصر ہو۔ (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

اڈیٹر

میں نہایت رنج و قلق سے یہ خبر سپرد قلم کرتی ہوں کہ میرے والد ماجد احمد حاجی نور محمد قلعدار عرف بھورا بھائی بعمر ۵۰ سال ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء پیر کے روز یکایک ہارٹ فیل ہو جانے کی وجہ سے ہم سب کو روتا تڑپتا چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ خداوند کریم سے دعا ہے مرحوم کی مغفرت کرے۔ اور ہم سب کو صبر کی توفیق عطا کرے۔ مرحوم نہایت بھولے بھالے اور نیک خیال انسان تھے دس روپے کی حقیر رقم عصمت کے نادار فنڈ کے لئے روانہ کرتی ہوں عصمتی بہنوں سے التجا ہے کہ وہ بھی دعائے مغفرت کریں اور کوئی بہن قطع تاریخ وفات لکھ دیں۔ سائیرہ بائی حاجی احمد حاجی نور محمد قلعدار

میری پیاری باجی مسز رضیہ شریف جو کہ عصمت کی پرانی خریدار تھیں ۱۰ فروری بروز جمعرات ہم سب کو روتا تڑپتا چھوڑ کر اس دنیائے ناپائدار سے رحلت کر گئیں تین چھوٹے چھوٹے بچے نشانی چھوڑے میں دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے

ثریا صابری خریداری نمبر ۱۰۴۳۴

میری عزیز ترین ہمشیرہ فرحت سعید بیگم خواجہ فیروز الدین صاحب انجینئر ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو عین عالم شباب میں ہمیں داغ مفارقت دے کر روتا تڑپتا چھوڑ گئیں۔ مرحومہ بہت ہی خوبیوں کی مالک تھیں۔ مرحومہ نے اپنی یادگار میرا ہمیں خود سال بچے چھوڑے ہیں۔ ان کی جواں مرگ سے ۲۰ دن پہلے ۸ فروری کو میرے حقیقی ماموں میاں جلال الدین صاحب فرسٹ کلاس مجسٹریٹ لاہور کے اسٹیشن پر ٹرین کے نیچے آکر جان بحق ہوئے۔ مرحوم بہت نیک۔ وبا اخلاق انسان تھے ۱۵ مارچ سے پنشن پر جانے والے تھے

لیکن زندگی نے وفا نہ کی ان دونوں صدمات کی وجہ سے ہم نڈھال ہوگئے ہیں۔ کوئی شاعر بھائی یا شاعرہ بہن مرحومہ کی تاریخ وفات لکھ کر عصمت میں بھیج دیں۔ از حد شکر گذار ہوں گی۔ غمزدہ شوکت الماس ثانی خریدار ۴۴۳۸

عصمتی بہنوں کو یہ خوش خبری سناتی ہوں کہ میری پیاری بھانجی عفت شعیب امسال ایف اے کے امتحان میں فرسٹ آئی ہے ۔ بہت ذہین ہے۔ اب کلکتہ میڈیکل کالج میں اس کو تعلیم دی جائیگی عمر ۱۷ سال کی ہے

قمر آرا اعظمی خریدار نمبر ۴۳۵۷

میں دلی مسرت اطلاع دیتی ہوں کہ میری عزیز ترین سہیلی رقیہ عبدالستار صاحبہ کی شادی خانہ آبادی ۵ مئی ۱۹۴۶ء کو جناب محمد نور محمد صاحب کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ اس خوشی میں میں ان کو عصمت کی خریدار بناتی ہوں۔

آمنہ یوسف کلکتہ

میں انتہائی خوشی سے یہ خبر سپرد قلم کر رہی ہوں کہ میری عزیز دختران نیک اختر کی شادی خانہ آبادی سعید حسن و شبیر حسن کے ساتھ ۷ اپریل ۱۹۴۷ء مقام نیروبی میں بفضلہ تعالیٰ بحسن و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ دعا ہے کہ خداوند کریم ان ہر دو نئے دولہا دلہن کو ہمیشہ شاد آباد رکھے اور ان کا یہ نیا دور زندگانی خوشیوں سے بھرپور رہے۔ آمین ثم آمین۔ اس خوشی میں ۲ روپے کی حقیر رقم نادار فنڈ میں ارسال کر رہی ہوں۔

بیگم کے ایچ۔ کریم بخش خریدار ۲۲۱۹

میں انتہائی مسرت سے لکھتی ہوں کہ خداوند پاک نے میرے بھیا نادر بھائی انجینئر صاحب ایم اے کو جن کی شادی کو ۸ سال ہو چکے ہیں۔ پانچ مئی ۱۹۴۷ء کو چاند سی دختر عطا فرمائی ہے۔ اس خوشی میں دو روپے نادار فنڈ کے لئے بھیجتی ہوں۔

پرچہ ماہ جون میں خریدار ۱۴۵ نے ایک لڑکی کے لئے جس کی عمر ۱۷ سال کی ہے رنگت دن بدن کالی ہوتی جا رہی ہے جس کے لئے امین صاحب نے کوئی اچھا سا اپٹن اور بال گرنے کی سبب سے بال گنجے ہونے کا نسخہ تحریر فرمایا ہے جو یہ ہے۔

اصلی خالص نارئیل کا تیل شب میں سوتے وقت چہرے پر ملا دیں صبح مل لیں اور سو جائیں صبح سویرے [illegible] چہرے کو صاف دھولیں۔ اور [illegible]

[illegible] انشاء اللہ ایک ماہ بعد چہرے کی رنگت نکھرنے لگے گی۔ کیوں کہ یہ ان کا آزمایا ہوا ہے۔ خیال رہے ما بن کنینا کا بنا ہوا ہو۔ احمدی بیگم ایم۔ اے۔ حق انسپکٹر خریدار ۵۲۴

بہن شکیلہ صاحبہ خریدار نمبر ۰۰ سے عرض ہے کہ وہ اپنی سہیلی سعیدہ خاتون کو یہ دیسی دوا استعمال کرائیں جو بہت فائدہ مند بھی ہے اور کم خرچ بھی۔ بہن موصوفہ کسی پنساری کی دکان سے جونکیں پاؤ بھر منگا لیں۔ واضح رہے کہ جونکیں بالکل چھوٹی ہونی چاہئیں۔ ترکیب استعمال یہ ہے پہلے روز ایک گلاس پانی سے ایک عدد جونک کھلائیں اسی طرح دوسرے دن ۲ عدد جونکیں ایک گلاس پانی سے کھلائیں۔ روزانہ ایک ایک کر کے جونکیں کی تعداد بڑھائیں اور جب کہ چالیس دن پورے ہو جائیں تو اب روزانہ ایک کم کرنا شروع کریں۔ میں بہن شکیلہ سے گوش گذار کئے دیتی ہوں کہ اس دوا کو ناغہ کھلائیں ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یا یہ تیل۔

(Hemmal for grey hair)

استعمال کرائیں جس سے فائدہ یقینی ہے۔ ہینول غور کرے ہیر کی ہاف بوتل پانچ یا ساڑھے پانچ روپے میں کسی انگریزی دوا فروش کے یہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ تو دس ماہ استعمال کرنے سے جتنے بال پکے ہیں سب جھڑ جائیں گے اور اس کی جگہ دوسرے سیاہ اور چمکیلے بال اگنے شروع ہوں گے لیکن میرے خیال میں اوپر کی دوا جلدی سے اثر انداز ہوتی ہے اور یہ تیل دیر پا ہے۔ مس راشدہ غنی بہار خریدار ۱۴۲۴

جون کے عصمت میں بہن مہرالنساء بیگم صاحبہ نے دق کے لئے کوئی دوا یا دعا پوچھی ہے میں دوا اور دعا دونوں لکھتی ہوں کئی دفعہ کی آزمودہ ہے جب تک اچھی نہ ہو جائیں دوا اور دعا دونوں جاری رکھیں۔

نسخہ

نیم کی بتیس کی ڈنڈیاں ۱۱ عدد لیکر ان کے پتے توڑ ڈالیں اور سل پہ ذرا سا پانی ڈال کر آہستہ آہستہ رگڑیں تاکہ ڈنڈیوں کا اوپر کا ہرا پوست الگ ہو جائے اس ہرے پوست کو پھینک دیں اور اندر سے جو سفید پوست نکلے اس میں پانچ کالی مرچیں شامل کر کے باریک پیس لیں۔ [illegible] پانی ڈال دیں اور ذرا سا نمک ڈال دیں

پھر اس کو کسی کٹوری میں ڈال کر آگ پہ رکھیں جب وہ ذرا پکنے لگے تو فوراً اتار لیں زیادہ نہ پکائیں اس کے بعد چھان کر کے نہار منہ اور شام کو کھانے سے پہلے پلا دیا کریں۔ دونوں وقت کا نسخہ تازہ تیار کیا جائے اس میں کوئی پرہیز نہیں ہے اور جو دوائیں دی جا رہی ہیں وہ کھانے دیجئے چاہے یونانی ہوں یا ڈاکٹری نانی اماں نے بہت سے لوگوں پر آزمایا ہے اور خدا کے فضل سے ہر ایک کو فائدہ ہوا ہے اور دعا یہ ہے کہ بعد نماز مغرب یا بعد نماز فجر ڈیڑھ سو مرتبہ اس کو پڑھیں بِجُوْدِ رَحْمَتِكَ لَا يَعْلَىٰ بِالْحَلِيْمِ يَا حِنَّا عِيْلُ۔ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ کوئی درود شریف پڑھیں۔ دعا کو ناغہ کریں گھر میں کوئی پڑھے۔ مریض خود پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی سکتی ہیں آپ بھی پانی پہ دم کر کے پلائیے انشاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔ سلطان جہاں نسیم روح افزا۔ شاہجہاں پور

(۱) ماہ جون کے پرچے میں بہن شکیلہ خاتون نے سر میں تیل لگانے کی بابت دریافت کیا ہے عرض یہ ہے کہ وہ اپنی سہیلی خاتون سے کہیں کہ وہ کانتا ہیر آئل استعمال کریں اگر ان کے شہر میں نہ ملتا ہو تو بمبئی میں ہر جگہ ملتا ہے۔

(۲) اگر نسما کی عجب دوا یہ ہے۔ ناریل کا تیل آدھا پاؤ میں ۳ تولہ کافور۔ ۲ تولہ مردار سنگ اور ½ تولہ سفیدہ کاشغری لے لیں اور کافور میں سفیدہ کاشغری اور مردار سنگ کو پیس کر ناریل کے تیل میں ملا کر کسی جانور کے پر سے استعمال کریں۔ بیگم یوسف سلیمان خریدار ۹۱۰

اپریل کے پرچے میں ش۔ ح۔ خریدار نمبر ۲۹ نے پٹھوں کی کمزوری کے لئے آزمودہ دوائی پوچھی ہے بہن صاحبہ سے عرض ہے کہ وہ پیشن جانور کا تیل نکلوا کر اس کی مالش کریں۔ بہت مؤثر تیل ہے انشاء اللہ بہت جلد ان کی شکایت رفع ہو جاوے گی خصوصاً جون۔ جولائی کے مہینوں میں اس مالش بہت اثر کرتی ہے۔ اس کی مالش سے تو گٹھیا کا پرانا درد جاتا رہتا ہے آزمودہ ہے۔ مسز نذیر احمد خان خریدار نمبر ۹۹۲۰

میرا بچہ جس کی عمر ۵ سال ہے دو سال سے اس کے جسم پر سفید داغ پڑنے شروع ہو گئے ہیں داغ پہلے پاؤں سے شروع ہوئے تھے اور پچھلے سال گرمیوں میں بہت [illegible] زیادہ بڑھ گئے ہاتھوں پر بھی ہو گئے۔ چہرہ بالکل [illegible]

اور اُس نے
لائف بوائے کی عادت
سیکھی ہے!
وہ اب ماں کا ہاتھ بٹانے لگی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی زندگی کی ضروری باتوں کو
سیکھ رہی ہے لیکن ماں نے لائف بوائے صابن کے روزانہ استعمال کے متعلق سبق دیکر اُس کی
بڑی مدد کی ہے اور اس طریقے سے میل کے اس خطرے سے جو
ہر گھر میں خوشحالی اور تندرستی کو لاحق رہتا ہے اُسے محفوظ کر دیا ہے۔
LIFEBUOY
لائف بوائے ایک اچھا صابن ہی نہیں
بلکہ ایک اچھی عادت ہے۔

دُوربین

عرب ممالک میں اتحاد

شاہِ فاروق نے مصر میں عربی ممالک کے والیوں کو بلا کے خفیہ مشاورت کی۔ یہ ملاقات قاہرہ سے تیس میل دور شاہ موصوف کے ذاتی محلوں میں ہوئی۔ اس میں مصر شرق اردن سعودی عرب یمن۔ عراق، شام و لبنان کے فرمانروا شریک ہوئے۔ ان کے اعزاز میں شاہ موصوف نے دعوت دی۔ عبد اللہ شاہِ اردن اور سعودی عرب کے ولی عہد امیر سعود نے ایک ہی روٹی سے توڑ کے کھایا۔ عربی روایات کے مطابق اس طریقے سے دونوں ملکوں کی باہمی مخالفت جاتی رہی اور ہاشمی اور وہابی خاندانوں میں صلح ہو گئی۔

یہ مشاورت بہت اہمیت رکھتی ہے اس میں طے کیا گیا کہ فلسطین عرب ملک ہے اور سارے عرب اُسے عربی ملک ہی دیکھنا چاہتے ہیں یہ سارے عربوں کا معاملہ ہے۔ اُمید ظاہر کی گئی کہ امریکہ اور برطانیہ ایسی حرکت نہ کریں گے جس سے ساری عربی دُنیا اُن کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے اور دُنیا کا امن خطرہ میں پڑ جائے۔ طرابلس کے مسئلہ پر بھی غور کر کے قرار دیا گیا کہ وہاں کے عربوں کو آزادی کا پورا پورا حق ہے۔ مصر سے برطانوی فوجوں کے پورے طور پر ہٹا لیے جانے کا بھی مطالبہ کیا گیا

پیرس کانفرنس کی ناکامی

پیرس میں روس امریکہ برطانیہ اور فرانس کے وزرا صلح و تاوان کے مسائل طے کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کانفرنس برخاست ہو گئی۔ وزیرِ خارجہ روس مالوتاف نے بیان کیا ہے کہ طہران یالٹا۔ برلن و ماسکو کی کانفرنسوں میں ہر معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا رہا مگر اب حالت یہ ہے کہ برطانیہ و امریکہ نے روس کے مقابلہ میں اتحاد کر کے روس کو ہر معاملہ میں دبایا کہ وہ ان کی بات مان جائے۔ کوشش کی گئی کہ جن معاملات میں اتفاق رائے نہیں ہوا۔ اُسے صلح کانفرنس میں براہِ راست پیش کر دیا جائے جس میں ۲۱ حکومتوں کے نمائندے ہوں گے۔ دوسری کوشش یہ ہوئی کہ متحدہ اقوام کی انجمن میں ان اُمور کو پیش کر دیا جائے۔ روس نے ان دونوں تجویزوں کو نہ مانا کہ ۲۱ قوموں میں جھگڑوں سے دروازے کھل جائیں گے اور متحدہ اقوام کی انجمن کو ان معاملات سے کچھ تعلق نہیں۔ علاوہ ازیں وہاں امریکہ و برطانیہ کے طرفدار زیادہ ہیں۔ اٹلی کی نوآبادیات کے دعاوی سے روس دست بردار ہو گیا تاہم اٹلی سے روس کے تاوانی مطالبہ کے لئے ذرا بھی جنبش نہیں کی گئی۔ مالوتاف نے شکایت کی کہ برطانیہ و امریکہ روس کے مقابلہ میں انگلوسیکسن گروہ قائم کر رہے ہیں اور دونوں دنیا کے تمام حصّوں میں بحری ہوائی اڈے قائم کر رہے ہیں۔

جنگ کے خاتمہ پر مسٹر ٹرومن نے کہا تھا کہ امریکہ ایسا زبردست لشکر و بیڑا طیار رکھے گا کہ دُنیا میں کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ایٹم بم کا راز امریکہ کسی کو نہیں بتا رہا۔ اس سے زیادہ خوفناک بتایا جا رہا ہے اور وبائی امراض کے بم بھی وہاں طیار کئے جا رہے ہیں جن کے متعلق دعوے کیا جاتا ہے کہ دُنیا کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ روس بھی اپنے مقبوضہ جرمن علاقہ میں فوراً بم کی قسم کے آلات کا تجربہ کر رہا ہے سویڈن والوں نے انھیں آسمان میں اڑتے دیکھا۔ روس امریکہ و برطانیہ پر الزام لگاتا ہے کہ وہ جرمنی کو مضبوط بنانا چاہتا ہے تاکہ روس کے خلاف انھیں استعمال کیا جا سکے۔

افسوس ہے کہ تین طاقتوں کو باہم متحد رہ کے دُنیا میں امن قایم رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہنا چاہئیے تھا مگر اس کے برعکس اُن کی آپس کی ناچاقی بڑھتی جا رہی ہے جس کا انجام دیکھئے کیا ہو۔

مصر سے گفتگوئے معاہدہ

برطانیہ کا مصر سے جو نیا معاہدہ ہو رہا ہے اس میں تعویق واقع ہو رہی ہے مصری بالکل آزادی چاہتے ہیں۔ اور انجمن اقوام کا برابر کا ممبر بننا چاہتے ہیں۔ اپنی خود مختاری پر کسی قسم کی پابندی نہیں چاہتے۔ برطانیہ کا مقصد یہ ہے کہ انجمن اقوام کا اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہونا ممکن ہے۔ ایسی حالت میں قیام امن کے لئے برطانیہ کو خود اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ مشرقِ وسطےٰ میں کسی جگہ ایسی مضبوط فوج نہیں جو جدید جنگی حالات کا مقابلہ کر سکے اس لئے اس نے اپنی مملکت کی حفاظت کی ایک تعداد طیار کی ہے جس میں مصر کو لازماً ایک کڑی بننا پڑے گا کہ جنگ کی صورت کے علاوہ جب جنگ کا خطرہ ہو انگریزی فوجیں مصر میں آسکیں گی اور جنگی سہولتیں مہیا ہو جائیں گی۔ مصر اسے نئی آزادی سمجھتا ہے وہ کہتا ہے کہ مصر سے وہ معاہدہ کرو جو دوست

مصر اور خطرہ میں کام آؤں گا مگر میں برطانوی سلطنت کے سلسلۂ حفاظت کی ایک کڑی نہیں بننا چاہتا کیونکہ مجھے انگریزی مملکت کی حفاظت کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔

مصری اس قیل و قال سے بے چین ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف انگریز مصر و ہندوستان سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کی ممکن صورت میں مشرقی افریقہ کو اپنی سلطنت کی حفاظت کا مورچہ بنانا چاہتے ہیں۔ میدان وسیع ہیں۔ جہاں ہوائی جہازوں کی مشقیں اور ایٹم بم کے تجربے بے فکر و تشویش کئے جا سکتے ہیں اور بوقت ضرورت وہاں سے خطرہ کے مقامات پر حرکت کی جا سکتی ہے۔

ہسپانیہ کی اکڑ

روس و فرانس وغیرہ برابر اس کے لئے مصر ہیں کہ ہسپانیہ میں فرانکو کی حکومت ختم ہو جائے کیونکہ ان کی اطلاعات کے بموجب وہاں جرمن سازشوں کا جال بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ لڑائی ختم ہونے سے پہلے ہی انہوں نے ایٹم بم وغیرہ کے متعلق ساز و سامان وہاں منتقل کر دیا تھا اور اس کے پاس ایٹم بم موجود ہے اس لئے ہسپانیہ سے سیاسی قطع تعلق کر لیا جائے۔ برطانیہ کہتا ہے کہ ایسا تعلق قطع کر لینا خود ہمارے لئے غیر مفید ہے کیونکہ اس وقت تو ہمارے سفرا وہاں موجود ہیں اور وہاں کے حالات سے ہمیں مطلع کرتے رہتے ہیں۔ سیاسی تعلقات ٹوٹنے پر وہاں کے معاملات پر پوشیدگی کا سیاہ پردہ پڑ جائیگا۔ ہسپانیہ کہتا ہے کہ فرانکو اس وقت پہلے سے زیادہ مضبوطی سے اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کی حفاظت کی جائے گی کیونکہ بیرونی دباؤ کی وجہ سے اس کی ہردلعزیزی بڑھ گئی ہے۔ ہسپانیہ فوجی طیاریاں وغیرہ روسی طیاروں کے مقابلہ میں امن عامہ کے لئے کم خطرناک ہیں روس کے مقابلہ میں ہسپانیہ میں زیادہ آزادی اور جمہوریت ہے۔

مسلم لیگ کا فیصلہ

مسلم لیگ نے مردانہ وار اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور کانگریسی ہندوؤں کے طعن آمیز فقروں کی پروا نہیں کی اور نہ کانگریس کی طرح اپنے فیصلہ کو ٹال مٹول کے چکر میں ڈالا۔ مسلم لیگ نے ۲۲۰ بمقابلہ ۲۵ رایوں سے سفارتی مشن کی تجاویز منظور کر لیں۔ مشن کے پاکستان کے متعلق خیالات کے اظہار کو غیر دانشمندانہ قرار دیتے ہوئے محض امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے ان کی تلخی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مشن نے ان غیر ہموار خیالات کے باوجود جو ایک سرکاری دستاویز میں شامل کئے جانے کے قابل نہ تھے پاکستان کی بنیاد کو عملاً اپنی تجاویز میں تسلیم کر لیا اور اس کا ثبوت مسلمان صوبجات کا دو گروہوں میں اور ہندوؤں کا ایک گروہ میں جمع کر دیا جانا ہے۔ لیگ آئین ساز مجلس کی کارگذاری کا تجربہ کرے گی اور واقعات کی رفتار میں اسے اپنا رویہ تبدیل کرنیکا اختیار رہے گا۔ مسلم لیگ کا نصب العین بدستور حصول پاکستان ہے اور وہ موجودہ تجاویز کو اس سلسلہ میں پہلی منزل تصور کرتی ہے۔ اس عرصہ میں وہ زیادہ استحکام حاصل کر کے اپنا قدم آگے ہی بڑھاتی رہیگی تاکہ حقیقی پاکستان بننے سے مسلمان اپنے حقوق حاصل کر سکیں اور ہندوؤں کی دستبرد سے محفوظ و مامون رہ سکیں۔ وائسرے نے درمیانی حکومت کے ہندو مسلم وغیرہ ممبران نامزد کر دیئے ہیں۔ ان میں پانچ مسلم لیگی پانچ کانگریسی ایک عیسائی ایک پارسی ایک اچھوت اور ایک سکھ ہیں۔

تاروں کا جھرمٹ

مفتی اعظم پیرس سے جہاں وہ نظربند تھے ایک امریکی ہوائی جہاز میں بھیس بدل کر اڑے اور قاہرہ میں آ کر شاہ مصر کی پناہ میں آ گئے۔ مصر کسی حالت میں انہیں انگریزوں کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

عنقریب جونی اور اٹھنی بالکل نکل کی جاری کی جائیں گی۔ ان کے کنارے بیچ میں سے چرے ہوئے نہ ہونگے۔ سفید رنگ کی ہونگی ایک طرف بادشاہ کی مورت اور نام اور دوسری طرف شیر کی تصویر لفظ ہندوستان سال اجرا اور انگریزی اردو اور ناگری میں سکہ کا نام ہوگا۔ دونوں طرف حاشیوں کی بیلیں اڑا دی گئیں ہیں۔ نکل کے جعلی سکے بنائے جانے مشکل ہیں اور علاوہ ازیں جو چاندی ایسے سکے جاری کرنے سے بچیگی اس سے امریکہ کا چاندی کا قرض ادا کیا جائیگا۔

مس ہوڈ واکٹن کا ۸۱ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ وہ پہلی مرتبہ ومبل ڈن میں ٹینس چیمپین (سب سے اعلیٰ کھلاڑی) قرار پائی۔ ۱۸۸۴ء کا ذکر ہے جب یورپ کی عورتیں لمبے سائے ٹخنوں کی لوپیاں اور سخ تمابلے استعمال کرتی تھیں۔ ۱۸۸۵ء میں بھی وہ اس اعزاز کو قائم رکھ سکی۔

فرانس کی فوجوں نے سیام پر حملہ کر دیا اور وہ ملک کے کافی اندر گھس گئیں۔ سیام نے یو این او سے اپیل کی ہے۔

ایران میں برابر خلفشار جاری ہے۔ [illegible] بنایا جاتا ہے۔ آذربائیجان اور کردستان [illegible] کی جھوٹی سیاسی ہوئے تھا۔

Established 1908 August 1946 Regd. No. L. 187
عصمت
شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے
پاکیزہ خیالات علمی، ادبی مضامین اور
مفید معلومات کا ذخیرہ

رسالہ عصمت دہلی

تالیسواں ۳۹ سال	اگست سنہ ۱۹۴۶ء	جلد ۷۷ نمبر ۲

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ (صہ) بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ (صہ/۴)
ممالک غیر سے دس شلنگ — امرا سے دس روپیہ (عہ)
رؤسا سے پچیس روپیہ (۲۵) والیان ریاست سے سو روپیہ

(باہتمام ... پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلان دریا گنج دہلی سے شائع ہوا)

رمضانُ المبُارک

رمضان سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزے فرض کئے ہیں۔ سورہ بقرع ۲۳ پ ۲ میں وارد ہے: "رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے واضح ہدایتوں اور احکام کے ساتھ قرآن نازل کیا گیا۔ تو جس کی زندگی میں یہ مہینہ آئے اس کو چاہئے کہ روزے رکھے

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدیً للناس و بینٰت من الھدیٰ والفرقان، فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ اس آیت میں فلیصمہ میں صاف حکم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے جائیں۔

روزوں کا مقصد

قرآن مجید سورہ بقرہ ع ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ارشاد ہے:-

"ایمان والو! روزے تم پر فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار (متقی) ہو جاؤ۔"

یایھا الذین اٰمنو کُتب علیکم الصیام کما کُتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کی مختصر تشریح کر دی جائے۔ تقویٰ اس قوت کو کہتے ہیں جو نفس کو مغلوب کر کے حدود سے بڑھنے نہیں دیتی اور انسان کو بھلائی اور برائی کی تمیز سے آگاہ کر کے بھلائی کے اختیار کرنے اور برائی سے بچنے پر آمادہ کرتی ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک تندرست آدمی کسی سانپ کو دیکھ لے تو فوراً اس سے بچنے یا مارنے کی تدبیر کرنے لگتا ہے لیکن ایک ایسا مریض جس میں نہ ہلنے جلنے کی طاقت ہو نہ آواز ہی نکل سکتی ہو۔ دیکھ رہا ہے کہ سانپ اس کی طرف آ رہا ہے اور وہ نہ بھاگ سکتا ہے نہ مار سکتا ہے اور نہ مدد کے لئے بلا سکتا ہے کیونکہ اس کی قوتیں ختم ہو چکیں اور وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ نفس کا حدود سے تجاوز سانپ ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں اور تقویٰ وہ قوت ہے جو نفس کو اس کی حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔

میں جب حدیث شریف پڑھا کرتا تھا تو میرے استاد نے وصیت فرمائی تھی کہ جب تک متقی نہ ہو جانا قرآن شریف کو نہ پڑھنا اور اگر پڑھنا تو متقی سے پڑھنا۔ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور اپنے جذبات و خواہشات کو احکام و ہدایات قرآنی کے تابع کرنے کے بجائے ان احکام و ہدایات کو تاویلیں کر کے اور توڑ مروڑ کے اپنی طبیعت کے موافق کر کے گمراہی کے ایسے گڑھے میں گرو گے جس سے نکلنا محال ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت متقی بننے کی تدبیر تو بتا دیجئے۔ فرمایا کہ نفس کی مخالفت یہاں تک کہ حلال حلال ہو جائے اور حرام حرام، یعنی نفس ان کو تسلیم کر لے اور جب یہ ہو جائے تو پھر حلال و حرام کا بھی ترک ہو ہیں نے کہا کہ پھر زندگی کا خاتمہ نہ کھاؤ نہ پیو۔ فرمانے لگے ہم تو سمجھتے تھے یورپین تعلیم یافتہ سمجھدار ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ ان کی سمجھداری مادیات ہی تک ہے سنو رمضان میں روزے رکھتے ہو صبح سحری کے بعد سے غروب آفتاب تک کھانا پینا وغیرہ حرام کر لیتے ہو یا نہیں۔ اچھے سے اچھا کھانا بہتر قسم کے شربت برف آب آنکھوں کے سامنے دسترس میں موجود ہیں بھوک بھی لگ رہی ہے اور پیاس کے مارے حلق تک خشک ہے مگر ایک چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے۔ کیوں؟ کس کا انتظار ہے؟ تم کہو گے سورج غروب ہونے کا اور میں کہوں گا اللہ تعالیٰ کے حکم کا۔ یہاں تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اپنے نفس کو پوری طرح کر دیا اور یہ مشق پورے ایک ماہ تک مقصد کو سامنے رکھ کر جاری رکھی۔ کہو نفس مغلوب ہوا یا نہیں۔ تمہارے جذبات خواہشات بلکہ ضروریات تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوئے یا نہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو کھاؤ جو پیو جو کرو یہ سمجھ کر ہو کہ اللہ کی اجازت اور اس کے حکم سے ہے۔ اپنے نفس کی خواہش سے نہیں۔ اب سمجھو کہ رمضان ختم ہو کر جو تم عید کی خوشی مناتے ہو تو یہ خوشی کس بات کی ہے۔ اللہ فرماتا ہے "جب تم روزے پورے کر لو (۲۹ یا ۳۰) تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو ہدایت فرمائی"۔ سمجھے یہ خوشی اسی ہدایت کی ہے کہ نفس سرکش کو مغلوب کرنے کی ترکیب تم کو بتا دی ہے۔ اب انشاء اللہ ...

…اس پر عامل رہو کہ ہر کام شریعت اسلام کے تحت میں ہو کہ تمہاری
…ات پاکیزہ بن کر تم کو اعلیٰ بنادے۔ میں نے اپنے استاد کی
…تیت مختصراً اس وجہ سے لکھ دی کہ اس سے روزوں کا مقصد
…ہا واضح ہو جائے گا۔

…ضان میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

ایک مرتبہ رمضان کی چاند رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم …صحابہ کرام رضؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ (ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں)
" لوگو! تمہارے اوپر ایک بڑے عظمت والے مبارک مہینے نے
…ایہ کیا ہے۔ اس ماہ میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینے سے بھی بہتر
…ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے دن میں روزہ رکھنا فرض فرمایا ہے اور رات
…کی عبادت کو نفل کیا ہے۔ اس میں اگر کوئی شخص ایک کارِ خیر کرے گا تو
…س کو فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو ایک فرض ادا کرے گا اس کو اس
…کے علاوہ اور ستر فرضوں کا ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا
…ثواب جنت ہے۔ یہ مہینہ بھلائیاں اور ہمدردیاں کرنے کا ہے اس ماہ
…میں ایمان والے کا رزق بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں روزہ دار
…کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور آگ سے
…آزادی ملتی ہے اور اس کو روزہ دار کے برابر (جس کو افطار کرایا ہے)
…ثواب ملتا ہے اور اس کے روزے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی بعض
…لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا ہمارا روزہ افطار کرائے تو ہمارے روزہ
…کا ثواب اس کو مل جائے گا۔ یہ غلط ہے۔ اس کا ثواب اس کو مبارک اِس
…اس کے ثواب کے برابر ثواب روزہ کھلوانے والے کو ملے گا) صحابہ رضؓ نے
…کہا یارسول اللہ ہمارے سب کے پاس اتنا نہیں ہے کہ ہم روزے دار
…کا روزہ افطار کرا سکیں۔ (افطار کا مطلب ہے پیٹ بھر کھانا یا کھلانا
…حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اسکو بھی دے گا
…جو روزے دار کا روزہ ایک گھونٹ دودھ سے یا ایک کھجور سے یا پانی
…سے افطار کرا دیگا۔ اور جس نے روزے دار کا پیٹ بھر دیا اللہ تعالےٰ
…اس کو میرے حوض (کوثر) سے ایسا گھونٹ پلائیگا کہ جب تک
…وہ جنت میں داخل نہ ہو پیاس نہ لگیگی۔ اور یہ ایک مہینہ ہے۔
…جس کا اول (ابتدائی دس دن) رحمت اور درمیان اور دوسرے دس دن…

مغفرت ہے۔ اور آخر دہا دوزخ سے نجات و خلاصی ہے اور جس
نے اس ماہ میں اپنے غلام پر کام ہلکا کر دیا۔ اللہ اس کی بخشش فرمائیگا
اور آگ سے اس کو نجات دے گا۔ (مشکوٰۃ)

بخاری شریف میں ہے کہ " فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ جو شخص نہ ترک کرے جھوٹ۔ مکر کو اور منکرات پر عمل کرنے کو
اور جہالت کو تو اللہ تعالیٰ کو حاجت نہیں کہ وہ کھانا اور پینا چھوڑے
(روزہ رکھے) " جھوٹ۔ فریب۔ دھوکا۔ لغویات اور دیگر منکرات
سے اجتناب نہ کرنا۔ اور لڑنا۔ جھگڑنا۔ اور اگر یہ ترک نہ کئے جائیں
تو خالی کھانا پینا چھوڑنے سے نفس مغلوب نہیں ہو سکتا اور ساطات
کا مادہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اس قسم کی باتیں کرے جس میں شر ہو
اور جھگڑے کا احتمال ہو تو ان کا جواب نہ دینا بہتر ہے۔ ایسے مقام
سے ہٹ جانا مناسب ہے۔ اور اگر موقع ان باتوں کی اجازت نہ دے
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ الفاظ کہہ دو کہ " میں روزہ دار ہوں"
ایک مہینہ تک روزانہ عملی طور پر بھلائی کرنا۔ برائیوں سے بچنا اور
اللہ کے حکم سے حلال چیزوں کو ترک کرنا اور اسی کے حکم سے ان کو استعمال
کرنا حصول تقویٰ کی عملی تعلیم کا نصاب ہے جو اس میعاد کے اندر متقی
بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ بشرطیکہ مقصد سامنے رہے۔

روزہ رکھنے کا وقت

اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ ع ۲۳ پ ۲ میں فرمایا کہ:۔ ترجمہ
" اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (افق پر) سفید دھاری اور کالی دھاری
کی تمیز ہو " صبح کی روشنی کی ابتدائی علامت ایک سفید ہلکی سی لکیر کا نمو
ہوتا ہے۔ جو رات کی سیاہی سے مل کر ایک سیاہ لکیر بھی نمودار کر دیتی
ہے مطلب یہ ہے کہ رات بالکل غائب نہ ہونے پائے اور دن کا
ابتدائی نمو ہو تو کھانا پینا وغیرہ بند کر دو۔

ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے " اگر تم میں
کوئی (صبح کی) اذان کی آواز سنے اور اس کے ہاتھ میں پانی پینے کے
ارادے سے کٹورا (گلاس) ہو تو وہ اس کو پی لے " حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے عہد مبارک میں اذان اول وقت ہوتی تھی یعنی سفید دھاری اور
کالی دھاری کی تمیز کے وقت جو نمودش کا وقت ہے۔ لہٰذا اس وقت

اگر پیاس ہو تو اذان ختم ہونے سے پہلے اس کو بجھا لینا جائز ہے نہ کہ سحری کھانے بیٹھنا۔ سحری پو پھٹنے سے پہلے کھا لینی چاہئے نہ کہ آدھی رات کو بلکہ پو پھٹنے سے آدھا یا پاؤ گھنٹہ پہلے کہ اطمینان سے فارغ ہو سکیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے اتنے پہلے سحری تناول فرماتے کہ پچاس آیتیں پڑھی جا سکتیں۔

روزے کا افطار کا وقت

سورہ البقرہ ع ۲۳ پ ۲ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔ ترجمہ

"پھر روزہ پورا کرو رات تک" یعنی رات کی ابتداء ہوتے ہی روزہ افطار کرو بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جبکہ رات کی ابتداء یہاں (مشرق) سے ہو اور دن کا آخر یہاں (مغرب) نمایاں ہو اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار افطار کرے" یہ حدیث "الی اللیل (رات تک)" کی تفسیر اور تشریح ہے یعنی مشرق میں جب سیاہی کی ابتداء ہو اور مغرب میں دن کا اختتام یعنی سفیدی نظر آئے اور سورج بھی ڈوب جائے (ابر کی وجہ سے سفیدی نہ ہو) تو یہ وقت رات کی ابتداء اور افطار کا ہے اب دیر بالکل نہ کرنی چاہئے کہ فرمایا حضور صلعم نے:۔

(۱) اللہ کا ارشاد ہے کہ میرے بندوں میں سے جو افطار میں جلدی کرتے (عین وقت پر افطار کرتے) ہیں۔ وہ مجھ کو زیادہ محبوب ہیں" (ترمذی)

(۲) جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے خیر سے رہیں گے۔

(نوٹ) تعمیل حکم میں جلدی کرنی ہی خیر و برکت کا باعث اور ایمان کی نشانی ہے۔

روزے کی نیت

صبح صادق سے پہلے روزے کی نیت ضروری ہے ورنہ روزہ نہ ہوگا (رواہ احمد ابوداؤد ترمذی نسائی)

افطار کے وقت۔ ایک تو عام ہے کہ اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت (ابوداؤد مرسلاً) حدیث سے یہی الفاظ ثابت ہیں مگر لوگوں نے اور الفاظ اس میں شامل کر دیئے ہیں جن کی حیثیت ایجاد بندہ سے زیادہ نہیں۔ اس کے علاوہ ابوداؤد ہی میں مرفوع حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تو "ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ" فرمایا کرتے یعنی پیاس گئی اور رگوں (جسم) میں تر و تازگی آگئی اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ملے گا۔

اب ہم آپ کے سامنے نمبر وار وہ امور پیش کرتے ہیں جن سے روزے میں کوئی نقص نہیں آتا۔ یا جن سے قضا لازم نہیں یا جن سے روزہ ناقص ہو جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے یا جن سے قضا لازم آتی ہے۔

(۱) جن سے روزے میں کوئی نقص نہیں آتا۔

(الف) ترمذی اور ابوداؤد نے عامر بن ربیعہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے میں اس قدر مسواک کرتے دیکھا کہ میں شمار نہیں کر سکتا" معلوم ہوا مسواک سے نقص وارد نہیں ہوتا۔

(ب) حضرت عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام میں اور روزے کی حالت میں پچھنے سینگی (پچھنے) لگوائی" روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے (نوٹ) پہلے حکم تھا کہ سینگی لگوانے والا لگانے والا دونوں افطار کریں مگر حدیث مذکور سے یہ منسوخ ہوا اور عمل اسی پر رہا۔ دارقطنی نے قوی کہا اس کو کہ حضرت انس رضؓ روزے سینگی لگواتے تھے۔

(ج) حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میں روزہ دار ہوں۔ کیا میں سرمہ لگا لوں۔ ارشاد ہوا "ہاں" (ترمذی بالاسناد ضعیف)

(ج) حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں رمضان میں سرمہ لگاتے تھے (ابن ماجہ وضعفہ)

(نوٹ) امام ابوحنیفہ رحؒ اور امام شافعی رحؒ کے نزدیک سرمہ جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ ناجائز بتلاتے ہیں اور حق یہ ہے کہ سرمہ کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں اور حدیث سے ثابت اگرچہ احادیث ضعیف ہی سہی)۔

(د) "جس کو خود بخود روزے میں قے ہو جائے (تھوڑی یا زیادہ) اس پر قضا نہیں روزہ بحال ہے" (احمد ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ)

(ہ) بعض صحابہ رضؓ نے کہا کہ ہم نے عرج میں دیکھا کہ روزے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی یا پیاس کی وجہ سے اپنے سر پر پانی ڈالتے تھے (رواہ مالک و ابوداؤد) (عرج مکہ کے ایک گاؤں کا نام ہے)

(و) "فرمایا جس نے بھول کر روزے کی حالت میں کچھ کھا لیا

وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اس کو تو اللہ نے کھلایا اور پلایا (بخاری و مسلم)

ان امور سے نہ روزے میں نقص واقع ہوتا ہے اور نہ قضا لازم ہے۔

(روزے کی قضا یہ کہ بعد کو بدلے کا روزہ رکھا جائے)۔

(۲) وہ امور جن سے روزہ ناقص ہو جاتا ہے اور قضا لازم ہے۔

(الف) احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں فرمانِ رسالت ہے کہ "جو خود قے کرے اس پر قضا لازم ہے"۔

(ب) مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ دو شخصوں نے جو روزے دار تھے ظہر یا عصر کی نماز ادا کی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم دونوں دوبارہ وضو کرو اور نماز دہراؤ اور اپنے روزے کو بعد میں قضا رکھو۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول کس وجہ سے؟ فرمایا کہ تم نے فلاں شخص کی غیبت کی تھی"۔ معلوم ہوا کہ روزے میں غیبت کرنے سے قضا لازم آتی ہے اور وہ روزہ بھی پورا کرنا پڑتا ہے۔

(۳) وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ عائد ہوتا ہے۔

(الف) جان بوجھ کر بحالت روزہ کھا لینا یا پی لینا۔ ساٹھ دن کے متواتر ے یا ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا اس کا کفارہ ہے۔

اب ان امور کا ذکر کر دینا مناسب ہے جن کی وجہ سے روزہ کی ت ہے مگر قضا لازم ہے۔

۔ مسافر اور بیمار کو اجازت ہے کہ روزے نہ رکھے مگر بعد کو قضا رکھے البقرہ ع ۲۳ پ ۲)

۔ بہت بڈھا ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو روزہ نہ رکھے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دے (دار قطنی)

۔ ترمذی میں ہے کہ فرمانِ رسالت ہے کہ "حاملہ اور دودھ پلانے کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر قضا لازم ہے"۔ یعنی ان سے فارغ ہو جائے پھر ان کی قضا ادا کرے۔

م۔ وہ حالت جو مہینہ میں عورتوں پر وارد ہوتی ہے اس میں روزہ کی ممانعت ہے مگر بعد کو ان دنوں کا روزہ رکھنا لازم ہے۔ (مسلم)

بعض اور مسائل

سفر میں روزہ رکھنا۔ بخاری اور مسلم میں حضرت جابر رض سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ آپ نے ایک بھیڑ میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا ہوا تھا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے۔ عرض کیا ایک روزہ دار ہے۔ ارشاد ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے"۔ رکھے تو گناہ بھی نہیں۔ (مسلم)

(نوٹ۔ اس شخص کی حالت روزے اور گرمی اور سفر کی صعوبت کی وجہ سے نڈھال ہو گئی تھی)۔

ایک مرتبہ سفر میں بوجہ گرمی کے صحابہ رض کی حالت بہت نڈھال ہو گئی اور وہ روزے سے تھے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا بھرا کٹورا منگوایا اور اس کو اونچا اٹھا کر پی لیا کہ صحابہ دیکھ سکیں اور حضرت جابر رض نے کہا کہ یہ عصر کے بعد کا وقت تھا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں اگر کسی کی حالت غیر ہو جائے تو اس کا روزہ افطار کرنا جائز ہے اور ایسی صورت میں صرف قضا رکھنا ہوگا۔ کفارہ نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے رمضان کے ہوں تو اس کا ولی (وارث) اس کی طرف سے رکھ کر ادا کر دے" (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ "جو شخص مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے ہوں تو ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے" (ترمذی) اور کہا ترمذی نے کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن عمر رض پر موقوف ہے۔

قیام اللیل۔ نماز تراویح

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ رمضان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ ادا نہیں کرتے تھے۔ دو دو کر کے آٹھ رکعتیں اور تین وتر۔ یہ آٹھ رکعتیں لمبی ہوتی تھیں (بخاری)

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رض نے (اپنے زمانہ خلافت میں) ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں۔

خلفاء راشدین کے بعد بعض صحابیوں رض اور تابعین نے تیرہ رکعت سے زیادہ بھی پڑھی ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دکھائی نہ دے اور شک ہو کہ خبر نہیں چاند ہوا یا نہیں تو روزہ نہ رکھنا چاہئے۔ (ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔ اور اگر ابر ہو اور چاند دکھائی نہ دے۔ تو پورے تیس دن گن کے روزے رکھو یا عید کرو (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قافلہ کی شام کی شہادت قبول نہیں فرمائی۔ اور ان کو حکم دیا کہ تم کل روزہ نہ رکھنا اور رسول ہمارے ساتھ عید کرنا۔ ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم نے رمضان کا چاند شام میں دیکھا تھا اس حساب سے ہمارے آج پورے تیس روزے ہو گئے اور اہل مدینہ کے آج ۲۹ روزے ہوئے تو ہم اب کریں" یعنی ہماری شہادت پر آپ بھی کل عید کریں۔ یا پھر ہم کو جو حکم ہو)۔

رمضان کے لئے ایک مسلم کی شہادت کہ اس نے چاند دیکھا کافی ہے اور عید کے لئے دو شہادتوں کی ضرورت ہے (ابو داؤد)

زیادہ فاصلہ کی شہادت حدیث کی رو سے مقبول نہیں ہے جیسا کہ شامی قافلہ کے واقعہ سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس رضؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ ہر شہر والوں کے لئے وہیں کا چاند دیکھنا معتبر ہے (ابو داؤد)

ہمارے نزدیک حضرت ابن عباس رضؓ کا فیصلہ صحیح اور حسب حدیث کے ہے۔ اور اس میں گڑبڑ اور فساد کا اندیشہ بھی نہیں رہتا۔ ہاں ایسے مقامات کی شہادتیں جہاں سے آدمی پیدل سوار گھوڑے پر آسکے اور وقت سے پہلے سب کو اطلاع دی جاسکے۔ کہ کل روزہ رکھو یا عید کرو۔ صحیح ہوں گی کہ ان میں اندیشہ بدل مطلع کا نہیں ہو سکتا کہ شہر اور اس کے مضافات کا مطلع ایک ہی ہوتا ہے۔

لیلۃ القدر

قدر کی رات اور بعرف عام شب قدر کے متعلق بعض کا خیال ہے رشعبان المعظم کی ۱۴ تاریخ ختم ہونے کے بعد جو رات آتی ہے۔ وہ شب قدر ہے۔ ہم کو اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے سامنے قرآن شریف اور احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اللہ تعالیٰ تیسویں پارے میں فرماتا ہے کہ" انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں نازل کیا اور سورہ بقر کے رکوع ۲۳ پ ۲ میں ارشاد ہے کہ" شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن - الآیۃ " رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان المبارک میں ہی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد صاحب قبلہ مرحوم نے اس آخری آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ روزوں کا مہینہ رمضان کا ہے جس کے (روزوں کے) بارے میں خدا کی طرف سے قرآن (میں حکم) نازل ہوا ہے۔" اس ترجمہ کے ماخذ کے متعلق حضرت قبلہ نے تفسیر کبیر کا حوالہ دے کر اس کو پسند فرمایا ہے اور یہ بھی رقم فرما دیا ہے کہ اکثر مفسرین نے .. یہ معنی کئے ہیں کہ ماہ رمضان میں قرآن کا اترنا شروع ہوا۔" مجھ کو تفاسیر کی بنا پر نہیں بلکہ پوری اصل آیت کی بنا پر اس ترجمہ پر اتفاق نہیں جزو مرقومہ بالا سے آگے سلسلہ آیت یوں ہے ھدی للناس (لوگوں کی ہدایت) وبینات من الھدی والفرقان (اور واضح ہدایت اور صاف کھلے حکم ہیں) اب کل آیت کا ترجمہ لفظی یہ ہوا کہ۔ " رمضان کا مہینہ وہ کہ اتارا گیا اس میں قرآن ہدایت واسطے لوگوں کے اور واضح ہدایات و صاف کھلے حکم"

الفاظ زیر سطر قرآن کی حقیقت، تشریح اور مقصد بیان کر رہے ہیں اگر ڈپٹی صاحب قبلہ کا ترجمہ صحیح مانا جائے تو یہ الفاظ بے ضرورت اور عبارت (نعوذ باللہ) بلاغت سے گر جاتی ہے ہونا چاہئے تھا کہ "اور اس میں ہے ہدایت واسطے لوگوں کے .. - الخ" مگر آیت کے اول جزو مرقومہ صدر میں قرآن سے مراد کتاب اللہ ہی ہے نہ کہ اس کے خاص موقع (روزے) کے احکام۔ یہ مختصر عرض کر دیا تاکہ غلطی نہ لگے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں (۲۱-و ۲۳ و ۲۵ و ۲۷ و ۲۹) میں شب قدر کو تلاش کرو (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور ہر اس شخص کے لئے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کی یاد میں مصروف ہوتا ہے دعا کیا کرتے ہیں۔ الحدیث (بیہقی)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انزلناہ پ ۳۰ میں فرمایا "شب قدر ہزار مہینے سے بہتر اور افضل ہے۔ اس رات کو فرشتے اور روح (حضرت جبرئیلؑ) آتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے اور یہ کیفیت (شب قدر) صبح کے پوپھٹنے تک رہتی ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس رات کی نعمت حاصل ہو تو) اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی" کہو (ابن ماجہ) اے اللہ تو تو خطا بخش ہے اور معاف کرنا تجھکو پسند ہے میری قصوروں سے درگزر فرما۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آخری دہا شروع ہوتا تو (ان طاق راتوں کو) رسول اللہ صلعم رات کو جاگتے اور اپنے اہل یعنی بیویوں کو بھی (عبادت کے لئے) جگاتے (بخاری و مسلم)۔

ہمارا خیال و تجربہ ۔مسلمان مقصد کو مدنظر رکھ کر جب بیس روزے رکھ لیتے ہیں اور نماز تراویح تہجد کے وقت ادا کرتے ہیں کہ وقت تنہائی اور سناٹے کا ہوتا ہے تو علاوہ تقوی کے ان کے دل و دماغ پر اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کا بڑی حد تک تسلط ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ لیلۃ القدر کا دہا شروع ہوتا ہے۔ اس کی طاق راتوں میں شب قدر کی امید دلائی گئی ہے ان راتوں میں وہی جاگ سکتا ہے جس کو تجلیات ربانی کی لو لگی ہوئی ہو۔ ایک جذبہ ہو۔ ایک شوق ہو ایک ولولہ محبت ہو جس رات کو یہ جذبہ حد کمال کو پہنچ جائے وہی شب قدر ہے ایک پردہ سا اٹھ جاتا ہے۔ تجلیات کا ظہور اور دل میں ایک روشنی سی ہوتی ہے اور عبد و معبود کا صحیح تعلق ہوتا ہے۔ یہ شب قدر ہے اور اس ایک رات پر کیوں نہ ہزار مہینے قربان ہوں۔ جب تک عالم محو نہ ہو اجتماع خیال ناممکن اور جب تک تصور میں استغراق نہ ہو حجاب اٹھ نہیں سکتا۔ ہمارے یہاں دہلی میں ان راتوں کو (غالباً چوتھائی صدی سے یہ رسم جاری ہے کہ) اکثر مسجدوں اور بعض گھروں میں رات بھر یعنی سحری کے وقت تک سلسلہ وعظ ہوتا ہے اور اس طرح رات بھر جاگنے کا حیلہ نکال لیا ہے۔ میں نے متعدد دوستوں سے دریافت کرنے پر یہی سمجھا کہ شب قدر کی لذت و برکت سے محرومی ہی رہی اور رہے گی۔ یہ تو جاگنے والوں کے لئے تجربہ کی صورت ہے کہ بیس دن کے متواتر روزوں میں کیا ترقی حاصل کی نفس پر کتنا غلبہ حاصل کیا تھا۔ اگر ہم میں سے کسی نے کسی رات کو دیکھا اور کسی نے کسی رات کو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سب نے ایک ہی رات کو دیکھا ہو کہ جس سے وہ رات مخصوص اور نامزد ہو سکے۔

شش عید کے روزے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عید کے بعد ۶ روزے رکھے (تو سب ملاکر سال بھر کے روزے کے برابر ہوئے) اس کو سال بھر کے روزوں کے برابر ثواب ملے گا (مسلم)

بعض علماء کہتے ہیں کہ شوال کے سارے مہینے میں جب جب چاہے پورے چھ کرے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ "۔۔۔ من صام رمضان ثم اتبعہ ستا من شوال ۔۔۔" لفظ اتباع ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیروی کرنے کے معنی میں نہیں آتا۔ پیروی تو قدم بہ قدم ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عید کے دوسرے ہی دن سے لگاتار چھ روزے رکھنے چاہئیں۔ ان سے دو فائدے متصور ہیں:۔

(۱) عید کے دن جو کھانے پینے میں بے اعتدالی ہو اس کا مداوا بغیر علاج کے ہو جاتا ہے۔

(۲) عید کے دن جو شارع علیہ السلام نے کھانے پینے اور کھیل کود کی اجازت دی ہے۔ اس سے یہ احتمال ہے کہ کہیں کمزور طبائع نفس کو مغلوب کرنے کی ایک ماہ تک متواتر کوشش کرکے نتیجے سے محروم نہ ہو جائیں اور نفس غالب ہونا شروع کر دے۔ یہ چھ روزے پھر نفس کو حدود کے اندر مقید کر دیں گے۔ عید بھی ہو جائے گی اور مقصد بھی فوت نہ ہوگا۔ جو لوگ سرکشی نفس کی برائی سمجھتے اور نفس کو حدود شرعی کے اندر مغلوب رکھنا چاہتے ہیں ان کو یہ روزے فرض ہی سمجھ کر رکھنے چاہئیں۔

ہمارے یہاں ایک بڑی بی ملازم تھیں (ہمارا بچپن کا زمانہ تھا) وہ کہا کرتی تھیں کہ عید کے دن جس کو کھٹی ڈکار آگئی اس کے سب روزے گئے ہم اس وقت ہنسا کرتے تھے اور اب جب کبھی بڑی بی کا یہ قول اور اس بیان کا عقیدہ یاد آجاتا ہے تو اس کی صحت سے انکار کرنے کو دل نہیں ہوتا۔ اس طرح تو وہی شخص کھائے گا جس نے روزے تو رکھے مگر نفس کا غلام ہی رہا۔ عید کے دن کھاؤ پیو۔ مگر چٹا پچیا اندھا دھند نہیں کہ صحت خراب ہو کر جان کے لالے پڑ جائیں اور یہ سمجھ لو کہ مسہل سے فارغ ہوتے ہو اور مسہل بھی جسمانی اور روحانی۔ یاد رکھو مسہل کے بعد تبرید کی ضرورت ہوتی ہے اور شوال کے یہ چھ روزے تبرید ہے (آجکل کے لوگ تبرید کو شاید سمجھیں مسہل کی گرمی کو حد اعتدال پر لانے کو تبرید کہتے ہیں۔ عید کا جو ایک دم سے گرمی بڑھ جاتی ہے اس کو اعتدال پر لانا ضروری ہے

محمد عبد الغفار التجری

خیرات کا مشرقی و مغربی طریقہ

ہندوستان میں اب تک خیرات کا یہ طریقہ رائج ہے کہ
[illegible]کی جتنی استطاعت ہو اس کے مطابق اپنے اقربا، ہمسایہ
[illegible]شناسا اشخاص کی مدد کرے۔ مدد کا کوئی خاص اصول
[illegible]خیرات کا کوئی خاص نظام نہیں ہوتا تھا۔ پر اس طریقہ
کے تحت بیواؤں کی دستگیری، یتیم بچوں کی تعلیم و
[illegible]دریس، طالب علموں کی اعانت۔ شادی بیاہ یا بیماری
[illegible]صیبت کے وقت مالی امداد سبھی آجاتا تھا۔

پرانے فیشن کے سربرآوردہ گھروں میں آپ کو ہمیشہ
ایک بیوہ رشتہ دار عورتیں، چار پانچ یتیم، یا کم استطاعت
[illegible]لدین کے بچے ساتھ رہتے ہوئے ملیں گے۔ غریب رشتہ داروں
[illegible]کے یہاں شادی بیاہ کے وقت مالی مدد کرنے کا دستور بھی ان
[illegible]پایا جائے گا۔ عید بقرعید، چھٹی، کھیر کھلائی کے موقعوں پر
[illegible]نے کی صورت میں بھی اعانت کرنے کا دستور تھا۔ یوں بھی
[illegible] موقعہ پر موسم کے پارچہ جات، موسم کے میوے طویل
[illegible]ازاری، غرض بیسیوں چھوٹے موٹے طریقے سے مدد کی
[illegible]تی تھی۔

کون کس قدر زیادہ یا کم اقربا پروری کرتا تھا یہ اپنی
طبیعتوں پر منحصر تھا۔ اسی طرح بعض گھروں میں ساتھ
[illegible]ہنے والے غریب رشتہ داروں سے بالکل برابری کا سلوک
[illegible]تا تھا، اور بعض جگہ ان سے کسی قدر حقارت کا برتاؤ کیا
[illegible]تا تھا۔ لیکن کم و بیش ہر ایک کا فرض تھا کہ وہ اپنے سے
[illegible]یب عزیزوں کی اعانت کرے اور ایسا نہ کرنے والا
[illegible]عون ہوتا۔

اس طریقہ کے برخلاف مغرب کا طریقہ یہ ہے (اور
[illegible]ہاں بھی یہ طریقہ نیا ہے صرف انیسویں صدی کے
[illegible]سے اس کا رواج ہوا ہے) کہ ہر قسم کے حاجت مندوں
کے لئے انسٹیٹیوشن یعنی انتظامی مکانات بنے ہوئے ہیں مثلاً
ضعیف و بے یار و مددگار عورتوں کے لئے گھر بنے ہوئے ہیں
جنہیں ورک ہاؤس کہتے ہیں۔ یتیم بچوں کے لئے متعدد یتیم
خانے ہوتے ہیں۔ خیراتی ہسپتال۔ خیراتی سناٹوریم کم حیثیت
لوگوں کے بچوں کے لئے پہاڑ اور سمندر کے کنارے تفریح
گاہیں ہوا کرتی ہیں۔ غرض ہر قسم کے حاجت مندوں کے لئے
کچھ نہ کچھ انتظام ہوتا ہے۔ ان خیراتی انسٹیٹیوشنوں کی صرف
مالی امداد کرنا لوگوں کا فرض ہوتا ہے۔ اس طرح کے طریقۂ
خیرات میں کچھ شک نہیں کہ بہت سے فائدے ہیں۔

میں اس طریقۂ خیرات کی مخالف نہیں بلکہ میرے خیال
میں ہندوستان میں ایسے انسٹیٹیوشنوں کی بہت [illegible]
لیکن میری رائے میں صرف مالی مدد خیرات کا افضل ترین
طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ سب سے کم ترین طریقہ ہے۔ خیرات
کا مطلب صرف روپیہ دینا نہیں بلکہ وقت، ہمدردی اور
توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ بے شک انسٹیٹیوشنیں قائم
کیجئے اور ان کی جہاں تک ہو سکے مالی مدد کیجئے لیکن صرف
اسی پر اکتفا نہ کیجئے۔ اور چونکہ سال میں ایک دفعہ آپ کسی یتیم خانے
میں چندہ دے دیتی ہیں یا کسی اسکول میں وظیفہ بنا سمجھ لیجئے کہ
آپ نے خدمت خلق کے کل فرائض ادا کر دیئے۔ خاصکر اس حالت
میں جب کہ ہندوستان میں ایسے خیراتی گھر اتنے کم ہیں کہ ان
سے قوم کی چوتھائی ضرورت بھی پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے
چونکہ آپ کسی ایک یتیم خانے میں چندہ دیتی ہیں۔ آپ ہر یک
یتیم کو جو آپ کے پاس کسی قسم کی اعانت کے لئے آئے یہ کہہ کر
واپس کر دینے کا حق نہیں رکھتی ہیں کہ یتیم خانہ جاؤ۔ کیا ہندوستان
میں اتنے یتیم خانے ہیں، جو ہندوستان کے لاکھوں

یتیم بچوں کی کفالت کرسکیں؟

اسی طرح بیوہ اور ضرورت مند عورتوں کی ذاتی اعانت بھی فرض ہے۔ کیونکہ یہاں بھی ان کی مدد کے لئے کافی تو کیا مشکل سے سارے ہندوستان میں ایک آدھ ہی انسٹیٹیوشن ہوگا۔ اسی طرح ان لوگوں کی مدد بھی لازمی ہے جو نوکری نہ ملنے یا تجارت کے نہ چلنے سے پریشان ہیں۔ ولایت میں ایسے لوگوں کے لئے تنخواہیں مقرر ہیں جنہیں Dole کہتے ہیں۔ پر ہندوستان میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔

غرض اس حالت میں جبکہ یورپ جیسے کافی خیراتی گھر ہمارے یہاں نہیں ہیں۔ ہم ذاتی اعانت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ کافی سرکاری انتظام ہونے کی صورت میں بھی ذاتی طریقۂ خیرات زیادہ افضل ہے۔ جس سے کبھی کنارہ کش ہونا نہیں چاہئے۔

بیواؤں کے گھر یا یتیم خانوں میں چندہ دینے کی صورت میں ہم صرف روپیہ دیتے ہیں۔ لیکن اگر کسی یتیم کو ہم نے اپنے زیر سایہ لے لیا تو ہم نہ صرف روپیہ بلکہ ہمدردی اور محبت بھی دے رہے ہوں گے۔ کسی بیوہ کے گھر جاکر اگر ہم نے ان کا دکھ درد سنا اور پھر مدد کی تو یہ صرف چندہ دینے سے کہیں افضل ہے۔ ہمیں روزانہ ہزاروں واقعات ایسے پیش آتے رہتے ہیں۔ دنیا مصیبت کی جگہ ہے۔ اگر ہم اپنی آنکھیں کھول کر دیکھیں اور اپنے عیش و عشرت کے نشے میں مدہوش ہوکر دوسروں کی مصیبت سے غافل نہ ہو جائیں تو ہمارے چاروں طرف شب و روز مصیبت کے مارے اور فلک کے ستائے لوگ مدد و اعانت کے لئے بے قرار ہیں۔

مغرب زدہ لڑکیوں کی دوسری نفرت انگیز عادتوں میں سے ایک انتہائی سنگدلی۔ اور دوسروں کی مصیبت سے بے نیازی ہے۔ وہ ہر ایک حاجت مند کو "تم نوکری کرو" یا "یتیم خانے جاؤ" کہہ کر واپس کر دیتی ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ نوکری ملتی بھی ہے یا نہیں اور یتیم خانہ کہاں ہے جو نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اچانک مصیبتیں آن پڑا جاتی ہیں جن کے لئے کسی طرح کا سرکاری انتظام کسی ملک میں بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً کوئی اچانک امیر سے غریب ہو جائے۔ جیسے زلزلے یا آتشزدگی سے، یا کسی پر کوئی مقدمہ پڑ جائے وغیرہ۔ ایسی حالتوں میں مدد اور صرف ذاتی مدد ہی مصیبت کو دور کر سکتی ہے۔

ایسے موقعوں پر ان مصیبتوں کے ماروں کی نہایت خندہ پیشانی سے مدد کرنی چاہئے۔ کیونکہ خدا کے شکر کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کی مدد کریں۔ جو مصیبت کے مارے ہیں۔ اس کے برخلاف دیکھا یہ جاتا ہے کہ کسی مصیبت زدہ کی اعانت جبراً و قہراً کی جاتی ہے۔ اگر کی بھی گئی تو۔ اس کو ایک عذاب سمجھا جاتا ہے اور اس کا دکھڑا رویا جاتا ہے۔ ساس نندوں اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ مل کر رہنے کا رواج پرانے زمانے میں عام تھا۔ لیکن اب خود پرستی اور مطلق العنانی کی یہ حالت ہے کہ اگر نند دیورانی، بھاوج یا کوئی اور رشتہ دار بیوہ ہوکر ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہو تو اس کو ایک نہایت ہی تکلیف دہ امر خیال کیا جاتا ہے اور اس بے چاری مصیبت زدہ پر ہر طرح سے یہ اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کی موجودگی سخت ناگوار ہے۔

مشرق کا ایثار روز بروز فنا ہو رہا ہے۔ خود پرستی کا جنون سوار ہے۔ تن پروری کی خواہش انتہا کو پہنچی ہوئی ہے دوسرے کی مدد اور اعانت سے کوئی سروکار نہیں رکھا جا رہا ہے اور بہت ہی ہوا تو چند روپیوں کو ہی کافی سمجھ لیا۔ لیکن خیرات کا اصلی جوہر ہمدردی اور سچا درد ہے۔ اس کے بغیر ہم کسی کا دکھ دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بغیر روپے کے ہم ہمدردی کی چند باتوں سے دوسرے کا غم دور کر سکتے ہیں۔ لیکن بغیر ہمدردی کے صرف روپیوں سے ہم دوسرے کے زخم پر اور نمک چھڑکتے ہیں۔ مرہم نہیں لگاتے۔

شائستہ اختر سہروردی

خواتین بہار

صوبہ بہار کے چھوٹے سے ضلعی شہر مظفرپور میں مجھے چھ ماہ تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے اگرچہ پردہ کی شدید پابندی کے باعث مفصل حالات معلوم نہ کر سکی۔ مگر پھر بھی جس قدر معلومات حاصل ہو سکیں عصمتی بہنوں کی واقفیت کے لئے کافی ہوں گی۔

میں غلطی پر نہ ہوں گی اگر یہ کہوں کہ بہار کا یہ صوبہ تعلیم نسواں میں ہندوستان کے سب صوبوں سے پیچھے ہے یہاں کے مسلمانوں میں چونکہ پردہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے تعلیم کی غالباً کمی ہے ہندو خواتین کے لئے تعلیم کی کافی آسانیاں ہیں اور مسلمان خواتین کی تعلیمی حالت بہت زبوں ہے۔ یہاں کی مسلمان عورتیں عام طور پر تعلیم سے بے بہرہ، باہر کی معلومات سے بے خبر اور پرانے رسم و رواج کی سختی سے پابند ہیں یہاں تک کہ دینی امور سے بھی بے پروا ہیں۔ زنانہ سکولوں کا انتظام بہت ناقص ہے عورتیں عام طور پر ضعیف الاعتقاد دیکھی گئیں۔ نہ تو دنیاوی تعلیم کا شوق رکھتی ہیں اور نہ دینی امور سے واقف ہیں۔ عام طور پر لڑکیوں کے لئے پرائمری کی معمولی تعلیم ہی کافی سمجھی جاتی ہے اور کانگرسی حکومت نے قومی تعصب کی بنا پر اردو کے بجائے ہندوستانی یا ہندی زبان مدرسوں میں رائج کر کے لڑکے اور لڑکیوں کو اور بھی تعریت میں ڈال دیا ہے۔ مسلمان بچے سنسکرت کے الفاظ نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کے لئے مفید ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی زبان نے بچوں کے ذہن خراب کر دیئے ہیں۔

شادی بیاہ کا معاملہ بڑا اہم ہے۔ لڑکی کو مہینہ بھر تک ایک تاریک گوشہ میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ جہاں صرف چند لڑکیاں یا نائن ہی جا سکتی ہیں۔ شادی سے پندرہ بیس روز پہلے سے اُبٹنہ ملا جاتا ہے۔ جو مختلف قسم کے خوشبودار مصالحوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ کھانے کے لئے چاول، دودھ اور ایسی ہی ہلکی غذائیں بغیر مصالحہ کی دی جاتی ہیں جس سے عموماً لڑکی اکتا جاتی ہے شادی کے بلاوے کا طریقہ یہ ہے کہ نائن گھر گھر لونگ وغیرہ جا کر دے آتی ہے۔ جسے نوید کہا جاتا ہے۔ لڑکے والوں کی طرف سے جو چیزیں دلہن کے ہاں آتی ہیں۔ اُسے ڈالی کہا جاتا ہے۔ دولہا کی طرف سے دلہن کے لئے اس ڈالی میں زیورات، کپڑے، جوتے، کانچ کی چوڑیوں کے بنڈل، اور تیل و عطر کے لئے چاندی کی پتلیاں آتی ہیں۔ دلہن کی ماں کے لئے بھی ایک جوڑا ہوتا ہے۔ لڑکی کو رخصت کرتے وقت جب آراستہ کرتے ہیں۔ تو میراثنیں ایک دردناک گیت گاتی ہیں۔ جس پر سب کو رونا آتا ہے۔ دلہن کے بالوں میں گوٹا گوندھا جاتا ہے اور صندل وغیرہ لگایا جاتا ہے پھر لڑکے کو بلا کر دلہن کے پاس بٹھایا جاتا ہے اور رات سے لے کر صبح تک کئی مضحکہ خیز رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ لڑکی جھکی بیٹھی رہتی ہے اور عام طور پر لڑکا بھی اکتا جاتا ہے۔ کاش یہ لغو رسوم جلد سے جلد دور ہو جائیں جس میں بچاری لڑکیوں کے لئے سراسر تکلیف و پریشانی ہے۔ نکاح کے بعد لڑکے کو لڑکی والے روک لیتے ہیں اور برات کو رخصت کر دیتے ہیں۔ یہ رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے ورنہ مسلمانوں میں نکاح کے بعد لڑکی کو رخصت کرنا لازمی ہے۔ شادی کے بعد لڑکی والے رشتہ داروں اور دوستوں میں کھانڈ، چھوارے اور لال رنگ کے سوتی دھاگے تقسیم کرتے ہیں جس کا مطلب میں نہ سمجھ سکی۔

ختنہ، عقیقہ اور دیگر تقاریب پر بھی ان گنت رسمیں ہوتی ہیں محرم میں عورتیں گھر گھر مجلس منعقد کرتی ہیں ان مجالس میں اکثر ہندو شریک ہوتے ہیں اس کے بجائے کہ آلِ رسول کے صبر و تحمل قربانی و ایثار کی یاد دلا کر عورتوں میں صبر و استقلال اور ایثار کا جذبہ پیدا کیا جائے سینہ کوبی وغیرہ کی جاتی ہے۔

خانہ داری میں بہار کی عورتیں البتہ ماہر ہیں لیکن صفائی سے بے پرواہ۔ آرام طلب اور باتونی واقع ہوئی ہیں۔ حلوے

مٹھائیاں، کھپر وغیرہ بنانا بہت عمدہ جانتی ہیں۔ سلائی بنائی گوٹہ کناری کا کام ہر لڑکی کو سکھایا جاتا ہے۔ غریب عورتیں رسیاں بناتی اور بانس کی ٹوکریاں اور تار کی چٹائیاں بنا سکتی ہیں مگر جب کھانا میسر ہو تو بیکار رہنا پسند کرتی ہیں۔ عورتوں کے بال عموماً لمبے ہوتے ہیں۔ جس کے لئے ناریل کی چھوٹی سی جھاڑو رکھتے ہیں اس سے بال جھاڑ کر پھر کنگھی کرتی ہیں۔ جسم پر تیل کی مالش کرتی ہیں بدن عام طور پہ چھریرے ہیں۔ رنگت سانولی مگر نقش اچھے ہوتے ہیں۔ ہاتھوں پر مہندی بڑی نفاست سے لگاتی ہیں چوڑیاں سہاگ کی نشانی ہے "چوڑی اُتاری یا ٹوٹ گئی" نہیں کہتیں بلکہ چوڑی ٹھنڈی کر دی کہا جاتا ہے۔

صوبۂ بہار کے مرد عموماً عورتوں کو قید و بند رکھتے ہیں، ایک بیوی پر بہت کم اکتفا کرتے ہیں۔ نوابوں اور رئیسوں میں کئی کئی طوائفوں کے رکھنے کا بھی شوق ہے۔ شریف بیویوں کے لئے گھر کی چار دیواری سے سوائے رات کے دوسرے وقت نکلنا منع ہے۔ شدید ضرورت کے وقت سواری کو خوب ڈھانک کر اس میں خواتین کو لے جایا جاتا ہے۔ برقعہ میں باہر نکلنے کا رواج قطعاً نہیں بلکہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ خواتین بہار کو صرف ایک ہی ہستی پر فخر حاصل ہے اور وہ لیڈی امام ہیں جن سے ملنے کا مجھے بے حد شوق تھا۔ مگر بعض مجبوریوں کی بنا پر نہ مل سکی۔ بہار کی عورتوں کی فلاح و بہبود کی وہ بہت حد تک ذمہ دار ہیں۔

خوراک یہاں کی چاول ہے۔ گیہوں۔ گوشت مچھلی اور ترکاریاں بھی استعمال کرتے ہیں۔ عورتیں اچار اور چٹنیاں بہت عمدہ بناتی ہیں۔ چائے کا استعمال بھی کافی ہے۔ پان کا استعمال بکثرت ہے۔ دعوتوں میں ایک قسم کی روٹی پکائی جاتی ہے۔ جسے نان کہتے ہیں۔ وہ دودھ اور چینی سے بنائی جاتی ہے اور بڑی مزیدار ہوتی ہے۔ دال بھی سب قسم کی استعمال ہوتی ہے۔

لباس ساڑی یا چست چوڑی دار پاجامہ، قمیص، دوپٹہ ہے چھوٹی لڑکیاں پاجامہ اور کرتہ بھی پہنتی ہیں۔ تقریبوں پر لڑکیاں ڈھول بجا کر گاتی ہیں۔

یہاں کے مشہور پھل آم۔ کیلہ، لیچی، بیل، امرود اور ربا ہیں۔ پپیتہ اور ناریل بھی بکثرت ہوتا ہے۔ شکرقندی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ غریب غربا عموماً اسی پر گزارہ کرتے ہیں اسے الوا کہتے ہیں۔ عورتوں کی جسمانی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔ کا سبب پردہ کی سخت پابندی ہے۔ خدا تعالیٰ بہار کے مردوں کو توفیق دے کہ وہ عورت ذات کو حیوان نہیں انسان سمجھنے لگیں۔ اور خدا ان عورتوں کو بھی ترقی کرنے کی ہمت دے۔

عابدہ معین کلکتہ

ثمرۂ محنت

محنت و کوشش یہاں ہے کامرانی کی کلید — جب ہو ناکامی دوبارہ چاہئے سعی [illegible]
حضرت آدم سے جب جنت میں لغزش ہو گئی — ہے بہت مشکل سبب بہبودی کی دنیا [illegible]
یہ عالم امتحاں ہے عقل اور تدبیر کا — عید ہو کوشش سے حاصل دولت [illegible]
دل کے بہلانے کو ہے جد و جہد چاروں طرف — چار ہی ہیں مقصدِ اصلی سے ہم کو [illegible]
چند ایسے ہیں جو ہیں دلدادہ طرزِ قدیم — چند ایسے ہیں جنہیں مرغوب ہے وضع [illegible]
اک طرف ہیں کچھ جو ہیں پتلون اور شرٹ سے مات — اُس طرف قبا اور ریش سے قطع [illegible]
کام ایسے کرتے ہیں جن کا نتیجہ کچھ نہیں — نام ہے اصلاح کا اور ایک ہنگامہ [illegible]
خوشنما پنڈال ہیں سنتے ہیں لیکچر اور وعظ — اس میں بس تھوڑی دیر جاتا ہے کچھ [illegible]
بعد میں دیکھو تو ہے غفلت شعاری بس وہی — صرف باتوں سے بھلا ہو بہتری کیا [illegible]
اپنے اقبالِ گزشتہ کا ہے خالی مرثیہ — اس کے آگے کچھ نظر آتا نہیں کار [illegible]

ذکرِ ماضی کہ جب ہر ملک کی تھی چاول
یہ سمجھ لو اپنے مستقبل سے ہے وہ نا امید

محمد ولایت اللہ

سنہ ۱۹۳۶ء کا لندن

حیات، ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں!
آج کل امریکہ اور لندن منٹوں اور گھنٹوں کی مسافت
ئی ہے مجھے تو یہ سفر قطعاً پسند نہیں۔ شاید میر تقی میر نے اسی
لئے کہا تھا ؎

سرسری۔ ہم جہان سے گزرے
ورنہ ہر جا۔ جہانِ دیگر تھا

۱۲۔ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء کو ہمارا جہاز بمبئی کی بندرگاہ سے
انہ ہوا۔ جہاز جوں جوں یورپ کی طرف جا رہا تھا۔ سمندر کی
ہواؤں میں مغربیت بستی جا رہی تھی۔ ہم ہندوستانیوں کی
یعت میں مستقل مزاجی نہیں۔ ہم نقالی کے خوگر ہیں۔ یہ دیکھ دیکھ کر
ی آتی تھی کہ مسافروں میں زیادہ تر ایسے تھے جو رفتہ رفتہ اپنی وضع قطع
ب و آئین، غرض سب ہی طریقوں سے یورپین دکھائی دینے
لگے ہیں تھے "ہم اپنی خو نہ بدلیں گے"۔ ایسی مستقل مزاجی تو کسی
ں نہ دیکھی گئی۔ بلکہ برعکس نقشہ تھا۔ اور یوں بھی تماشہ کرنیوالے
زیادہ تماشہ دیکھنے والا لطف اٹھاتا ہے۔ ان کی چال ڈھال
یت رسم کی تبدیلی بڑی سبق آموز سی چیز تھی۔

جہاز بذاتِ خود ایک چھوٹی سی مختصر دنیا ہے اور اس محدود
یا میں سب ہی اجنبی ہوتے ہیں۔ اجنبیوں کی اجنبیت میں جو
سن ہے وہ اپنوں کے اپنے پن میں نہیں۔ وہ تم کو جانتے ہی نہیں یا
سے واقف ہی نہیں۔ اس لئے تمہاری کسی بات پر معترض بھی نہیں
نہ کبھی کوئی ایسا تجربہ تم کو ان سے ہو سکتا ہے ؎

ہر کا کی اس نے جس سے کی تھی ہم نے بارہا نیکی

اجنبیوں کا خلوص سچا ہوتا ہے۔ اس میں غرض نہیں ہوتی
یر مکاری اور دکھاوا نہیں ہوتا۔ جانے پہچانے لوگ تم کو اچھے
یلا یاں دیکھ نہیں سکتے تم کو تندرست دیکھ کر ان کی آنکھوں میں
اتر تلب ہے۔ تم کو بیمار دیکھ کر تمہارے ساتھ جھوٹی ہمدردی اور
نری نقالی کی جاتی ہے۔ تم کو کبھی [illegible] کر [illegible] دیکھا اور
جان جل کر خاکستر ہو گئی۔ بظاہر مبارکباد بھی ہے۔ مخلوق بھی۔
اظہارِ عقیدت بھی ہے پیٹھ پلٹی۔ لیجئے شکایتیں۔ قسم قسم کی طرح
طرح کی۔ مثلاً خدا نا اہل کو دیتا ہے۔ ع

طوقِ زرّیں ہمہ گردنِ خر می بینم

مشیت اندھی ہے۔ یہ اور اس نوعیت کی اور جو کچھ بھی باتیں ہوں
ان کو اب آپ سوچ لیں۔

اچھا تو میں اپنے راستہ سے ذرا بھٹک گئی۔ مجھے لندن جانا
ہے۔ اور وہاں کی کچھ چیزیں بتانی ہیں۔ یہ اجنبی کیوں دھنسے چلے
آتے ہیں میرے تخیل میں؟ جہاز پر یہ نقش برآب پندرہ دن آنکھ
بند کرتے گزر جاتے ہیں۔ کبھی کبھی پانی کی یکسانیت سے الجھن
بھی ہوتی ہے اور آنکھیں خشکی کی جویا رہتی ہیں۔ جس کا میلوں پتہ
نہیں ملتا۔ دن بڑی دلچسپیوں میں گزرتا ہے۔ اخبار، کتب بینی،
خطوط نویسی، بحث، شطرنج جیسے کھیل کھیلتے، بعض وقت بیکار کی
ہی موجیں گنتے، مچھلیوں کے کرتب دیکھتے دیکھتے شام ہو جاتی
نجومی قسم کے لوگ بھی جہاز پر بڑی شیخت بگھارتے ہیں۔ اور بیکاری
جو الجھن ہوتی ہے ان کی زناپ شناپ پیشین گوئیاں، اپنے سے
متعلق بھی اور دوسروں سے متعلق بھی، اوقات گزاری کا بڑا
دلفریب مشغلہ ہوتا ہے۔

جہاز کی شام آفتاب غروب ہوتے وقت بڑی نظر فریب سی
فضا ہوتی ہے۔ پانی کا رنگ بدلنا ایک عجیب و غریب سی چیز
ہوتی ہے۔ اتفاق سے چاندنی راتیں تھیں۔ چاند کا عکس دریا
میں موجوں کو بیتاب کر دیتا تھا۔ ان کی تڑپ دیکھی نہیں جاتی۔
پھر بھی جی چاہتا ہے۔ دیکھے جاؤ خصوصاً جہاز کے قریب سے
جب کوئی دوسرا جہاز گزرتا ہے یہ منظر بڑا ہی نظر فریب ہوتا ہے
گویا چراغوں کا ایک سجا سجایا محل ہے کہ سطحِ آب پر بہتا چلا آرہا ہے۔

رات کا کھانا عموماً اور خصوصاً جہاز پر بہت پُرتکلف ہوتا ہے
لباس کی نوعیت دن کے لباس سے جداگانہ ہوتی ہے۔ کھانے کے
کمرے میں زندہ دل احباب کا ہجوم کمرۂ طعام کی فضا کو قہقہوں
اور چٹکلوں سے معمور کر دیتا ہے۔ انگریز قوم یوں بھی دل پر کسی قسم کا
اثر نہیں لیتی۔ اس کے پاس دل ہی کہاں۔ دل تو مشرق میں دھڑک
رہا ہے۔ اب ایک خصوصی مثال یوں لیجئے۔ جیسے غالب کا دل تھا
کہ اثر لیتے لیتے ختم ہی ہو گیا تھا ؎

دل نہیں ورنہ دکھاتا تجھ کو داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کہوں کیا کارفرما جل گیا

اب میں پھر دل و دماغ کے جھمیلوں میں پھنس گئی ہوں یہی
جھٹکے جھٹکے شاید منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ ۲۵ ستمبر کو جہاز
مارسیلز پہنچ کر کسی بیمار کے دل کی طرح ٹھہر جاتا ہے۔ پو پھٹ رہی
تھی طلوع سحر نے دامن مشرق کو اپنی رنگینیوں سے خونچکاں بنا دیا
تھا۔ آسمان پر آفتاب کی ضیا پاشیوں نے چار چاند لگا دیئے تھے۔
مارسیلز بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ یہاں محصول کے جھگڑے بڑا
طول کھینچتے ہیں۔ عطر، تمباکو اور کارتوس کا گمان سارے بندھے
ہوئے اسباب کے شیرازہ کو منتشر و پراگندہ کر دیتا ہے ان اشیاء
پر غضب ہی کھول کر محصول لیتے ہیں۔

صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر ٹیکسی لی اور سارا شہر گھوم آئے
مارسیلز کا چرچ بڑی مشہور چیز ہے۔ اس میں حضرت مسیح کا مجسمہ قابل دید
ہے۔ ۱۱ بجے ٹرین لی اور پیرس روانہ ہوئے۔ پیرس دنیا کا سب سے
خوبصورت اور حسین شہر! راہ میں دیہاتی معصوم زندگیوں کے
لاکھوں مناظر پڑتے ہیں دونوں جانب میلوں تک سرسبز لہلہاتے ہوئے
کھیت اور پھل پھول سے لدے ہوئے باغات کا سلسلہ ان کے
اطراف سرو سہی کے شاندار درختوں کی مسلسل قطار عجیب و غریب
منظر ہوتا ہے۔ وہی سرو جس کی قامت پر غالب کی جان جاتی ہے
اور علماء شعراء سر دھنتے ہیں۔ اس سرزمین میں بکثرت ملتے ہیں۔
انگور اور خربوزوں کے کھیت تو جابجا ہوتے ہیں۔ کاشتکاری نے
حد کمال ... افلاس کا قلع قمع کر دیا ہے زمین کا چپہ چپہ کھیت
کے فرش سے آراستہ ہے۔ اور اس سلیقہ اور خوبصورتی سے کہ بس
آنکھیں وہیں جم کر رہ جاتی ہیں۔ نگاہ کی رسائی اور حد نظر تک سبز
ہی سبز و پھولوں کے رنگ برنگ کے تختوں کو دیکھ کر نظر کو دھوکہ ہوتا
ہے کہ کہیں آسمانی دھنک زمین پر تو اتر نہ آئی ہو دیہاتی سادہ و
بے تکلف زندگی۔ سرخ اینٹوں سے بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے یکساں
کھلونوں جیسے مکان جن پر پھولوں کی بیلیں لپٹی ہوئی۔ جوں جوں
پیرس سے قریب ہوتے جاتے تھے، موسم بدل رہا تھا۔ دھیرے دھیرے
سردی بڑھ رہی تھی۔ شب کے ½۱۰ بجے ٹرین پیرس پہنچی۔ سفر نے
بالکل تھکا دیا تھا۔ اعصاب کو نظارہ کی فراوانی نے کچل دیا تھا۔
ہوٹل میں پہنچ کر سو گئے۔ حالانکہ پیرس کے لئے ½۱۰ بجے رات نہیں
بلکہ یہاں کی راتیں تو ۱۱ بجے کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ اس وقت بھی
کافی سے زیادہ چہل پہل اور گہما گہمی تھی۔ صبح ٹیکسی لی اور سیر کو
نکلے اس شہر کی دلآویزی کے اظہار کے لئے کسی شاعر کی زبان
زیادہ موزوں ہے۔ اس خوبصورت حسین و جمیل شہر کی وضاحت
میرے بس کی نہیں۔ نہ الفاظ ان خیالات کی گرفت کر سکتے ہیں
جو اس کے دیکھنے سے ذہن میں چلے آتے ہیں۔ نہ قلم کو یہ قدرت
حاصل ہے۔ یہاں کا مینار بہت ہی بلند ہے جس میں لفٹ
اوپر جاتے ہیں اس کی بلندی ۱۰۰۰ فٹ ہے۔ اس مینار کو ایک
وسیع فضا چمن میں نصب کیا گیا ہے۔ غضب کی سردی ہو رہی تھی
ٹھٹھرا جا رہا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ مائیں اپنے
معصوم بچوں کو لے کر تفریح کے لئے نکلی تھیں ہمارے ہاں
کے بعض گھرانوں کی خواتین اس منظر کو دیکھیں تو ان کے ہوش اڑ
جائیں۔ اتنی سردی میں بچے باہر کیونکر نکلیں گے؟ بلکہ ان کو
تنگ بند رکھا جائے وہ سمجھتی ہیں ان کی صحت اچھی رہتی ہے
ہوا اور دھوپ سے اتنی دور رکھا جاتا ہے کہ وہ ذرا سی ہوا
کے متحمل نہیں ہوتے۔ ہوا لگی اور بیمار ہو گئے۔ بعض جگہ تو ایک
بچہ لو آ جائے تو گھر کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے
کھلی اور صاف ہوا مہینوں بچوں کو نہیں ملتی۔ ان کی
ہو جاتا ہے۔ چاؤ چونچلوں ڈھکوسلوں میں پلنے والے

ے زیادہ تھکتے اور اپاہج ہوجاتے ہیں۔ یہ کبھی اپنے قدموں
ہونا نہیں سیکھتے ہمیشہ آیا یا خادمہ کے دست نگر۔ یورپ
دھوپ کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ اس سے خاطر خواہ
اٹھایا جاتا ہے۔ ان کی دھوپ پہ ہماری ہلکی ہلکی مدھم مدھم
کا شبہ ہوتا ہے

۲۲ستمبر کی شام تھی سہ دونوں وقت مل رہے تھے ہم پیرس
جبروت و عظیم الشان مسجد دیکھنے نکلے۔ اس مسجد کے حسن و کشش
ں۔ بس کیا لکھوں۔ میں تو یہاں گونگی ہوجاتی ہوں، جیسے
نگر کوئی بول نہ سکے۔ اظہار حال پر جیسے اُسے قدرت نہ ہو
نیت اس مادی دنیا میں۔ اگر یوں نہیں آپ سننے پر مصر ہیں تو
ے غالب کا سہارا لینا پڑے گا ؎

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

شان نظر آئی۔ اس کی جبروت و عظمت کا دل پہ عجیب و غریب
غرض اس کفرستان میں بھی ایک خدا کا گھر دیکھا۔

پیرس میں ۴۔ ۵ روز قیام رہا۔ اس کا چپہ چپہ دیکھ لیا۔
رس ہم اپنی عمر گزار دیتے ہیں۔ وہاں کی بہت سی چیزیں
جاتی ہیں۔ اور جہاں کہیں مختصر سا قیام ہوتا ہے۔ تو
ہے۔ وہاں کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جس کے نہ دیکھنے
افسوس ہو۔ یہ جانتے ہوئے کہ جانے پھر کب آنا ہو زندگی
وقت بھی ملا ہے۔ اس میں سب کچھ کرلو۔ اور یہاں یہ حال
نہ دیکھا تو کل دیکھ لیں گے۔ رہنا بسنا تو یہیں ہے۔ تو
بنظر سے سارا پیرس چھان مارا۔ یہاں زبان کی لاعلمی
دقت تھی۔ فرنچ ہمیں آتی نہ تھی۔ انگلش وہ جانتے نہ تھے
یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم " کا قصہ تھا۔

رانس کی ٹرین جو مارسیلز سے پیرس جاتی ہے اس میں بھی
شواریوں کا سامنا تھا پینے کو پانی نہ ملا۔ پیاس نے
ا کر دیئے۔ پانی مانگا۔ اشارہ اور کنایوں سے تو
رنے ایک بوتل شراب کی لا دی [illegible] پانی کے

کے عوض جن کا گھونٹ پینا پڑا۔ جی جل کر خاک ہوگیا۔ غرض جس چیز
کی ہمیں ضرورت ہوتی اس کی تصویر کھینچ کر بتاتے۔ پانی کے لئے
بھی گلاس کی شکل بنائی تھی۔ جگ کی تصویر اتاری تھی لیکن ان ظالم
بنیوں نے جام و ساغر پیش کئے۔ تاہم سفر ہے تو بڑے مزہ کی چیز
تجربوں کا مخزن ہے سفر کیا ہے۔ آسکر وائلڈ کہتا ہے "تجربہ
غلطی کا دوسرا نام ہے" اور میرا تجربہ اور سفر توام ہیں سفر تجربہ
ہے اور تجربہ سفر۔

پیرس کی ہر دکان پھولوں سے اتنی آراستہ رہتی ہے
کہ اس پر کسی مصور کے خواب کا دھوکہ ہوتا ہے جن کے دیکھنے سے
ایک اداس اور غمگین روح بھی تھوڑی دیر کے لئے سارے غم بھول
جائے۔ یہاں کی عمارتیں نہایت دیدہ زیب ہیں۔ خوشنما وسیع
سڑکیں۔ وسعت و صفائی میں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ سردی کی
وجہ سے کوئی چیز کملانے نہیں پاتی پھل اور سبزی کی دکانیں
ہفتوں اور مہینوں شاداب اور تر و تازہ رہتی ہیں۔ گھر ہو کہ بازار
ہر طرف ہر جانب ہر شخص مشغول و مصروف۔ بیکاری کا نام تو ان کی
زندگی کی لغت ہی میں نہیں۔ وقت کی قدر صرف یہی ممالک صحیح معنوں
میں کرسکتے ہیں۔ بازار میں سودا کرنے جایئے تشبیہ و استعارہ تو
ایک طرف اتنا سیدھا سادا صاف قسم کا بیوپار کہ عقل دنگ رہ
جائے میلوں چلے جایئے۔ نرخ میں سرمو فرق نہ محسوس کیجئے گا
ہندوستانیوں کے بیوپار کو لیجئے تکرار و اصرار میں گھنٹوں کی دماغ
پاشی ہوتی ہے۔ تول سے مول بھاری۔ کہیں دام کھوٹے۔ کہیں
جوہری کھوٹا۔ پانچ روپیہ کی چیز کے پہلے تو بیس روپیہ دام بتلایئے
جاتے ہیں۔ اچھی خاصی بحث و تکرار ہوتی ہے۔ جیسے بیاہ زدناز کے
جھگڑے لیکن نتیجہ بعد از خرابی بسیار یہی نکلتا ہے یعنی پانچ روپیہ
میں ہی وہ چیز مل جاتی ہے۔ یہ ہے یہاں وقت کی قدر و منزلت۔
ہم ان لوگوں سے ایسی بہت سی کار آمد باتیں سیکھ سکتے ہیں لیکن ان
کے یہ اصول نہیں سیکھتے۔ سیکھتے ہیں تو ان کا اندھا دھند فیشن۔
اس کا بھی تو سلیقہ نہیں فیشن کے اصول پہ چلنے لگے تو عجیب عجیب
[illegible]

کرد یئے ان کے فیشن تو منٹوں میں چلتے پھرتے ہوتے ہیں۔ وہ آئے دن کے باہر نکلنے والے پھیرے۔ اس طرح اوقات برباد ہو تو پھر زندگی میں کر بھی کیا سکیں گے۔ ان کی زندگی کا کبھی قریب سے ہم نے مطالعہ نہیں کیا۔ یہ تو گھور گھور کر دیکھنے کی چیز ہے اس قوم کی ظاہری حالت سے زیادہ اس کا باطن ٹٹولنا ہے۔ اس کے عمل اور اس کے علم کو پرکھنا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم ظاہر پرست ہیں۔ ظاہری بھول بھلیوں میں رہ جائیں گے اور اس طرح ہماری عملی قوتیں سلب ہو جائیں گی۔ پھر تو ان کا بول بالا ہو جائے گا۔ ہم نقش و نگار، رنگ و روغن پر مرتے رہیں گے۔ اور ان کی عملی قوتیں جاگ اٹھیں گی۔ ہم کو سلا کر خود جاگتے ہیں۔ اور ہمارا خواب خرگوش!

بس اسی حالت میں سوتے سوتے صبح ہو جاتی ہے۔ بس ؎

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یورپ کی سڑکیں موٹروں سے پٹی رہتی ہیں۔ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہارن نہیں بجاتے صرف اشاروں سے تاڑ جاتے ہیں۔ تاڑنے والے۔ راستے کی برقی روشنی کے خود بخود عمل پر ان کی آمد و رفت کا دار و مدار ہے۔ ہزاروں موٹریں وقت واحد میں گزرتی ہیں اور کبھی کوئی حادثہ نہیں ہوتا۔ پیدل چلنے والے فٹ پاتھ پر چلنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ہم جیسے زندگی کے ہر اصول سے بیگانہ رہتے ہیں۔ یہ اتنے ہی چوکس۔ ہماری چال میں ایک بدحواسی ہے۔ ہمارے رویہ میں ایک والہانہ پن۔ ؏

جینے کی ادا یاد، نہ مرنے کی ادا یاد

یہ ہے زندگی ہماری اور یہ ہے ہمارے اصول۔ کہ ہر اصول میں ایک بے اصولی اور بے ترتیبی۔ ہر انتظام بدنظمی۔ ہر سلیقہ میں پھوہڑ پن زندگی کے طریقوں سے زیادہ سنگار کے اصول جانتے ہیں ان کو سنگار کے ساتھ زندگی بھی سلیقہ سے گزارنی آتی ہے جینا بھی سلیقہ کا مرنا بھی قرینہ کا کبھی دیکھا ہے آپ نے انگریزوں کا قبرستان؟ باغ۔ کیاریوں، روشوں اور فواروں سے آراستہ ہیں تو یہ سب جنت میں لینا ہے۔ خواہ عبادت ہو یا نہ ہو۔ عبادت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ غیبت اور بدگوئی ہی سبقت

لے جائیں۔ روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولیں لیکن ایک تخیل تو ہے کہ مسلمان کے لئے جنت ہے۔ خدا رحیم و کریم زیادہ ہے قہار اتنا نہیں۔ تو پھر میں اپنے راستے سے بھٹک گئی۔ یہ بھی تو ایک بے اصولی ہے جی کہنا کچھ چاہے اور کہنا پڑے کچھ اور۔ آخر میں تو ہندستانی ہوں۔

پیرس والوں میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ لوگ گفتگو بہت آہستہ کرتے ہیں۔ جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو۔ آواز سے بولنا یہاں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پیرس کے حسن میں جتنی ملاحت ہے اتنی ہی ان کی بول چال میں حلاوت ملتی ہے۔ حالانکہ ہم کو ان کی زبان نہیں آتی تھی۔ لیکن طریقۂ گفتگو سے نمک ٹپکتا تھا۔ اور جب ٹکٹکی باندھے سنتے رہنے کو طبیعت چاہتی تھی۔ اونچے سروں پر چیخ کر بات چیت کرتے آپ کبھی ان کو نہ سنیں گے۔

۸ بجے صبح پیرس سے نکلے اور ۱۱ بجے کیلے پہنچے وہاں سے رود بار انگلستان طے کرنے کے لئے کشتی میں ڈوور روانہ ہوئے۔ یوں بھی اس میں تلاطم رہتا ہے لیکن اس روز کا اضطراب کافی دلچسپ تھا۔ ؏ جیسے آخر شب دید کے قابل ہو بسمل کی تڑپ ہوائیں اس زور کی چلتی تھیں کہ کشتی کا سنبھلنا مشکل تھا۔ اہیں بے پناہ تھپیڑوں میں بہی جاتی تھی، گویا یہ دیرینہ آنند آئی تھی ؎

اے موج حوادث مجھے منجدھار میں لے چل
ساحل سے کچھ اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

جیسے کشتی حیات بحر حوادث میں رواں دواں ہو۔ یوں تو بمبئی سے بندر سعید تک بھی طوفان ملتا ہے لیکن ایسا خوفناک طور پر دلچسپ نہیں ہوتا۔ جہاز بڑا ہونے کی وجہ سے جھکولے محسوس نہیں ہوتے یعنی چکر اور سرگرانی وہاں بھی ہوتی ہے لیکن ایسے زندگی کے لالے نہیں پڑ جاتے جیسے یہاں کے تلاطم میں ہم محسوس کرتے ہیں۔ آخر ظرف چھوٹا ہوتا ہے نا۔ ویسے بھی ایک بے کیفی طاری ہوتی ہے یہ ۱½ گھنٹہ کا سفر انسانی فطرت کا بہت گہرا مطالعہ ہے۔ صبر و برداشت کی آزمائش کا وقفہ۔ حوصلہ امتحان دیتا ہے۔ کوئی بدتمیز ہے کوئی بے صبرا بے حد تنگ کر ڈالتا

تے دیکھ کر موت سے گھبرانے لگتا ہے۔ کوئی سب کچھ خاموشی اور
اُسے سہلیتا ہے۔ یہ فرانس کے ساحل سے انگلستان سے کے
ل تک کا مرحلہ تھپیڑوں کی زد میں دم توڑ دیتا ہے آخر ہم دوور پہنچ جاتے
یں یہاں بارش ہو رہی تھی۔ سردی سے ہڈیوں میں خون منجمد ہوا جاتا تھا فضا
ں ایک اُداسی تھی یہ سردی کا پہلا وار تھا جو مجھ پر ہوا لیکن ابھی اس خراک
ی تو بہت تخمیر باقی ہیں۔ دوور سے بذریعہ ٹرین ۱½ گھنٹوں میں لندن پہنچے
لندن کی تو بات ہی نہ پوچھئے یہ تو ایک وسیع و گنجان زبردست شہر ہے
بی کو ہفتہ تو کیا ایک مہینہ میں بھی انسان
سری طور سے نہیں دیکھ سکتا۔ تفصیل کا سوال ہی عبث ہے۔
ل کی فرصت نہیں ملتی۔ سکون جہاں مفقود۔ عافیت کا جہاں
فقدان۔ بس اور ٹرامیوں کی ٹرافک سے شہر کی وسعت اور زندگی
پتہ ملتا ہے۔ لندن خود ایک بہت بڑی دنیا ہے۔ اونچی اونچی
ر بفلک عمارتیں۔ ریسٹراں۔ ہوٹل۔ بنک۔ شفا خانے۔ سینما۔
رس۔ یونیورسٹی دکانیں۔ باغات۔ غرض ایک ہنگامہ ہے لندن
ن کی خوبصورتی اور وضعداری میں کلام نہیں لیکن لندن کی
ی دکانیں پیرس کی نہیں ہیں۔ شہر متمول اور تجارتی ہونے کی
جہ سے ہر شخص کی کافی آمدنی ہوتی ہے وہاں کا بچہ بچہ کمانے کا
ادی ہے۔ جبھی تو ان متمدن ممالک میں افلاس کا فقدان ہے۔
ں کمانے والا ایک نہیں بلکہ سارا خاندان ہوتا ہے اور یہ سمجھتے
یں کہ جو کما نہیں سکتا اس کو کھانے کا بھی حق نہیں ہے۔ وہاں
سی کڑیل جوان کو بھیک مانگتے نہیں دیکھا۔ ہمارے یہاں تو
ری ایک پیشہ بن گیا ہے۔ لیکن فقیر جو ٹھیرے بیچارے وہاں
ت خوروں کو خیرات نہیں ملتی۔ جو بالکل معذور، اپاہج اور
بت ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے خیراتی ادارے بنے ہوئے ہیں
ن کے لئے حکومت کا فیض عام ہے۔ اور متمول لوگوں کی مدد
۔ یہاں گداگری کو ممنوع کر دینے کے لئے قانون بنتا ہے۔
ے لئے جاتے ہیں۔ دکھاوے کے انتظامات ہوتے ہیں۔
ں میں مضامین ہوتے ہیں۔ اور پھر نتیجہ دیکھئے تو صفر۔
نتار سب ڈھنگ۔

انگلستان میں نفسی نفسی کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ایک ہی
مکان میں رہنے بسنے والے ایک دوسرے سے بے خبر رہتے ہیں
کھوج اور کھشر پھسر کا ان کے نظام العمل میں وقت ہی کہاں۔ اتنی
مصروف زندگی میں وقت کی اتنی بچت ہی کب ہوتی ہے کہ اپنے
گریبان کے چاک سینے سے پہلے دوسرے کا دامن رفو کریں۔ اس
طریقۂ زندگی کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے رابکسے کارے نباشد

کمرہ سے کمرہ ملا ہوا ہے۔ لیکن بے خبری سوقت کا صحیح مصرف
یہی جانتے ہیں۔ کسی کے پیچھے ہاتھ دھو کر نہیں پڑ جاتے بس اپنے
کام سے کام۔ مشورہ بھی دینا ہوا تو چلتے چلتے۔ آپ کی آمد و رفت۔
پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ کے کسی کام میں مداخلت نہیں۔
آزادی کا صحیح مفہوم جانتے ہیں۔ ہماری طرح ڈھول نہیں پیٹتے
صرف لکچروں، مضامین اور تقاریر میں آزادی کے گن نہیں گاتے
بلکہ عملی حیثیت سے نباتے ہیں کہ یہ ہے آزادی لیکن ہم کو تو ابھی
کچھ اور خرافات سیکھنی ہے ہم اتنے ذی حس کہاں کہ اشاروں کو
سمجھ لیں۔ ایمانداری اور معاملگی سچائی کی حد تک "اپنے ملک"
اور "اپنی سرزمین" میں کار فرما واقع ہوئے ہیں۔ ہر متنفس کو بس
"اپنی" پڑی رہتی ہے۔ ماں بھی اپنی بیٹی کے کاروبار میں دخل
نہیں دیتی۔ یہی طریقہ عمل خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ آزادی کا سبق
یوں نہیں لاشعوری طور پر دیا جاتا ہے۔ کچھ یوں بھی سمجھتے ہیں۔ ع
اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائیں کیا
جو اچھے نیک اور شریف ہیں وہ تو اس آزادی سے فائدہ اٹھاتے
ہیں۔ اپنے گھٹنوں کے بل چلنا سیکھ لیتے ہیں بھٹکتے نہیں۔ بلکہ
رہبر بن جاتے ہیں۔ اور جہاں طبیعت میں خباثت ہوئی ماحول
بُرا ملا۔ صحبت خراب ملی۔ تو پھر شیطان بھی پناہ مانگے۔ یہ نوبت
بھی آجاتی ہے۔ انسان فطرتاً بُرا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو صحبت بُرا
کرتی ہے۔ ساقی کے ہاتھ میں دودھ بھی ہوگا تو ہم اس کو شراب ہی سمجھیں گے
ہمدردی کا جذبہ ان کے پاس نہ ہونے کے برابر ہے۔ عوا یدہ

لائٹی کیٹ) کی حد تک اس کافر قوم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ زبانی داخلہ بہت ہے یعنی ذرا سی بات کا بھی شکریہ۔ ذرا سی غلطی پر بھی اظہار افسوس۔ اب ہم بھی تو ان کا (بے معنی) شکریہ بہت استعمال کرنے لگے ہیں۔ ہم مشرق والے تو کسی احسان کی تلافی ہی نہیں کر سکتے۔ شکریہ کا لفظ استعمال کرنے سے طبیعت کتراتی ہے۔ احسان سے زبان خود بند ہو جاتی ہے۔ یہ روحانیت کی پستی، مادہ پرستی کیا جانے لیکن ہم تو ان کی نقل آتارنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جو وہ کریں گے ہم بھی ضرور کریں گے۔ خواہ موج خون سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے

سچائی ان کا مسلک ہے۔ ہر بات میں سچائی ہو، خواہ وہ کتنی ہی ظالمانہ قسم کی کیوں نہ ہو۔ ایک خود غرضی ساری فضا میں پھیلی ہوئی ہے "ٹرسٹ کر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار" کی تمنا یہیں بر آتی ہے۔ احساسات کی قدر وہ نہیں جانتے۔ دل کا معاملہ۔ وہ کیا جانیں بھلا۔ ان کی بے دلی۔ بے حسی، اور اعلیٰ دماغی کی تعریف کچھ تو اقبال کرتے ہیں سہ

بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اُسے
فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری!

عقل اتنی ٹھوس ہو گئی ہے کہ دل کی نزاکتوں کی طرف بھولے سے خیال نہیں جاتا۔ آج سے ۸-۹ سال آگے کی معاشرت کا حال بھی کچھ سنئے۔ ہر چیز کی افراط و فراوانی، کھانا، رہنا، پڑھنا ہر بات میں سہولت۔ یوں بھی ہندوستانی طلباء سے ان لوگوں کو ایک غیر معمولی اُنس ہو جاتا ہے۔ اور بہت جلد دوست بن جاتے ہیں۔ گھروالی بڑی محنتی اور دیانت دار عورت ہوتی ہے۔

ہم نے اپنے کمروں کو وہاں کبھی مقفل نہ کیا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہماری کوئی ادنیٰ سی شے بھی گم ہوئی ہو۔ ہماری یونیورسٹی سے ہمارا ٹھکانہ کافی دور تھا۔ صبح ۸ بجے کے گھر سے نکلے ہوئے شام کے ۳-۴ بجے گھر لوٹتے تھے۔ ان کو چوری کا کافی موقع تھا۔ اور چور کو موقع ہی چوری کی ترغیب دیتا ہے لیکن کبھی ہم کو ان سے کسی قسم کی شکایت نہ ہوئی۔ ہمارے آنے تک ہمارے کمرے صاف ستھرے آراستہ ہو جاتے۔ ہر چیز قرینے سے رکھ دی جاتی۔ ہم تھکے ماندے آتے اور پڑ جاتے۔ ایک نیند کا جھونکا آتا اور سارے اعصاب پر چھا جاتا۔ لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہمیں اٹھا کر چاء پینے کے لئے مجبور کیا گیا ہو کیونکہ کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں۔

اسی زمانہ میں شہزادے ونڈسر کی تخت و تاج سے دست برداری کی افواہ گرم تھی ____ وہی سمن کا قصہ تھا۔ زیادہ تر موضوعِ بحث یہی مذکور رہتا۔ لیکن اس اہم خبر کو بھی وہ کوئی اہمیت نہ دیتے۔ ہر شخص اپنے جذبات و خیالات کی حد تک آزاد ہے یہ ان کا سنہری اصول ہے۔ تھا۔ اور رہے گا۔

ہم نے لیڈز یونیورسٹی میں شرکت کی تھی۔ جو شمال میں واقع ہے۔ یہاں کی فضا دھندلی دھندلی رہتی ہے۔ جیسے دن میں سیاہ ابر چھا جائے۔ اکثر لوگ ٹارچ لئے نکلتے ہیں۔ تاکہ راستہ صاف دکھائی دے۔ جب کبھی چھٹیاں مل جاتیں۔ ہم ہیروگیٹ وغیرہ چلے جاتے۔ ہیروگیٹ بڑا صحت بخش مقام ہے اور بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ یہاں دق کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ انہیں بنفشئی شعاعوں کا غسل دیا جاتا ہے۔ ہر مقام پر ہوٹلیں ہوتی ہیں۔ اور رہائش کا خاطر خواہ انتظام بھی۔ یہ سب اس عالمگیر جنگ سے پہلے کی باتیں ہیں۔ اب کا حال خدا جانے۔

جہاں بانو

کچھ بھی نہیں

قلب انساں میں اگر حُبِ نبی کچھ بھی نہیں　　تو سمجھ لیں آپ اُس کی زندگی کچھ بھی نہیں
غیر قوموں کی بُری رسموں کے ہم پابند ہیں　　اب مطابق شرع کے شادی غمی کچھ بھی نہیں
چھوڑ بیٹھے ہیں وتیرہ سیدِ ابرار کا　　اس لئے حاصل ہمیں آسودگی کچھ بھی نہیں
کیوں نہ ہو پھر کفر خندہ زن ہمارے حال پر　　غیرتِ ایماں دلوں میں اب ہی کچھ بھی نہیں
کیا مصیبت ہے ازل سہہ کر مصائب سینکڑوں
اہلِ عالم کے گناہوں میں کمی کچھ بھی نہیں

ابو الاعجاز ازل

گوری پیسے پینا

دھیرے دھیرے چالے چاکی
من دھڑکے اور ہائے چاکی
کچھ نا دیکھے بھالے چاکی
سب کو پیسے ڈالے چاکی
چاکی پیسے پینا موری گوری پیسے پینا
یہ نا جانے ریت جھمیلا
کیسا بیری اور اُن میلا
اپنا پوت ہو یا سوتیلا
دھر دھر پیسے ریلا پیلا
گھُمر گھُمر کا پینا موری گوری پیسے پینا
نردھن اور دھنوان نہ راکھے
نربل اور بلوان نہ راکھے
سانچے کی کچھ آن نہ راکھے
کاہو کا ابھمان نہ راکھے
بُرا بھلا سب پینا موری گوری پیسے پینا
سُن سُن ری او پین ہاری
کہا پڑی ہے بپتا بھاری
ریت پریت بھئی متواری
نیک نہ اُبھری دنیا ساری
جنم بھرے کا جھیکنا موری گوری پیسے پینا
کورا کورا گلوا مانگے
ہاتھ پیارے منوا مانگے
چٹکی نٹک پھیرا مانگے
بھوکا پیٹ بچارا مانگے
سوامی کا منہ دیکھنا موری گوری پیسے پینا

سوامی مارہروی

ہم اور ——— تم

یہ آنسو تو ساری عمر رستے ہی رہیں گے! لیکن بدرونق تپلیوں میں تیری کامنی سی صورت ہمیشہ کے لئے جامد ہو گئی ہے۔
دنیا کی کوئی طاقت اس حسین عکس کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔
بوڑھے فلک نے ہم دونوں کو الگ الگ کر دیا ہے اور اس طرح جیسے دو جھگڑالو بچوں کو گُدّی پکڑ کر اِدھر اُدھر دھکیل دیا جاتا ہے۔
اللہ کیا ستم ہے ہم پر! ———

مجھے یاد ہیں وہ دن! جب تمہارے حسین اور نازک قہقہے میرے دل و دماغ میں ناچتے رہتے تھے اور تمہاری شوخ آنکھیں شرارت سے گھڑی گھڑی تھرک جاتی تھیں ——— کتنی محبت شعار تھیں تمہاری! ——— اے ملکۂ محبت،

ایک دن بس ——— ہلکے ہلکے ابر میں تم نے سفید کامدار ساڑھی پہن کر شفاف پیشانی پر دمکتا ہوا ٹیکہ لگایا تھا کس قدر اچھی معلوم ہو رہی تھیں تم! میں تو یہ سمجھی کہ کوئی نورانی فرشتہ تقدس کا جھومر لگا کر بارگاہِ ایزدی سے آ رہا ہے ———

تمہاری آواز! — کس قدر پیاری اور دلدوز تھی، چاندنی راتوں میں پہاڑیوں کی چوٹیوں پر روئی جیسے سفید بادلوں میں، جب تم نرم و نازک آواز میں الاپتی تھیں تو ہم سب مدہوش ہو جاتے تھے صرف پہلی ہی مرتبہ میں نے تمہاری دلکش راگنی سن کر اپنے تمام فلمی ریکارڈ توڑ ڈالے تھے جو مجھے بہت عزیز تھے۔

پیرِ فلک نے دو جھگڑالو بچوں کی طرح ہم دونوں کو بے دردی سے دور دور پھینک دیا ہے۔ ایسے میں پھر کوئی نغمہ ہو مجھ کو، میری بلبل گویا اپنے گلوئے نازک سے ——— ایسا نغمہ ——— ایسا گیت ——— وہ راگ جس کے سحر سے پھوار برس پڑے ——— ایک درخت پیدا ہو اور اس کی سب سے اونچی ڈال پر دو توام کونپلیں نکلیں ——— پتوں میں ڈھکی چھپی ——— بادِ مخالف سے محفوظ ——— ہم ——— اور تم ——— تو ٹھیک ہے نا؟

آمنہ نازلی

بیوی کی قربانی

حمیدہ اگر کروڑپتی باپ کی بیٹی نہ تھی تو فقیر کی بیٹی بھی نہ تھی اس کا باپ ایسا گرا گیا نہ تھا کہ بیٹی کو چپ چپاتے رخصت کردیتا ابھی دیکھنے والے موجود ہیں کہ کوچہ رحمان سے جو جہیز کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو تمام چاندنی چوک پٹ گیا تھا۔ حمیدہ کے باپ نے دیکھا ہی کیا تھا صرف شرافت اور خاندان۔ جس وقت شادی ہوئی ہے اس وقت میاں شمیم بی۔ایس سی میں تعلیم پارہے تھے شادی کے بعد جب حمیدہ کو معلوم ہوا کہ میاں کو مزید تعلیم کا شوق ہے مگر روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتے تو اس نے تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنے میں کافی مدد دی۔ آخرکار میاں شمیم ایم۔ایس سی میں کامیاب ہوئے اور ولایت جانے کا شوق ہوا۔ بیوی نے اپنا زیور فروخت کرکے میاں کو ولایت روانہ کیا اور وعدہ کیا کہ دو سو روپے ماہوار بھیجتی رہوں گی۔ حمیدہ اس وقت دو بچوں کی ماں تھی۔ جہیز کا ایک مکان فروخت کرکے اس کا روپیہ میاں کو بھیجنے کے لئے محفوظ کرلیا۔ دوسرے کو کرائے پر دے دیا۔ تیسرے چھوٹے مکان میں خود رہنے لگی۔ اس امید پر کہ یہ دن تو گزر ہی جائیں گے۔ جب وہ وہاں سے آئیں گے تو ساری کسر نکل جائے گی۔ اس کے دل میں نہ معلوم کیا کیا ارمان تھے اور کن کن خیالات میں وہ غرق رہتی تھی پہلے سال تو میاں برابر خط بھیجتے رہے۔ مگر دوسرے سال میں کچھ کم ہوگیا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا حمیدہ کو میاں کے آنے کا شوق بےچین کرتا۔ خطوط کی کمی پر اس نے یہ خیال کیا کہ اب پڑھائی ختم پر ہے۔ فرصت ہی کہاں ہوتی ہوگی۔ تیسرے سال کے شروع ہی میں شمیم کا یہ خط حمیدہ کو ملا۔ بیگم تم یہ خیال کررہی ہوگی کہ میں اب آنے والا ہوں مگر مجھ کو ابھی ایک سال اور ٹھیرنا ہوگا۔ تم جو روپیہ بھیجتی ہو وہ یہاں کے اخراجات کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔ ماہوار کی بجائے اگر تم ایک دم سال بھر کے اخراجات بھیج دو تو مجھ کو آسانی ہوگی۔ تم ایک ہزار روپے فوراً بذریعہ تار جلدی روانہ کردو۔

حمیدہ نے خط پڑھ کر دوسرے مکان کو فروخت کردیا۔ اور ایک ہزار روپیہ روانہ کردیا۔ تین ماہ بعد پھر خط آیا۔ ہزار روپیہ اور روانہ کرو۔ شمیم ڈیڑھ سال تک تو اپنی پڑھائی میں لگا رہا مگر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ ادھر ملی آزادی اُدھر پہنچا روپیہ اب کیا تھا مزے آگئے۔ پہلے ہوتی ہے دوستی گرم جب کوئی بلا گلے پڑجاتی ہے تو اس کے چکر سے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ آخر ہزار روپیہ مانگا نکاح کرلیا۔ چوتھا سال ختم کے قریب ہے بیوی کا ہر لمحہ میاں کے انتظار میں گزر رہا ہے۔ مگر میاں آنے کا نام نہیں لیتے۔ البتہ روپیہ کی طلبی برابر جاری ہے۔

آخر وہ وقت بھی آگیا کہ میاں شمیم انجینئرنگ پاس کرکے نئی بیوی کے ساتھ بمبئی آن پہنچے اور بیوی بچاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی۔

ایک دوپہر کو حمیدہ کی نند رضیہ گھبرائی ہوئی آئی اور کہا۔ "دلھن اے بی دلھن کہاں ہو؟" حمیدہ نے مسکرا کر کہا۔ "اے لو آپا میں سامنے ہی تو بیٹھی آپ کے بھائی کے تکیہ کا غلاف کاڑھ رہی ہوں۔ آپ تو ایسی گھبرائی ہوئی آئیں کہ میں دکھائی بھی نہیں دی۔"

رضیہ: "تم میاں کے انتظار میں مری جارہی ہو اور اُن کو تمہاری پروا بھی نہیں۔" حمیدہ کو نند کا کہنا ناگوار تو ضرور گزرا مگر کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگی۔ "آپا شریف بیویوں کا کام ہی ہے۔ میں کوئی انوکھا تھوڑی مرتی ہوں تم تو ہر وقت چھیڑتی ہی ہو۔"

رضیہ: (غصے سے) لیکن وہ مرد تو اونچے ہوتے ہیں ایسے پاجی نہیں۔ بیوی! مرے مرتے پر یارا چلنے پر۔"

حمیدہ: "کیا ہوا آپا اس قدر غصہ کیوں آرہا ہے؟"

رضیہ: "میں نے تم کو کتنا منع کیا تھا کہ اب تم ہاتھ روک لو اور ہزار روپیہ اکٹھا نہ بھیجو۔ مگر تم نے میری بات نہ سنی۔ ہوتا کیا وہی ہوا جس کا مجھ کو اندیشہ تھا وہ آگئے ہیں اور ایک کل موئی کو اپنے

ساتھ لائے ہیں۔

حمیدہ۔ (تعجب سے) آپا تم کیا کہہ رہی ہو وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کچھ غلط فہمی ہوگئی ہوگی۔

رضیہ۔ ہاں بی ہاں کہیں ایسی باتوں میں بھی غلط فہمی ہوتی ہوگی۔ آج دس روز ہوئے کہ میں نے یہ سنا تھا اور اسی روز تمہارے بھائی جان کو میں نے روانہ کیا وہ خود اپنی آنکھ سے دیکھ کر آئے ہیں۔ ہائے تم تو لُٹ گئیں۔ اب ان بچوں کا کیا ہوگا نہ میاں تمہارا ہوا نہ روپیہ رہا۔

حمیدہ۔ (کچھ دیر سکوت کے بعد) "آپا کیا بتاؤں مجھے تو یقین نہیں آتا۔ کہ وہ ایسے بدل جائیں گے۔"

رضیہ بھاوج کے سامنے رو دھو اظہار ہمدردی کر کے اپنے گھر چلی گئیں۔ حمیدہ نے نند کے سامنے بڑی ہمت سے کام لیا مگر آخر عورت تھی دل پر ایک ایسی چوٹ لگی جس سے کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ ایک تیر تھا جس نے اس کے دل کو زخمی کر دیا۔ وہ کہنے لگی اگر خدا نخواستہ ایسا ہی ہوا جیسا آپا کہہ رہی تھیں تو کیا ہوگا۔ خیر انہوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں بھی ان کی، روپیہ بھی ان کا اور بچے بھی ان کے۔ انہی خیالات میں غرق ہر چند سونے کی کوشش کی مگر نیند کا کوسوں پتہ نہیں۔

دوسرے روز نسیم کا خط ملا لکھا تھا "بیگم میں بخیریت تمام بمبئی پہنچ گیا ہوں۔ یہاں ایک ضروری کام سے مجھ کو دو مہینہ رہنا پڑے گا۔ تم فکر نہ کرنا۔ میں اپنے آنے کی خود تم کو اطلاع کر دوں گا۔"

خط کو دیکھ کر حمیدہ کی آنکھوں سے دریا بہنے لگا اُس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا "ہاں ٹھیک ہے اسی لئے تو لکھا تھا کہ تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔"

پانچ سال گزر گئے اس عرصہ میں نسیم دو تین مرتبہ حمیدہ کے پاس بھی آیا ورنہ وہ تھا اور اس کی نئی بیوی۔ حمیدہ بڑے بڑے مکان تو میاں کی نظر کر ہی چکی تھی اب صرف ایک چھوٹا سا مکان رہ گیا تھا۔ نیچے کرایہ دار بسا یا اور اوپر خود رہنے لگی کچھ مکان کا کرایہ کچھ سلائی کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھر لیتی دنیا کی ہر خوشی سے محروم حمیدہ اس کٹھن وقت کا مقابلہ کر رہی تھی۔

زمانے کو بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی چشم زدن میں طاقتور کمزور اور مالدار فقیر ہو جاتا ہے کسی کو اپنی دولت اور طاقت پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ وہی نسیم جو بیوی کو ٹھکرا کر دولت اور لیاقت کے نشہ میں دن عید اور رات شب برات منا رہا تھا ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ اس کے پاس کسی کا آنا تو درکنار کوئی بات پوچھنے والا بھی نہ تھا۔ نو ہزار روپیہ جو نئی بیوی کے نام سے بنک میں جمع تھا۔ اس کی کتاب لے کر نئی بیوی نے اپنی راہ لی۔ علاج ہوتا تو کہاں سے اور تیمارداری کرتا تو کون۔

حمیدہ سلائی کر رہی تھی کہ ایک بیوی اندر آئیں اور کہا۔ "لاؤ بوا سب سل گئیں یا کچھ باقی ہیں" حمیدہ نے کہا "صرف دو کے گلے باقی ہیں وہ میں ابھی کر دیتی ہوں۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھ جائیے۔" وہ بیوی کہنے لگیں مجھ کو کیا خبر تھی کہ وہ ایسی جلدی کریں گی بوا! جن کی یہ قمیصیں میں نے سلوائی ہیں ان کو آج اسٹیشن پر پہنچانی ہیں۔ یا تو ان کو میاں کی ایسی چاہت تھی کہ ایک منٹ کو میاں سے جدا نہ ہوتی تھیں۔ مگر اب ایسی نفرت ہوئی کہ میاں کی صورت سے بیزار ہیں۔ بیٹی مردوں کے نام سے دل بھر گیا۔ اسی دلی والے نسیم کا ذکر ہے جو بیوی کے روپے پر ولایت گیا تھا۔ اب مرنے کو پڑا ہے اس کی پہلی بیوی کا صبر پڑا مگر وہ سمجھے گا تھوڑا ہی کہ کسی کی آہ اچھی نہیں۔"

حمیدہ۔ "آپ کو یہ خبر کہاں سے ملی۔ کہاں آپ اور کہاں بمبئی آپ اُن کے کپڑے کیوں سلواتیں۔" وہ بیوی کہنے لگیں "بوا ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتے ہیں وہ بھی کام کرتے ہیں کپڑا خرید کر سلا کر فروخت کرتے ہیں۔ میں نے ان سے سنا تھا جس عورت کے یہ کپڑے ہیں اُس نے پیشگی روپے دیئے تھے اب ایکدم وہ بمبئی سے روانہ ہوگئی۔ اس نے لکھا ہے کہ میرے کپڑے اسٹیشن پر پہنچا دو۔ نہ معلوم اب کہاں جا رہی ہے۔"

حمیدہ نے کپڑے تو ان بیوی کو دے دیئے اور دل میں کہنے

کہنے لگی کہ واقعہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے جو اُن کی حالت ہو۔ جس مکان میں وہ رہتی تھی اس پر سات سو روپے قرض لے کر وہ نند کے پاس گئی۔ اور کہا آپا سُنا ہے ان کے دشمنوں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آپ ان بچوں کو سنبھال لیں۔ میں ان کو دیکھ آؤں۔

رضیہ:۔ تم کو ہو کیا گیا۔ اب ایک ٹھیکرا رہ گیا ہے اس کو بھی ٹھالے لگا دو۔ تم کو ان بچوں کا بھی خیال ہے یا نہیں اگر بھائی کچھ مُنہ لگاتے تو نہ معلوم کیا کرتیں۔ انہوں نے تو بچوں کو بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تم ٹھیرو میں جاتی ہوں۔ آخر میرا بھی تو بھائی ہے۔ اگر طبیعت زیادہ خراب ہو گی تو میں تم کو لکھ دوں گی تم آجانا"

حمیدہ:۔ "آپنے جو کچھ فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں ضرور جاؤنگی"

رضیہ نے بھاوج کو بہت روکنا چاہا۔ مگر حمیدہ کا فیصلہ اٹل تھا۔ اس نے دونوں بچوں کو نند کے سپرد کیا اور بمبئی روانہ ہوگئی۔ بمبئی کی ایک چھوٹی سی منزل میں ایک شخص نہایت کرب و اضطراب کے ساتھ ہائے ہائے کر رہا ہے ایک نقاب پوش عورت اندر داخل ہوئی اور پوچھا" دلّی والے شمیم صاحب انجنیر اسی کمرے میں رہتے ہیں؟"

شمیم۔ جی ہاں وہ بد نصیب میں ہی ہوں۔ آپنے میرا پتہ کس طرح معلوم کیا۔ آپ کون ہیں۔

نقاب پوش عورت۔ آپ کا پتہ کیا۔ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ آپ کا کوئی عزیز یہاں نہیں ہے؟"

شمیم:۔ "جی نہیں، اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہوں"

نقاب پوش عورت:۔ آپ اس قدر رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں"

شمیم۔ آپ کون ہیں کہاں سے آئی ہیں آپ کو نہیں معلوم میں اس وقت ۔۔ بالکل محتاج ہوں" دوسرے روز تین ڈاکٹر اس کمرے میں جمع ہیں۔

ڈاکٹر:۔ شمیم صاحب۔ اگر آپ کے جسم میں ۳۰ تولہ انسان کا خون پہنچ جائے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ بالکل اچھے ہو جائیں گے"

شمیم:۔ تو یہ قطعی ناممکن ہے"

کواڑ کے پیچھے سے وہی نقاب پوش عورت کہتی ہے آپ حضرات اس کا فکر نہ کریں۔ میں خون دینے کو تیار

شمیم:۔ حیرت سے جی نہیں۔ بھلا یہ کیسا کر سکتی ہیں"

نقاب پوش عورت:۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں آپ اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنائیے"

ڈاکٹر:۔ "پھر آپ کی زندگی کی کوئی امید نہیں"

عورت۔ "کچھ پروا نہیں"

ڈاکٹر:۔ "اگر آپ اپنی زندگی سے کیوں بیزار ہیں"

عورت:۔ بیزار نہیں، انسانی ہمدردی ہے"

ڈاکٹر چلے جاتے ہیں۔ شمیم نقاب پوش عورت سے کہتا اے رحمت کے فرشتہ تو کون ہے۔ جو مجھ پر اس حالت میں رحم کرتی ہے جبکہ میں کسی معاوضہ کے قابل نہیں ہوں"

عورت:۔ میں ایک گناہ گار عورت ہوں۔ میری تمام زندگی غمناک گزری ہے۔ شاید میری یہ قربانی خدا کی درگاہ میں قبول ہو جائے اور یہی میری نجات کا ذریعہ۔

اسی شام کو شمیم کے جسم میں نقاب پوش عورت کا خون داخل ہوتا ہے۔ جس سے اس کے مضمحل چہرے پر زندگی کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔

چند گھنٹوں کے بعد نقاب پوش عورت ختم ہو جاتی ہے۔ شمیم کے تکیہ کے نیچے سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا پرزہ ملتا ہے جس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

" آقا! آپ پر قربان ہونے والی آپ کی حمیدہ تھی۔ خدا آپ کو مکمل صحت دے صرف ایک التجا ہے اگر ممکن ہو تو دونوں بچوں کا خیال رکھئے"

شمیم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

واجدہ خیری

اسٹرائک

جنگ کے بعد ملک کی اقتصادی حالت اور توازن میں گڑبڑ
ضروری ہے۔ جنگ کی ضرورتیں عالمگیر قسم کی ہوتی ہیں اور
ضرورتوں کا پورا کرنا ہر حکومت کا فرض ہوجاتا ہے۔ یہ ضرورتیں
نگ کے زمانہ میں اس قدر وسیع ہوتی ہیں کہ اس میں سوئی
لے کر اٹیم بم تک شامل ہیں۔ دورانِ جنگ میں چونکہ جنگی ضرورتوں
کو تمام ضرورتوں پر ترجیح دینا پڑتی ہے۔ اس لئے برسرِ اقتدار
ت ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے وہ تدبیر عمل میں لاتی
جو اس کے قبضے میں ہوتی ہے۔ انہی تدبیروں میں سے ایک
ہے کہ ملک کی کرنسی کو کاغذ میں تبدیل کر دیا جائے۔ ان
غذی نوٹوں سے حکومت ہر چیز زیادہ قیمت پر خرید لیتی ہے اور
سے بازار میں سکوں کی قیمت گرنا شروع ہو جاتی ہے اور اجناس
ٹھا سکے اور جنس کی قیمتوں کا توازن جو زمانہ امن کی مستقل
شوں کا نتیجہ ہوتا ہے یوں چشم زدن میں بگڑ جاتا ہے۔ اور
عادی ابتذال ایک دائرے کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس میں
کی قیمت دن بدن گرتی جاتی ہے اور اجناس کی بڑھتی جاتی ہے
دورانِ جنگ کے گرانی اور قلت کے مارے ہوئے عوام امید
ری نظروں سے اختتام جنگ کے منتظر ہی تھے کہ جنگ کے
دوران کی مشکلیں بھی آسان ہوجائیں گی، مگر ان کی یہ امید
تمام جنگ پر یاس و ناامیدی میں تبدیل ہوگئی۔ لڑائی کے
متوں کا گرنا تو کجا، قیمتیں پہلے سے دوگنی اور سہ گنی ہوگئیں
سکوں کی قیمت تقریباً پانچ گنی کم ہوگئی۔ یعنی ایک روپیہ
پیا تین آنے کے برابر ہوگیا۔ جنگ کے بعد نئے اور پیچیدہ
لے اور بھی پیدا ہوگئے۔ جن سے یہ گتھی سلجھنے کی بجائے اور
الجھ گئی۔ مثلاً حکومت جو دورانِ جنگ میں ہر جنس کی سب
بڑی خریدار تھی۔ دفعتاً خرید و فروخت سے علیحدہ ہوگئی
ساکہ دوران کے حاصل کئے ہوئے سستے پیسے کثرت
سے بازار میں آگئے، بیروزگاری، اجناس کی قلت، ساری دنیا
میں قحط کا خطرہ وغیرہ، نئی قسم کی اُلجھنیں پیدا ہوگئیں اور ان سبھوں
نے مل کر ملک کی اقتصادی حالت کو اور بھی ابتر بنا دیا۔

ملک میں جب ایسی افراتفری پھیل رہی ہو اور گرانی کا یہ عالم ہو
کہ خرچ آمدنی سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہو۔ تو پھر پبلک اپنی اس
پریشانی کا مظاہرہ اسٹرائک کی صورت میں کرتی ہے۔ اسٹرائک
کی یہ وبا ان دنوں ہمارے ملک میں بھی پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے ملک
کے مزدور، جہازی، ریلوے کے ملازمین اور ڈاکئے باری باری
سے اسٹرائک کر رہے ہیں یا کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ لڑائی کے
فوراً بعد امریکہ اور انگلینڈ جیسے امیر ممالک میں بھی لاکھوں مزدوروں
نے ہڑتال کر کے اپنی اُجرتیں من مانی طرح سے بڑھوا لیں۔
جب اتنے امیر ممالک میں یہاں کی گراں قدر اُجرتیں ناکافی ہوتی
ہیں تو ہندوستان جیسے مفلس ملک میں جس قدر اور جتنی بھی ہڑتالیں
ہوں کم ہیں۔ چنانچہ ہڑتالوں کا یہ سلسلہ ہر طرح کے کام کرنیوالوں
میں جاری ہے۔ کہیں مل کے مزدور ہڑتال کرتے ہیں تو کہیں
ریلوے کے ملازمین اس کی دھمکی دیتے ہیں۔ اب یہ وبا تو سنتی
ہوں لاہور کے خانگی ملازمین میں بھی پھیل گئی ہے اور وہ بھی اپنے
گھر کی مالکاؤں کو ہڑتال کی دھمکی دے کر اپنی تنخواہیں بڑھوانا
چاہتے ہیں۔ ان اسٹرائکوں کے سبب سے مزدور اور کام کرنے
والوں کی اُجرتوں میں قدرے اضافہ تو ہوجاتا ہے مگر یہ اضافہ
اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ہوتا ہے۔ اجرتوں کے فی روپیہ
میں اگر چار آنے کا اضافہ بھی ہو جائے تو وہ چوگنی بلکہ بعض حالتوں
میں آٹھ گنی قیمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح ہڑتال کی
دھمکی سے اجرتوں میں اضافہ کروا لینا کسی حالت میں بھی مفید
نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سے ملک کی اقتصادی الجھنیں اور بھی
بڑھ جاتی ہیں۔ اس قسم کی پیچیدگیوں کی نمایاں مثال مہنگائی

ہیں ملتی ہے جہاں ہر ہفتے اجرتوں کی شرح گزشتہ ہفتے سے ڈگنی تگنی کردی جاتی ہے۔ پھر بھی کسی کو پیٹ بھر کر روٹی میسر نہیں ہوتی۔ اور ملک کے تمام باشندے عجیب قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر رہ گئے ہیں۔

ملک کی ان اقتصادی گتھیوں کو زبردستی اُجرت کی شرح بڑھا کر کسی حالت میں سلجھایا نہیں جا سکتا اور اسٹرائک کی تمام کوششیں جس میں جانی قربانیاں بھی شامل ہیں بڑھتی ہوئی قیمتوں کے سامنے بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ قیمتوں کی گرانی کی وجہ پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ وہی چیز جو جنگ سے پہلے دو آنے کو ملتی تھی اب ایک روپیہ میں کیوں ملنے لگی ہے؟ اس گرانی کی سب سے بڑی وجہ مانگ کی زیادتی اور اشیاء کی قلت ہے۔ مانگ کی زیادتی سستے روپوں کی فراوانی کے سبب سے پیدا ہو گئی ہے اور یہ سستے روپے جیسا کہ میں اوپر لکھ چکی ہوں حکومت کی کرنسی کی پالیسی میں تبدیلی کی وجہ سے وجود میں آگئے ہیں۔ ہر شخص کی اپنی ضرورتیں ہیں اور جب تک اس کے پاس کثرت سے پیسے ہیں وہ اپنی ضرورتوں کو کہیں نہ کہیں سے پورا کرتا ہے۔ ان کثیر ضرورتوں کو پورا کرنے میں بلیک مارکیٹ کا راز پوشیدہ ہے۔ بلیک مارکیٹ اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک عوام کے پاس پیسوں کی فراوانی ہو گی۔ ان بلیک مارکٹوں کو چلانے والے تجار۔ ملک کے سب سے بڑے مجرم ہیں اور یہاں سے خرید و فروخت کرنے والے گاہک سوسائٹی کے سب سے بڑے گناہ گار۔

بلیک مارکیٹ کو ختم کرنے کے لئے ملک کا کوئی قانون کاری نہیں ہو سکتا۔ ایسے بازاروں کا دارومدار گاہک اور دکانداروں کے خفیہ سمجھوتہ پر ہوتا ہے اس لئے اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا تحصیل لاحاصل ہے۔ اب آیئے ملک کی اس پریشانی پر دوسرے زاویے سے نظر ڈالیں۔ بڑھتی ہوئی مانگ کو گھٹانے کا آلہ عورت کی ذات ہے اگر ہر گھر کی مالکہ اپنی ضرورتوں کو کم سے کم کردے اور کفایت شعاری سے کام لے کر آجکل کے حاصل کئے ہوئے سستے پیسوں کو نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ میں لگا دے تو اس سے نہ صرف اس کی اولاد کے لئے اس کی لگائی ہوئی رقم ڈیوڑھی ہو جائے گی بلکہ اس طرح وہ اپنے خاندان، سوسائٹی اور ملک کے لئے بہت بڑی خدمت انجام دے گی۔

ہر گھر میں تقریباً ۵۰ فیصدی ضرورتیں ایسی ہیں جن کو آ[سانی] سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح جب ہر گھر میں مانگیں [کم] کردی جائیں گی تو پھر اشیاء کی قیمتیں خود بخود گرنے لگیں گی۔ اشیاء کی قیمتوں کا یوں بھی گرنا لازمی ہو گیا ہے اس لئے کہ دنیا کے تمام کارخانے جلد از جلد کافی مقدار میں اپنے سامان بنا کر باہر بھیجنے لگے ہیں۔ ملک میں جونہی چیزوں کی کثرت ہو گی قیمتیں گرنے لگیں گی۔ اور اس وقت اگر مانگ بڑھ بھی جائے تو قیمتوں کے بڑھنے کا کوئی امکان نہ ہو گا۔

ہمیں اسٹرائک ان ضروریات کے خلاف کرنا چاہیے جو لازم[ی] نہیں ہیں اور یہی وہ اسٹرائک ہے جس سے ہماری مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں اس موقع پر اگر ہم اپنے ہادیٔ برحق کی سادہ زندگی کا نمونہ سامنے رکھیں تو ہماری تمام کاوشیں چشم زدن میں ختم ہو سکتی ہیں اور یہی د[نیا] جو اس وقت تنگ اور محدود نظر آرہی ہے کشادہ اور وسیع دکھائی دینے لگے گی۔

بیگم نصیر الدین

(بقیہ صفحہ ۱۴۱) ماہرین علم السیاست کے شخصی آزادی کے متعلق مختلف نظریئے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انسان کو زیادہ سے زیادہ آزادی کم سے کم پابندی کے ساتھ دی جائے بعض پابندی کی کمی کے قائل نہیں ہیں۔ اسی لئے پچھلے اسپنسر اور مل کے خیالات میں بہت فرق ہے لیکن اس پر تمام ماہر متفق ہیں کہ انسان کو کھانے پینے رہنے سہنے، ملنے جلنے، پڑھنے لکھنے گفتگو کرنے اور آمد و رفت کی آزادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیئے تاکہ اس کے دماغ اور جسم کی نشوونما ہو سکے۔ لیکن اس بیسویں صدی کے روشن خیالی کے دور میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض حکومتوں نے اپنی طاقت کا ناجائز فائدہ اٹھا[کر] انسان کی ان ضروریات زندگی پر سخت پابندی لگا رکھی ہے ہ[مارا] ہندوستان اس کا ایک خاص نمونہ ہے۔

ابوالکلام ناصری

جنسی رشتے اور اُن کا انتخاب

(۲)

بزرگ ہی خاندان کا شیرازہ قائم اور انفرادیت
...رکھتے ہیں۔ ورنہ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا تھا اور ا فراد کو بالکل
...بے لگام چھوڑ دینے میں بڑی بڑی پیچیدگیاں پڑتی
...جن میں سب سے زیادہ یہ کہ شرافت اور کرامت کا کوئی معیار
...نہیں رہ سکتا جو سوسائٹی و مذہب کے لئے بے حد ضروری ہے
...وجہ والدین اور خاندان کے بزرگوں پر اس معاملہ میں بہت بڑی
...داری عائد ہوتی ہے اور ان کے لئے اس اہم ذمہ داری سے گریز
...نہیں اور نہ اولاد ہی کے لئے اس سے انحراف جائز ہے بشرطیکہ
...اپنے مذہب اور سماج کے اصولوں کا احترام کرتے ہوں۔

اس لئے لامحالہ اب والدین اور خاندان کے بزرگوں کے لئے
...ہی ہے کہ وہ بھی زمانہ کی روش کا خیال کرتے ہوئے اپنی ذہنیتوں
...حالات میں تبدیلی کریں۔ اور بچوں کی شادی جیسے نازک اور اہم
...ات میں اپنے فرائض کو اچھی طرح محسوس کریں۔ پچھلے زمانوں کی
...ازدواجی زندگیوں کی جو مثالیں آئے دن دی جاتی ہیں کہ نہ
...کورٹ شپ ہوتے تھے۔ نہ منگیتروں میں خط کتابت ہوتی تھی
...کا تبادلہ ہوتا تھا اور نہ لڑکے ولڑکیوں کی ایسی خلط ملط
...شرت تھی جیسی اس کالی تہذیب کے زمانہ میں ہے یہاں تک
...کے لئے محبت کی شادی کا زبان پر لانا بھی زہر ہلاہل سے
...سمجھا جاتا تھا۔ پھر بھی شادی شدہ جوڑے امن وسکون سے
...ل گزار لیتے تھے۔ تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ
...زمانہ میں بچے زیادہ تر اپنے والدین کی سیرت اخلاق اور طرزِ
...شرت کا گہرا اثر لیتے تھے اور خود والدین کی خانگی زندگیاں

خوشگوار اور سیدھی سادی ہوتی تھیں اس لئے قدرتاً ان کے بچے
بھی اپنے والدین پر اٹھتے تھے۔ مگر اس زمانہ کے والدین بھی اپنے
بچوں کی تربیت ان کے سن شعور سے ملحوظ رکھیں تو وہ نہ صرف
بلا پند ونصائح اور جبر واکراہ اپنے خاندان کا نسلی تحفظ برقرار
رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ بچے بھی اپنے فطری ماحول میں ایک حد تک
خوش رہ سکتے ہیں۔ اور ان کو قدرتاً اپنے والدین سے اس معاملہ
میں کسی قسم کی شکایت نہیں ہو سکتی۔ ایسے معاملات بغیر خارجی مداخلت
یا دباؤ کے خود بخود استوار رہیں گے۔ بہرحال قبل اس کے کہ عنوان مسئلہ
پر بحث کی جائے اس ضمن میں خانگی تربیت کے متعلق ایک دو خاص
نکات کی وضاحت کر دینا مناسب ہے۔ جن پر اگر کچھ بھی عمل کیا جائے
تو وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حد تک شادی شدہ طبقہ
کی خانگی آویزشوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ان کی ازدواجی زندگیاں
کامیاب زندگیاں کہلائیں گی۔

اول۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ والدین کے عادات
وکردار کا اولاد پر نمایاں اثر پڑتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت
اس اثر کو بالکل محو نہیں کر سکتی۔ اس لئے والدین خود اپنے افعال
کیرکٹر حسن اخلاق اور طرزِ معاشرت سے بچوں کے سامنے زوجین
کا ایک تمثیلی نمونہ پیش کریں جس میں حتی الوسع شوہر اپنی بیوی کے
جذبات کی قدر اور بیوی اپنے شوہر کے خیالات اور احکامات کا
احترام کرے۔ بچوں کے عادات واطوار اور کیرکٹر کو بگاڑنے سنوارنے
میں گھر کی تربیت یعنی خانگی ماحول بھی جو گھر یا کل خاندان کے مجموعی اثر
سے پیدا ہوتا ہے ایک حد تک ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے جب بچے

...ہو کہ میرا مطلب رذیل سے طبقہ [illegible] ہے غریب کو محض اس وجہ سے رذیل کہنا کہ وہ محتاج زر ومال ہے بہت بڑی غلطی اور ہماری کوتاہ
...رذیل ہے۔ رذیل در اصل ان کو کہنا چاہیئے جن کے نزدیک تو امین سوسائٹی اور اصول مذہب کوئی حقیقت نہیں رکھتے یا جو تھوڑے شعار کا سہارا لیتا
...ازدواجی رشتہ کے لئے [illegible] ذولین شرط ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ شرط حقیقت نہیں رکھتی تو وہ شخص اپنے طبقہ سوسائٹی میں
...کہلائے گا اور اس کی [illegible] رشتے پیدا کرے گا رذیل کہلائے گی اور اس کی سوسائٹی میں کوئی وقعت نہیں ہو گی۔

اپنے اپنے گھروں میں آئیڈیل میاں بیوی کا ایکٹنگ دیکھیں گے تو ان کی آئندہ ازدواجی زندگی پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔

دوئم بچیوں کی مذہبی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ پرائیویٹ طور پر ان کو دینیات کی کتابیں نیز بزرگان دین کے پاکیزہ سوانح حیات کے مطالعہ کا موقعہ دیتے رہیں جس سے ان کے خیالات میں پاکیزگی اور بلندی پیدا ہوتی رہے۔ اور دلوں میں مذہبی احترام قائم رہے۔ بازاری ناولوں۔ مخرب اخلاق قصے کہانیوں کے پڑھنے سے ان کو ہمیشہ منع کرتے رہیں۔ بلکہ سختی کے ساتھ نگرانی رکھیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان کے لکھنے پڑھنے کی جگہوں اور دوسرے مقامات کو دیکھتے رہیں۔ کیونکہ بچے اکثر اپنے دوستوں سے ایسی کتابیں مانگ کر لے آتے ہیں اور چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور تنہائی میں بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ چیزیں بھی بچوں کے شادی بیاہ کے معاملات میں کچھ کم تخریبی اثرات پیدا نہیں کرتیں۔ یاد رکھئے کہ جو بات بچپن سے ہی بچہ کی سرشت میں داخل ہو جاتی ہے وہ عمر بھر اس میں جمی رہتی ہے گو کچھ تعلیم و تربیت اور عقل میں پختگی آجانے سے اس میں تھوڑی بہت کمی ضرور ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا اثر بالکل زائل نہیں ہوتا بالخصوص لڑکیوں کے فطری عادات و اطوار پر سختی کے ساتھ نگرانی رکھیں۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ فطرت پر قابو پانا بہت مشکل ہے لیکن اگر ذرا احتیاط سے کام لیا جائے تو اس میں استداد پیدا نہیں ہونے پاتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس میں بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے اس لئے اگر کسی لڑکی میں کوئی ایسی عادت دیکھی جائے جس کا اس کی آئندہ زندگی پر تخریبی اثر پڑنے کا اندیشہ ہو تو خاص طور سے اس کی سختی کے ساتھ روک تھام رکھیں۔ یہ ہرگز ہرگز خیال نہ کریں کہ ابھی بچہ ہے سمجھ جائے گی۔ یاد رکھئے کہ جس پودے کی شروع ہی سے دیکھ بھال کی جائے گی۔ اس کی خراب پتیاں اور شاخوں کو کاٹا چھانٹا جائے گا اور اس کے تنہ کو سیدھا رکھا جائے گا تو وہ بہت خوبصورت اور تناور درخت ہوگا اور عمدہ گل و ثمر لائے گا۔ ورنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کمزور اور ٹیڑھا رہ جائے گا اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایسے درخت کو مالی جلد ہی اکھاڑ پھینکے۔ بہر حال جو مائیں چاہتی ہیں کہ ان کی لڑکیوں کو اچھے بر ملیں اور وہ عرصہ تک کنواری نہ بیٹھی رہیں۔ تو ان کو چاہئیے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ہیرے بنا دیں جوہری خود گھر بیٹھے آکر ان کو لے جائیں گے۔ لیکن اگر آپ نے ان کی تربیت میں ذرا بھی کوتاہی کی اور پھر بعد میں آپ نے چکنی چپڑی اور بہت سے جہیز وغیرہ کے لالچ سے اپنی نیم تربیت یافتہ اور بد سیرت لڑکی کو کسی کے سر منڈھ دیا تو جب اس لڑکی کی خراب عادتیں رنگ لائیں گی تو اس وقت آپ کیا کریں گی؟ بے شک جب تک آپ زندہ رہیں گی داماد اور سسرال والوں کو چاہے پر چالے اور دعوتوں پر دعوتیں کر کے اور تحفے تحائف بھیج کر ہموار رکھیں گی لیکن جب آپ کی آنکھیں بند ہو گئیں تو پھر کون ساد باؤ ہوگا کہ شوہر اپنی بیوی یعنی آپ کی لڑکی کی بے جا حرکتوں کو برداشت کرے گا۔ جب میں کسی لڑکی کی ازدواجی زندگی کے واقعات سنتا ہوں کہ اس کی سسرال والوں اور شوہر سے نہیں بنتی ہے تو وہ لڑکی میرے نزدیک بے حد قابل رحم ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کے والدین کی ذہنیت لائق تعجب۔ جو اب اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور اس کی قسمت کو روتے ہیں۔ کیوں؟ پہلے تو ان کو اس امر کا احساس ہوا نہیں کہ ان کی غفلت اور لاپروائی اور بیجا لاڈ پیار اور ناز برداری سے اس کی اخلاقی اور فطری حالت خراب ہو جائے گی۔ اب جب وقت آیا۔ اور اس کا نتیجہ نکلا ہے۔ تو بلا وجہ اس غریب کو مطعون و معتوب کیا جا رہا ہے۔ ایک مغربی اہل الرائے لکھتا ہے کہ بچے کی تربیت اس کی ماں کے پیٹ میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر والدین اس کلیہ کو خصوصیت سے لڑکیوں کی تربیت میں مد نظر رکھیں تو اس میں شک نہیں کہ ان کی لڑکیوں کو بہترین بر بغیر تلاش و جستجو مل سکتے ہیں۔ اور وہ ان پریشانیوں سے دو چار نہیں ہو سکتے جن سے لڑکیوں کے جوان ہونے پر اکثر و بیشتر ہونا پڑتا ہے میں اس بات کو بھی مانتا ہوں کہ لڑکیوں کی وقت پر شادی

ہونے یعنی عرصہ تک کنواری بیٹھے رہنے کے کچھ خارجی اسباب
بھی ہوتے ہیں جن پر میں ایک علیحدہ مضمون میں روشنی ڈالوں گا گو وہ
عام طور پر بھی دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ لڑکیوں کو زیادہ تر
اس وجہ سے بر نہیں ملتے کہ ان کی سیرت یا حالات میں ایسی خامیاں
ہوتی ہیں۔ جو بزرگوں کی رائے میں ازدواجی زندگی میں کافی سے
زیادہ سدِ راہ اور خانگی معاشرت کی تلخیوں میں اضافہ کا موجب
ہو سکتی ہیں۔

اب پھر عنوان مسئلہ کو لیجئے۔ فی الحقیقت صحیح رشتہ کا
انتخاب نہایت مشکل۔ دقیق اور شطرنج کا کھیل ہے۔ جہاں
اشہبِ خیال قدم قدم پر سکندریاں کھانے لگتا ہے۔ اگر ہم ایک
چال چلتے ہیں تو دوسری چال پر فوراً مات کھا جاتے ہیں۔ اگر
دونوں چالوں میں کامیاب ہو کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں
تو تیسری چال سے یقیناً شکست کھا جاتے ہیں۔ آپ اپنے لڑکے
کے لئے دلہن تلاش کرتی ہیں۔ تو آپ کی نظرِ انتخاب ایسی لڑکی پر
پڑتی ہے۔ جس کی سیرت تو اچھی ہے مگر غریب صورت سے تہی
داماں ہے۔ اگر اتفاق سے کسی میں دونوں خوبیاں یکجا نظر آتی ہیں
تو لڑکی مفلس ہے اور آپ بلا تامل یہ فیصلہ کر کے اس انتخاب
کو رد کر دیتی ہیں کہ ننگی بھُچی یا کنگال گھر کی بیٹی لے کر کیا ہم چاٹیں
گے۔ اگر خوش قسمتی سے لڑکی میں تینوں محاسن جمع ہیں یعنی
سیرت بھی اچھی ہے اور صورت بھی اور گھر سے بھی خوش حال یا
متمول ہے تو وہ غریب کچھ اچھی پڑھی لکھی نہیں ہے معمولی اردو
کی پہلی دوسری اور قرآن مجید پڑھی ہوئی لڑکی آپ کے
گریجویٹ یا نیم گریجویٹ لڑکے کے لئے موزوں نہیں یا برخوردار
نے خود ہی اس کمی کی وجہ سے انکار کر کے لڑکی کی تینوں خوبیوں
پر پانی پھیر دیا۔ اور یہ خبر نہیں کہ خود حضرت میں با اعتبار عادات
و خصائل کیا کیا خامیاں ہیں۔ ایک ایف اے یا بی اے
ہونا ہی تو لڑکی کے آرام آسائش کی ضمانت نہیں ہو سکتا اور
یہ نہیں سوچتے کہ ہم جو یہ صفت موصوف لڑکی مانگ رہے ہیں
تو کم از کم ہمیں بھی کچھ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

اسی طرح اگر لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے تو لڑکے والوں
سے زیادہ چھان بین کی جاتی ہے۔ یوں تو ہر طبقہ اور ہر پوزیشن
کے لوگوں کا معیار انتخاب جداگانہ ہوتا ہے۔ مگر لڑکا انٹرنس
پاس ہو (یہ آج کل شادی کی کم از کم لازمی ڈگری ہے خواہ
اس ڈگری یافتہ میں قابلیت یا کمانے کمانے کی اہلیت دو کوڑی
کی بھی نہ ہو) برسرِ روزگار ہو۔ آمدنی یا تنخواہ بھی معقول ہو۔
تندرست ہو۔ چال چلن عادات و خصائل اچھے ہوں حتی الامکان
ہم کفو ہو۔ حسب نسب اچھا ہو۔ خاندان میں کسی قسم کی کھوٹ
کسر نہ ہو۔ گھر والے بھی عادات و کردار کے لحاظ سے اچھے ہوں
بالخصوص ساس ظالم نہ ہو۔ یہ آجکل عام لڑکی والوں کے کم از کم
مطالبات ہیں۔ جن کی معقولیت سے کسی کو انکار نہیں۔ مگر
اب سوچنے کی بات ہے کہ کیا آپ کی لڑکی میں بھی وہ تمام محاسن
جمع ہیں۔ جن کی آپ ہی جیسی پوزیشن کے لڑکے والے خواہش
کر سکتے ہیں۔ پھر تمام باتیں کسی لڑکے میں یکجا مل بھی جائیں اور
اکثر مل جاتی ہیں۔ تو کیا آپ اس بات کا اطمینان دلا سکتی ہیں کہ
آپ کی لڑکی خواہ اس کی عادتیں اور خصلتیں کیسی ہی ہوں ایسے
لڑکے کے ساتھ نبھالے گی۔ یا خود ایسا لڑکا نبھالے گا اور اختلافات
اور ایسے اختلافات جو فریقین کی زندگی کو حرام کر دیں، رونما نہیں
ہونگے۔ اگر نہیں تو یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ لڑکی اور لڑکے
والے اپنے اپنے مطالبات و خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک
نامعلوم عرصہ تک جس کی حد حضرت خضر علیہ السلام کو بھی معلوم
نہیں ہوگی۔ منتظر رہیں۔ یہاں تک کہ لڑکیوں و لڑکوں کی عمر
شادی کے زمانہ سے گزر جائیں۔ عیب کائنات میں کوئی چیز
سوائے ذاتِ خدا کے عیب سے بری اور مکمل نہیں تو دولہا
دولہن آپ کو ہر لحاظ سے بے عیب اور مکمل کیسے مل سکتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ دولھا دولھن کے انتخاب کے کم از کم
کیا اصول اور معیار ہونے چاہئیں۔ تاکہ رشتے جیسے مشکل معاملات
آسانی سے طے ہو سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتخاب رشتہ
ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے خاص اصول اور قاعدے کبھی

مقرر نہیں کئے گئے اور نہ کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ موت و زندگی کی طرح یہ مسئلہ بھی زیادہ تر قسمت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر غور کر کے اور صرف موٹی موٹی باتیں ملحوظ رکھ کر باقی تمام معاملات قسمت ہی پر چھوڑ دیئے جائیں تو اچھا ہے۔ پہلے زمانہ میں زیادہ تر یہی ہوتا تھا اور صرف شجرہ پر رشتے طے ہو جاتے تھے۔ آج کل بھی اکثر و بیشتر شریفوں میں یہی ہوتا ہے۔ اور وہیں فی الواقع کچھ اطمینان و سکون کی جھلکیں نظر آتی بھی ہیں۔

خاص خاص نکات جن پر رشتہ کرتے وقت غور کر لینا ضروری ہے

ابھی کہا جا چکا ہے کہ پہلے زمانہ میں رشتے صرف شجروں پر طے ہو جاتے تھے۔ اس نظریہ کے پیروی کرنے والے صرف معمولی آدمی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے انبیاء و ائمہ سے لے کر سلف صالحین تک اس پر کاربند تھے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیرؑ کی جس طریقہ سے شادیاں ہوئیں وہ ہر مسلمان پر ظاہر ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ دنیاوی مال و متاع کے لحاظ سے ان کی کچھ بھی حیثیت نہیں تھی۔ پھر بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی شادی مبارک اپنے قبیلہ (برادری) کی نہایت معزز اور متمول خاتون سے ہوئی۔ تو جناب خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے آنحضورؐ کی کیا صفت دیکھی۔ جو آپ اپنے کو حضورؐ کی کنیزی میں دینے کو تیار ہو گئیں؟ سیرت اخلاق۔ (واضح ہو کہ آنحضورؐ کو شادی سے پہلے نبوت عطا نہیں ہوئی تھی۔) پھر شہنشاہ کائنات جناب امیرؑ کے کن اوصاف سے متاثر ہوئے۔ جو حضورؐ نے اپنی لاڈلی اور چہیتی صاحبزادی کو بلا تأمل آپ کی زوجیت میں دیدیا۔ صرف اخلاق حسنہ علم و فضل باقی قسمت پر بھروسہ۔ اس کے علاوہ بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جن سے تاریخ عالم بھری پڑی ہے۔ اس کا شاید کوئی یہ جواب دے کہ وہ زمانہ اور تھا۔ اور یہ زمانہ اور ہے۔ جیسا زمانہ کا ماحول ہوتا ہے

اسی کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔ پہلے زمانہ میں مسلمانوں اور قوموں کی معاشرت اور خیالات پر اپنا اپنا مذہبی و تہذیبی رنگ چھایا ہوا تھا۔ اور تمام سماجی و معاشرتی احکام اسی رنگ میں ہوا کرتے تھے۔ بے شک یہ بالکل صحیح ہے۔ آج کل ہر بالخصوص مسلم قوم کا مذہبی و روائتی رنگ پھیکا پڑ رہا ہے اور تہذیب و خیالات اس پر اپنا رنگ گہرا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی تمام سوشل خرابیوں کی جڑ اگر سچ پوچھئے تو یہی ہے۔

مگر جو کچھ بھی ہو اور زمانہ کیسا ہی ہو ہمیں اپنے بزرگوں کے خاص اصولوں پر ضرور چلنا پڑے گا۔ ورنہ اس سے انحراف بے اطمینانی پریشانی اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ بہرحال بزرگان سلف کی پیروی کرتے اور زمانہ کا رنگ دیکھتے ہوئے رشتہ کے وقت کم و بیش مندرجۂ ذیل امور پر غور کر لینا کافی ہے۔ اس سے زیادہ چھان بین قسمت سے جنگ کے مترادف ہوگا۔

اول ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ رشتہ ڈھونڈتے اور طے کرتے وقت ہم افراط و تفریط سے تو کام نہیں لے رہے۔ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر لڑکا ذرا ایف اے یا بی اے ہے۔ اور گھر سے بھی خوشحال یا برسر روزگار ہے تو والوں کے دماغ عرش معلیٰ پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہ بڑے فخر سے کہا کرتے ہیں کہ ہمارے لڑکے کے لئے تو دلہن گھر بیٹھے آئے گی۔ یا برادری میں تو لڑکیاں ہمارے گھر کے لئے بالکل نا مناسب بیٹھی ہیں۔ بہرحال وہ اپنے فرشتہ خصلت اور سعادت مند برخوردار بی اے کے لئے ایسی لڑکی ڈھونڈتے ہیں جو مذکورہ صفات سے موصوف ہو۔ کم از کم انٹرنس پاس ہو۔ (واضح ہو کہ آجکل لڑکیوں کے لئے بھی سند یا ڈگری کی وبا بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے) خوبصورت ہو۔ نیک سیرت ہو۔ مالدار ہو (تاکہ رنگ میں رنگ مل جائے اور گھر کی دولت میں اضافہ ہو) سلیقہ شعار ہو۔ امور خانہ داری میں ماہر ہو۔ اور ایسی پاک طینت ہو کہ میاں سے چھوٹی روٹھی نندوں کے ساتھ نبھاؤ کرے۔ مگر آخر ایسی لڑکی بھی کہیں ہیں جہاں ان کے خیال کے مطابق لڑکیاں ملیں کے

ئے منتظر بیٹھی ہوئی ہوتی ہیں۔ کوئی لڑکی نہیں ملتی اور لڑکی
والے اس لڑکے میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر ان کے پیغام
کو رد کر دیتے ہیں۔ بلکہ باقاعدہ منگنی ہو کر بھی چھوٹ چھوٹ جاتی
ہے۔ پھر لامحالہ برادری سے باہر کشکول دراز کرنا پڑتا ہے۔ جو
برادری میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ یہی کیفیت لڑکی والوں کی دیکھی
جاتی ہے۔ اگر لڑکی کافی پڑھی لکھی ہے۔ ہنرمند اور سلیقہ شعار
ہے۔ قبول صورت ہے۔ نیک سیرت ہے (جس کا پروپیگنڈا
بہت کیا جاتا ہے) تو وہ بھی ایسے بر کے منتظر رہتے ہیں جو کم از کم
دو تین سو کی آمدنی والا یا بی اے۔ ایم اے ہو۔ یا کوئی خان بہادر
زادے۔ ڈپٹی زادے ہوں۔ ان کو بھی اس بات کا یقین واثق
ہوتا ہے کہ ہماری لڑکی کے لئے کوئی ایسا ہی آئے گا۔ اور ایسے
ہی خیالی دُرِ گوہرِ نایاب کے انتظار میں اچھے اچھے پیغاموں کو
رد کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غریب لڑکیوں کی عمریں کنواری
بیٹھے بیٹھے بیت جاتی ہیں۔ چہروں پر جھریاں نمودار ہو جاتی
ہیں۔ بال سفید ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

دوسرے۔ رشتہ انتخاب کرتے وقت عمر کا خاص خیال
رکھیں۔ جس کا عام طور پر بالکل خیال نہیں رکھا جاتا اور روپیہ
پیسہ کے لالچ میں اور دیگر مصلحتوں کی وجہ سے انمل جوڑ
انتخاب کر لئے جاتے ہیں۔ جن سے غریب و معصوم لڑکیاں
زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔ عمر کا فرق دس بارہ سال سے زیادہ
نہیں ہونا چاہئے۔ یا ایسی ہی کوئی ضرورت اور عمر کے متعلق
شبہ بھی پیدا ہو جائے تو ڈاکٹری مشورہ کر لینا مناسب ہے مگر
۱۴۔ سال کی لڑکی پر ۴۰۔ ۴۵۔ سال کے مرد کا تسلط
ایک قابل نفرت سماجی ظلم ہے۔

تیسرے۔ مذاق و عادات کی موافقت کا حتی الامکان
خیال رکھیں۔ یہ ایک نہایت اہم اور قابلِ غور نکتہ ہے جس پر
ازدواجی زندگی کی مسرتوں کا بہت کچھ دارومدار ہے لیکن افسوس
ہے کہ عام طور پر اس کو اہمیت نہیں دی جاتی اور اسے مغربی
تہذیب کے اثر پر محمول کیا جاتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔

یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جس کے ۱۰۰ فیصدی درست ہونے
میں مطلق شبہ نہیں۔ یقین مانئے کہ اگر شوہر و بیوی ہم خیال و
ہم مذاق ہوئے تو دونوں کی زندگی نہایت خوشگواری اور راحت
سے گزرے گی۔ خواہ ان کے پاس دنیاوی عیش و عشرت
کے سامان موجود نہ ہوں۔ لیکن مجھے ایک دو مثالوں سے اس
نکتہ کی تشریح کر دینی چاہئے۔ تاکہ غلط فہمیاں پیدا نہ ہو جائیں۔

ہم مذاقی سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی لڑکی کو
علم و ادب سے بنہایت دلچسپی ہے یا وہ مضمون نگار ادیب ہے
تو اس کے لئے شوہر بھی کوئی ادیب جرنلسٹ انتخاب کیا جائے
یا لڑکا بی اے۔ یا ایم اے ہے تو اس کے لئے دلہن بھی انٹرنس
یا ایف اے پاس تلاش کی جائے۔ درحقیقت اس سوال کا
جواب بہت مشکل اور پیچیدہ ہے۔ سرسری طور پر یوں سمجھ
لیجئے کہ اگر لڑکی کو مطالعہ کا شوق ہے۔ اس کے خیالات اعلیٰ
اور شائستہ ہیں۔ زمانہ حاضرہ کے مسائل سے بہت دلچسپی ہے
بہت خوش مزاج اور ذہین لکھ ہے تو اس کے منگیتر میں بھی اسی قسم کی
خصوصیات کا کمی بیشی کے ساتھ جائزہ لے لینا چاہئے۔ اور یہ
دیکھ لینا چاہئے کہ اس کی لیاقت کے سرٹیفکیٹ و اسناد محض نام
کے ساتھ دُم چھلے لگانے کے لئے تو نہیں ہیں۔ یا ایسا نہ ہو کہ شوہر
صاحب تو اچھے اور ترقی پرور خیالات کے نوجوان اور کافی تعلیم
یافتہ ہیں۔ سمجھدار ہیں۔ مگر بیوی ان کے پلے باندھی گئی ہیں کور مغز۔
صرف اپنی زبان میں شُد بُد۔ رہنے سہنے تک کا ڈھنگ
نہیں معلوم۔ سوائے اپنے خاندان و میکہ کی باتوں کے اور کسی
بات یا مسئلہ سے ان کو دلچسپی اور مطلب نہیں۔ عزیزوں دوستوں
میں شوہر صاحب اپنی روشن خیالی او لیاقت کی وجہ سے مشہور
ہیں۔ اور جب محفل میں بیوی کا ذکر آتا ہے تو شرم آنے لگتی ہے
ایسی بیوی کی موجودگی میں جب ان کو اپنی دلچسپی کی باتیں گھر میں
نہیں ملتیں تو لامحالہ باہر ادھر ادھر وقت گزارنا پڑتا ہے۔
میاں کو اصغری اور سکینہ کی لڑائی جھگڑوں کے ذکر سے نفرت
بیوی کو ... کی سائنسوں اور اصلاحی انجمنوں کے ذکر

اور لیگ و کانگرس کے مقصوں سے کدورت۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی دونوں بیچارے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتے پھرتے ہیں۔ اور گھر کے فرائض محض ضابطہ کی خانہ پری کے طور پر رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں کی عادتوں اور خصلتوں پر نظر ڈالئے۔ اگر لڑکا دیگر اوصاف کے لحاظ سے اچھا ہے مگر مزاج کا تیز ہے تو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ ہماری لڑکی میں بھی کافی برداشت کا مادّہ موجود ہے۔ یا نہیں۔ اگر دونوں کی فطری سرشتیں ایک ہی نوعیت کی اور متوازن ہوئیں تو دونوں میں موافقت قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح اگر لڑکی تیز زبان اور فطرتاً کاہل سست ہے تو اس کا نباہ سکون پسند تیز مزاج اور لاابالی شخص کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایسے ناموزوں اور خلاف طبع رشتے کو دنیا عمر بھر رونے کا پیش خیمہ ہے۔
بہر نوع اس مسئلہ پر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے کہ زہر کے ساتھ زہر رکھنا ہمیشہ مضر ہوتا ہے۔ اگر زہر کے ساتھ تریاق رکھا جائے تو کسی بات کا اندیشہ نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ کسی لڑکے و لڑکی کی فطری طبیعتوں اور سرشتوں کا حال کیسے معلوم ہو تو یہ بات کچھ مشکل نہیں۔ برادری میں کسی لڑکے و لڑکی کے حالات چھپے نہیں رہتے۔ اگرچہ بہت کچھ ملمع کاری سے کام لیا جاتا ہے مگر پھر بھی تحقیقات پر عزیزوں رشتہ داروں اور دیگر ذرائع سے صحیح حال معلوم ہو جاتا ہے۔ البتہ برادری سے باہر یہ بات ضرور مشکل ہے۔ اس لحاظ سے میری رائے میں اپنی برادری میں رشتہ کرنا چاہئے۔

سید رضا احمد جعفری اکبرآبادی

(بقیہ صفحہ ۱۰۴) چونکہ وہاں کی فضا میں سورج کی روشنی نیلے رنگ میں باسانی جذب ہو سکے گی ـــــ ہم اس ایونیا کے تیاوہ میں زندہ نہیں رہ سکیں گے اور نہ وہاں کے باشندے ہماری دنیا میں جی سکیں گے۔ یہ ممکن ہے کہ ان کا فطری اطراف کی چیزوں سے گرم ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں ہماری طرح پانچوں قوتیں، دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی پائی جائیں۔ شاید سردی کی شدت کی وجہ سے وہاں کے باشندے سست و کاہل ہوں لیکن بڑے دن رات ہونے کی وجہ سے ان کے لئے دماغی پرواز کے زیادہ امکانات ہیں۔ اس طرح شاید وہ ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ بھی ہوں ـــــ یہ تو نائٹروجن کیمیاوی نظام میں زندگی کے امکان کے متعلق ہوا۔ اسی طرح دوسرے مختلف قسم کے کیمیاوی نظام میں بھی زندگی قائم ہو سکتی ہے۔ اور جب مختلف قسم کے کیمیاوی نظام میں زندگی ہو سکتی ہے۔ تو بہت سے ستاروں میں بھی بہت ممکن ہے کہ زندگی ہو۔ یا ہو چکی ہو۔ یا ہونے والی ہو۔ کیونکہ ایک خاص کیمیاوی نظام والی دنیا جب تک بتدریج ٹھنڈی ہوتی ہوئی اس درجہ حرارت پر نہ پہنچ جائے جس میں زندگی قائم ہو سکے۔ تب تک اس میں زندگی کا ہونا ممکن نہیں اور چونکہ وہ زندگی قائم ہونے کے بعد بھی ٹھنڈی ہوتی رہے گی اس لئے ایک خاص درجہ حرارت کے بعد ممکن ہے کہ پھر زندگی ناپید ہونا شروع ہو جائے ـــــ مختلف ستاروں میں، یہ لازمی نہیں ہے کہ زندگی اسی شکل و ہیئت یا اسی رنگ و روپ میں ہو۔ نہ یہ کہ وہ انہیں ارتقائی منازل سے گزرے جن سے ہماری دنیا کی زندگی گزری ہے۔ بہر حال زندگی ممکن ہے۔

سید امام علی ہمدرد۔ ناگپور

امیر کا کتا (بقیہ صفحہ ۱۳۹) فضا میں پھر شور ماتم پیدا ہوا۔ سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ آس پاس کے درختوں پر پرندے سراسیمگی کے عالم میں پھڑپھڑانے لگے۔ دریا کے پانی میں تموّج پیدا ہو گیا۔ کائنات عالم کا ذرّہ ذرّہ امیر کے کتّے کی کریا کرم پر حسرت و یاس کا مرقع بن گیا ـــــ
اور سامنے سے ایک غریب مفلوک الحال باپ اپنے اکلوتے بیٹے کی لاش کو ایک پھٹی سی دھوتی میں لپیٹے، سینے سے لگائے، سر جھکائے، آہستہ آہستہ دریا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی تصویر غم بنی ہوئی پریشان و خستہ حال افتاں و خیزاں چلی آ رہی تھی۔

مفتاح الدین ظفر

امیر کا کُتّا

وہ بہت خوبصورت اور پیارا کتا تھا۔ چھوٹا سا قد، کالا چمکیلا رنگ، بڑے بڑے بال، حسین آنکھیں، لمبے لمبے کان۔ کہتے ہیں۔ چھوٹے لاٹ صاحب کی میم صاحب اس کتے کی ماں کو ولایت سے لائی تھیں۔ اور محکمۂ تعلیمات کے افسر اعلیٰ کی بیگم صاحبہ کو اس کا ایک بچہ پیش کر دیا تھا۔ ایک تقریب کے موقعہ پر جبکہ راجہ صاحب نے ایک اسکول قائم کیا تھا۔ اور اس کی رسم افتتاح ان افسر صاحب نے ادا کی تھی۔ تو "رانی صاحبہ" نے اسی بچے کو مانگ لیا تھا۔ اور بیگم صاحب کو بطور اظہار تشکر ایک قیمتی ہار اپنے گلے سے اتار کر پہنا دیا تھا۔ اس بچے کی پرورش بڑی جانفشانی اور دلسوزی سے ہوئی تھی۔ اتفاق سے راجہ صاحب اولاد جیسی نعمت سے محروم تھے۔ اس لئے وہ سب لاڈ اور پیار شفقت اور محبت ایثار اور تندہی جو ماں باپ اپنے بچوں پر نچھاور کرتے ہیں اس کتے کے حصے میں آگئی تھی۔ کئی کئی خدمت گار اس کی دیکھ بھال کے لئے تعینات تھے۔ وہ لوگ مقررہ وقت پر بہترین کھانا اس کو کھلاتے۔ علی الصباح ناشتے کے بعد ٹہلانے لیجاتے دوپہر کو غسل دیتے اور بالوں میں کنگھا کرتے۔ اس کے مخملی گدیلے جھاڑتے پونچھتے اور صاف کرتے رہتے۔ غرض ہر طرح اس کی [illegible]میں لگے رہتے۔ خود راجہ صاحب اور رانی صاحبہ اس کے [illegible]آسائش کا خیال رکھتے۔ اس کو اپنے ہمراہ موٹر میں سیر کے لے جاتے، گھنٹوں اس کے ساتھ کھیلتے اور رات کو سونے سے پہلے اس کو ضرور دیکھ لیتے۔

راجہ کی رعایا اس کتے کو بڑی محبت کی نظر سے دیکھتی تھی چھوٹا حسین کتا شوخیاں کرتا۔ کھیلتا، کودتا، پارے کی طرح مرتعش لرزاں، اپنے خدام کے ساتھ سیر کو نکلتا تو راہ گیر راستہ چھوڑ دیتے اور دیر تک اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہتے!

چھوٹے سے کتے کو ایک دن زکام ہوگیا۔ محل میں ہلچل مچ گئی۔ دور دور سے معالج بلائے گئے۔ علاج شروع ہوگیا۔ خیرخواہ عیادت کو آنے لگے۔ راجہ صاحب اپنے پیارے کتے کو دیکھتے یا ان احباب سے ملتے۔ کتے کی بیماری کے متعلق خبر محل کے پھاٹک پر چسپاں ہوگئی۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لوگوں کے اس اخبار کو پڑھنے آئے اور کتے کی حالت معلوم کر کے چلے گئے۔ لیکن افسوس! زکام نے خطرناک صورت اختیار کر لی سب سے پہلے تیز بخار رہا اور پھر بیہوشی۔ آخر ڈاکٹروں نے نمونیہ تجویز کر دیا۔!

مسجدوں اور مندروں میں راجہ صاحب کے کتے کے لئے دعائیں مانگی گئیں یتیم خانوں اور خیرات خانوں میں خوب صدقے تقسیم کئے گئے۔ خود راجہ صاحب نے کئی بکروں کی قربانی کی منت مانی۔ برت رکھا۔ رات بھر عبادت میں گزار دی لیکن خدا کے حکم کے آگے ایک نہ چلی۔ کتے کی عمر ختم ہو چکی تھی وہ دنیا سے چل بسا۔!

ریاست میں کہرام مچ گیا۔ راجہ کے مصاحب اور احباب نے ماتمی لباس پہن لئے۔ رعایا نے خوشی کے جلسے بند کر دیئے سب جگہ کتے کی موت کا ماتم کیا گیا۔ جلسے منعقد کئے گئے اور اظہار رنج والم کے ریزولیوشن راجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کئے گئے!

کتے کی لاش ایک اچھوت کی طرح اٹھائی گئی۔ فلک شگاف نالوں سے زمین ہل گئی۔ مردوں نے عورتوں کی طرح رونا شروع کیا۔ اور عورتیں بیہوش ہو ہو کر گرنے لگیں۔ لاش ایک خوبصورت گاڑی پر ریشمی کفن میں ملبوس رکھی تھی سینکڑوں آدمی ساتھ تھے سب کے سب مغموم اور رنج والم میں ڈوبے ہوئے۔!

چتا تیار ہوئی تو مشک وغیرہ میں اس کو بسایا گیا۔ گھی کے کپے اونڈھا دیئے گئے۔ فقیروں اور غریبوں کو کپڑے اور اناج تقسیم کئے گئے۔ جب چتا میں آگ لگی تو آگ کی لپٹیں خوشبوؤں کی لپٹوں سے مل جل کر آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔

(باقی صفحہ ۱۴۲ پر)

ستاروں میں زندگی کے امکانات

جب ہم زندگی اور اس دنیا کے ماحول کا مطالعہ کرتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ زندگی کتنے نازک توازن پر قائم ہے اگر سو درجہ حرارت بڑھادی جائے تو سارا پانی بھاپ بن کر اڑ جائے فضا میں معمولی ہوا[1] کے بجائے کئی نقصان دہ اور زہریلی گیس پھیل جائیں۔ اور ساری دنیا میں جمود چھا جائے۔ اسی طرح ہوا میں کاربن ڈائی آکسائڈ گیس کی اہمیت ملاحظہ ہو۔ یہ کل ہوا میں تنو ویں حصہ کا بیسواں حصہ ہوتی ہے یعنی کل ہوا کا بیس ہزارواں حصہ۔ پھر بھی اگر اس کی مقدار آگنی کردی جائے تو حرارت ۲۰ درجہ بڑھ جائے اور بہت سا پانی بھاپ بن کر بادل کی شکل میں چھایا رہے۔ اور ہم اور ہماری کاشت سورج کی روشنی سے محروم ہو جائیں جس سے زندگی دوبھر ہو جائے۔ یا اگر اس کی مقدار آدھی کردی جائے تو حرارت ۲۰ درجہ کم ہو جائے لیکن ۲۰ درجہ کی کمی ساری دنیا میں برفباری کا باعث ہو جائے گی۔

ایسے نازک توازن پر قائم رہنے والی زندگی کے وجود میں آنے کے لئے ایک کیمیاوی نظام چاہئے جس میں لامحدود مرکبات بننے کے امکانات ہوں۔ دنیا کی تمام چیزیں ۹۲ بنیادی عنصروں سے مل کر بنی ہیں۔ اور یہی ۹۲ عناصر دوسرے سیاروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ نائٹروجن اور سلیکان دو ایسے عناصر ہیں جن کے کیمیاوی نظام میں زندگی قائم ہو سکتی ہے۔ جو یقیناً اس دنیا کی زندگی سے یکسر مختلف ہوگی جس طرح مشاہدات سے ہمیں کاربن کیمیاوی نظام میں زندگی کے بعض اہم شرائط معلوم ہیں۔ اسی طرح تجربات کی بنا پر ہم نائٹروجن کیمیاوی نظام میں زندگی کے اہم شرائط معلوم کر سکتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے ہم ایک ٹھنڈے نیلے سیارہ کا تصور کرتے ہیں جو اس دنیا سے دگنا ہو اس سیارہ کی فضا میں اوزون[2] ozone کی غیر موجودگی کی وجہ سے دوپہر کے وقت آسمان بنفشی اور سورج چمکیلا نیلا ہوگا اور صبح و شام کے وقت آسمان پیلا اور سورج سبز رنگ کا ہوگا۔ وہ ہماری دنیا کے سو چکر لگانے کی مدت میں ایک چکر اپنے سورج کے گرد لگائے گا۔ اور اپنے محور پر ایک ماہ میں ایک چکر لگائیگا۔ گویا اس کا ایک دن رات ہمارے ایک ماہ کے برابر ہوگا۔ اور اس کا ایک سال ہمارے سو سال کے برابر۔ اس کے سال میں تقریباً بارہ سو دن رات ہونگے (ہمارے ایک ماہ والے رات دن) وہاں کی حرارت ۴۰ درجہ کے لگ بھگ ہوگی۔ ہماری دنیا کی بہت سی مائع اشیاء وہاں ٹھوس بن جائیں گی اور بہت سی گیسیں مائع کی شکل میں تبدیل ہو جائیں گی۔

چونکہ زندگی کی ابتدا کے لئے فضا اور سمندر کا ہونا لازمی ہے۔ اس سیارہ میں بھی ایک سمندر اور فضا کا وجود لازمی ہے یہ مفروضہ سیارہ میں سمندر بجائے پانی کے امونیا کا ہو سکتا ہے اور فضا کسی نائٹروجن آکسائڈ گیس کی۔ پہاڑ معمولی چٹانوں کے ہوتے ہیں۔ جن میں بیشتر دھاتیں اور ان کے نمک کے ہوتے ہیں۔ اس سیارہ میں پارہ تک جم جائیگا اور پانی بھی برف کی حالت میں خاصی عمدہ کانچ کی سی سخت اور ٹھوس چٹانوں میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس طرح کا برف وہاں عمارت بنانے کے لئے بہت کارآمد ہوگا۔ اس سیارہ کے باشندوں کو مکانات بنانے کے لئے صرف اسے گرم کر کے مطلوبہ شکل میں ڈھالنا پڑے گا پگھلا ہوا برف پھر اطراف کی سردی سے جم کر سخت ہو جائے گا۔

جس طرح ہماری دنیا کا توازن درختوں اور جانوروں پر مشتمل ہے اسی طرح امونیا کے سیارے پر بھی توازن قائم کرنے کے لئے دو قسم کی زندگی کا وجود ہونا چاہئے ہمارے یہاں درخت اور پودے بیشتر ستون کی شکل میں ہوتے ہیں اور وہاں قالین کی طرح ساری زمین پر بچھے اور پھیلے ہونگے اور جوں جوں ان کی عمر بڑھتی جائیگی وہ موٹے ہوتے جائینگے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا رنگ بجائے ہرا ہونے کے

---

[1] ہوا میں آکسیجن، نائٹروجن گیس زیادہ مقدار میں ہوتی ہے۔ مارکیان، کاربن ڈائی آکسائڈ۔ تھوڑی تھوڑی پائی جاتی ہیں۔

[2] کیونکہ اوزون آکسیجن گیس سے بنتی ہے اور مفروضہ کے لحاظ سے وہاں خالص آکسیجن گیس نہیں ہوگی۔

آزادی

آزادی (Liberty) ایک وسیع المعنی لفظ ہے علم السیاست کے ماہروں نے اسے مختلف زاویوں سے دیکھا ہے آزادی کے تخیل میں تبدیلیاں تاریخ کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہیں۔ بربریت کے دور میں جب کہ انسان جانوروں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھا۔ اس پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں تھی ۔ وہ جو کچھ چاہتا تھا کرتا تھا۔ اس کی زندگی وحشیانہ تھی۔ پیٹ کے جہنم کو بھرنے کے لئے اُسے جنگلوں میں جانوروں کا شکار کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت انسانیت صرف انسان کی ذات تک محدود تھی۔ وہ بلا خوف وخطر دوسروں کی جان لے لیتا تھا۔ دوسروں کے شکار کئے ہوئے جانوروں کو چھین کر لے جاتا تھا۔ نہ اس کی کوئی مقررہ جگہ ہوتی تھی اور نہ گھر۔ آج یہاں ہے۔ تو کل دوسری جگہ۔ ایسی حالت میں اُسے نہ اپنی جان و مال کی فکر ہوتی تھی اور نہ دوسروں کی، اس زمانہ کا اصول زندگی "جس کی لاٹھی اس کی بھینس تھا" لیکن ترقی کے ساتھ ساتھ انسان نے جب مویشیوں کو پالنا اور کھیتی باڑی شروع کی تو اسے مددگار اور رکھوالے کی ضرورت پڑی۔ اسے اس کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ وہ ایک خاص عورت کو اپنی بیوی بنا کر رکھے تاکہ بیوی اور ان کی اولاد کھیتی باڑی اور مویشیوں کے پالنے میں اس کے معاون ہوں۔ اس وقت انسان عورت کے صحیح فائدہ سے واقف ہوا۔ اس عبوری دور سے گزرنے کے بعد اس طرح سماج (Society) قائم ہوئی۔ سماج کے قائم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اشخاص کے باہمی اتحاد سے یہ بھی کیا گیا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے جان و مال کا خیال رکھے اور کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچائے گا۔ بربریت کے دور کے تلخ تجربے سے انسان اچھی طرح واقف تھا اس لئے اس کے خطرناک عواقب نے اسے مجبور کیا کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر رہے اور حفاظت جان و مال کا خیال رکھے اور اس طرح دنیا میں اسٹیٹ (Law and Order) قائم ہوا۔ لہذا یہ آزادی پابندی کے باعث قائم ہوئی۔

اگرچہ آزادی اور پابندی دو متضاد چیزیں ہیں لیکن حقیقت میں ان کا ایک دوسرے سے بہت ہی گہرا رشتہ ہے وہ ایک دوسرے سے علٰحدہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر آزادی پابندی کے بغیر قائم ہوتی تو ایک شخص دوسرے شخص کو بلا خوف وخطر مار ڈالتا اور اس کی چیزیں لوٹ لیتا۔ مکان پر قبضہ کر لیتا۔ مویشیوں کو چھین لیتا۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں آگ لگا دیتا۔ اس صورت میں انسان کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا تھا۔ ہر وقت اسے اپنے جان و مال کا خطرہ لگا رہتا۔ ایک ایسے سماج میں جس میں اس کے افراد کو جان و مال کی حفاظت ہی سے فرصت نہ ملتی ہو۔ اس کی ذہنی ترقی کیا ہو سکتی ہے۔ تہذیب و تمدن کا وہاں نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ اور بالکل یہی نتیجہ اس وقت بھی ہوتا ہے جبکہ آزادی کو سلب کر کے صرف پابندی ہی کو رکھا جائے۔ ایک غلام سماج میں تہذیب و تمدن کی ترقی ناممکن ہے۔ آج تک کوئی ایسی مثال نہیں ملی ہے کہ ایک غلام سماج میں تہذیب و تمدن کی پیدائش اور ترقی ہوئی ہو۔ اس لئے تہذیب و تمدن کی ترقی نہ صرف آزادی سے ہو سکتی ہے اور نہ صرف پابندی سے بلکہ اگر ترقی ہو سکتی ہے تو صرف ایک پابند آزاد سماج میں۔

آزادی بغیر پابندی۔ اشتراکیت اور تخریب۔ آزادی یا پابندی۔ جمہوریت اور ترقی۔

لہذا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے آزادی اس وقت تک نہیں قائم ہو سکتی ہے جب تک ہر فرد دوسروں کے جائز حقوق کا خیال نہیں رکھے گا۔ اس لئے ہر شخص کی آزادی ہر ایک دوسرے کو پابندی سے ہوتی ہے

(باقی صفحہ ۱۴۲ پر)

وادیٔ کشمیر

کشمیر کی بہار رنگین، حسن ملائک فریب، خوشنما منظر، اور دلفریب وادیوں کی دلفریبی میں کھو کر بھی اس کے آسمان کی رنگینیوں اور کیف زائیوں کو فراموش نہیں کر دینا چاہئے کیونکہ یہ رنگینیاں بھی اس کی نقش آرائیوں کی مظہر ہیں جس نے کشمیر کو اتنا خوشنما، دلفریب و حسین بنا دیا ہے۔ طلوع و غروب آفتاب کے وقت اس کا سماں اتنا دلکش اور دلکشی اتنی پیاری ہوتی ہے کہ شام اودھ اور صبح بنارس اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ایسے پُر لطف مناظر جو آسمان سے باتیں کرنے والے برف سے لدے ہوئے پہاڑوں کے درمیان خطہ کی شان و عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ بہت کم خوش نصیب انسانوں کی نگاہ سے گزرتے ہیں۔

جب نور صبح نمودار ہوتا ہے، تو تمام عالم پر ایک خاموشی طاری ہوتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ فلک پر سنہری رنگت نمودار ہونے لگتی ہے اتنے میں یکایک ایک شعاع برف بستہ اونچی چوٹی سے ٹکراتی ہے جس کے نور سے نارنجی رنگ پھیل جاتا ہے چوٹی کی دوسری طرف بھی آسمان کی رنگت بدل جاتی ہے اور اس خاموشی میں یکبیک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

چند لمحوں کے بعد سورج مشرق سے نکل کر بنی کرنوں کی بلوری پہاڑ کی دوسری چوٹی پر نشانی شروع کر دیتا ہے یہ نظارہ خاص کر قابل دید ہے۔

اس جنت نظیر کا کونہ کونہ قابل تعریف ہے۔ مثلاً باغات جو مغلیہ خاندان کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں اتوار کے روز میلہ لگتا ہے۔ شہر سے قریباً ۴ میل دور سڑک دو حصوں میں بٹ جاتی ہے ایک سیدھی باغات کو اور دوسری چشمہ شاہی کو۔ سڑک ختم ہونے پر چند سیڑھیاں آتی ہیں۔ آگے ایک بارہ دری سی بنی ہوئی ہے اس کے آگے ایک خوبصورت باغ ہے۔ فوارے چل رہے ہیں پانی جاتا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے زمین پر موتیوں کی بارش ہو۔ ہے اس ایک ٹپا تل مانند فوارہ کے بھی ہے۔ اکثر لوگ ساتھ لا کر کھانا وہاں کھاتے ہیں۔ اس پانی کے متعلق مشہور ہے کہ اگر خوب تھک کر یہ پانی پی لے تو وہ بھی ہضم ہو جاویں۔

آگے چل کر نشاط اور شالامار باغ آتے ہیں یہ فواروں کے بجلی کے قمقمے لگے ہوئے ہیں۔ جب وہ شام کو روشن ہوتے ہیں جیسے صاف و شفاف پانی میں ہیرے جواہرات گرے ہوئے ہیں۔ جھیل ڈل بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اس جگہ پانی چند میلوں میں ساکن ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

لوگوں کی سیر و تفریح کے لئے گرمیوں میں نمائش بھی سری نگر میں ہوتی ہے۔ اور لوگوں کا وقت خوب مزے سے کٹ جاتا ہے۔ عورتوں کی سیر کے لئے ایک خاص باغ ہے جس کا نام رانی باغ ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور ایک پہاڑی پر ایک مندر شنکر اچاریہ ہے۔ یہاں سے تمام سری نگر بخوبی دکھائی دیتا ہے ایک اور پہاڑ پر گڑھ ہے۔ سری نگر سے قریباً ۲۰ میل پر گلمرگ ہے جسے انگریز پسند کرتے ہیں۔

جھیل ڈل کا پانی بہت گہرا ہے۔ کنارہ پر رہنے والے گھاس پھوس ڈال کر اوپر مٹی ڈال کر زمین بنا لیتے ہیں اور اپنی زمین باندھ لیتے ہیں۔ یہاں لوگوں کی زمین بھی چوری ہو جاتی ہے کسی کی زمین کاٹی اور اپنی زمین کے ساتھ باندھ لی۔

گگڑ ناگ ایک بہت سرد علاقہ ہے اور صحت افزا بھی۔ سنت ناگ اور کشتواڑ بھی دو مشہور مقام ہیں۔ امرناتھ کا مشہور ہے۔ یہاں کے جنگلات بہت مشہور ہیں۔ امرناتھ کا بڑا تیرتھ ہے۔ یہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ اور بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

نسیم نصرت بانو

اخلاق

اکثر بہنوں کو آپ نے یہ کہتے سنا ہوگا کہ "ہمیں خوش اخلاقی
بت پسند ہے" لیکن ان سے اگر سوال کیا جائے کہ
فلاق کیا چیز ہے؟ تو وہ عام طور پر سوائے اس کے کہ "سب
ے ہنس کر بات کرنا" اس کے معنی بتا دیں، اور کچھ نہ کہہ سکیں
،۔ حالانکہ اخلاق کے حدود صرف ہنس کر بات چیت کرنے
ہی محدود نہیں ہیں۔ گو کہ ہنس کر بات کرنا بھی داخلِ اخلاق
ہے۔ اخلاق کی حدود متعین کرنا اور پھر ان پر عمل کرنا کافی
دنک مشکل ہے۔ غالب کہتے ہیں ؎

بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یعنی آدمی۔ آدمی تو ہو سکتا ہے، لیکن ہر آدمی انسان نہیں
بنکتا۔ اس لئے کہ آدمی انسان جب ہی بن سکتا ہے جب کہ
ایں انسانیت ہو۔ اور وہی انسانیت اخلاق ہے۔

اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ اخلاق نام ہے انسانیت کا۔
بضرورت اس کی ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ انسانیت کیا چیز ہے
انیت وہ چیز ہے۔ جو آدمی کی مصنوعی عادتوں اور خصلتوں
ظاہر کر دے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو غرور سے پاک حسد و
سے، اوا نفت، میل جول کا خواہش مند اور رحم و ہمدردی کے
بات سے بھرپور ہوتا ہے۔ ان سب عادات کا مشاہدہ ہم
ساچھوٹے بچے میں بخوبی کرسکتے ہیں۔ گو اس کی ناسمجھی سے یہ سب
تیں خوبی کے ساتھ ظاہر نہ ہوں لیکن موجود ضرور ہوتی ہیں۔
راعمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ان خصائل پر تصنع کا ملمع
تا جاتا ہے یہی آدمی کو بد اخلاق بنا دیتا ہے۔ غرور ہمیں دوسرں
برائیاں کرنے اور انہیں حقیر سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اور یہ
ت بُری علامت ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "کیا تم اپنے
ہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرو گے۔ نہیں تو پھر دوسروں کی
چغلیاں کیوں کھاتے ہو۔ کہ یہ بھی ایک طرح کا مُردار گوشت کھانا
ہے۔" پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ "تم میں سے کوئی ایک دوسرے
کو بُرا نہ کہے۔ ممکن ہے وہ اس سے بہتر ہو کیونکہ اچھائیوں کا جاننے
والا صرف خدا ہے۔"

حسد و کینہ بھی ایک بُری عادت ہے۔ آدمی ان سے خود
بھی تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے۔ آخر
دوسرے کی خوبیوں سے ہم کیوں جلیں۔ اگر ہم میں کوئی خوبی نہیں
ہے اور ہم اس کو پسند کرتے ہیں۔ تو ہم کو یہ چاہئے کہ ہم اس خوبی
کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یا کوئی کسی کی تعریف کرے
اگر وہ جائز تعریف ہے تو ہم کو بھی خوش ہونا۔ اور اس میں حصہ لینا
چاہئے ورنہ ہماری بلا سے ہم کیوں ناخوش ہوں۔

پھر میل جول بھی انسان کی خصلتوں میں سے ایک بہترین
خصلت ہے۔ لیکن یہ خصلت بہت کچھ عاجزی اور فروتنی کی محتاج
ہے۔ تعلقات میں اگر ہم کو کسی سے اختلاف ہو جائے تو اخلاق
کا منشا و یہ ہے کہ ہم منہ بنا کر نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ دوسرے کی بات
سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں اگر غور و فکر
کے بعد اس کی بات قابلِ قبول ہو تو قبول کرنے میں عذر نہ کریں۔
صحیح پوزیشن کو سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں یہ نہیں کہ چھوٹا
دیکھا نہ بڑا جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ ہمیشہ بڑوں کے ساتھ ادب
سے پیش آنا چاہئے۔ ان کو کبھی غیر شائستہ جواب نہیں دینا چاہئے
لیکن اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر تم سچائی اور صداقت پر ہو
اور کوئی بڑا کوئی غلط بات تم سے زبردستی منوانا چاہے تو تم اس
کو مان ہی لو۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہوگا کہ اپنی حیثیت اور بڑوں
کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے یا تو خوش اسلوبی کے ساتھ اس بات
کا جواب دیدو۔ اور اگر اتنی قابلیت اور ہمت نہیں ہے تو
خاموشی کے ساتھ معاملہ سے درگذر کر جاؤ کہ خدا کو بھی درگذر اور

معافی پسند ہے۔ سچائی سے بہرحال کسی صورت ہٹنا نہیں چاہئے پھر اخلاق کا منشا یہ بھی ہے کہ کسی بڑے کی بات کو نہیں کاٹنا چاہئے۔ خواہ وہ کتنی ہی غلط اور لغو کیوں نہ ہو۔ ہاں جب موقع اور مصلحت دیکھو تو ظاہر کر دو کہ تمہیں اس قسم کی باتیں پسند نہیں ہیں اگر بڑا کوئی مشورہ تم کو دے۔ خواہ تمہارے نزدیک کتنا ہی غلط ہو خاموشی سے سن لو اور اس کے خلاف زبان سے کچھ نہ کہو

جس طرح چھوٹوں کو بڑوں کا ادب کرنا چاہئے۔ ایسے ہی بڑوں کو بھی چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے مگر چھوٹوں سے کوئی غلطی ہو جائے تو ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے آہستگی سے سمجھا دو۔ اس کے بعد اگر وہ نہ مانیں تو پھر اس کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں کی جائز خواہشات کا بھی اتنا ہی احترام کرنا چاہئے۔ جتنا کہ چھوٹے بڑوں کی خواہشات کا احترام کرتے ہیں۔

اب برابر والوں سے عرض ہے کہ وہ بھی ملنے جلنے کے وقت اس کا خیال رکھیں کہ جب آپس کی باتوں میں اختلاف رائے ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس جگہ ہی سے ہٹ جائیں۔ اور کسی وجہ سے ٹھیرنا ضروری ہو تو پھر بات اس خوبی سے کریں کہ لوگ تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ بات چیت خواہ چھوٹوں کے ساتھ ہو خواہ بڑوں کے ہمیشہ آہستگی اور نرمی سے کرنی چاہئے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے "آہستہ آواز سے باتیں کیا کرو۔ آوازوں میں بری سے بری آواز گدھے کی ہے۔

کوئی گھر آئے تو اس سے بجائے یہ کہنے کے کہ "آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ کوشش یہ کرنی چاہئے کہ وہ اچھے احساسات لے کر لوٹے سب سے مقدم چیز سلام ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ سلام کرنے میں سبقت کرو۔ اور جواب عمدہ الفاظ میں دو۔ پھر آرام سے بٹھاؤ۔ حتی المقدور ذاتیات کے متعلق گفتگو کرنے سے پرہیز کرو۔ اس کے ساتھ دلچسپ گفتگو کرو۔ مذاق کرو لیکن مذاق اڑاؤ مت۔ اگر کوئی ٹھیرنے کے ارادے سے آئے تو حتی المقدور اس کے آرام کا خیال رکھو۔

غرض ان مندرجہ بالا مشورات کے مجموعہ کا نام میرے خیال میں "خوش اخلاقی" ہے۔ یعنی جھوٹ، چغلخوری، برائی نہ کرنے، دوسروں کا مذاق نہ اڑانے، بڑوں کا ادب کرنے اور ان کا درجہ پہچاننے، چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آنے، بزرگوں کے مشورات کا خیال رکھنے، فروتنی، بردباری، رحم و ہمدردی، دوسروں کے کام آنے، کسی کا دل نہ دکھانے، اپنی شخصیت کو بڑا رکھنے، نرمی سے بات چیت کرنے، ضد، اکڑ۔ اور حسد و کینہ وغیرہ سے بچنے کا نام اخلاق ہے۔

اگر کوئی بہن واقعی معلوم کرنا چاہیں۔ اخلاق حسنہ کیسے ہوتے ہیں، تو انہیں قرآن شریف کا مطالعہ بغور کرنا چاہئے۔ خدا کا ارشاد ہے کہ "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے تو یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔

بدر منصوری

خواجہ محمود گاواں (بقیہ صفحہ ۱۲۷)

اور سمجھا کہ یہ نفس امارہ کی تنگ ظرفی اور سرکشی ہے اور اس کی تنبیہ و تادیب ضروری ہے۔ چنانچہ میں نے وہ چیزیں جو غرور اور فتور کا باعث تھیں علحدہ کر دیں۔

محمود گاواں کا تعمیر کردہ مدرسہ بمقام بیدر آثار قدیمہ میں اب بھی موجود ہے جس کی تعمیر کی تاریخ کا قطعہ یہ ہے ؎

این مدرسہ رفیع محمود بنا ‏ ‏ ‏ ‏ چوں کعبہ شدہ است قبلۂ اہل صفا

آثار قبول بین کہ شد تاریخش ‏ ‏ ‏ ‏ از آیت ربنا تقبل منا

۸۷۶

محمود گاواں کے قتل کا واقعہ ۵ صفر ۸۸۶ھ کو ہوا اکثر لوگوں نے تاریخی قطعے لکھے ایک قطعہ تاریخ ملا عبدالکریم ہمدانی مصنف تاریخ محمد شاہی کا یہ ہے۔

شہید بیگنہ مخدوم مطلق ‏ ‏ ‏ ‏ کہ عالم را ز جودش بود رونق

دگر خواہی تو تاریخ وفاتش ‏ ‏ ‏ ‏ فرو خواں قصۂ قتل بنا حق

بنی فاطمہ

خواجہ محمود گاواں

خواجہ علاؤالدین محمود گاواں بہمنی سلطنت کا مشہور روزیر اور بے مثل مدبر گزرا ہے۔ وہ اطراف گیلان کے موضع قاوان میں پیدا ہوا تھا۔ اور گاواں کے لقب سے مشہور ہوا۔ گیلان ایران کا ایک صوبہ ہے۔ اس نے وطن ہی میں مروجہ علوم وفنون حاصل کئے۔ ریاضی اور طب میں خاص مہارت بہم پہنچائی، پاکیزہ [illegible] اور صاحب دیوان تھا۔ رسمی علوم کی تحصیل کے علاوہ اکثر علماء وفضلا کی علمی صحبتوں سے فیضیاب ہوا۔ اور صلحاء وفقراء سے کسب فضائل کیا۔ گاواں کا خاندان شریف اور مشہور خاندان تھا۔ وہ جب سن شعور کو پہنچا تو ایک زمانہ اُس کے ظاہری باطنی محاسن اور علمی واخلاقی کمالات کا معترف تھا۔ ایک طرف اس کا شمار پاک نفس، نیک مزاج، اہل دل ہستیوں میں ہونے [illegible] دوسری طرف دانش وفراست، بیدار مغزی ومعاملہ فہمی کی شہرت اس حد تک پہنچی کہ عراق وخراسان کے بادشاہوں نے اسے طلب کیا۔ اور بطور روزیر اس کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت وہ ملازمت کی پابندی اور وزارت کی ذمہ داری سے دور ہی رہا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں چند [illegible] سے وطن سے اس کا دل برداشتہ ہوگیا۔ اس نے اپنی والدہ کے ارشاد کے موافق ہندوستان کا عزم کیا۔ اس کی والدہ صاحب فہم اور ایک صائب الرائے خاتون تھیں خواجہ محمود [illegible] کی بہترین تربیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس [illegible] پہنچ جانے کے بعد جبکہ لڑکے عموماً ماں تو ماں باپ کے اثر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ عالی دماغ محمود گاواں ماں سے بے نیاز اور بے تعلق نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ مستقبل کے اہم مسئلے میں اس نے ماں سے رجوع کیا۔ اور اسی کی تجویز کو قابل عمل [illegible] یہ تجویز جتنی اہم تھی اتنی ہی صحیح ثابت ہوئی۔ اسی پر عمل پیرا ہوکر گاواں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکا اور قابل رشک کامیاب وشاندار زندگی بسر کی۔ بہرحال وہ تاجر کی حیثیت سے دکن میں وارد ہوا اور بیدر پہنچا جو شاہان بہمنی کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں کی سیر وسیاحت اور بزرگان دکن کی زیارت سے جس کا وہ بے انتہا شائق تھا۔ فارغ ہوکر دہلی کا قصد کیا۔ مگر سلطان علاؤالدین بہمنی نے اُسے روک لیا۔ یہاں کی فضا اُسے بھی سازگار نظر آئی اور راضی ہوگیا۔ سلطان نے اُسے امیروں کی مجلس میں شامل کیا وہ بتدریج ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سلطان علاؤالدین کے بیٹے ہمایوں شاہ نے ۸۶۲ھ میں تخت نشین ہوکر باپ کی وصیت کے موافق اس کو بیجاپور کی وزارت کے عہدے پر مقرر کر کے ملک التجار کا خطاب دیا۔ ملک التجار کا خطاب اس وقت اس کی سلطنت کا سب سے بڑا خطاب تھا۔ اور اب محمود گاواں نے گویا انتہائی اعزاز واعتماد حاصل کرلیا تھا۔ ہمایوں شاہ کے فرزند وجانشین سلطان محمد شاہ بہمنی کے عہد میں وہ وزارت کے عہدے پر بدستور بحال رہا اور حسن خدمات کے صلہ میں کئی مناصب اور خواجہ جہاں کا خطاب حاصل کیا۔ دو ہزار سوار بادشاہ کی طرف سے اس کے زیر حکم تھے اور دو ہزار ذاتی نوکر تھے۔ محمد شاہ بہمنی کا بچپن چونکہ محمود گاواں کی اتالیقی میں گزرا تھا۔ اس لئے وہ اس سے بہت مانوس تھا اور بے تکلف گفتگو کیا کرتا تھا۔ ایک روز دربار آراستہ تھا۔ باہر سے بیل کی آواز آئی تو درباریوں میں سے کسی نے گاواں سے، اچھا یہ بیل کیا کہتا ہے" گاواں نے کہا " وہ کہتا ہے کہ ہماری جنس سے ہوکر بادشاہ کی انجمن میں کیا کر رہا ہے" محمد شاہ یہ جواب سن کر ہنس پڑا اور کہا کہ "خداوند تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ ایک تو اس نے ہم کو بادشاہت بخشی دوسرے تم جیسا برگزیدہ ملازم ہم کو عطا کیا" یہ کہکر محمد شاہ بہمنی نے اپنی پوشاک اتار کر محمود گاواں کو پہنائی اور محمود گاواں کا لباس لیکر خود پہن لیا۔ ایک روز محمد شاہ بہمنی نے

کہاکہ مجھے فخر ہے کہ خواجہ محمود میرا ملازم ہے۔" جب گاواں گوا فتح کرکے بیدر واپس آیا تو بادشاہ نے اس کی قدردانی اور عزت افزائی ان القاب سے فرمائی "حضرت مجلس کریم سید عظیم ہمایوں اعظم صاحب السیف والقلم معتمد درگاہ شاہان آصف عمر نشان ملک التجار خواجہ جہاں محمود گاواں۔" بہمنی حکومت نے مدت تک محمود گاواں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ محمد شاہ بہمنی کی نابالغی اور ولیعہدی کے زمانہ میں شاہ مالوہ نے ملک پر حملہ کیا اور اندرون ملک دور تک بے شمار کارآزمودہ لشکر لئے گھسا چلا آیا۔ محمود گاواں نے اس موقع پر جس حکمت عملی سے سلطنت و مملکت کو بچایا وہ اسی کا حصہ تھا۔ اس نے جنگ و خونریزی کے بغیر محض رسد کو مکمل طور پر بند کرکے زبردست دشمن کا منہ پھیر دیا۔ مہمات سلطنت کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ وہ عام رعایا کا بھی خیال رکھتا اور ان کی انفرادی و جزئی تکالیف کو رفع کرنے میں کوشاں رہتا تھا شب جمعہ کو وہ ہمیشہ ایک معقول رقم ساتھ لے کر عوام کی آبادیوں کا گشت لگاتا تھا۔ ان کا حال پوچھتا اور حاجت مندوں کی اعانت بادشاہ کی طرف سے کرتا یعنی جس کو زر نقد دیتا یہ کہہ کر دیتا کہ بادشاہ نے دیا ہے اس طرح غریب و مفلس لوگ سوال کی ذلت سے محفوظ اور دوسروں کے بار احسان سے سبکدوش رہتے۔

اپنی وزارت کے آخری عہد میں محمود گاواں نے قدیم دستور حکومت میں نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی اس نے بادشاہ کو دلائل سے آخر اس پر آمادہ کرلیا۔ اور حکومت کے استحکام اور ملک کی رفاہ و بہبودی کو پیش نظر رکھ کر اس نے آئین حکومت میں ضروری اصلاحات کیں اور بادشاہ سے منظور کراکے جاری کیں لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مفید کام نے آخر اس کی جان لی۔ صورت یہ ہوئی کہ چونکہ نئے دستور کی رو سے سرداروں اور منصب داروں کے اختیارات و اقتدار میں کمی واقع ہوگئی تھی۔ اس لئے امراء نے اس سے اختلاف کیا اور وضع آئین محمود گاواں کے مخالف ہوگئے اور انتقام کا جذبہ ان میں پیدا ہوگیا۔ محمود گاواں اس حقیقت سے واقف تھا۔ اس نے احتیاط کی لیکن مخالفوں کی عداوت کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ شاید وہ نیک نیت حریفوں کی بدنیتی کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔ حریف باہم اس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہے۔ چند روز تک تو ان کی کوششیں غیبت و بدگوئی اور خفیہ ریشہ دوانیوں تک محدود رہیں مگر جب سلطان محمد شاہ مچھلی پٹن فتح کرکے کندپلی نام مقام پر فروکش ہوا دوسرے امراء کے ساتھ گاواں بھی اس مقام پر موجود تھا۔

اسی مقام پر ایک روز معمولی رتبے کے دو امیروں نے ایک کاغذ سلطان محمد شاہ کے روبرو پیش کیا جس پر خواجہ محمود گاواں کی مہر تھی۔ اس میں محمود گاواں کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ "ہم سلطان محمد شاہ کی مے نوشی اور ظلم کوشی سے متنفر ہو چکے ہیں۔ سرحد غیر محفوظ ہے آپ تشریف لائیے۔ کوئی سد راہ نہ ہوگا میں بغاوت کرکے چند امراء کو ساتھ لے کر آپ سے آملوں گا۔ بعد فتح ملک بحصہ مساوی تقسیم کرلیں گے۔" محمد شاہ یہ تحریر اور اس پر گاواں کی مہر دیکھ کر گھبرا گیا۔ حریفوں کا سرغنہ نظام الملک بحری بھی موجود تھا۔ اس نے سلطان کو اور بھڑکایا اور آخر برافروختہ ہوکر سلطان نے گاواں کو طلب کیا۔ چند سواروں نے گاواں کو مشورہ دیا کہ "دربار کا رنگ بے رنگ ہے۔ وحشت انگیز خبریں سننے میں آرہی ہیں۔ ہزار سوار آپ کے زیر کمان ہیں۔ انہیں لے کر گجرات کا رخ کیجئے۔ ہم بھی ہمرکاب ہونگے۔" لیکن اس با اصول اور اطاعت کیش نے انحراف پسند نہ کیا اور اسی وقت دربار میں حاضر ہوگیا۔ محمد شاہ نے گاواں سے پوچھا کہ "جو شخص نمک حرامی کرے وہ کس سزا کا مستوجب ہے؟" گاواں نے کہا "اگر جرم ثابت ہوجائے تو نمک حرام کی گردن اڑا دی جائے۔" سلطان نے وہ کاغذ دکھایا۔ گاواں نے حیرت سے کہا "ہٰذا بہتان عظیم" مہر تو بے شک میری ہے مگر میں نہیں جانتا کیونکر اس کاغذ پر لگائی گئی۔ خط میں نے نہیں لکھا نہ اس کے مضمون و مفہوم سے میرا کوئی تعلق ہے۔" لیکن سلطان پر اس قول و قسم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے تیور سے گاواں سمجھ گیا کہ انجام ہوگا پھر بھی اتنا کہے بغیر نہ رہ سکا کہ میرا قتل بہت آسان ہے ملک کی خرابی و رسوائی کا باعث ہوگا۔" آخر سلطان کے حکم

ایک حبشی غلام آمادہ قتل ہوا۔ گاواں حسب دستور قبلہ رو بیٹھا پہلے کلمۂ شہادت پڑھا اور جب تلوار گردن پر لگی تو الحمد اللہ علی نعمۃ الشہادۃ کہا اور درگاہ خداوندی کو سدھار گیا۔ گاواں کے قتل سے فارغ ہو کر سلطان نے اس کے خزانے کی خبر لی۔ (جس کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ جتنا روپیہ اُس کے پاس ہے بادشاہوں کے پاس بھی نہ ہوگا) خزانچی کو حکم ہوا کہ "نقد اور زر و جواہر سب حاضر کرو" خزانچی نے کہا کہ "میری تحویل میں دو خزانے تھے ہزار لاری اور دو ہزار ہن سرِ مہر ایک میں اور تین سو لاری دوسرے میں اور دونوں حاضر ہیں۔ سلطان نے تعجب سے کہا کہ "خواجۂ جہاں کا خزانہ اور یہ رقم قلیل؟" خزانچی نے آمد و خرچ کے مصارف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جب وزیر کو جاگیر سے روپیہ وصول ہو جاتا تو وہ سرکاری یعنی فوجی انتظامی اور امدادی اخراجات کے بقدر رقم وضع کر کے خزانۂ شاہ کے نام سے اپنے پاس رکھتا اور بقیہ مرکزی خزانۂ شاہی میں بھیج دیتا۔ اور چالیس ہزار لاری جو ایران سے ہمراہ لایا تھا اس کو تجارت میں لگا رکھا تھا اس میں سے نصف ذاتی ضروریات پر خرچ کرتا اور نصف خزانۂ درویشاں کے نام سے محفوظ رکھتا تھا۔ اس میں سے وہ اپنی والدہ اور عزیزوں کو دیتا اُن رفیقوں اور دوستوں کو بھیجتا جو غیر ممالک میں مقیم تھے۔ مدارس و مساجد کی تعمیر و تزئین پر صرف کرتا" مخالفوں نے سلطان سے کہا وہ چالاک آدمی تھا اصلی خزانہ بیدر میں چھوڑ آیا ہوگا" خزانچی بولا کہ "اگر وہاں ایک بھی نکلے تو بندہ کے پرزے اُڑا دیجئے" غرض تحقیقات شروع کی۔ پہلے فراشخانہ کا افسر آیا اور بیان کیا کہ "فرش خواجہ کا ہمراہ آتا ہے۔ بیدر میں چند چٹائیاں مسجد اور مدرسہ میں بچھی ہوئی ہیں اور وہ ہمیشہ ٹاٹ کے بستر پر سوتا تھا" میر بکاول نے بتایا کہ ظروف مسی کی قسم کا جو مال خواجہ کے پاس تھا حاضر ہے۔ اور کھانا تو دیگ کی (مٹی کی ہانڈی) میں پکتا تھا" داروغۂ کتب خانہ سے معلوم ہوا کہ "تین ہزار کتابیں خواجہ کے کتب خانہ میں ہیں مگر سب وقف ہیں" سلطان محمد شاہ ان انکشافات سے دنگ رہ گیا وزیر کے فضل و کمال اور گوناگوں قابلیتوں سے واقف تھا۔

یہ نہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی ان کیفیات سے بھی معمور ہے جن سے صاحبانِ ثروت و اقتدار عموماً محروم ہی رہتے ہیں۔ سلطان کو متاثر دیکھ کر خزانچی نے جس کا دل اپنے محبوب و ہر دلعزیز آقا کے قتلِ ناحق پر خون ہو رہا تھا۔ درباری پیرایہ میں سوال کیا کہ جو شخص لٹے لٹائے کے پاس نوشتہ کر جا رہا تھا اسے آخر کیوں نہیں طلب کیا گیا؟" اب سلطان کو بھی ہوش آیا اور معمولی توجہ و تفتیش سے ظاہر ہو گیا کہ چند خود غرض اور جاہ طلب حاسدوں نے متحد ہو کر افترا پردازی و روباہ بازی سے کام لیا تھا۔

سلطان اس سازش سے واقف ہو کر مدتوں حسرت و ندامت میں مبتلا کفِ افسوس ملتا رہا۔ ادھر ارکانِ حکومت میں بیدلی بے اعتمادی حکم عدولی اور بے اصولی نے زور پکڑا اور سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا۔ خواجۂ خواجگاں محمود گاواں ایرانی قوم کی اعلیٰ سوسائٹی میں سے تھا۔ اس کی دولت مندی اور دریا دلی زبان زدِ خاص و عام تھی ایک ضیافت کے موقع پر اس نے وہ سارے طلائی قاب مع مرصع سرپوشوں کے جن میں کھانا کھلایا گیا تھا۔ بعد اختتام دعوت مہمانوں کے نذر کر دیئے۔ وہ داد و دہش سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔

یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ فتح گوا کی مسرت انگیز تقریبوں کے سلسلے میں سلطان محمد شاہ نے گاواں کے مکان پر آ کر اسے خلعت عنایت کیا اور ایک ہفتہ مقیم رہا۔ گاواں نے دل کھول کر فرائض میزبانی ادا کئے اور وزیر و بادشاہ کے شایانِ شان جشن منایا گیا۔ جب سلطان واپس گیا تو گاواں اپنی محلسرائے کے حجرے میں داخل ہوا۔ زمین پر لیٹ گیا اور خوب رویا۔ جب طبیعت کو سکون ہوا تو معمولی لباس پہن کر باہر آیا اور اپنا تمام اثاثہ جو کچھ بھی اور جس صورت میں بھی تھا ہاتھی گھوڑے اور کتابوں کے علاوہ مستحق و محتاج لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ ایک صاحب نے اس کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ "جب سلطان نے تشریف آوری سے سرفراز فرمایا اور مخدومۂ جہاں (یعنی والدۂ سلطان) نے بھائی کہہ کر نوازا تو میرے دماغ میں نخوت کا ایسا جوش ہوا کہ میں خود فراموش ہو گیا مگر فوراً سنبھلا اور سمجھا۔

(باقی صفحہ ۱۴۴ کالم ۲)

انگور اور کھجور

انگور۔ ایک انتہائی لذیذ اور فرحت بخش پھل ہے یہ معتدل آب وہوا کے علاقوں اور پہاڑی مقامات میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ موسم گرما کا پھل ہے لیکن کئی طریقوں سے محفوظ کر کے بے موسم بھی دستیاب ہوجاتا ہے اس میں غذائیت بہت ہے اس کی شیرینی بغیر ہضم ہوئے براہ راست خون میں جا ملتی ہے یہ خون کو بڑھاتا اور صاف کرتا ہے۔ اس کا استعمال معدہ اور جگر کو قوت بخشتا ہے۔ یہ مفرح اور مقوی قلب بھی ہے قبض کشا بھی ہے اس کے پتے سیاہ مرچ اور سیاہ نمک کے ساتھ پیس کر استعمال کرنا آنتوں اور گردے کے درد کو دور کرتا ہے اس کے پتے کو بیسن میں ڈال کر بہت لذیذ پکوڑیاں بنائی جاتی ہیں زیادتی کے ساتھ اس کا استعمال دست آور ہے۔

انگور کی ایک ادنیٰ قسم زاغ یا داکھ بھی ہے یہ گرم ممالک میں عام طور پر پایا جاتا ہے پکنے پر اس کا چھلکا بہت نرم ہوجاتا ہے اور گودا پر آب ہوتا ہے پختہ ہونے پر اس کا ذائقہ ترش شیرینی مائل ہوجاتا ہے یہ مولد اور مصفی خون ہے اس کا استعمال جگر اور معدے کو قوت بخشتا ہے اور قبض کشا ہے اس کا کثرت سے استعمال بدہضمی پیدا کرتا ہے اور دست لاتا ہے۔ انگور کی خشک کی ہوئی شکل منقے اور کشمش ہے یہ انتہائی شیریں اور لذیذ شے ہے یونانی ادویات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا استعمال مقوی دماغ اور دل و جگر ہے۔

کیمیاوی اجزا انگور کے حسب ذیل ہیں:۔ پانی ۷۹٫۰۰
لحمی اجزا ۱٫۰ ایتھر ایکسٹریکٹ ۱٫۰ کاربوہائیڈریٹ ۱۵٫۰
معدنی اجزا ۰٫۵ سیلیولوس ۲٫۰۵ ایسڈس ۰٫۵

اپنے کیمیاوی اجزا اور ذاتی خوبیوں کی وجہ سے یہ ایک مکمل اور بے مثل پھل ہے۔

کھجور۔ گرم ملک کا میوہ ہے اور موسم گرما میں پیدا ہوتی ہے آم کی طرح اس کی بے شمار قسمیں ہیں اس میں غذائیت بہت ہوتی ہے لیکن پروٹین کم ہونے کی وجہ سے گوشت مچھلی دال وغیرہ کے استعمال کی اس کے ساتھ ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لئے مکران میں خشک مچھلی اور کھجور عام طور پر مستعمل ہوتی ہے۔ ڈاکٹری نقطہ نگاہ سے یہ مقوی بدن اور قبض کشا ہے دودھ کے ساتھ اس کا استعمال بدن کو موٹا کرتا ہے۔ بصرہ عرب کی کھجوریں دنیا بھر میں مشہور ہیں اور وہاں کا بہترین تحفہ خیال کی جاتی ہیں۔ وہاں کے باشندے کئی کئی روز تک انہیں پر گزارہ کرتے ہیں۔ پختہ کھجور حفاظت اور احتیاط سے رکھی جائے تو دو سال تک رہ سکتی ہے۔ اس کی گٹھلیاں مرطوب زمین میں کچھ عرصہ دفن کرنے سے پھوٹ آتی ہیں۔ پھوٹنے پر زمین سے ان کو نکال کر اتارنے سے ان کا گودا نرم اور شیریں ہوجاتا ہے۔ یہ گودا مقوی ہونے کی وجہ سے دوسری ادویات میں ملایا جاتا ہے اور اس کی دوا بنائی جاتی ہے پختہ کھجور کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے اور اس میں ایک قسم کی خوشبو آتی ہے۔ اس کی شکر یا شیرہ میں دانہ دار مصری کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ یہ قیمتی ہوتا ہے لیکن اس کا کثرت سے استعمال معدہ اور آنتوں میں سوزش پیدا کرتا ہے۔ اطبا اس کا استعمال بانجھ عورتوں کے لئے مفید بتاتے ہیں پختہ کھجوروں کو سن وغیرہ کے تھیلوں میں بھر کر اوپر سے دباؤ ڈال کر شیرہ نکالتے ہیں۔ اس کی گٹھلی پتھر کی طرح سخت ہوتی ہے۔ کھجور کی ایک قسم چھوارہ ہے جب یہ کچی اور گدرائی ہوئی حالت میں ہوتی ہے تو اس کو درخت سے توڑ کر کھولتے پانی میں جوش دیتے ہیں۔ بعد ازاں اس کو نکال کر خشک کر لیتے ہیں اور یہی چھوارہ کہلاتا ہے۔ اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔ یہ مقوی دماغ ہے۔

اس کے کیمیاوی اجزا حسب ذیل ہیں:۔ پانی ۱۵٫۰
لحمی اجزا ۲٫۰۰ ایتھر ایکسٹریکٹ ۱٫۲۶ کاربوہائیڈریٹ
معدنی اجزا ۱٫۵ سیلیولوس ۵٫۵ ایسڈس

نفیس فاطمہ بنت چودھری ابوالحسن صاحب صدیقی

وزارتی مشن

برطانوی وزارتی مشن اور وائسرائے کے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء والے بیان کا فوری اثر یہ ہوا کہ ہندو حلقوں میں خوشی کی اور مسلم حلقوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ پبلک میں یہ خیال عام ہو گیا کہ کانگریس تو ان کو ضرور قبول کرے گی۔ مگر مسلم لیگ انہیں ماننے سے انکار کر دے گی۔

وزارتی مشن کے عملہ نے ہندوستان پہنچنے سے قبل اور یہاں پہنچ جانے کے بعد بھی کئی دفعہ یہ دعویٰ کیا کہ "ہم ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا ضرور کوئی ایسا حل جو عمدہ اور قابلِ عمل بھی ہو اور جسے ہندوستان کے عام لوگ پسند بھی کرلیں نکال لیں گے۔"

بعد میں یہ بھی کہتے رہے کہ ہم ہندوستان کو ایک عمدہ آئین بنا کر ہندوستان سے واپس جائیں گے۔

۱۹۴۵ء کی شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد سے وائسرائے ہند برابر یہ کہتے چلے آئے کہ جب تک ہندوستان کے آزاد قومی لیڈروں اور بہترین شخصیتوں کی شمولیت سے میری مرکزی حکومت نہیں بن جائے گی۔ تب تک میرے لئے ہندوستان کی پیچیدگی کو خاطر خواہ طور پر حل کرنا بہت مشکل ہے۔ برطانوی وزارتی مشن کے مذکورہ بالا دعووں سے اور وائسرائے کے اپنی پہلی ایگزیکٹو کونسل کی طرف سے مکرر اظہار بیزاری کرنے سے ہندوستانیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب ضرور قومی لیڈروں پر مشتمل حکومت بن کر رہے گی خصوصاً جب ۲۵ مئی ۱۹۴۶ء کو لارڈ پیتھک لارنس نے اپنی تجویزوں میں کچھ ترمیم کرتے ہوئے کہا کہ ہماری یہ تجویز ایک کُل ہے جس کے دو حصے ہیں۔ — عارضی حکومت اور لمبی مدت کی گورنمنٹ — تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب عارضی حکومت کا قیام لازمی و لابدی ہے۔

لارڈ پیتھک لارنس صاحب کے دونوں ساتھیوں کو یہ خوب علم تھا کہ جب تک ہم کوئی تجویز پیش کرکے ہندوستان کی دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں کی منظوری نہ لے لیں گے ہمارا مقصد حل نہ ہوگا۔ اور جیسے ہم آئے تھے اگر ہمیں ویسے ہی جانا پڑا تو ہمارے سب دعوے غلط ثابت ہوں گے جس کا لازمی اثر ہماری قابلیت اور ساکھ پر پڑے گا۔

چنانچہ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ کانگریس کی طرف سے ہماری تجویزوں کی منظوری تقریباً طے شدہ بات ہے۔ مگر مسلم لیگ کا مان لینا مشکل نظر آتا ہے۔ تو انہوں نے اندر ہی اندر ایک بڑی گہری چال چلی۔ ادھر ۲۵ مئی کے بیان سے انہوں نے مسلم لیگ کو یقین دلایا کہ گروپ بندی — یعنی پاکستان کی بنیاد — لازمی ہے۔ اور کوئی صوبہ شروع سے ہی اپنے گروپ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف وائسرائے بہادر نے مسٹر جناح سے یہ وعدہ کیا کہ عارضی گورنمنٹ میں مسلم لیگ کو کانگریس کے برابر نمائندگی دی جائے گی۔ یہ وعدہ ایک دفعہ نہیں دو تین دفعہ کیا گیا بلکہ ہر بار ساتھ ہی ساتھ یقین بھی دلایا گیا چنانچہ مسلم لیگ نے ان وعدوں کو مدِّنظر رکھ کر وزارتی مشن کی تجویز کو قبول کر لیا اور منظوری دیدی۔

جب مسلم لیگ نے تجویزوں کو منظور کر لیا تو کانگریس ہچکچانے لگی۔ ان کے اعتراضات دن بدن بڑھنے لگے۔ ان کے فیصلے کی تاریخ مستقل طور پر غیر معین ہو کر رہ گئی۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر برطانوی وزارتی مشن کا عملہ اور وائسرائے ہند بہت گھبرائے ان کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اب اگر کانگریس نے ہماری تجویزیں ماننے سے انکار کر دیا۔ تو ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا۔ تین مہینوں کی محنت اکارت جائے گی اور ہمیں اپنا سا منہ لے کر جانا پڑے گا۔

اب ان کو ایک نئی چال سوجھی۔ انہوں نے اچانک ۱۶ جون کو ایک بیان نکال کر چودہ بڑے بڑے آدمیوں

کے نام چھاپ دیئے اور اُن کے نام فرداً فرداً دعوتی خطبھی بھیج دیئے بیان میں بتایا گیا کہ ہماری تجویزیں منظور کرنے والی پارٹی (یعنی مسلم لیگ) اور دیگر اُن لوگوں کو جو ۱۶ مئی کی تجویزوں پر راضی ہوں گے اُن کو ملا کر ہم ۲۶ جون کو عارضی گورنمنٹ کی بنا ڈال دیں گے۔ اگر کوئی پارٹی (یعنی کانگریس) ہماری تجویزوں کے خلاف رہے گی تو اُسے ایک طرف چھوڑ دیا جائے گا۔

اس بیان کا اثر یہ ہوا کہ کانگریس جو کئی روز سے ہچکچا رہی تھی۔ اور تقریباً تجویزوں کے خلاف فیصلہ کرنے والی بھی دکھلائی دی۔ اور مجلس میں تمام اعتراضات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس نے ۱۶ مئی والے بیان کو منظور کر لیا۔ مگر ساتھ ہی عارضی حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

برطانوی وزیروں کا اصل مقصد یہی تھا کہ دونوں سیاسی پارٹیوں کی منظوری حاصل ہو جائے۔ سو وہ اُسے حاصل ہو گیا تفصیلات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے یہ کامیابی محض چالوں سے حاصل کی۔

جب اُن کو اپنا مقصد حاصل ہو گیا تو اُنہوں نے عارضی گورنمنٹ کا مسئلہ چھوڑ کر یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیا کہ لگاتار تین مہینوں کی کشمکش سے ہم تھک گئے ہیں ہمیں ولایت جا کر اور دوسرے کام کرنے ہیں لہٰذا عارضی گورنمنٹ کے قیام کو کچھ عرصہ تک کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وائسرائے بہادر نے برطانوی وزیروں کی صلاح سے عارضی گورنمنٹ کے بارے میں اپنے بار بار کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وزارتی مشن کے عملے نے یہ تو سمجھ لیا کہ دونوں پارٹیوں کی منظوری سے ہمارا مقصد حل ہو گیا مگر اُنہوں نے اس بات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کانگریس کی طرف سے منظوری کی نوعیت کیا ہے ——— کانگریس نے تجویزوں کو منظور کرتے ہوئے صاف کہا ہے کہ ہم تجویزوں کے انیسویں پیرے کا اپنے حسب منشاء مطلب نکالتے ہوئے تجویزوں کو منظور کرتے ہیں اور یہ بات لارڈ پیتھک لارنس کے ۲۵ مئی والے بیان کی وضاحت کے بالکل خلاف جاتی ہے یعنی صوبوں کی لازمی گروپ بندی کے فیصلہ کیبنٹ مشن نے کیا کانگریس اس کے سخت خلاف ہے۔

ایسی حالت میں وزارتی مشن نے کیسے کانگریس کی منظوری کو سمجھ لیا سخت تعجب خیز ہے ——— وہ لوگ اب تو اس بات پر خوش ہو رہے ہیں کہ چلو ہماری تجویزیں تو منظور ہو گئیں۔ ولایت چلتے بنے مگر جب ان تجویزوں پر عملدر آمد کا وقت آیا تو پھر وہی اجتماع ضدین ہو گا جس کا لازمی نتیجہ ہندوستان کی سیاست میں مستقل ڈیڈلاک کی صورت میں نکلے گا کس قدر دُکھ کی بات ہے کہ اتنے عرصہ کی تسلی اور بہلاووں کے بعد ہندوستانیوں پر پھر وہی بلکہ پہلے سے بھی سرکاری ملازموں پر مشتمل حکومت کا پنجہ گاڑ دیا گیا ہے۔

کتنی حیرانی کی بات ہے کہ کہاں تو قومی لیڈروں پر مشتمل وزارت کے لئے پریشانی کا اظہار اور کہاں خالص انگریز افسروں کی حکومت کا قیام ——— موجودہ ایگزیکٹیو کونسل میں صرف دو ہندوستانی ہیں۔ وہ بھی برائے نام۔ سوچئے تو ہندوستانیوں کو اتنی قربانیوں اور مصیبتوں کا کیا نتیجہ ملا۔ اب بھی اگر ہندوستانیوں کو سمجھ نہ آئے تو ان کو یہ معلوم رہنا چاہئے کہ ان کا یہی انجام ہے کہ وہ سدا غلام رہیں۔ اور باہر کے لوگ اُن پر حکومت کرتے رہیں۔

اس ناکامی کی ساری ذمہ داری کانگریس پر عاید ہے۔ جہاں مسلم لیگ نے اپنی شرائط کو اتنا نرم کر دیا۔ وہاں کانگریس ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس کا جو نتیجہ نکلا ہے وہ آگے چل کر نکلے گا۔ وہ ہندوستان کے لئے خراب ہو گا۔ مگر کانگریس کو تو اس سے واسطہ ہی نہیں۔ وہ تو چاہتی ہے۔ کہ صرف ہندوؤں کو آزادی ملے۔ اگر دوسروں کو بھی آزادی ملے تو اس سے اچھا ہے کہ نہ ملے۔

وزارتی مشن چاہے اپنے تئیں کتنا ہی کامیاب کیوں نہ روانہ ہوا ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ہندوستان سے ناکام لوٹا ———

مسز نسیم رشید الدین [illegible]

قطعات

پھر چلا ہے لالہ و نرگس کے روبرو
نظروں میں اک ہوس کا گلستاں لئے ہوئے
بے خبر نہیں اپنے کمال کی
یہ خود بھی ہے بہار کا ساماں لئے ہوئے

[illegible]ں کی جستجو تھی مجھے کائنات میں
تھی زندگی میں میں یہی سودا لئے ہوئے
[illegible]یب شوق نے تنگ آ کے کہہ دیا
لاکھوں گزر گئے یہ تمنا لئے ہوئے

[illegible]ت آل انڈیا ریڈیو لاہور)

(پروفیسر) سکینہ محمود (ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل ایچ۔ اے۔ بی)

عندلیب سے

انگریز شاعر رابرٹ برجس کی حسین نظم نائٹنگیل کے ایک حصہ کا ترجمہ:۔

[illegible]ریں خوبصورت آہ وہ دشت جبل
جن سے تو آئی ہے اُڑ کر بلبل رنگیں ادا
[illegible]ہا دار وادی اور وہ چشمے عطر بیز
جن سے سیکھا تو نے ایسا نغمۂ راحت فزا

[illegible]ل معمورۂ ہستی میں وہ دشت و جبل
رقص کرتے ہیں جہاں روشن ستارے رات بھر
مجھ کو اجازت دے کہ میں بھی روز و شب
گھومتی پھرتی رہوں ان وادیوں میں بے خبر

[illegible]کو رہتی کاش اُس وادی میں میں
پھول ہیں جس کے جہاں میں آئینہ دار بہار
[illegible]نغمہ رہتے ہیں جن وادیوں میں رات بھر
میں [illegible] اپنے پھولوں [illegible]

کشمیری پلاؤ تہ دار

یخنی کے لئے ہڈی آدھ سیر پارچے بکری کے گوشت کے آدھ سیر گھی پاؤ بھر دہی پاؤ بھر ملائی ایک چھٹانک۔ ٹماٹر سرخ رنگ کے ڈیڑھ پاؤ۔ پیاز آدھ پاؤ۔ ادرک ایک چھٹانک لہسن کی ۲ گرہ۔ دار چینی دو تولہ۔ زیرہ سفید دو تولہ۔ سبز الائچی تین تولہ۔ زعفران ۳ ماشہ۔ سونف ۲ تولہ۔ نمک بقدر ضرورت۔ دودھ آدھ سیر۔ چاول قسم اعلیٰ آدھ سیر لہسن کی ۲ گرہ۔

پہلے یخنی کی ہڈی چڑھا دیں۔ اُبال آنے پر سب پانی پھینک دیں پھر پانی چڑھائیں جب پکنے لگے تو سونف۔ ادرک۔ پیاز۔ چار پانچ الائچیاں خورد۔ دار چینی۔ ذرا سا زیرہ یخنی میں ڈال دیں چاولوں کو پانی میں تین بار دھو کر بھگو دیں۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ پارچے بھی دھو کر اس یخنی میں ڈال دیں۔ اور جب گلنے پر آئیں تو نکال لیں۔ ٹماٹروں کو اُبال کر اُن کا رس چھان لیں۔

سفید زیرہ دار چینی۔ ہری الائچی ان تینوں چیزوں کا پوڈر تیار کر لیں خشک پوڈر۔ یخنی کے پارچے جب ہو جائیں گلنے میں ذرا کسر رہ جائے تو ان کو نکال کر علیحدہ رکھ لیں۔ پیاز کو کاٹ کر وہ دیگچی چولہے پر رکھیں جس میں چاول پکاتا ہیں۔ پیاز ڈالیں لہسن و ادرک دے کر پارچہ دیں نمک تہ کی برابر دیں۔ اور دہی و ملائی دے کر خوب بھونیں بعد ٹماٹر کا رس چھان کر دیں۔ دہی و ملائی و ٹماٹر کے رس کی رطوبت خشک ہو جائے تو پوڈر دیں۔ یہ تہ طیار ہو گئی۔ اب یخنی کے آب جوش میں چاول ابالیں کر تہ پر بچھا کر بیچ میں زعفران کا عرق دے کر اوپر سفید چاول بچھا کر گیلی کا کافی دم دیدیں۔ کشمیری پلاؤ تیار ہے۔ ہنڈی آنچ پر دم پر لگایا جائے۔ پلاؤ کے چاولوں میں نمک حسب ضرورت الگ دیں۔ اگر یخنی کو ذرا سے زیرہ و دار چینی سے بگھار دیں تو وہ بھی اچھا ہوگا یخنی میں پکتے وقت دودھ بھی پاؤ بھر کے قریب دیں۔

شاہی رکابدار لطافت علی خاں

تلی ہوئی مچھلی

یوں تو مچھلی طرح طرح سے پکائی اور کھائی جاتی ہے مگر سب سے زیادہ لذیذ و مرغوب تلی ہوئی مچھلی ہے۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ثابت اور بڑی کے مناسب قتلے تلے جاتے ہیں۔ اول مچھلی کو اچھی طرح دھولیں۔ بساند دور کرنے کے لئے بیسن یا پانی میں پسے ہوئے لیموں کے پتوں سے خوب دھوئیں پھر عرق لیموں یا کھٹا تھوڑا مل دیں۔ کچھ دیر بعد کسی صاف کپڑے سے خوب خشک کرلیں جب اس طرح مچھلی تیار ہو جائے تو تلنے کے مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی حسب منشاء اختیار کرلیں۔ غذائیت کے لحاظ سے مچھلی بہت اچھی چیز ہے۔ اور دوسرے گوشتوں کے مقابلے میں اس کا گوشت زود ہضم اور قوت بخش ہے۔

۱۔ میدہ یا بیسن لے کر اس میں تھوڑا سا عرق لیموں اور حسب ضرورت نمک سیاہ مرچ۔ زیرہ باریک پسا ہوا شامل کر کے تھوڑا تھوڑا پانی ملاتی جائیں۔ گٹھلیاں نہ پڑیں۔ جب ذرا گاڑھا گاڑھا ہو جائے تو مچھلی پر خوب مل کر تل لیں۔

۲۔ مندرجۂ بالا ترکیب میں عرق لیموں کی جگہ ٹماٹر نچوڑ کر ملالیں۔

(۳) اوپر کی ترکیب سے میدہ یا بیسن تیار کریں مگر عرق لیموں یا ٹماٹر کا پانی شامل نہ کریں مچھلی کو ایک دفعہ اس میں ڈبوئیں۔ دوسری دفعہ دودھ میں اور پھر بیسن یا میدہ میں اور پھر تل لیجئے

(۴) پہلے چھوٹی چھوٹی مچھلیوں یا چھوٹے قتلوں پر نمک سیاہ مرچ عرق لیموں لگا کر رکھ دیں۔ پھر حسب ضرورت بیسن یا میدہ چھانیں۔ آدھ پاؤ بیسن یا میدہ میں آہستہ آہستہ آدھ سیر دودھ شامل کریں۔ اور ایک بڑا کھانے کا چمچہ مکھن یا گھی ملا کر تھوڑی دیر چھوڑ دیں اب دو انڈوں کی سفیدی سے خوب پھینٹ کر ملالیں۔ اور مچھلی اس میں ڈبو ڈبو کر تل لیں۔

(۵) خشک ڈبل روٹی پیس کر چھلنی میں چھان لیں ایک ایک روٹی کے لئے ایک انڈا خوب پھینٹ کر اس نمک سیاہ مرچ زیرہ ڈال لیں۔ اور قدرے دودھ بھی شامل کرلیں۔ پھینٹا ہوا انڈا پھریری یا برش سے مچھلی کے قتلوں پر مل کر قتلے روٹی کے چورے میں لت پت کریں۔ اور چھری کے پھل سے چورا اچھی طرح قتلوں کو جما دیں پھر تل لیں۔

(۶) ننھی ننھی جھینگا مچھلیاں صاف کر کے نمک سیاہ مرچ زیرہ پیس کر لگا دیں اور املی علیحدہ بھگو دیں جب املی پھول جائے تو پانی نتھار کر اس کو باریک پیس کر مچھلی لگا دیں۔ اور تل لیں۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ مچھلی دو طرح سے تلی جاتی ہے بہت سے گھی یا تیل میں اور تھوڑے گھی یا تیل میں۔ پہلی ترکیب اس صورت میں مناسب ہے کہ ننھی ننھی مچھلیاں یا چھوٹے چھوٹے قتلے ہوں۔ بیک وقت بہت زیادہ مچھلی گھی میں نہ ڈالیں ورنہ گھی کا ٹمپریچر یک دم گر جاتا ہے اور مچھلی کے اندر گھی یا تیل جذب ہو کر مچھلی کو بدمزہ کر دیتا ہے۔ نکالتے وقت مچھلی میں سے گھی یا تیل خوب ٹپکا لینا چاہئے۔

دوسری ترکیب بڑی مچھلی یا بڑے قتلوں کے لئے استعمال کرنی چاہئے۔

اگر کوئی بہن ان ترکیبوں کو آزمائیں تو براہ کرم مجھے اپنی پسند سے مطلع فرمائیں انشاءاللہ آئندہ اور طریقے مچھلی تلنے کے بتاؤں گی۔

سیدہ نفیسہ دہلوی پشاور چھاؤنی

اسلام

اے منکرِ اسلام تجھے ہوش ہے یہ بھی — اخلاق سے بڑھ کر کوئی صمصام نہیں ہے
اسلام کو کیا کام بھلا بغض و حسد سے — ان باتوں سے واللہ اسے کام نہیں ہے
اسلام سکھاتا ہے روا داریِ ملت — دنیا میں یہ ناواقفِ انجام نہیں ہے
اسلام سراسر ہے محبت کی نشانی — جذبات تنفر سے اسے کام نہیں ہے
کافر کو بھی کافر نہ کہو اپنی زباں سے — کیا احمدِ مرسل کا یہ پیغام نہیں ہے
اسلام کے موجودہ تنزل پہ نہ جا تو — اس کے لئے وہ موردِ الزام نہیں ہے
کم بخت تو اسلام کی خوبی ہی نہ سمجھا — تعلیمِ رسولِ عربی عام نہیں ہے
ہو جس میں ذرا سا بھی تعصب کی ملاوٹ — وہ مذہب کوئی دین ہے اسلام نہیں ہے

دعا ڈبائیوی

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

چائے قہوہ کی جگہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ چائے یا قہوہ کی عادت ہے معدہ کام نہیں کرتا یا ہاضمہ کی کوئی خرابی تکلیف دے رہی ہے۔ معالج کہتا ہے کہ اُسے چھوڑ دو۔ نہایت شاق گزرتا ہے آجکل چینی بہت کم مل رہی ہے جن کے گھر دو تین وقت چائے کے عادی ہیں اُن کی جان پر بن رہی ہے۔ بغیر جن بیماروں کو چائے چھوڑنے کی ہدایت کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹینین جو چائے میں شامل ہے عموماً ہاضمہ کو خراب کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ چائے کثرت سے پینا پٹھوں کو کمزور کر دیتا ہے۔ مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر چائے قہوہ چھوڑ دیں تو ان کی جگہ استعمال کریں کیا؟ جی بہلا رہے۔ صبح ہوئی اور چائے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ چائے چھوٹ جائے تو یہ وقت کیا مصیبت بن جاتا ہے پژمردگی اور درد سر بد کے نتائج ہیں۔ تو چائے نوشی اکثروں کی عادت ثانیہ ہو گئی ہے مگر ایسے عادی لوگوں کو بھی چائے کا بدل اختیار کر کے تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن پر چائے یا قہوہ بند کر دیا گیا ہے انہیں مندرجہ ذیل قائم مقام نعمت عظمیٰ سمجھنا چاہیئے۔

پکائی ہوئی سبزیوں کے چھنے ہوئے پانی میں جنہیں مصالحہ بھی پڑا ہو دودھ ملائیں۔ طبیعت میں تازگی اور توانائی محسوس ہوگی۔ جو کے پانی میں لیموں نچوڑیں اور ذرا سا چورن (چاٹ مصالحہ) ملائیں لذیذ معلوم ہوگا۔ صبح کے چائے کے عادی حضرات کھولتے پانی کے پیالہ میں آدھا چمچہ کریم آف ٹارٹار Kream of Tar tar ملائیں اور حسب ذائقہ میٹھا ڈالیں چائے کا لطف حاصل ہوگا۔

کچھ بھوسی میں کافی شیرہ اس طرح ملائیں کہ ساری بھوسی میں جذب ہو جائے اور ایک پترے پر رکھ کے تنور میں سینک لیں تاکہ کراری ہو جائے۔ پک جانے کے بعد اسے باریک پیس لیں اور آدھا چمچہ گرم پانی کی پیالی میں ملائیں۔ پٹھوں کو اس سے سکون حاصل ہوگا اور پیتے وقت بڑا ذائقہ آئے گا۔

گرمیوں کے لئے بھوسی ایک اور طرح سے بھی جا سکتی ہے۔

ایک اونس ٹماٹر کا [illegible] ایک اونس کریم آف ٹارٹر سوڈا [illegible] ڈیڑھ پاؤ پانی۔ دو انڈوں کی سفیدی خوب پھینٹنے کے بعد [illegible]

(لیمن اسنس) کا ایک بڑا چمچہ ملائیں اس میں سے تین چمچے پانی بھرے گلاس میں ڈالیں اور اتنا سوڈا بھی اس میں ڈالیں جو ایک اکنی پر آ جائے۔

معدہ بیکار ہو جانے والے بیماروں اور اٹھتے بچوں کے لئے یہ مرکب تیار کریں۔ سات انڈوں کی زردی سالٹ اکسٹریکٹ کا ایک پونڈ والا ڈبہ دو چمچے کوکو۔ ڈبہ پر سے ڈھکنا اتار کے ڈبہ دیگچی میں رکھ دیا جس میں اس کے گرد پانی ڈال دیں اور اُبالیں تاکہ یہ ملائم ہو جائے اسے کسی برتن میں الٹ لیں ایک ایک زردی اس میں پھانٹ پھانٹ کے ملاتے جائیں پھر کوکو ملائیں کسی ایسے مرتبان میں اسے محفوظ رکھیں جس میں ہوا نہ جائے۔ اور اس میں سے اس مقدار سے استعمال کریں کہ گرم دودھ کی ایک پیالی میں اس کی ایک چمچہ ملائیں۔

اگر آپ کو تکان زیادہ ہے اور طبیعت کی ماندگی کی وجہ سے کسی چیز کے کھانے کو جی نہیں کرتا تو یہ تازگی و طاقت بخش شربت پی کے دیکھیں۔ ایک تازہ انڈے کی سفیدی اور زردی الگ الگ پھانٹیں ایک گلاس میں ایک چمچہ چینی اور ایک سنگترہ کا عرق ڈالیں پھانٹی ہوئی سفیدی ذرا سی ملائیں اور گوارا ہو تو آدھے لیموں کا عرق بھی ملائیں پھر جھٹکے سے سوڈا واٹر کی کچھ مقدار۔ پھر اور سفیدی اور مزید سوڈا واٹر ملائیں حتیٰ کہ ساری سفیدی ختم ہو جائے۔ اسی طرح زردی ذرا ذرا کر کے سوڈا واٹر کے ساتھ اس میں ملاتے جائیں۔ جھاگ اٹھتی حالت میں اسے پی لیں۔

بال صحت کا آئینہ

بال ہر شخص کی صحت کا آئینہ ہیں جن کی صحت درست نہیں رہتی یا غم و افسوس میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کے بال جلد جھڑ جاتے ہیں یا وقت سے پہلے سفید ہو جاتے ہیں۔ گنجا ہو جانا عورت کے لئے زیادہ معیوب ہے مگر مرد بھی چندیا سے بال جھڑنے سے پریشان ہوتے ہیں۔ بالوں کی پیدائش کسی بیرونی چیز سے نہیں ہوتی۔ ان کا [illegible] گردن کے ایک غدود سے ہے۔ اگر اس میں نقص واقع ہو جائے تو بال خشک ہو کے ایک ایک کر کے یا گچھوں میں گرنے لگتے ہیں۔ بال [illegible] نہیں ہے سال میں پانچ چھ انچ بڑھتا ہے۔ بال خون سے [illegible] صحت کے [illegible]

[illegible]

بال زیادہ دھونا بھی مضر ہے۔ مہینے میں کتنی دفعہ ان کو دھونا چاہئے گرد و غبار میل کچیل کی موجودگی پر اس کا انحصار ہے۔ عمدہ صابن کا تجربہ کریں ویسے سرسوں کی کھل سے بہتر کوئی چیز ہمارے تجربہ میں نہیں آئی۔ ملنے دھلنے کے بعد پانی سے خوب دھار دھار کے بال صاف کرلئے جائیں اور پھر تولیہ سے رگڑ رگڑ کے دھوپ میں بیٹھ کے بالوں میں انگلیاں چلا چلا کے انہیں سکھالیں۔

خشک بالوں کے لئے ارنڈی کا تیل۔ میٹھے باداموں کا تیل یا روغن زیتون مفید ہے۔ سادہ ویسلین بھی کارآمد ہے۔ تیل یا ویسلین خوب مل مل کے لگائیں۔ بالوں کی مالش عجیب چیز ہے۔ برش یا کنگھی کرنا بال دھونے کا اچھا قائم مقام ہے کسی دوسرے کا برش یا کنگھی استعمال نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر بیماریاں اسی ذریعہ سے لگ جاتی ہیں۔ کنگھی اور برش مہینہ میں ایک مرتبہ بالکل صاف کرلینا چاہئے۔ برش کرنا گویا ایک قسم کی خشک دھلائی ہے۔ اس سے بال چمکدار ہوجاتے ہیں اور چکناہٹ اور گرد و غبار بھی دور ہوجاتا ہے۔ کنگھا لمبا چوڑا نرم صاف ہونا چاہئے۔ اس کے دانت سخت ہونے چاہئیں مگر اتنے نوکدار نہ ہوں کہ چندیا میں زخم ڈال دیں۔ نارمل ڈی ہائڈ کے محلول Solution of formaldehyde (ایک چمچہ محلول اور ڈیڑھ پاؤ پانی) میں ڈبو ڈبو کے برش اور کنگھی صاف کرنی چاہئے۔

توازن کا حصول

ہر دلعزیزی اپنی کوشش پر منحصر ہے اکثر لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات وہ محسوس کیا کرتی ہیں اور دل میں ایک کرید پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ اوروں کی صحبت سے بھاگتی ہیں۔ اور دوسری لڑکیاں ان سے گھبرانے لگتی ہیں۔ اس کا علاج بس یہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل بھول جاؤ۔ اس گورکھ دھندے سے بچو کہ اب کیا بات مناسب ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے کسی کو نزدیک تنہا دو ہم عمر باتیں چپکے چپکے کررہی ہوں تو یہ ہرگز نہ سمجھو کہ وہ تمہارا ذکر کررہی ہیں۔ اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھنے کا خیال ترک کردو۔ اپنے دل میں اپنی قیمت زیادہ مقرر کرو اور ہمت سے بڑھو اپنی ہمجولیوں سے اپنے اوپر بھروسہ کرکے طرح طرح کی واقفیتیں پیدا کرنے سے نہ جھجکو کوئی ہم جولی تمہیں مدعو کرے تو بے جھجک اس سے ملنے جاؤ۔ اپنے اوپر قابو پانے کے لئے محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں صبر و استقلال مددگار ہے۔ دلکشی اور رعنائی بھی صبر آزما تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے درست و غلط کا امتیاز قابل ہوجاتا ہے۔

اپنے دماغ میں یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا کی فہرست تیار کرکے اس پر عمل کرو تمہاری کامیابی محض تمہاری کوشش پر منحصر ہے۔ سکون اور خودداری پیدا کرو۔ اپنے آپ کو بھول جاؤ۔ گمان و گھمنڈ کی جو دیوار تم نے قائم کرلی ہے۔ اسے توڑ ڈالو۔ کسی نہ کسی بات میں سب سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اپنی رائے ظاہر کرنے سے مت ڈرو۔ درست و غلط کی الجھن میں نہ پھنسو۔

خانگی ٹوٹکے

پانی میں جو کے آٹے کی تھیلیہ ڈال کے چہرہ دھونا بہت اچھا ہے۔ صابن جہاں تک ممکن ہو کم استعمال کریں۔ چہرہ خشک کرنے کے بعد بہت باریک جو کا آٹا سارے چہرے پر چھڑک لیں۔ اور ملائم روئی کے پھائے سے جھاڑ دیں اس کے بعد اپنا دل پسند پوڈر حسب معمول لگائیں۔ چہرہ کی خوشنمائی دیکھ کے آپ پھڑک اٹھیں گی۔

چمچہ میں شیرہ نکالنے سے پہلے چھنا ہوا آٹا اس پر چھڑک لیں پھر شیرہ اس پر نکالیں۔ شیرہ چمچہ پر چپکنے نہ پائے گا۔ جام jam یا مربہ نکالنے کے لئے بھی یہی ترکیب کریں۔

تیل کی بوتل سے چکنائی رکھنے کے مقام پر نہ پھیلے۔ فلالین کا ٹکڑا مربع کی شکل میں کاٹ لیں اور بیچ میں سوراخ کرکے بوتل کی گردن میں پھنسا دیں۔ تیل نکالتے وقت گردن کی جانب جو تیل سرکے گا اس کپڑے میں جذب ہو ہو جائے گا۔

دودھ اور اسی قسم کی دیگر مائع ابالتے وقت جلنے نہ پائیں گی اگر برتن میں سنگ مرمر کا ٹکڑا رکھ دیں۔ اس کے ذریعہ مائع خود بخود جنبش میں رہے گی۔ اور چمچہ ڈال کے برابر ہلاتے رہنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

بنی ہوئی نقلی ریشم یا اون کے کپڑوں کو پھیلا کے سکھائیں تو ان کی صورت بنی رہتی ہے ساتھ ہی ساتھ اسے کافی ہوا بھی پہنچتی رہے دو الگنیوں پر چادر پھیلا کے باندھ دیں یا لٹکا دیں اور اس پر ایسے کپڑے کو خوب پھیلا دیں۔

اونی کپڑے کے جھلسنے کے داغ بعض اوقات اس طرح اور دور ہوجاتے ہیں کہ ایک کپڑا گرم پانی میں ڈبو کے نچوڑ لیں اور گلیسرین میں ڈبو کے داغ پر رگڑیں۔ گلیسرین کپڑے میں زیادہ نہ لگنے دیں ورنہ پانی کا دھبہ کپڑے پر باقی رہ جائے گا۔

بے پالش کے چوبی سامان یا سنگ مرمر کا دھبہ آدھا لیموں زور سے رگڑنے سے اکثر دور ہوجاتا ہے۔

سیر بین

سمندر کی کھیتی

امریکہ کے محققین کی رائے ہے کہ گزشتہ دو بڑی جنگوں نے انسان کے وسائل زندگی میں بہت بڑے رخنے ڈال دیئے ہیں۔ زمین آدمی کے لئے کم غذا کا سامان مہیا کرنے کے قابل رہ گئی ہے وقت آرہا ہے کہ یہ طاقت بھی جاتی رہے گی۔ آدمی مجبور ہوگا کہ وہ سمندر سے غذا حاصل کرے۔ ۷۰ فیصدی زمین کا حصہ سمندر ہے اور مربع میل رقبہ برابر کا لیا جائے تو سمندر کی پیداوار زمین کی پیداوار سے کہیں زیادہ رہے گی۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ اپنے ساحلوں سے آگے ہزار ہا میل تک اپنا قبضہ جمالے۔ اس کے عملی نتائج دنیا تھوڑے عرصہ بعد دیکھ لے گی۔ آئندہ جنگ میں سمندر میں ہوائیاں اور اڑن بم وغیرہ چھوڑنے کے اڈے بنیں گے جو ضرورت کے وقت فوراً پانی کے اندر کئے اور ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک منتقل کئے جاسکیں گے۔ سمندر کے اندر کھیت بنائے جاسکیں گے کیمیائی اجزا سے پانی میں کھیت اگ سکیں گے۔ انہیں ٹھوس زمین کی ضرورت نہ ہوگی۔ چھوٹے جزیروں اور پہاڑوں ٹیلوں پر کارخانے قائم ہوجائیں گے۔ جو سمندر کی پیداوار کو صاف ستھرا کرکے غذا میں منتقل کریں گے۔ اور ان کے بنڈل اور پیکٹ بنا بنا کے ساری دنیا میں بھیج دیا کریں گے۔ لہروں جوار بھاٹے وغیرہ میں اس قدر قوت ہے کہ ان کی مدد سے سمندری صنعتوں کو خوب زور شور سے چلایا جاسکے گا

طلاق کی فرضی وجہ

تیرہ چودہ سال ہوئے اخباروں میں انگلستان کی ایک ۴۲ سالہ عورت کے حالات چھپے تھے کہ وہ ان شادی شدہ لوگوں کی جو باہم مل کے نہ رہ سکتے تھے کسی طرح قانونی عدالت میں دستگیری کرکے خلاصی دلادیتی تھی۔ اس کی صورت شکل اچھی تھی۔ کپڑے بھی خاصے تھے اور تعلیم بھی ایسی تھی جو ایک بھلی مانس عورت کو ملنی چاہیئے۔ اس کا شوہر پہلی جنگ عظیم میں مارا جاچکا تھا۔ آٹھ سال تک وہ اپنے بیٹے کو پبلک سکول کی تعلیم دلاتی رہی مگر جب اس کے پاس کچھ نہ رہا تو اسے بڑی مشکل پیش آئی۔ نوکری کے لئے جگہ جگہ پھری۔ لیکن قابل لوگوں کی موجودگی میں کہیں اس کی پرسش نہ ہوئی۔ بچہ کی تعلیم چھٹنے کا خوف پیدا ہونے لگا کہ اتفاق سے اس کے ایک مرد دوست نے اس سے ذکر کیا کہ اس کی بیوی اس سے طلاق لینا چاہتی ہے اور وہ قصور اپنے وقت اسی کا قضیہ رکھتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس رعب مردانہ شجاعت کے اظہار میں کہہ دیا کہ اچھا وہ اس کی صورت پیدا کردے گا۔ اس بات پر خود اس عورت کو بھی خیال آیا کہ اگر وہ فرضی طور پر عدالت کو دکھا سکے کہ شوہر کا اس سے میل جول ہے تو اس طرح طلاق مل سکتی ہے۔ اور وہ اپنے بچے کے لئے اتنی فیس لے سکتی ہے کہ وہ تعلیم جاری رکھ سکے۔ چنانچہ ایسا ہی قرار پاگیا ایک ہوٹل میں کمرہ کرایہ پر لیا گیا۔ ساری رات دونوں تاش کھیلتے رہے جب ناشتہ کا وقت آیا تو خدمتگار کے آنے سے چند منٹ پہلے وہ ایک لحاف میں گھس گئے۔ خدمتگار اور ہوٹل والوں کی شہادت طلاق کے لئے کافی ہوگئی۔ مرد نے طلاق حاصل کرتے ہی قرار دادہ رقم سے زیادہ کا چیک اس کے پاس بھیج دیا۔ اس عورت نے بعد میں وکلا سے بات چیت کی کہ جس موکل کو اس کی امداد کی ضرورت ہو وہ حاضر ہے۔ گو خود اسے اس کام میں شرم معلوم ہوتی تھی۔ اور اس سے اُسے نفرت تھی مگر اپنی خستہ حالی کی وجہ سے اس نے اسے معیوب نہ سمجھا۔ اس کا قول تھا کہ میں صرف قانون کو دھوکہ دیتی ہوں۔ مگر جب تک ہمارا قانون اس شکل کا ہے ضرورت اس کا حل اسی طرح پیش کرسکتی ہے یہ مغربی آزادی کے کرشمے ہیں۔!

ذرہ گولہ کے نقصانات

ہیروشیما اور ناگاساکی جاپان کی دو بندرگاہ تھیں جن پر ایک ذرہ گولہ (اٹیم بم) پھینکا گیا اور جاپان صلح کے لئے سرنگوں ہوگیا۔ ہیروشیما پر یہ گولہ ۶۔ اگست ۱۹۴۵ء کو پھینکا گیا اس وقت اس کی آبادی تین لاکھ بیس ہزار نفوس تھی۔ اندازاً اسی ہزار مر کے رہ گئے۔ یہ بندرگاہ ۱۰ مربع میل کے رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ چار مربع میل کا رقبہ گولے کے جھونکے اور اس کے لیدی آگ سے تباہ ہوگیا۔ ناگاساکی کی ۱½ میل کی صنعتی اور مزدور وادی پر یہ گولہ ۹۔ اگست کو پھٹا جس نے اسے بالکل تباہ کردیا دو لاکھ ۷۰ ہزار کی آبادی میں سے ایک لاکھ آدمی اس وقت اس وادی میں تھے۔ جن میں سے ۴۰ ہزار مر گئے۔

اب مسلسل تحقیقات سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ تہذیب کی

ترقی نے انسان کو پھر از منۂ قدیم کے لوگوں کی طرح گہرے غاروں میں رہنے سہنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اس نئے آسمانی گولے نے ان ۲ گھنٹوں میں نہایت آباد شہروں کو غارت کر کے رکھدیا ہے۔ گہری زمین دوز پناہ گاہیں اس گولے سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس گولے کا جھونکا۔ حرارت کا اخراج اور برقی لہروں کا تسلسل تباہی اور اموات کا باعث ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ تباہی کے مرکز سے ایک ہزار گز تک گولہ کا جھونکا انگریزی طرز کے پختہ مکانات بالکل تباہ کرتا چلا جائے گا۔ ایک میل تک ایسی تباہی پھیلائے گا کہ مکانات کی مرمت نہ ہوسکے گی۔ ۱½ میل تک وسیع پیمانہ پر مرمت کے بغیر علاقہ ناقابل بود و باش کر دے گا۔ ابتدائی مرمتوں کے بعد دو ڈھائی میل تک رقبہ رہنے کے قابل کر دے گا۔

حرارت کے متعلق پایا گیا کہ ایک سکنڈ کی صرف ایک کسر کے لئے نہایت تیز چمک ہوتی ہے جس کی گرمی بڑے فاصلے تک ہر چیز کو نہایت تندی سے جھلس دیتی ہے اس کے پھٹنے کے قریب علاقہ میں ننگے بدن والوں کی کھال بری طرح جھلس کے کوئلہ سی ہوگئی۔ یہ لوگ منٹوں اور زیادہ سے زیادہ گھنٹوں میں مر گئے۔ مرکز سے ۱½ ہزار گز تک یہ جھلس بہت سخت تھی۔ ۲½ میل یا زیادہ تک معمولی طور سے جھلا چلی۔ کپڑے حتیٰ کہ باریک عام طور سے ڈھال کا کام دے گئے مگر بعض صورتوں میں خود ہی جل اٹھے تار کول کی سڑکوں پر اس وقت چلنے والوں کے سایہ منقش ہوگئے دونوں شہروں میں گیس اور بجلی کے ٹپکنے سے جگہ جگہ آگ لگ گئی یہ آگ مرکز سے ایک میل تک لگی۔

بجلی کی لہروں سے جنہیں گما شعاعیں کہا جاتا ہے جسم پر اسی وقت کچھ اثر نہ ہوا البتہ ۲۴ گھنٹوں کے بعد اسہال، قے اور بخار ایسے لوگوں کو لاحق ہوگیا۔ ایک ہفتہ میں اموات واقع ہونے لگیں چھ ہفتوں کے بعد یہ مصیبت ہلکی ہوئی۔ یہ لہریں ہڈیوں کے گودے پر اثر ڈالتی ہیں جس کی وجہ سے خون بننا بند ہو جاتا ہے کیونکہ خون بنانے والے خلیے مر جاتے ہیں۔ آدمی میں خون کی کمی بڑھتی جاتی ہے جلد آنکھوں انتڑیوں اور گردوں میں زہر اترا آتا ہے آخر وہ مر جاتا ہے ان لہروں سے ہر شخص جو ان کی زد میں آگیا مر گیا اور یہ اثر مرکز سے نصف میل تک رہتا ہے۔ تین چوتھائی میل کے فاصلہ پر ۵۰ فیصدی شفا کا امکان پایا گیا۔ مرکز سے ۱½ میل تک بال گرنے کی کیفیت پائی گئی۔ دو میل تک معمولی بیماری کا اثر رہا۔ چونسٹھ گز کی عمارتیں ان لہروں سے محفوظ نہیں۔ ان میں جذب ہوکے اندر والوں کو مار ڈالتی ہیں ہیروشیما میں ایک ایسی عمارت میں ۲۴ آدمی تھے جن پر بظاہر کوئی اثر نہ تھا ان میں صرف دو زندہ رہے وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ سب سے نچلی منزل میں تھے۔

ایک ہزار گز تک حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے یا ایسے بچے ہوئے جو جلد مر گئے۔ دو میل کے بعد ایک تہائی حاملہ عورتیں ایسے بچے جن سکیں جو درست تھے گولہ پھٹنے کے دو ماہ بعد سارے ہیروشیما میں اسقاط اور قبل از وقت پیدائش عام حالات سے پانچ گنی واقع ہونے لگیں۔ تین چوتھائی میل تک بعض مرد عورت بچہ کشی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔

اب بحر الکاہل کے مرکز میں امریکہ نئے گولوں کے اثرات کا تجربہ کر رہا ہے بعض سائنسدان کہتے ہیں۔ تجربہ ۳ قسم کا گولہ پھٹنے کے بعد ساری دنیا پر تباہی نازل ہوسکتی ہے جس سے یہ ایک خشک درخت کی طرح ہو کے رہ جائیگی اس کے اثرات کا ایک زنجیر بندھ سکتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے سارے سمندر ایک نہایت عظیم الشان فورانی گولہ بن جائیں گے ایک سرا ایک ایسے گولہ کا حکم رکھے گا جس نے ہیروشیما کو تباہ کیا بالفاظ دیگر دھماکا ۶ میل فی سکنڈ کی رفتار سے تمام عمارتوں کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکے گا۔ اور دوسرا دھماکا ساری سطح زمین پر ۹۰ منٹ میں اس قدر حرارت پھیلا دے گا کہ ساری ہوا ابل کے رہ جائے گی۔ حرارت ۱۰ لاکھ درجہ سنٹی گریڈ ہوگی۔

چھلجھڑیاں

ہیروہتو جاپان کا ۱۲۴ واں بادشاہ ہے جاپانیوں کے عقائد کے مطابق اس کا خاندان ۲½ ہزار برس سے جاپان پر مسلسل حکومت کر رہا ہے اور مورث اعلیٰ سورج کی دیوی تھی۔

مصر خالی کرنے کی وجہ سے انگریز اب قبرص کو اپنا جنگی اڈا بنانا چاہتے ہیں گو بعض مبصر اسے کمزور مقام قرار دیتے ہیں۔ قبرص پہلے یونانیوں کے قبضہ میں تھا ۶۴۸ء میں اسے عربوں نے فتح کر لیا ۱۱۹۱ء میں انگریزی حکومت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ مگر بعد میں یہ ترکوں کے قبضہ میں آگیا ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں انگریزوں نے اسے اپنی سلطنت سے ملحق کر لیا اس سے پہلے ترکوں نے ایک معاہدہ کی رو سے اسے انگریزوں کے انتظام میں دیا تھا ۱۹۱۵ء میں انگریزوں نے اسے یونان کو اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ وہ جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دے مگر شاہ راضی نہ ہوا۔ یونانی اب بھی اسے اپنا حق سمجھتے ہیں۔

سلطان صلاح الدین شاہ مصر و شام نے ۱۱۷۶ء میں قاہرہ میں ایک زبردست قلعہ تعمیر کیا تھا جو گزشتہ ۶۴ سال سے انگریزوں کے قبضہ میں ہے اب مصر کو واپس کیا جانے والا ہے۔

محمد ظفر

نہایت خوشبودار
فوراً ہضم پذیر
ڈالڈا میں تلی ہوئی پوریاں آپ کے منہ میں
گھل جاتی ہیں — اور قوت بھی بخشتی ہیں!
ڈالڈا نہ صرف آپکی غذا کو لذت دار بناتا ہے، بلکہ یہ آپکی مقوی خوراک ہے! اس مشہور
مقوی خوراک کے ذریعہ آپکی روزانہ غذا میں اضافہ کیجیے، جو کہ فوراً ہضم پذیر، وٹامن آمیز
رسوئی کا سامان ہے۔ ہر ایک خاتون کے لئے ڈالڈا ایک نعمت ہے۔ یہ
اس کی سادی رسوئی کو بھی اپنے شیریں لذیذ خوشبو سے معطر
کرتا ہے اور اس کے خاندان کو زیادہ قوت بخشتا ہے۔
Dept. A437 P.O. Box No. 353, Bombay.
DALDA
VANASPATI
THE HINDUSTAN VANASPATI MANUFACTURING CO., LTD.

بزم عصمت

بزم عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں (۱) نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط نہایت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیٰحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ اڈیٹر

میری بچی یاسمین گل نے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۴۶ء کو ساڑھے چھ سال کی عمر میں قرآن شریف کی منزل ختم کی ہے۔ اور ماشاءاللہ نہایت صحیح پڑھتی ہے۔ عصمتی بہنیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بچی کو اسلامی محبت عطا کرے اور عمر دراز بخشے۔ اس خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ کی حقیر رقم برائے نادار فنڈ ارسال ہے مسز ایم۔ اصغر فاروقی خریدار ۹۴۲۱

میرے شفیق منجھلے بھائی جان آقا سید غلام عباس صاحب سبزواری ۱۷ مئی سنہ ۱۹۴۶ء کو صبح ساڑھے دس بجے یکایک قلب کی حرکت بند ہونے کے سبب انتقال فرما گئے۔ ماں باپ اور چار بھائیوں میں صرف یہی ایک بھائی دنیا میں رہ گئے تھے۔ بھائی بھی وہ بھائی جس نے مجھے اپنی اولاد کے برابر سمجھا ہو اس کا غم ایک چاہنے والی بہن کے لئے مصیبت عظیم ہے۔ مرحوم نہایت متقی پرہیزگار اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے غریبوں یتیموں اور حاجتمندوں کی مدد ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ مرحوم کی بے وقت موت نہ صرف میرے لئے مصیبت ہے بلکہ قوم کا بھی بہت بڑا نقصان ہوگیا۔ مرحوم کی نشانی دو بچیاں ہیں بہنیں دعا فرمائیں کہ ان کی عمریں دراز ہوں۔ صغرا سبزواری خریدار ۳۸۱۲

میرے بڑے بھائی جان سید ضمیر احسن صاحب رضوی ایم۔ اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سنٹرل ایکسائز کی شادی خانہ آبادی محترمہ صفیہ عباسیہ صاحبہ بی۔ اے دختر نیک اختر خان صاحب سید نظیر عباس صاحب فورلیسٹ آفیسر کے ساتھ ۱۰ ارجون سنہ ۱۹۴۶ء کو انجام پذیر ہوئی۔ بھابی جان نے اسی سال علی گڑھ گرلز کالج سے بی اے کیا ہے۔ دولہا دلہن دونوں ماشاءاللہ نہایت ہنس مکھ و ہردلعزیز ہیں خداوند کریم ہمیشہ اس جوڑے کو شادکام و بامراد رکھے۔ آمین۔ اس خوشی میں نادار فنڈ کے لئے عامر کی حقیر رقم ارسال ہے۔ حسینہ عباس ناز رضوی

بھتیجے محمود تقی کی پہلی سالگرہ اس ماہ کی چھ تاریخ کو نہایت مسرت سے منائی۔ اس خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے بذریعہ منی آرڈر بھجوا رہی ہوں۔ مسز آغا رحیم بخش کوئٹہ۔

خریدار ۱۴۵۶ اپنی لڑکی کا رنگ صاف کرنے کے لئے یہ دوا استعمال کرائیں آزمودہ ہے۔ عرق لیموں اور روغن چنبیلی ہم وزن لے کر خوب ملا کر رات کو چہرہ پر لگائیں اور صبح کو لائف بوائے سے دھو ڈالیں انشاءاللہ ایک ہی ہفتہ میں کافی فرق محسوس ہوگا۔ کم از کم ایک ماہ بلاناغہ لگائیں روزانہ تازہ لیموں کا عرق لینا چاہیئے۔ نازلی بیگم غازی بجنور ۱۱۳۲۰

میری ایک بہن کی ناک کالی کالی نظر آتی ناک پر کچھ مسامات نظر آتے ہیں جن کو دبانے سے خشخاش جیسے دانے نکلتے ہیں ناک کھردری رہتی ہے کوئی دوا کسی بہن کو معلوم ہو تو مطلع کریں۔ خریدار نمبر ۸۳۰۶

چہرے اور ٹھوڑی کے نیچے کے بال اڑانے کا کوئی بہترین نسخہ کسی بہن کو معلوم ہو تو تحریر فرمادیں۔ جس سے نہ تو کوئی ضرر پہنچے اور چہرہ صاف اور ملائم ہو جائے۔ شفقت نسیم بخاری خریدار نمبر ۱۰۴۳۲

عصمت ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں بہن مسز نسیم ڈار گھاٹ میلہ نے چھیپ کے داغ مٹانے والی کریم کا نام لکھا تھا یہ کریم Still Man's frechle cream. باوجود کئی جگہ کی تلاش کے نہ مل سکی براہ مہربانی بہن صاحبہ بذریعہ عصمت اطلاع دیں کہ کہاں اور کس دوکان پر مل سکتی ہے بہت مشکور ہونگی جلد توجہ کریں یا کسی اور کریم وغیرہ کا نام لکھیں جو کہ آزمودہ ہو۔ شفقہ ذکیہ افتخار بریلوی

میری ایک بہن جس کی عمر ۱۶ سال ہے قد چھوٹا ہے۔ اگر کوئی بہن یا بھائی ایسی ورزش یا آزمودہ نسخہ سے مطلع فرمائیں جس سے قد بڑھ جائے تو نوازش عنایت ہوگی۔ خریداری نمبر ۱۰۸۲۶ -

کسی بہن کو محترمہ نواب جہاں (نواب پٹودی کی بھانجی) یا نواب پٹودی کی پھوپھی صاحبہ جن کا موضع جھجر ہے کا پورا پتہ معلوم ہو تو براہ مہربانی بتا دیں مجھے سخت ضرورت ہے۔ خریداری نمبر ۸۲۰

مجھے کچے موز (کیلے) کے بھرتے بنانے کی ترکیب مطلوب ہے۔ خریدار

میرے لڑکے کی عمر جس وقت ساڑھے ... سال کی تھی تو اس کو خسرہ نکلا ساتھ ہی نکسیر شروع ہوگئی کہ بند نہ ہوتی تھی۔ ڈاکٹر نے انجکشن کیا آرام ہوا پہلے کئی سال سے سردیوں کے دنوں میں اس کی نکسیر آتی رہتی ہے

اور اُس نے
لائف بوائے کی
عادت سیکھ لی ہے

ہاتھ کھینچنے سے بھی قوت جاری ہوجاتا ہے بچہ کا دماغ کمزور ہوگیا ہے ہر وقت تالو سے پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ کوئی بہن یا بھائی ایسا آزمودہ نسخہ تحریر فرمائیں کہ بچہ کی دماغی کمزوری دور ہوجائے۔ خریداری نمبر ۹۱۱۹

ممتاز النساء گوجرانوالہ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ نے بادام کے شربت کی جو ترکیب لکھی ہے اُس میں آپنے یہ نہیں بتایا کہ پانی کا وزن کتنا ہو جس میں گریاں بھگوئی جائیں اور چینی کس وقت ڈالنی چاہئے اور بھی ڈال کر کتنے جوش دے کر شربت کو چولھے سے اُتار لیں۔ مہربانی کرکے پوری ترکیب سے آگاہ فرمائیں۔ بیگم کپتان راجہ محمد مختار خاں ٹنڈروٹ خریداری نمبر ۹۱۱۹

اگر کسی بہن کو کسی ایسی دکان کا پتہ معلوم ہو۔ جہاں کہ ٹائیلٹ کا ہر قسم کا سامان مل سکے تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔ دوسرے یہ بھی لکھیں کہ بھویں کس طرح باریک بنائی جاتی ہیں یہ تو میں جانتی ہوں۔ کہ Eye brow pencil سے لگانے سے ابرو باریک بن سکتے ہیں مگر جس کے ابرو چوڑے اور باریک نہ ہوں۔ بال کس طرح تراش لئے جاتے ہیں۔ وہ کونسی دوائی ہے۔ جس کے لگانے سے ابرو کے بال جڑ سے نکل جاتے ہیں اور کچھ بھی درد محسوس نہیں ہوتا۔ مس تاج پروین۔ خریدار ۱۲۴۰

میرے بڑے بھائی جن کی عمر ۲۰ سال ہے قریب ۴ سال سے پیٹ میں پتھری کی شکایت ہوگئی ہے۔ پہلے ہی سال ایک وید کے علاج سے چھوٹے چھوٹے دالوں کی طرح دو ٹکڑے گرے۔ اس کے بعد تکلیف کم ہوگئی مگر ہر سال ایک ہفتہ کو مزید تکلیف ہو جاتی ہے اور ہمیشہ وید کے علاج سے فائدہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر تو لیس اپریشن کو کہتے ہیں۔ اگر کسی بہن یا بھائی کو اس کا ایسا نسخہ معلوم ہو کہ وہ پیشاب میں گھل جائے اور پھر کبھی تکلیف نہ ہو تو ضرور آگاہ کریں۔ نیز یہ بھی تحریر کریں کہ ہاکی، کرکٹ، ٹینس کھیلنے یا سائیکل چلانے سے کوئی بُرا اثر تو نہیں ہوتا۔ آنسہ حبیب النساء ہاشمی ناگپور۔

میرے ہاتھوں پر بہت بال ہیں اور کافی بڑے بڑے ہیں اگر کسی بہن کو کوئی ایسی چیز معلوم ہو جس کے لگانے سے بال نکلنا ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں تو مہربانی کرکے بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں۔ مگر نسخہ آزمایا ہوا ہو تو اچھا ہے۔

خریدار نمبر ۱۴۹۲

مجھے تازہ بری بوٹی اور بھانگڑا بوٹی کی دعاؤں کے نسخے کی ضرورت ہے۔ یہ بوٹیاں پہاڑوں کی ترائیوں میں بکثرت خودرو پائی جاتی ہیں۔ براہ کرم کوئی صاحب

مصور غم
الخیری کی تصانیف
نظموں کے مجموعے
مذہبی مضامین
ادب لطیف
اسلامی تاریخ بطرز ناول
ملنے کا پتہ ۔ عصمت بک ڈپو دہلی

رسالہ عصمت دہلی

انتالیسواں سال	ستمبر ۱۹۴۶ء	جلد ۷۷ نمبر ۳

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصولڈاک) پانچ روپیہ۔ بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ

ممالک غیر سے دس شلنگ — اُمراء سے دس روپیہ (۱۰)

روشنکار سے پچیس روپیہ — والیان ریاست سے سو روپیہ

باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر و پرنٹر پبلشر محبوب المطابع دہلی میں چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلاں (دریا گنج) دہلی سے شائع ہوا

بزرگوں کی پنشن

بہت سے خاندانوں میں خوردوں بزرگوں میں ایک کشمکش نظر آتی ہے
بہو ساس کی شاکی ہیں تو بیٹے باپ سے نالاں۔ ہر ایک کو دوسرے
سے شکایت ہے اور اس طرح خاندان کا سکون و اطمینان برباد
ہو کر ہر طرف نفسی نفسی کا عالم نظر آتا ہے۔ بزرگ لوگ چھوٹوں کو
ناخلف کہتے اور ہر ایک سے ان کی شکایت کرتے ہیں۔ لیکن
اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ان قصوں میں ان کا اپنا بھی بہت
کچھ قصور ہوتا ہے۔ جوانی کی عمر میں وہ بھی اپنے بزرگوں سے کچھ
نہ کچھ مختلف ضرور رہتے اور اپنے زمانے میں پرانی لکیر کو چھوڑ کر
بہت سی نئی باتیں انہوں نے اپنے یہاں رائج کی تھیں۔ اس لئے
اب اگر ان کے چھوٹے اپنے زمانے کی تبدیلیاں چاہتے ہیں تو کیوں
انہیں ناگوار ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے اولاد کی تربیت صحیح طریقہ پر
کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آخر میں اُسے اپنا جانشین بنا کر خود اس دردسر
سے سبکدوش نہ ہو جائیں۔ آخر گورنمنٹ بھی ضعیفی میں پنشن دے کر
پرانے ملازمین کو ان کی خدمات سے سبکدوش کر دیتی ہے۔ وہی اصول
گھریلو زندگی میں بھی کارفرما ہونا چاہئے۔ اور بزرگوں کو سوچنا چاہئے
کہ اب ہمارا آرام اور یادِ الٰہی کا وقت ہے اور خدا کی عنایت سے
ہماری جوان سال اولاد ہمارے بوجھ کو اپنے کندھوں پر اٹھانے
کے لئے تیار ہے۔ عمر کے ساتھ اس کے حوصلے اور ارادے بھی جوان
ہیں۔ ہر کام کو نئے جوش اور ولولے کے ساتھ کرنے کی آرزو ہے
پھر کیوں نہ ہم آرام اور یادِ خدا میں اپنی باقی ماندہ عمر گزاریں اور اولاد
کو گھر اور جائداد کا انتظام اپنے جیتے جی سونپ کر مطمئن ہو جائیں
جو کہ چند روز بعد اُن کے ہاتھ میں آنا ہی ہے۔ لڑکے اگر کہتے ہیں کہ پرانی
وضع کے مکانات جو گھنی آبادی اور تنگ گلیوں میں بنے ہوئے ہیں۔
فروخت کر کے کھلی جگہ میں کشادہ اور ہوادار بنگلے یا کوٹھیاں بنالیجئے
کہ اگر خود رہیں تو صحت بخش فضا میسر آئے اور کرایہ پر اٹھیں تو
ان سے معقول آمدنی ہو تو کیوں والد کو یہ اعتراض ہو کہ لڑکا تو صاحب
بہادر بن گیا ہے۔ آبائی جائداد کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔ یا یہ کہ
ہمارے صاحبزادے تو موٹر خریدنے کی فکر میں ہیں لیکن میرے
سامنے تو ان کا یہ ارادہ پورا ہونے سے رہا۔ میں نے اس لئے تھوڑی
جوڑ جوڑ کر رکھی نہیں کہ وہ فضول خرچیوں میں اڑا دیں۔ یا اگر لڑکے
کی خواہش ہے کہ گاؤں کی جائداد فروخت کر کے جس میں آمدنی کم اور جھنجھٹ
زیادہ ہے (روز کی مقدمہ بازی سے کبھی نجات نہیں ملتی اور پیداوار
پیداوار یہ وصول نہیں ہوتا) کیوں نہ شہری جائداد میں اضافہ کر لیا
جائے کہ جس کا کرایہ زیادہ بھی ہوگا۔ اور آسانی سے وصول بھی
ہوتا رہے گا۔ تو کیوں ابا جان کو محض اس بناء پر اعتراض ہو کہ لڑکا
باپ دادا کی جاگیر کو تباہ کرنے پر اتر آیا ہے۔ ساس کو کیوں شکایت
ہے کہ ہمارے زچہ خانوں میں تو ہمیشہ دائیوں نے کام کیا۔ دلہن بیگم
کے لئے لیڈی ڈاکٹر کیوں آتی ہے۔ یا ہمارے بچے تو کبھی ہوا خوری
کو نہیں گئے۔ دلہن بیگم کیوں صبح شام بچوں کو سیر کے لئے بھیجتی ہیں
اور اکثر خود بھی جاتی ہیں۔ سینما ہم نے آج تک نہیں دیکھا یہ کیوں جاتی
ہیں۔ یا ہمارے وقت میں دو روپے مہینہ کی ماما کھانا پکاتی تھی۔
اب تیس پینتیس روپیہ ماہوار کا باورچی کیوں رکھا جائے۔ آخر اس روز
کی جھک جھک فضیحت سے فائدہ کیا؟ آپ کا زمانہ اور تھا آپ نے جو کیا
کیا اس وقت کے لحاظ سے کیا۔ آج کا زمانہ دوسرا ہے اور آپ کے
بچے آج کل کے زمانہ کے ہیں۔ اسی کے مطابق ہر کام کریں گے کیونکہ
آپ خواہ مخواہ دخل دے کر بری بنیں۔ آپ کے روکے سے رفتارِ زمانہ
تو رک نہیں سکتی۔ ہوگا وہی جو نئی پود کرنا چاہتی ہے لیکن لڑائی جھگڑوں کے
ساتھ ہوگا اور اگر کوئی بات باقی رہے گی تو اس کے لئے بزرگوں کا سایہ
سر سے اٹھنے کا انتظار ہوگا اور کبھی نہ کبھی وہ دن آ ہی جائے گا اس لئے
کیوں نہ وہ طریقہ اختیار کیجئے کہ آپ کی باقی ماندہ زندگی بھی آرام و اطمینان
سے گزرے آپ کی اولاد بھی آپ کا سایہ اپنے سر پر ایک نعمت سمجھے اگر آپ
نے اولاد کی تربیت صحیح طریقہ پر کی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آخر عمر میں اُ

...نہ کیا جائے۔ غرض صرف اتنا ہے آپ کے وقت میں روپیہ پیدا کرنے
...یقے بھی دوسرے تھے اور خرچ کرنے کے بھی؟ آج کی دنیا اس سے
...مختلف ہے اور نئی پود کو چار و ناچار اسی کا ساتھ دینا ہے وہ اگر ان
...کے اصولوں پر خرچ کرے گی تو پیدا بھی کرے گی۔ آپ اگر بُرے
...کے لئے گولک میں روپیہ پس انداز کرتے تھے تو وہ اپنا اور بچوں
...بیمہ کرا کر یا معتبر کمپنیوں کے حصے خرید کر اپنے لئے روپیہ محفوظ کرتی
...پرانے وقت کی ناکارہ جائدادوں کے عوض نئی جائدادیں جن سے
...آمدنی ہو خریدتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بڑے بڑے عہدوں
...پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔ موقع ہے تو تجارت کی طرف بھی اس کا
...ن بہت کافی ہے۔ غرض روپیہ پیدا کرنے کا ولولہ نئی امت میں
...طرح اپنے بزرگوں سے کم نہیں بلکہ آج کل کے بڑھے ہوئے
...ات کے پیش نظر زیادہ ہی ہے۔ اب رہا طرز رہائش اور خرچ کا
...ل تو وہ بھی لامحالہ اسی روش پر ہوگا جس پر آج کل کی دنیا چل رہی
...بچوں کی محبت آج کل بھی ماؤں کو ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے
...ماؤں کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ بچے کو پانی نقصان کرتا ہے اس لئے
...وفیوں سے جہاں تک ممکن ہو بچاؤ اور عموماً بچے نظر بد سے بیمار
...اتے ہیں۔ اس لئے بطور حفظ ماتقدم ان کے گلے میں تعویذ گنڈے
...اور اگر اس پر بھی اگر بیمار ہوں تو کسی ملا سیانے کو بلا کر جھاڑ پھونک
...اور صدقہ اتارا جاوے وغیرہ۔ لیکن آج کل کی ماؤں کو
...گیا کہ بچے کی صحت کے لئے پابندی وقت، صفائی، تازہ ہوا،
...روشنی نہایت فائدہ مند چیزیں ہیں۔ لہٰذا وہ بچے کا ہر کام وقت
...اور روزانہ غسل دینے اور دودھ وقت ہوا خوری کے لئے بھیجنے
...اور بیماری میں بجائے ملاں سیانوں کے طبی امداد طلب کرتی ہے
...گناہ کرتی ہے؟ پہلے وقتوں میں بھی عورتوں کو سنگھار اور
...کا خیال تھا اور آج بھی ہے لیکن اس وقت ہاتھ اور ناخن
...مہندی سے رنگے جاتے تھے اور ہونٹ مسی اور لاکھے سے سرخی کی
...شہاب کا رنگ اور پوڈر کی بجائے ابٹن کا سفوف رائج تھا۔
...برعکس لپ اسٹک اور سرخی پوڈر نے ان چیزوں کی جگہ لے لی
...کرنے کے پہلے جو سرخی غازہ جیسی چیزیں لگانے کا رواج تھا کیا...

اور بازیگروں کے تماشے دیکھے جاتے تھے۔ آج ان کی جگہ دوسرے کھیل تماشوں کو سینما نے لی ہے۔ غرض کہ یہی سب باتیں وہی جو پہلے تھیں لیکن زمانے کی رفتار کے مطابق ان کا طرز بھی بدل گیا ہے اور ہمیشہ بدلتا رہے گا۔ بزرگوں کو اس امر پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ آخر عمر میں اگر وہ اپنی ہونہار اور نوجوان اولاد کے مضبوط کاندھوں پر ڈال کر خود سبکدوش ہو کر آرام فرمائیں تو بالکل مناسب ہے۔

ظفر جہاں بیگم

. . . . .

۲ دو اطلاعیں

جولائی، اگست کے پرچے ختم ہو گئے۔ ڈاکیوں کی سٹرائک کی وجہ سے ۸ جولائی سے ۷ اگست تک تقریباً ایک ماہ ڈاک کا اہم کام قریباً چوپٹ رہا۔ وی پی منی آرڈر، رجسٹریاں قطعی بند رہیں اور دفتر عصمت کو کئی ہزار روپیہ کا نقصان اس سٹرائک کے باعث پہنچ گیا مگر دفتر کے تینوں پرچے اپنی روایات کے بموجب پابندی وقت سے شائع ہوئے چنانچہ اگست کا عصمت ۳۰ جولائی کو تمام خریداروں کو پوسٹ کر دیا گیا لیکن افسوس ہے کہ خریداروں کا رسالہ ڈاکخانہ میں ضائع ہوا اور انہیں پرچہ دینے شکایتی خطوط ہمیں لکھنے پڑے۔ آج ۲۲ اگست تک خریداروں کے شکایتی خطوط آ چکے تھے ان سب کو دوبارہ پرچے بھیج دیا گیا ہے۔ کاغذ کی مشکلات کی وجہ سے چونکہ رسالہ محدود تعداد میں چھپتا ہے اس لئے پرچہ نہ ملنے کی اطلاع جلد سے جلد کر دینی چاہئے تھی بہرحال جولائی اگست کے پرچے اب بالکل ختم ہو چکے ہیں اور کسی قیمت پر نہیں مل سکتے۔

خریداروں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ عصمت کی اشاعت میں خدا کے فضل و کرم سے کبھی تاخیر نہیں ہوتی اور تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ یقیناً بھیج دیا جاتا ہے۔ ڈاکخانہ کی غفلت سے اگر پرچہ وقت پر نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالہ سے فوراً اطلاع کر دینی چاہئے۔

آپ کا خریداری نمبر بدل گیا۔ پچھلے ماہ سے خریداروں کے نئے رجسٹر صاف کئے جا رہے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے خریداری نمبر کا حوالہ اب بیکار ہے اس لئے رسالہ کے ہی اپنے پتے سے اوپر دائیں طرف نیا خریداری نمبر...

سچّائی اور ایمانداری

میں نے اپنی عمر کے ابتدائی تیس سال میں ایک مرتبہ بھی کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک تم سب سے بہتر وہ ہے۔ جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہے) نہ کسی عبارت میں پڑھا۔ لیکن عام طور پر لوگوں کو اس پر عمل کرتے دیکھا۔ جن گھرانوں میں شرع کی پابندی زیادہ ہوتی تھی وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور اُن سے رشتہ ناطہ ہونا فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ان لوگوں میں دولت کی پرستش نہیں ہوتی تھی۔ وہ دوسروں کے حق پورے پورے ادا کرتے تھے۔ غریبوں اور مظلوموں کے حامی و مددگار ہوتے تھے اپنی بات کے سچے وعدے کے پکے، بادشاہ کے وفادار اور قانون کے پابند۔ غرض ان کی ذات میں وہ سب خوبیاں موجود ہوتی تھیں جو ایک شریف انسان میں ضروری ہیں۔ سفر کرتے وقت وہ ہر بچے کی عمر کے حساب سے اس کا ٹکٹ خریدتے تھے۔ اسباب تلواتے تھے اور اس بات کو سخت ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے کہ تھوڑے سے پیسے بچانے کے لئے جھوٹ بولیں یا قانون کے خلاف کوئی بات کریں۔ وہ کسی نوکر سے خواہ کتنے ہی ناراض ہو کر اسے علحٰدہ کریں یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اسے تنخواہ حساب سے پوری پوری ادا نہ کریں۔ لیکن آج کل یہ سب باتیں رائج ہیں اور جو شخص زیادہ چالاکی سے دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے وہ ہی زیادہ عقلمند سمجھا جاتا ہے بے ٹکٹ سفر کرنا اس قدر عام ہے کہ اس کی بابت سب جانتے ہیں۔ جب سے راشن کا طریقہ رائج ہوا ہے۔ یہ چالاکیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ کسی کے گھر کا اصل خرچ اناج وغیرہ کا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا جہاں چار آدمی ہونگے وہاں چھ کا اور جہاں چھ ہونگے وہاں دس کا کارڈ ضرور ہوگا۔ جس گھر میں ایک گرہستی ہوگی وہاں دو اور علاوہ ہوا اگر وہاں تین ضرور ظاہر کی جائیں گی کیونکہ مٹی کا

تیل اسی حساب سے زیادہ ملے گا۔ پھر بعض لوگ تو ایک حد تک اپنی ضروریات کی وجہ سے معذور بھی سمجھے جا سکتے ہیں کہ ان کے تعلیمی یا مہمان داری وغیرہ کے اخراجات زیادہ ہوتے ہیں۔ (حالانکہ ان کے لئے قانون میں گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔) لیکن ہزاروں ایسے ہیں کہ اپنی ضرورت سے زیادہ سامان حاصل کر کے اس سے خوب نفع کماتے ہیں اور دوسروں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ ان کی ایسی حرکتوں سے علاوہ اس کے کہ وہ مقصد ہی پورا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے یہ قاعدہ جاری کیا گیا ہے۔ دوسروں کو بھی ایک بہت ذلیل سبق ملتا ہے۔ اور ایسی ہی باتوں سے آجکل سچے اور ایماندار لوگوں کی کوئی قدر نہیں رہی ہے۔ ان کی یا تو ہنسی اڑائی جاتی ہے یا رحم اور ہمدردی کے انداز میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ تو اب دو سو برس پہلے کی باتیں ہیں۔ آجکل ان سے کہاں کام چل سکتا ہے۔ انسان کو زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے اکثر گھروں میں بزرگوں اور نئی پود والوں کے اسی اختلاف کی وجہ سے سخت بے لطفی اور بدمزگی واقع ہو رہی ہے اور نوجوان فرقہ سخت پریشان ہے کہ سچائی اور ایمانداری جیسی دقیانوسی چیزوں سے کیسے اپنا پیچھا چھڑائے۔ آہ وہ وقت کس قدر خوفناک ہوگا جب کسی گھر کے ایک فرد میں بھی یہ باتیں باقی نہ ہوں گی۔ خدا اپنے امان میں رکھے۔ آمین

(بقیہ صفحہ ۱۶۹) بچّوں کو اس قسم کی تعلیم دی جائے کہ اُن کے دماغی نشو و نما کو انتہائی فروغ حاصل ہو اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگیں۔ پھر دُنیا کو اس بات کا یقین کامل دلایا جائے کہ ان کی مقدس کتابوں تہذیب و تمدن عمارات و سائنس و دیگر اشیا کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ جب ہر طرح کا سکون حاصل ہو جائے تو جنگ کا خیال دماغ میں ہرگز ہرگز نہ آئے گا۔

اقوام متحدہ کی تعلیمی و ذہنی کمیٹی

ایک مشہور مصنف کا قول ہے (Life is struggle) یعنی زندگی نام ہے پیہم جنگ کا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی دماغ ہمیشہ جنگ و جدال کا جویا رہتا ہے۔ ایام وحشت و بربریت اور عہد تہذیب و تمدن ہر زمانہ میں خوفناک جنگ ہوتی رہی ہے لیکن جنگ اور خون ریزی کو عام لوگ پیار و محبت سے ہرگز نہیں دیکھتے بلکہ اس کے خیال ہی سے طبیعت بدمزہ ہو جاتی ہے۔

جنگ کے وقوع میں آنے کے اسباب انسان کا بڑھتا ہوا حوصلہ اور اپنے سے کمتر انسان اور کم زور ملک پر قابو پانے کی تمنا وغیرہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے احساسات و خواہشات کا غلط پروپیگنڈا ہی دنیا کے امن و چین کو تہ و بالا کرواتا ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو جس زمانہ کو وحشت اور بربریت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے موجودہ تہذیب یافتہ زمانہ سے ہزار ہا درجہ بہتر و برتر تھا۔ جنگ تھی تو بہادری کی اور دشمن قیدی کی قدر و عزت کی جاتی تھی مگر تہذیب نو اور سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے انسانیت کا جس بُری طرح خون بہایا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ سائنس کا زمانہ سب سے زیادہ غیر مہذب اور جابر زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں انسانی ہمدردی فنا ہو گئی ہے۔ اور حکمرانی اور ملک گیری کی ہوس کے سامنے انسانیت فنا کی جا رہی ہے اس کی مثال گزشتہ تیس سال کی دونوں خطرناک جنگ عظیم ہیں جن کی بدولت دُنیا کے گوشہ گوشہ کی اقتصادی، معاشرتی سیاسی اور سوشل حالت غیر مطمئن اور غیر آسودہ نظر آ رہی ہے اور تیسری جنگ کا خیال لوگوں کے دماغوں کو پریشان کئے ہوئے ہے۔

دنیا کی قوموں میں مفاہمت اور عہدناموں کے ذریعہ اتحاد قائم کرنے کی بہت سی کوششیں ہو چکی ہیں اور موجودہ جنگ کے بعد کا سب سے اہم واقعہ "اقوام متحدہ کے ادارہ" کا قیام ہے [illegible] قوموں کے نمائندوں نے ایک منشور پر دستخط کئے ہیں تاکہ صلح کے زمانہ میں جنگ کا سا اشتراک عمل جاری رہے۔

اسی مجلس اقوام نے یہ محسوس کر کے کہ مجلس کے کام کے لئے چونکہ سیاسی اور صنعتی تعاون کی طرح سب سے زیادہ ضروری چیز انسانی ذہن کی عمدہ نشو و نما ہے اس لئے تعلیم اس طرح پر ہونی چاہئے کہ انسان دنیا کے ہر فرد بشر کو اپنا سمجھے دماغ جنگ سے نفرت اور صلح سے رغبت پیدا کرے۔ چونکہ ایک قوم دوسری قوم کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتی ہے۔ اس لئے بین الاقوامی جد و جہد اور ایک قوم کی ترقی دوسری کا انحطاط کر دور قوم پر قابو پانے کا حوصلہ جنگ کی خوفناک شکل میں نمودار ہوتا ہے اسی سبب سے یو۔ این ای۔ اس۔ سی۔ او۔ (بین الاقوامی تعلیمی و ذہنی کمیٹی) اس مسئلہ پر غور و خوض کر رہی ہے یعنی وہ یہ چاہتی ہے کہ تعلیم اس طریقہ پر ہو کہ اس سے انسانی دماغ کی نشو و نما اس طرح پر ہو کہ بین الاقوامی تہذیب و تمدن انصاف۔ آزادی۔ اور صلح کے لئے جنگ ہر فرد کا مقصد یا فرض بن جائے۔

صلح صرف سیاست دانوں اور سرکاری اقتصادی انتظام پر مبنی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ ہر انسان خاص و عام خلوص سچائی کے ساتھ ایک دوسرے کو اپنی قوم، اپنا وطن اور بھائی بھائی خیال کرے۔ بلا امتیاز رنگ و نسل دُنیا کا ہر فرد برابر سمجھا جائے ہر خاص و عام کو برابر کی تعلیم کا موقع دیا جائے۔ بین الاقوامی تہذیب و تمدن سے ایک دوسرے کو آگاہ رکھا جائے آمد و رفت کے ذرائع کو ترقی دی جائے۔ غلط سلط پروپیگنڈہ سے لوگوں کے خیالات خراب نہ کئے جائیں۔ واقعات اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں کہ ہمدردی و خلوص ان میں نمایاں اور ایک دوسرے سے زیادہ ہو۔ ذات پات جنس زبان اور مذہب کے افراط تفریط نہ ہو اور انسانی حقوق کی پوری پوری حفاظت ہو سکے

(باقی صفحہ ۲۸۸ کالم ۲ پر)

صبح بہاراں

اُفق پر اب سحر لہرا رہی ہے
سیاہی شب کی ڈوبی جا رہی ہے
نسیم جانفزا گلشن کی جانب
گلوں کے چھیڑنے کو آ رہی ہے
ترنّم ریز ہیں شاخوں پہ طائر
صدائے نغمہ سنجی آ رہی ہے
کرن سورج کی سیمیں آسمان سے
فضائے دہر کو گرما رہی ہے
اُداسی شب کی اب ہوتی ہے رخصت
مسرت کی گھٹا سی چھا رہی ہے
ہیں بکھرے سبزہ پر شبنم کے موتی
شعاع مہر انھیں چمکا رہی ہے
ہوائے مشک بُو اب ہر طرف سے
فضائے دہر کو مہکا رہی ہے
مقدّس ہیں بہاراں کے مناظر
کہ ہر شے حمد باری گا رہی ہے
مگر فانی ہیں یہ سارے مظاہر
کوئی دم میں خزاں بھی آ رہی ہے
یہی عالم ہے اپنی زندگی کا
کہ دُنیا آ رہی ہے جا رہی ہے

قیصر جہاں قیصرؔ بدایوں

(بقیہ صفحہ ۱۷۲)

مثلاً برہمن کا کام ایک شودر نہیں کرسکتا۔ اور شودر کا کام ایک ویش نہیں کرسکتا۔ گویا ہر ایک دائرہ عمل الگ الگ ہے اور کوئی دوسرا شخص اُس میں دخل انداز نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس کا حق ہی رکھتا ہے۔ اس اُصول کے ماتحت امیر و غریب کا امتیاز نہیں مٹ سکتا کیونکہ نیا نظام تو وہ ہوگا جس میں امیروں کی طرح غریبوں کے حقوق کی بھی حفاظت کی جائے، حکومت جس طرح ایک برہمن کی کفیل ہو اُسی طرح ایک شودر کی بھی لیکن درنوں کی تعلیم کی رُو سے یہ بات ناممکن ہے۔ چنانچہ منو کہتے ہیں کہ "اگر شودر دھن جمع کرے تو راجہ کا فرض ہے کہ اُس سے چھین لے کیونکہ وہ دھن جمع کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا اور اس طرح شودر مالدار ہوکر برہمن کے لئے اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔" (منو ادھیائے ۹ شلوک ۲)

لہٰذا اگر کسی غریب کو یہ خیال آئے کہ میں بھی اپنی اولاد کی ضروریات کے لئے کچھ پس انداز کرلوں تو راجہ کا فرض ہے کہ تمام روپیہ اُس سے چھین لے لیکن اگر کسی برہمن کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی جمع ہے تو کوئی طاقت اُس سے روپیہ چھین لینے کا حق نہیں رکھتی۔ اس اصول کے ماتحت دنیا میں کیوں کر امن ہوسکتا ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے۔

"اگر کوئی برہمن کسی نیچ جاتی کے آدمی سے روپیہ قرض لے تو اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے قرض کا مطالبہ کرے لیکن اگر کوئی شودر کسی برہمن سے قرض لے اور اسے ادا نہ کرسکے تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ اُس کی مزدوری کرکے اسکا قرض ادا کرے"۔ (منو ادھیائے ۱۰ شلوک ۵۳) یہ طریقہ بھی خوب ہے کہ شودر سے قرض لیا جائے تو اُسے واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر شودر کسی سے قرض لے تو اس کی مزدوری کرکے اسے ادا کرے۔ ایک جگہ لکھا ہے: "برہمن شودر سے دولت لے لے اور اس میں کوئی وچار نہ کرے کیونکہ وہ دولت جو اُس نے جمع کی ہے اس کی نہیں بلکہ براہمن کی ہے۔" (منو ادھیائے ۸ شلوک ۴۱۷) ہندوؤں میں برہمن کھشتری اور ویش کے علاوہ تمام لوگ شودر سمجھے جاتے ہیں۔ گویا دوسری قوموں کے اعلیٰ ذات کے لوگ بھی ان کی نظر میں شودر ہیں۔ اس لحاظ سے وہ جب چاہیں کسی کا روپیہ چھین سکتے ہیں اور دوسرا آدمی اگر ان کی قومی عدالت میں دعویٰ دائر کرے تو مجسٹریٹ کہے گا کہ تم جھوٹے ہو یہ روپیہ تو فلاں ادھیائے اور فلاں اشلوک کے ماتحت برہمن کا روپیہ تھا اگر اس نے لے لیا تو کوئی گناہ نہیں کیا تم اُس کے حقدار ہی نہ تھے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اگر کسی آدمی کی کئی بیویاں ہوں تو اس صورت میں اس کی اولاد جو برہمن ذات کی بیوی سے ہوگی وہ چار حصے لے گی، کھشترانی کی اولاد تین حصے ویش کی اولاد ڈیڑھ اور شودر عورت کی اولاد کو اس کی جائداد میں سے صرف ایک حصہ دیا جائے گا۔

بس اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ہندو ازم بھی دنیا کے امن اور ترقی کے لئے کوئی نیا پروگرام ہمارے سامنے پیش نہیں کرسکتا۔

جمیلہ پروین عرفانی

اِسلام اور دوسرے مذاہب

(۱)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو ساری دُنیا کو سکون و طمانیت اور امن کا پیغام دیتا ہے۔ یہ دنیا کا آخری اور پایدار مذہب ہے۔ اور اس کو لانے والا وہ بےنظیر اور کامل انسان تھا جس کی نظیر دنیا نے کبھی پیش کی اور نہ کبھی کر سکے گی۔

دنیا اس وقت ایک خطرناک اور نازک دور سے گزر رہی ہے ہزاروں لاکھوں انسان فاقوں اور مصیبتوں کی بدولت موت کے گھاٹ اُتر رہے ہیں۔ ایک انسان دوسرے کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اور وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ دوڑ ہے۔ ایک نیا نظام قائم کرنے کے لئے چند نئی تحریکات مثلاً کمیونزم۔ سوشلزم۔ نازی ازم، فسیزم وغیرہ جاری کی ہیں لیکن ان دنیاوی تحریکوں کے علاوہ مذاہب بھی دُنیا کا ایک نظام پیش کرتے ہیں۔

اپنے کسی گزشتہ مضمون میں میں نے بتلایا تھا کہ کمیونزم وغیرہ دنیا کے لئے باعث امن کبھی نہیں ہو سکتے۔ خیر یہ تحریکات تو دنیاوی ہیں۔ مذاہب کے پیرو بھی نظام امن کو برقرار رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہر مذہب کا پیرو یہ کہتا ہے کہ صرف ہمارا ہی مذہب دُنیا کے لئے امن اور سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتا ہے۔

دنیا میں اس وقت چار بڑے بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ یعنی ہندوازم۔ مسیحیت۔ یہودیت اور اسلام۔ ہندو کہتے ہیں کہ وید کی تعلیم ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ سب سے اعلیٰ تعلیم عیسائیت اور یہودیت کی ہے اور مسلمان کہتے ہیں کہ دنیا کو مصائب سے نجات دلانے کا ذریعہ اور توحید کا واحد علم بردار صرف اسلام ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے یہ معلوم کریں کہ ان میں سے ہر مذہب وہ کونسا پیغام دیتا ہے۔ اور وہ کونسا پروگرام دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے تمام جھگڑے فسادات مٹ جائیں۔ اور غریب امیر اور کالے گورے میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم یہودیت کو لیتے ہیں۔

یہودیت کو اپنی تعلیم پر بڑا ناز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعلیم عالمگیر اثر نہیں رکھتی بلکہ محض قومی ہے اس پر عمل کرنے سے صرف یہودی قوم کو تو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ دیگر اقوام اس کی پیروی سے کچھ نہیں حاصل کر سکتیں اس تعلیم کی موجودہ فضا میں اگر کبھی یہودیوں کی حکومت قائم ہو جائے تو دوسری اقوام کی حالت اور بھی پست ہو جائے۔ اور دنیا میں ظلم بہت ہی بڑھ جائے۔ کیونکہ یہودیت یہ کہتی ہے کہ "صرف یعقوبؑ (اسرائیل) ہی کی اولاد خدا کو پیاری ہے باقی سب اُس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔" پھر یہودیت یہ بھی کہتی ہے کہ "تو سُود تو لے مگر اپنے بھائی سے نہ لے۔

(استثناء ۲۳ / ۱۹، ۲۰) اگر واقعی سود لینا بُرا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ایک یہودی سے تو نہ لیا جائے مگر باقیوں سے لیا جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک قومی مذہب ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیم ہے کہ "اوروں سے بےشک لو مگر اپنوں سے نہ لو" گویا تم ٹیکس وصول تو کرو مگر یہودیوں سے نہ کرو۔ اسی طرح صدقہ و خیرات کا حکم ہے کہ وہ صرف اپنی ہی قوم کے لئے ہو۔ غلامی کے متعلق یہود کا خیال ہے کہ "تو اپنے بھائی کو غلام نہ بنا۔ اگر بنائے تو سات سال کے لئے" گویا ایک یہودی تو دوسرے یہودی کو غلام نہ بنائے۔ اگر بنائے بھی تو سات برس کے بعد وہ خودبخود آزاد ہو جائے گا لیکن اگر تمام دُنیا ان کی غلام بن جائے تو اسے آزاد کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

یہودی دُنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ سختی کا سلوک روا رکھنے کا بھی حکم دیتی ہے۔ چنانچہ توریت میں لکھا ہے کہ:۔

"جب تو کسی شہر کے پاس۔ اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس کو صلح کا پیغام دے اگر وہ جواب دے کہ صلح منظور ہے اور شہر کے دروازے تیرے لئے کھول دے۔ تب ساری مخلوق جو اس شہر میں پائی جائے۔ تیری باجگذار ہوگی۔ اور تیری خدمت کرے گی اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں دیدے تو تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر دے اور عورتوں۔ لڑکوں اور مواشی کو جو اس شہر میں ہوں لوٹ لے۔ اور اپنے دشمنوں سے لوٹے ہوئے مال کو کھالے۔ پھر لکھا ہے:۔

ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑ لیا" استثنا ۲۰ آیت ۱۶ تا ۲۵

یہ ہے وہ نظام جو یہودیت دنیا کے لئے پیش کرتی ہے اور یہ ہے وہ تعلیم جسے یہودی عالمگیر کہتے ہیں۔ اگر کبھی دنیا میں یہودی حکومت قائم ہو جائے تو تمام مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں۔ اور زمین میں بسنے والی ہر ذی روح ہستی موت کے گھاٹ اتار دی جائے۔ اس حالت میں دنیا کا نیا نظام کیا ہوگا۔ ذرا تصور کیجئے۔ اس میں یہودی تو ہر قسم کے آرام حاصل کر سکیں گے لیکن دیگر اقوام کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ غرض یہودیت دُنیا کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل پیش نہیں کرتی جس پر چل کر دنیا میں مساوات قائم ہو سکے۔

مسیحیت بھی یہودیت کی طرح دنیا میں کوئی نظام قائم نہیں کر سکتی اس کا دُنیا کے لئے ایک ہی پیغام ہے کہ "شریعت لعنت ہے" اگر شریعت لعنت ہے تو پھر شریعت کی پیش کردہ ہر چیز لعنت ہوگی اس پر کون عمل کرے گا۔ شریعت کی عیسائیوں کے نزدیک کوئی قیمت نہیں بلکہ شریعت سے زیادہ انسانی تعزیرات کا پاس کیا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی قوم غالب آئے اس کے مقاصد کو مسیحی مقاصد کہا جاتا ہے۔ ہر غالب آنے والا فلسفہ مسیحی فلسفہ کہلاتا ہے۔ اور ہر غالب آنے والا تمدن مسیحی تمدن کہلاتا ہے ہر ترقی کرنے والی چیز کو کرسچین سویلیزیشن کا غلبہ قرار دیا جاتا ہے۔ وہ ہر چیز کو ہر قانون کو اپنی مرضی کے مطابق وضع کر لیتے تھے کبھی وہ وقت بھی تھا کہ طلاق نہ دینا عیسائیوں کا خاصہ تھا۔ اور اب طلاق دینا عیسائیوں کی خاص عادت بن گیا۔ پس مسیحیت بطور مذہب دُنیا کے سامنے کوئی پروگرام پیش نہیں کر سکی اور نہ آئندہ کر سکے گی۔

اب ہندوئیت کو لیجئے۔ ہندوازم جو نظام دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے وہ بھی قابلِ قبول نہیں۔ سب سے بڑی بات دُنیا میں مساوات کا قائم کرنا ہے۔ اگر مساوات قائم ہو جائے تو باقی نقائص کا دُور کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں رہ جاتا۔ لیکن ہندوازم کے ماتحت مساوات کبھی قائم نہیں ہو سکتی۔ ہندوازم نے تناسخ اور ورنوں کی تعلیم پیش کر کے خود اپنے لئے اور دوسری تمام اقوام کے لئے امن کا راستہ بند کر دیا ہے۔ کیونکہ تناسخ کے اصول کے ماتحت۔ یہ ناممکن ہے کہ دُنیا میں کوئی ایسا نظام قائم ہو سکے جس میں امیر غریب اور بڑے چھوٹے کا فرق جاتا رہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غریب ہے تو یہ اس کے گزشتہ اعمال کا نتیجہ اور سزا ہے۔ مشیت ایزدی کو انسان کیوں کر بدل سکتا ہے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں دُنیا میں نظام امن کبھی قائم نہیں ہو سکتا اور اس طرح امیر اور غریب کا فرق کبھی دُور نہیں ہو سکتا۔ برہمن اور اچھوت کا امتیاز کبھی نہیں مٹایا جا سکتا کیونکہ یہ ایشور کا بنایا ہوا قانون ہے نا؟ کوئی شخص اگر بادشاہ ہے تو یہ اُس کے گزشتہ جنم کے اعمال کا انعام ہے۔ کوئی اگر فقیر ہے تو یہ اُس کے بُرے افعال کی سزا ہے۔

پس تناسخ کے ہوتے ہوئے ہندوازم دُنیا کی ترقی کے لئے کوئی نیا پروگرام پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نیا پروگرام وہ ہوگا جو پُرانی حالت کو بدل دے۔ اور جب یہ مان لیا گیا ہے کہ دُنیا کی موجودہ حالت پُرانے اعمال کا نتیجہ ہے یا بالفاظِ دیگر یہ کہا جائے کہ یہ حالت دُنیا کے لئے خدا کی طرف سے مقدر ہے تو کس کی طاقت ہے کہ اس میں کچھ ردّ و بدل کر سکے۔

ورنوں کے اصول کے مطابق ایک ذات کا آدمی دوسری ذات کے آدمی کا کام نہیں کر سکتا۔ (باقی صفحہ ۱۰۷ کالم ۲ پر)

مغلوب الغضب

لاڈلے میاں کا گھر کا ہے کو تھا اچھا خاصا دوزخ کا نمونہ تھا جب تک میاں باہر رہتے گھر میں سکون رہتا اور چھوٹے سے بڑے تک سب کے چہرے ہشاش بشاش رہتے۔ اُدھر میاں کی آمد کی خبر ہوئی اور اِدھر سب کے چہروں پر خوف و دہشت کے آثار نمودار ہوئے۔ ننھے منے بچوں کا یہ حال ہوتا کہ مارے خوف کے کونوں میں جا چھپتے۔ بیچاری بیوی سر پر دوپٹہ کا پلو ڈال کر ادب سے بیٹھ جاتی اور نوکروں کا دل الگ دہل جاتا کہ کہیں کوئی کام نہ بگڑ جائے۔ اور میاں گھر میں آتے ہی برس پڑیں ۔ ۔ ۔ واہ رے مالک! تو نے بھی کس کس نمونے کے دماغ بنائے ہیں!! نہ معلوم اللہ میاں نے ظالموں کی رسّی کیوں ڈھیلی کر رکھی ہے؟ اس میں بھی اس کی مصلحت ہی ہو گی۔ کوئی کیا جانے قدرت کے کھیلوں کو۔

غرض لاڈلے میاں کے گھر میں صبح سے شام تک ہلچل مچی رہتی۔ گھر والے لاکھ احتیاط سے کام لیتے لیکن پھر بھی میاں کا غصہ کمبخت بغیر بلائے آ ہی جاتا۔ ہر وقت یہ معلوم ہوتا کہ بس قہار کا قہر ٹوٹ رہا ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ کا نام نہیں۔ بیچاری بیوی حسرت سے میاں کے چہرے کا جائزہ لیتی اور سرد آہ بھر کر خاموش ہو جاتی۔ بس گھر میں لے دے کر ایک بوڑھی انا تھی جو بیوی کے ٹوٹے دل کا سہارا تھی اور دل کے زخموں پر مرہم پٹی کیا کرتی تھی۔ جب میاں کو غصہ آتا تو انا اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر نہایت بہادری سے میدانِ کارزار میں آ کودتی۔ اور میاں کے غصہ کے سیلاب کو روکنے کے لئے گھٹنے ٹیک دیتی۔ کبھی خوشامد سے کام لیتی تو کبھی دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دیتی طرح طرح سے میاں کو پھسلاتی بہلاتی، ڈراتی دھمکاتی۔ مگر تو یہ کیجئے لاڈلے میاں کا جلال ایسا تو تھا نہیں کہ انا کی میٹھی باتوں سے پھسلایا جا سکتا۔ البتہ جب وہ اپنا سر پیٹتی، بال نوچتی اور زہر کھانے کی دھمکی دیتی تو کچھ تھوڑی سی بوڑھی انا کی لاج رکھ لی جاتی اور ذرا دیر کے لئے گھر میں امن ہو جاتا۔

میاں کی نیند

دوپہر کو لاڈلے میاں خس خانہ میں آرام کے لئے لیٹے گھر بھر میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ لُو کے تھپیڑوں اور دھوپ کی تیزی میں نوکر باہر کھڑے خس کے پردوں پر پانی چھڑک رہے ہیں۔ بچے سانس روکے کونوں میں دبکے ہوئے ہیں۔ بیوی بیچاری کو آہٹیں ہیں کہ اِدھر سے اُدھر پھر رہی ہیں کہ کچھ کھٹکا نہ ہو اور میاں کی آنکھ کھل جائے۔ مگر جو کچھ ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ لاکھ احتیاط سے کام لیا جاتا لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی سبب میاں کی ناراضگی کا ہو ہی جاتا۔

یہ چڑیاں بھی ایسی کمبخت ہوتی ہیں کہ گھروں کے اندر چھتوں میں گھونسلا بنانے میں انہیں خاص مزا آتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا یا یوں سمجھئے کہ گھر والوں کی شامتِ اعمال، ایک جوڑا گوریا کا لڑتا ہوا میاں کے سر پر پٹ سے گرا۔ بس پھر کیا پوچھنا لگ گئی پٹھانے کی گڈّی میں آگ۔

"ارے مر گئے سب کے سب کیا، سانپ سونگھ گیا سب کو گھر میں۔ ایک سے ایک نمک حرام گھر میں بھرا ہے کسی کمبخت کو میرے آرام کا خیال نہیں"

میاں کی آواز سنتے ہی بیوی کے ہوش اُڑ گئے۔ دل کو تھامے دوڑی آئی۔ ۔ ۔ "کیا ہوا آخر ہوا کیا؟"

"خدا سمجھے تم سب سے۔ تم سبھوں نے مل کر میرے لئے گھر کو جہنم بنا دیا ہے"

بیوی غریب کچھ سوچ کر سامنے سے ٹل گئی۔ اور انا کو

اشارے سے بلالیا۔

انا دوڑی ہوئی آئی "کیا ہوا۔ خدانخواستہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میاں تم نے؟ صدقے جاؤں کچھ مجھ سے بھی تو کہو۔ کیوں اس قدر بدحواس ہو رہے ہو!"

"سب کو دیکھ لیا تم سب کے سب حرام خور ہو۔ غضب خدا کا کسی کو میرے آرام کی پروا نہیں کسی نمک حرام سے اتنا نہ ہوا کہ چڑیوں کا گھونسلا کمرے سے نکال پھینکتا۔ تم لوگ تو میری جان لے کر دم لو گے"

"اے ہے میرے لال! خدا اس دن کو مجھے نہ رکھے جب میں اپنی گود کے پالے کا بُرا چاہوں۔ یہ مُوئی چڑیوں نے کچی نیند سے جگا دیا تم کو۔ جب ہی تو میرے بچے کا مزاج چڑچڑا ہو گیا وا تو بیٹا پانچ بج گئے ہیں۔ ہاتھ مُنہ دھوؤ میں شربت بنا کر لاتی ہوں۔ گاڑی تیار ہے ذرا تفریح کے لئے باہر سدھارو طبیعت ہلکی ہو۔ آج ہی لاسا منگا کر ان مُوئی چڑیوں کو پھنساتی ہوں۔ اور ان کمبختوں کا سالن پکا کر شب کو دسترخوان پر تمہارے آگے رکھتی ہوں"

لاڈلے میاں کا پارہ کچھ نیچے اُتر گیا۔ اطمینان ہو گیا کہ انا چڑیوں سے پوری طرح انتقام لے گی۔ لہٰذا وہ شربت پی کپڑے بدل تفریح کے لئے باہر چلے گئے۔ گھر میں سب کی جان میں جان آئی۔ چھوٹے بڑے سب کونوں کھدروں سے نکل آئے ہر طرف امن و سکون محسوس ہونے لگا۔

میاں کا کھانا

شام کو ساڑھے سات بجے لاڈلے میاں تفریح کر کے واپس آ گئے۔ گاڑی کی آواز سنتے ہی سب کے دل سینوں میں دہل گئے۔ خیراتی نے باہر سے پکار کر کہا دسترخوان بچھاؤ میاں خاصے کے لئے اندر تشریف لاتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سب کے حواس اُڑ گئے۔ ہاتھوں کے برتن چھوٹ چھوٹ کر زمین پر آ رہے بیوی نے انا کو مدد کے لئے پکارا اور بات کی بات میں سب کو سکتہ ہو گیا۔ انا پنکھا ہاتھ میں لے کر میاں کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ بیوی زیر لب دعا میں مصروف تھیں۔ "خدایا تو خیریت سے یہ گھڑی گزارنا۔ الٰہی تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے!"

دفعتاً ایک خوفناک گرج نے سب کو دہلا دیا۔ انا کے ہاتھ سے پنکھا چھوٹ کر میاں کے مُنہ پر لگا۔ تو میاں اور بھی زور سے چلائے۔ "اندھی ہو گئی ہو۔ دیکھ کر نہیں جھلتیں۔ ۔۔۔ یہ چڑیوں کا قورمہ کس بدتمیز نے پکایا ہے؟"

"میرن نے پکایا ہے۔ کیوں صدقے جاؤں، کیا ذائقہ اچھا نہیں؟"

"بالکل نہ تو، کمبخت نے نمک ہی نہیں ڈالا۔ تم سب نے مل کر میرے مار ڈالنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ نہ میرے کھانے کا ٹھیک نہ میرے سونے کا ٹھکانا۔ میری زندگی کیسے ہو سکتی ہے بھلا اس گھر میں؟ بلاؤ اس نمک حرام امیرن کو کدھر ہے چڑیل"

بیوی نے سہمی نظروں سے انا کی طرف دیکھا۔ انا لگی اپنے پرانے ہتھیار استعمال کرنے۔ انا جی سمجھتی تھیں کہ دوپہر کی طرح میاں کو اپنی باتوں میں بہلا لیں گی۔ لہٰذا لگیں سمجھانے۔ "تو میاں یہ نمک دانی تو سامنے رکھی ہے۔ نمک پھیکا ہے تو کیا ہوا۔ ایک چٹکی اٹھا کر ڈال لو۔ جانے بھی دو نوکروں سے خطا ہو ہی جاتی ہے۔ اور مالکوں کا شیوہ ہے کہ کبھی کبھار ان کی غلطیوں کو درگزر کر دیتے ہیں"

میاں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دسترخوان گھسیٹ کر مع برتنوں کے صحن میں پھینک دیا۔ اور نہایت ہی بھیانک آواز سے چیخے "دور ہو جاؤ۔ میرے سامنے سے۔ سب کے سب ابھی نکل جاؤ گھر سے!"

"نہیں نہیں میری جان اتنا غصہ نہیں کرتے غصہ حرام ہوتا ہے"

"ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ میرا غصہ بہت خراب ہوتا ہے۔ گھر میں آگ لگا دوں گا۔ گھر والوں کو زندہ جلوا دوں گا۔"

غریب انا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بیچاری بید کی
کی طرح کانپ رہی تھی۔
"کیا کھڑی دیکھ رہی ہو۔ بچھوا دو میرا بستر باہر۔" میاں
یہ کہتے ہوئے پاؤں پٹکتے باہر نکل گئے معلوم ہوا کہ پانی برس
کر نکل گیا۔
انا نے میاں کا بستر اٹھایا اور مری ہوئی چال سے
ڈیوڑھی پر گئیں۔ "شبراتی، او شبراتی! لے یہ میاں کا
بستر لے جا۔ ٹھیک سے بچھانا!"
شبراتی ہنستا ہوا بولا۔ "کیا ہوا انا جی! اس طرح کیوں
پریشان ہو رہی ہو۔ کیا آج میاں کو گُسّا (غصہ) آگیا۔"
"ارے موئے لے پکڑ میرے ہاتھ سے بستر۔ ہر وقت
موئے کی بتیسی نکلی رہتی ہے۔ جب میاں کی ڈانٹ پڑے گی
تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔" انا یہ کہتی ہوئی
واپس آگئی۔

بیچاری بیوی رو رہی تھی۔ اور کرتی بھی کیا غریب۔
بے بسوں کا کام ہی رونا ہے۔
"انا اب تو میرا جینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ بےحیا زندگی
یوں نہیں ختم ہونے کی۔ کیا کروں ان معصوموں کا خیال نہ ہوتا
تو کچھ کھا کے سو رہتی۔ اب میرے دل میں ضبط کی طاقت نہیں
رہی۔ اماں ابا تو مجھ کو بھاڑ میں جھونک کر دنیا سے ٹھنڈے
ٹھنڈے رخصت ہو گئے۔ ہائے اماں تو میری راضی ہی نہیں
ہوتی تھیں۔ جب ابا ان کے ساتھ میری شادی کا ذکر چھیڑتے
تو اماں فوراً کہتیں۔ نہیں صاحب نہیں وہ لڑکا بڑا جلالت مآب
ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر انگارے تھوکتا ہے۔ میں اپنے ہیرے
کو پتھر پر نہیں پٹخنے کی۔ لیکن ابا کی آنکھوں کو اس مغلوب الغضب
درندے کی دولت نے چکا چوند کر دیا۔ ہائے ابا تم نے مجھ کو
دولت کی بھینٹ چڑھا دیا!"
"اے بہو صاحب خدا کے لئے اس طرح نہ رو۔ میرا دل
پھٹا جاتا ہے۔ آپ کے والد نے دشمنی نہیں کی آپ کے ساتھ
ہر انسان اپنی بکری کو ہرے پتے کھلانے کی فکر کرتا ہے۔ اگر
آپ کے والد نے آپ کو ایک امیر سے بیاہ دیا تو کیا بُرا کیا۔"
"لیکن انا جی، بکریوں کے مالک کو یہ بھی معلوم ہونا
چاہئے کہ بسا اوقات ہریاول میں ناگ چھپے ہوتے ہیں۔ جو
بکریوں کو ڈس لیتے ہیں۔ ہائے یہ بھی مجھے ڈس کر رہے گا۔"
"توبہ توبہ کیجئے بہو صاحب! سمجھ دار ہو کر میاں کی شان
میں ایسی باتیں کر رہی ہو تم! میں نے تو اپنی ساری عمر اسی گھر
میں کاٹ دی۔ آپ ہی کے بزرگوں سے سنتی آئی ہوں کہ میاں
لوگ اپنی بیویوں کے مجازی خدا ہوتے ہیں۔ میاں کی شان میں
اگر بیوی کے منہ سے بُری بات نکلتی ہے تو وہ اوندھے منہ
دوزخ میں ڈھکیل دی جاتی ہے۔ اے بہو صاحب! کیوں اپنے
ہاتھوں جہنم کا ایندھن بن رہی ہو تم؟"
"انا جی مجھے سب معلوم ہے۔ یہ انہی ظالموں کے بنائے
ہوئے قانون ہیں۔ ہم پر ظلم ڈھانے کے لئے۔ ۔ ۔ اور تم کو
تو انا جی اپنے لاڈلے کی طرف سے بولنا ہی چاہئے۔ آخر تمہارے
ہی دودھ کا تو یہ اثر ہے!"
"اے بہو صاحب، نہ میں ان کی طرف سے بولوں نہ
تمہاری طرف سے۔ میں تو خدا لگتی کہتی ہوں۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔
اب چلو آرام کرو۔ اپنا دل بھاری نہ کرو۔ خدانخواستہ تندرستی
نہ خراب ہو جائے۔ ۔ ۔"

باہر کی واردات

بیوی نے ساری رات کروٹیں بدل بدل اور سرد آہیں بھر کر
گزاری۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی میاں کا ناشتا تیار
کرنے باورچی خانہ چلی گئی۔ رات کے واقعات سے بیچارے
بچے ڈرے ہوئے تھے۔ نوکر خاموشی سے کام میں لگے تھے کہ
اک بارگی مردانے سے شبراتی نے صدائے احتجاج بلند کی۔
"ہائے مر گیا مر گیا۔ ۔ مار ڈالا میاں نے۔ ۔ ۔

اَنّا ہی کو دوائی ہے ۔ ۔ ۔ !

شبراتی کی آواز سنتے ہی بچّے بڑھے بدحواس ہو ہو کر ڈیوڑھی کی طرف دوڑ پڑے۔ باہر کا منظر دیکھ کر بیوی بیہوش ہو گئی بچّے چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ شبراتی کے چہرے پر بڑے بڑے آبلے پڑے ہوئے تھے۔ میاں نے بھری ہوئی چلم اس کے مُنہ پر کھینچ ماری تھی۔ اور حقّے کے نیچے سے غریب کی مرمّت ہو رہی تھی۔ "او نمک حرام پھر حقّے میں پانی بھرنا بھولے گا؟"

شبراتی ہاتھ جوڑ جوڑ کر میاں سے معافی مانگ رہا تھا۔

اَنّا پردے کے باہر مُنڈیا نکالے اپنے پُرانے ہتھیاروں سے کام لے رہی تھی۔ ۔ ۔ میاں میں اپنا دودھ نہ بخشوں گی۔ ۔ ۔ لاڈلے میاں میری حاضری کھاؤ۔ ۔ ۔ بیٹا مُردہ دیکھو ۔ ۔ مجھ ہی کو بے بے کرو ۔ ۔ غصّہ حرام ہوتا ہے میری جان ۔ ۔ "

یہ غل شور سُن کر محلّے والے ہاتھوں میں ڈنڈے لئے رجز خوانی کرتے دوڑ پڑے۔ ایک بولا فوجداری کا دعویٰ کر دے شبراتی ۔ ۔ دوسرا بولا" پولیس چوکی تو قریب ہی ہے کیوں نہیں چلا جاتا ۔ ۔ اور آخر کسی نے لپک کر پولس کو اطلاع کر ہی دی ۔ ۔

لال پگڑی والوں کو دیکھ کر اَنّا کا دم ہی تو نکل گیا بھاگ کر فوراً جانماز سے تسبیح نکال اور لگی وظیفہ پڑھنے ۔ ۔ ۔ جلّ تو جلال تو، صاحب کمال تو ۔ ۔ آئی بلا کو ٹال تو ۔ ۔ ۔ مالک ۔ ۔ آئی بلا ۔ ۔ کو ۔ ۔

صفیہ نقوی بمبئی

گجب بھری سا ئیلا موری

(میں تمام ہندوستانی سائیکل سواروں سے معذرت خواہ ہوں)

بہکائے لیوُ للنا کو اپنے، گجب بھری سائیلا موری

ہنستی بجری بولتا جادو، گھٹ گھٹ میں چترائی
گورے چام چمکتی ناگن، بش مدھ میں لہرائی
پورب گرجے، پچھم برسے، چال چلے پُروائی
اُت کے میٹھے بول ہیں سائیل، پاچھے سے کڑوائی

پھندلائے لیوُ بلما کو مورے، گجب بھری سائیلا موری

بہکائے لیوُ للنا کو اپنے، گجب بھری سائیلا موری

پیہر چھوٹا، ناتے ٹوٹے، پھوٹے مورے بھاگ
سائیل گھر سانولیا چھوڑے، داگ پہ لاگو داگ
آپہی جیالو پھونس بٹوریں، آپ ہی لگا دیں آگ
چور سے کہدیں چوری کر لے، ساہ سے کہدیں جاگ

رُلائے دیوُ گھنگٹا میں مو ہے، گجب بھری سائیلا موری

بہکائے لیوُ للنا کو اپنے، گجب بھری سائیلا موری

سانچی سانچی کہیو سائیل! سوامی تور کہ مور
توری گود کا للنا بیرن! میرا ہے چت چور
مات پتا اُدھ بھر کے ساتھی، ساس سُسر مُنہ جور
سوامی بنا مور جیون نیّا کو ؤ نہ کھیوے اَور

ڈبکائے لیوُ سجنا کو مورے، گجب بھری سائیلا موری

بہکائے لیوُ للنا کو اپنے، گجب بھری سائیلا موری

سُوامی مارہروی

لہ پس = زہر ۲ہ مدھ = شراب

مطالعۂ قرآن

(۳)

کسے خبر کہ وہ حقائق جو ابھی تک عالم غیب میں ہیں۔ اور جو ہمارے محسوسات سے باہر ہیں۔ ان کا شمار کیا اور کتنا ہے؟ کتنی حقیقتیں کل تک راز میں تھیں، پر آج ظاہر ہیں، کون جانتا تھا کہ فولاد، کوئلہ، بجلی، فاسفورس، اور ریڈیم وغیرہ کے اندر کیسے کیسے انعامات پوشیدہ ہیں؟ ہوا و پانی کی موجوں کے اندر کیا کیا کرشمے ہیں! اور نباتات و جمادات کے ذرّوں میں کتنے شعلے خوابیدہ ہیں؟ کون ہے جو بتا سکے کہ انسان کے ذہن و ادراک سے قدرت کے کتنے دفائن، و خزائن پوشیدہ ہیں؟ البتہ ان میں سے جتنی چیزوں کا انسان کھوج لگا چکا ہے، ان سے وہ زمین پر اپنی وراثت قائم کرتا چلا جاتا ہے اور جو کھوج لگانے کے عمل میں سرگرم ہے۔ وہی کامیاب و کامران ہے۔ جب قدرت کسی کی محنت ضائع نہیں کرتی، تو کھوج لگانے والوں کی محنت کس طرح اور کیوں کر ضائع کر سکتی ہے؟ کہ ان الارض للہ یرثھا من یشاء من عبادہ۔ یعنی خدا جس کو چاہتا ہے، اپنے بندوں میں سے اسی کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ پھر اعلان کیا کہ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ یعنی زمین کے وارث صالح بندے ہوتے ہیں۔ صالح کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں۔ اور سنورنے کا مفہوم تنظیم کے اندر ہے۔ پس جس قوم میں جس جماعت میں اور جس خاندان میں تنظیم ہوگی، قوت وہیں بروئے کار ہوگی، اور وراثت قوت کے ماتحت ہے۔ خالی وظیفے وظائف، اور کوری دعا و عبادت سے نہ تو کبھی وراثت ملی ہے۔ نہ مل سکتی ہے۔ وراثت کا حق دار تو وہ ہے۔ جو کائنات کے مطالعہ میں رات دن ایک کر رہا ہے۔ جو چراغوں کا تیل خشک کر رہا ہے۔ جو دماغ کا خون اور آنکھوں کی روشنی صرف کر رہا ہے۔

آج مسلمان کے عقیدے کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ قرآن کے نفس معانی و مطالب تو کجا، غور و فکر کرنے سے بھی بیزار ہے۔ اس کے لئے تو قرآن خالی گنڈے تعویذ کا کام دیتا ہے۔ قرآن کا پڑھنا اور سننا کفایت کرتا ہے۔ یعنی خالی عربی حرفوں و لفظوں کی آوازیں حلق و زبان سے ادا کرنا اور ان آوازوں کو کان میں ڈال لینا کفایت کرتا ہے۔ صبح کے وقت طوطے کی طرح پڑھ لینا، اس کے لئے نجات کا باعث ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کا اعلان یہ ہے۔ ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون۔ یعنی اللہ کے نزدیک بدترین حیوان وہ لوگ ہیں۔ جو بہرے گونگے ہو گئے ہیں، جو کچھ نہیں جانتے، کچھ نہیں سمجھتے۔

"مولوی" اور مولوی نُما گروہ کہتا ہے کہ قرآن تو ایک وجدانی چیز ہے۔ اس کا تعلق تو صرف عبادات سے ہے اس کو سائنس کی باتوں، سیاسی مسائل سے کیا واسطہ؟ دنیا بنانے سے کیا تعلق؟ اسلام تو غریبوں میں پھیلا ہے، اور آخیر تک غریبوں ہی میں رہے گا۔ حالانکہ قرآن میں بالکل آغاز سے لے کر بچہ کی تشکیل تک کے تمام درجے جس طرح بیان کئے گئے ہیں سائنس بھی آج وہی پیش کر رہا ہے۔ الیکٹرول اور پروٹون کا جو ذکر قرآن میں ہے، وہی آج کے سائنس میں ہے۔ نظام شمس کا بیان آج کے سائنس سے الگ نہیں ہے۔ فضا میں اور ساری کائنات میں جن پوشیدہ حقائق کا ذکر قرآن میں ہے، آج سائنس بھی انھیں حقیقتوں کا انکشاف کر رہا ہے۔ قیامت کا جو ثبوت قرآن نے پیش کیا ہے تقریباً سائنس بھی اسی طرح بیان کرتا ہے پھر زمین کی حکومت سیاست نہیں تو کیا ہے؟ بار بار اور جگہ جگہ دنیا بنانے کی تاکید سیاست سے

کیوں الگ تصور کر لی گئی ہے؟ پھر نباتات و جمادات کے خزائن و دفائن کا حصول سیاست سے کس طرح الگ ہو سکتا ہے؟ اور سیاست دنیا بنانے کیلئے نہیں ہوتی تو کس لئے ہوتی ہے؟ پھر کیا دنیا بنانا عبادت میں داخل نہیں ہے؟

صدر اول کا مسلمان غریب تھا، لیکن اس نے قرآن کو سمجھا، اور مطالعۂ قرآن کے بعد جب عمل کے لئے اٹھا تو اپنی مُردہ قوم کو ترقی یافتہ اقوام کی صف اول میں لا کھڑا کر دیا۔ کیونکہ اس کے پاس ایمان کی قوت تھی۔ ایمان کے معنی ہیں۔ امید کے اور امید ہی زندگی کا سہارا ہوتی ہے۔ وہ مسلمان امید لے کر اٹھا تھا۔ مایوسی اُس کے نزدیک کفر تھی۔ وہ لا تقنطوا من روح اللّٰہ کے معنی سے آگاہ تھا، اس لئے کامیاب ہوا اُس نے دل کھول کر، نڈر ہو کر اسلام کی اشاعت کے ساتھ زمین کی وراثت کا دعویٰ کیا کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ۔ آج کے مسلمان میں بھی جب اور جس وقت انقلاب برپا ہوگا تو وہ مسلمان بھی غریب ہی ہوگا، امیر نہ ہوگا۔

قانونِ قدرت یہ ہے کہ ہر جماعت یا آدمی کے جیسے افعال ہوں گے، نتائج بھی اسی کے مطابق ہوں گے یہ کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے کہ اعمال کچھ ہوں اور نتائج کچھ۔ ایک عبادت گذار کی تنہا عبادت کا نتیجہ ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ عبادت کے بدلے اس کو زمین کی وراثت مل جائے۔ وارث وہی بن سکتا ہے جو امید لے کر کھڑا ہوگا، اور جو قدرت کے دفائن و خزائن کے کھوج لگائے گا۔ کیونکہ قرآن کا اعلان یہ ہے۔ ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معایش۔ یعنی ہم نے تمہیں زمین پر آباد کیا اور زندگی کے لئے تمام سر و سامان مہیا کر دیے۔

یہاں زندگی کے معنی جانوروں کی طرح جی لینے کے نہیں ہیں، بلکہ عزت و خودداری کی زندگی کا ذکر ہے۔ سر و سامان مہیا کرنے کے تنہا یہی معنی نہیں ہیں کہ پیٹ بھرنے کے لئے چند دانے اور تن ڈھکنے کے لئے چند پارچے مل جائیں، بلکہ قدرت کے دفائن و خزائن سے انعامات حاصل کرنے کے ہیں کہ بلا اس کے عزت کی زندگی بسر ہو ہی نہیں سکتی۔

واضح رہے کہ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں ایک وہ جن کا واسطہ عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے۔ پس ہو سکتا ہے کہ عذاب کا تعلق عالمِ غیر محسوسات سے بھی ہو۔ پر عالم محسوسات سے تو ظاہر ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ اور بار بار عذاب کا ذکر موجودہ زندگی سے متعلق نظر آتا ہے جو ملاحظہ کے لئے مختصر طور پر درج کیا جاتا ہے۔

وکم من قریۃٍ اھلکنٰھا فجآءھا باسنا بیاتاً او ھم قآئلون۔ یعنی اور کتنی بستیاں ہیں جن کو ہم نے (پاداشِ عمل) میں ہلاک کر دیا یعنی لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت آرام میں تھے کہ دفعتاً عذاب نمودار ہو گیا۔

نوح کی نافرمان قوم کو اسی زمین پر ڈبو یا گیا تھا حضرت ہود کی سرکش قوم کو اسی زمین پر تباہ کیا گیا تھا۔ لوط کی باغی قوم پر اسی زمین پر پتھر برسائے گئے تھے۔ شعیب کی ظالم و بے رحم قوم کو لرزا دینے والی ہولناکی کے عذاب نے یہیں گھیرا تھا۔ فرعون کی غدار قوم پر اسی آسمان کے نیچے عذاب نازل ہوا تھا قیامت کا ہولناک اور روح فرسا عذاب بھی اسی زمین پر اور اسی فضا میں برپا ہونے والا ہے۔ کہ یاایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیءٌ عظیم۔ یعنی لوگو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو یقین کرو آنے والی گھڑی کا بھونچال بہت ہی سخت ہوگا۔

پھر آج مسلمان قوم پر غلامی کا جو عذاب مستولی ہے، یہ بھی اسی زمین پر اور اسی زندگی سے متعلق ہے، اور یہ عذاب پاداشِ عمل کے ہر شعبہ سے وابستہ ہے۔ آپ اور ہم روزانہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سن رہے ہیں۔ ان سے انکار کرنا ظلمت کو روشنی کہنا ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام عذاب اسی سرزمین پر رونما ہوئے۔ اور ان سب کا ذکر قرآن میں درج ہے۔

ہم اور آپ سنتے آئے ہیں کہ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے" یعنی ہر عمل کا نتیجہ اس کے مطابق

ہوتا ہے۔ عمل کے خلاف نہ تو کبھی کوئی نتیجہ ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت نے انسان کی یا تو رعایت کی ہے، یا اس درجہ اختیار دیدیا ہے کہ اس کا قانون بھی انسان کے عمل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

انسان فضا میں اڑنے کا عمل کرتا ہے، فطرت بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ سمندر کی تہ میں پہنچنے کا عمل کرکے موتی و مرجان لانے کی سعی کرتا ہے۔ قدرت کا قانون بھی اس کی مدد کرتا ہے یہ زمین پر اپنی حکومت قائم کرنے کا عمل کرتا ہے، قانون قدرت بھی ویسا ہی کرنے لگتا ہے، اور یقیناً قرآن کے اس اعلان کا کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم کا یہی مطلب ہے، یعنی سے

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس اعلان میں انسان کی خود اختیاری کا ثبوت کس شدومد کے ساتھ نظر آتا ہے، پس جب تک عزم و ارادے، ایمانداری و دیانت داری کے ساتھ ہم اپنی حالت میں خود انقلاب پیدا نہ کرینگے خدا بھی ہماری مدد نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا اور پھر کہوں گا کہ عبادت اگر خضوع و خشوع کے ساتھ ہوگی، تو اس سے صرف انسانیت کا درجہ بلند ہوگا۔ زمین کی وراثت نہیں مل سکتی۔ وراثت تو عملی قوت کے تحت ہے۔ اور حصول قوت آج سائنس کا محتاج ہے۔

قرآن نے بار بار عمل کی دعوت دی ہے عمل ہی کا نام اسلام ہے اور اسلام کا نام عمل۔ قرآن عمل کا درس دیتا ہے۔ اور یہی عمل کا مرکز ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ یعنی انسان کچھ نہیں جو کچھ ہے اس کا عمل ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ آخرت کے عذاب کا قائل نہیں تو وہ اس دنیا کے عذاب کو نہیں جھٹلا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت یہود و نصاریٰ کی قوموں پر زوال آیا تھا۔ اس وقت ان میں ایسے گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ جن کو خدائی ٹھیکہ دار کہنا چاہئے۔ اس گروہ کے احکام، احکام خدا سمجھے جاتے تھے۔ یہ بخشش کے پروانے دیا کرتے تھے اس نام نہاد دینی گروہ نے لوگوں کو اندھا، گونگا، اور بہرا کردیا تھا یہ اپنی غرض کے لئے جس طرف چاہتا تھا۔ لوگوں کا رُخ پھیر دیا کرتا تھا۔ پوپ اور پادری خدا کے ہمنشین تصور کئے جاتے تھے۔ بادشاہ ان کے روبرو ان کے در کا غلام تھا۔ اس گروہ کی موجودگی سے لوگوں کی عقلی ترقی رُک گئی تھی سمجھ بوجھ ماری گئی تھی۔ اور سب لوگ اندھی تقلید میں مبتلا ہوگئے تھے۔

افسوس اور بے حد افسوس کہ آج بالکل وہی صورت مسلمان کی ہے مسلمان کا وہ مقدس گروہ جس کے سپرد تبلیغ کا کام کیا گیا تھا خود گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔ تشریح دینی کا حق قرآن کی جگہ "مولوی" اور "صوفی" نے اپنی رایوں کے حوالے کردیا۔ اور خود قرآن کے معانی و مطالب پر غور کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ لوگ پیر و مرشد کو خدا کا ہمنشین تصور کرنے لگے ہیں۔ ایک دو نہیں لاکھوں پڑھے لکھے مسلمان ان کے قدموں پر سر رکھتے ہیں پیر کی آواز کو خدا کی آواز محسوس کرتے ہیں۔ ان کو عالم غیب کا درجہ دیتے ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں اپنی نجات کا ذریعۂ یقین کرتے ہیں جہاں کہیں کسی دیوانے کو دیکھا۔ مجذوب سمجھ لیا ہر پاگل مسلمان کے نزدیک ولی ہے۔ ہر مجنون اس کے لئے قطب ہے۔ اور ہر مخبوط الحواس کو ابدال تصور کر لیتے ہیں۔ کانوں میں مُرکیاں، گلے میں مالا، پاؤں میں جھانجن اور ہاتھوں میں ہری چوڑیاں پہننے والا ہر مرد، ان کی نگاہوں میں خدا و رسول کی جوگن ہے۔ سہاگن ہے۔ جہاں کہیں کسی رنگین لباس اور دراز زلفوں کو ضربیں لگاتا دیکھا، اسی کو ولی اللہ یقین کرلیا اور سمجھ لیا کہ اب میری نجات میں کیا شک ہے یہ وہ گروہ ہے جو اللہ رسول کو اپنے گیتوں میں جھولا جھلاتا ہے اور وجد کرتا ہے ان کے نزدیک (معاذ اللہ) اللہ و رسول دو ایسے لاڈلے اور معصوم بچے ہیں، جو ہر وقت پالنے میں پڑے رہتے ہیں۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ پھر تعجب یہ کہ لاکھوں پڑھے لکھے ان کی پوجا کرتے ہیں۔

"مولوی" نے یہ کیا کہ بادشاہوں اور امیروں کی خوشامد کرلی

کے لئے حرام کو حلال، اور حلال کو حرام کرنا شروع کر دیا، اور ایسے فتووں کے بدلے میں انعام واکرام حاصل کر لینے کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اس سے دولت مندوں کی ہوائے نفس پوری ہوتی رہی۔ لوگ عیش و عشرت میں مبتلا ہوتے گئے۔ برائی کی قوت نے آدم کی اس اولاد کو دبا لیا۔ آہستہ آہستہ، چپکے چپکے اس گروہ کے خزانوں کو خالی کرا کے بے بس کر دیا۔ اب جو گردن موڑ کر دیکھا تو زمین کی وراثت اغیار کے قبضہ میں نظر آئی۔ پھر کیا تھا۔ برائی کی جتنی حرکتیں تھیں، ایک ایک کر کے عود کر آئیں، اور افلاس بروئے کار آ گیا۔

بے گناہوں کے قتل کا فتوے، اور قاتل کی رہائی کا فتویٰ دیئے ہیں۔ "مولوی" آزاد تھا، اور ہے۔ بے قصور بیوی کو قصوروار، اور قصوروار خاوند کو بے قصور ثابت کر کے "مولوی" سے ہر روز فتوے لیا جا سکتا ہے۔ بے وجہ طلاق کے فتووں سے گھر اجاڑے جاتے ہیں۔ کہیں "مولوی" کے فتوے کے روبرو سود جائز ہے۔ کہیں ناجائز۔ کہیں اس کے پاس کا فردل سے میل کرنے کا فتوے نکل آتا ہے۔ کہیں ان سے الگ رہنے کا۔ عجیب جادوگر گروہ ہے۔ جس کو چاہتا ہے مسحور کر لیتا ہے۔

اسلام کا تیسرا تباہ کن گروہ یورپ زدہ مسلمان ہے۔ جس کو انگریز کی نقل کرنے میں کافی ملکہ ہے اس کو اس سے غرض نہیں کہ ایک انگریز اپنی قوم و ملک کے لئے کتنے گھنٹے ٹھوس کام کر کے شراب پیتا ہے۔ کتنے غیر انگریزوں کو تباہ کر کے ڈانس کرتا ہے کتنی راتیں اور کتنے دن وہ پہاڑوں اور زمین کی کانوں میں رہ کر عیش کرتا ہے۔ اور زمین کا سینہ چاک کر کے وہ کتنا سونا چاندی اگلوا کر زمین کا وارث بنتا ہے؟ اور بنتا چلا چلا جاتا ہے۔ بلکہ اس یورپ زدہ مسلمان کو اس سے غرض ہے کہ وہ صاحب بہادر کہلائے، عام انسانوں سے مافوق سمجھا جائے غریب کو اس کے روبرو بات کرنے کا حق نہیں، رہنے پر اختیار نہیں۔ اس کو ملک و قوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ قرآن سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلام ان کی زبانوں اور صورتوں کی بجائے قدموں میں ہے، اور اسلام کا نام لینا، ایک مضحکہ خیز حرکت ہے تعجب تو یہ ہے کہ یورپ کے چند فلاسفروں کی کتابیں پڑھ کر اس گروہ نے یہ حکم لگا دیا کہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا تو مولوی، ملا اور حافظ کا کام ہے، اور اس کا پڑھنا تو محض ثواب کے لئے ہے یا برکت کے لئے پھر یہ ثواب و برکت بھی غریبوں کے لئے ہے ہمیں اس سے کیا واسطہ۔

امام اکبر آبادی

بڑھیا کا دِیا

اک دیا دُور سے ہنستا سا نظر آتا ہے
ننھے تارے کی طرح زمیں سی برساتا ہے

گرچہ بجلی نہیں، شعلہ نہیں، مہتاب نہیں
پھر بھی رہ گیر کو یہ راستہ دکھلاتا ہے

ٹوٹ کر رہ گئی ہے شاخ پہ تاروں کی کرن
یا کوئی جگنو، چمک دُور سے دکھلاتا ہے

دامنِ یاس میں ہو جیسے شعاعِ اُمید
یوں ہواؤں کے تھپیڑوں سے یہ تھراتا ہے

جیسے ارمان کی ننھی سی کرن ہو دل میں
یوں کسی جھونپڑی میں رنگ یہ دکھلاتا ہے

اخترِ صبح کی رقصندہ ضیا کی صورت
دامنِ شب میں مچلتا سا نظر آتا ہے

کسی بڑھیا کے سیہ خانہ کی رونق بن کر
اخترِ تیرگیٔ بخت کو بہلاتا ہے

رات کی تیرہ فضاؤں کی نظر بن بن کر
اِک پُر اسرار جھلک دشت کو دکھلاتا ہے

اختر شیرانی

جنسی رشتے اور اُن کا انتخاب

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ہوتے۔ اگرچہ میری رائے میں اپنے خاندان و برادری میں رشتہ کرنا بہتر ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ خاندان میں آپس کے تعلقات و خیالات کیسے ہی خراب ہوں۔ رشتے کر لئے جائیں۔ اپنے خاندان میں جہاں باہمی رواداری اور محبت کے جذبات عنقا ہوں اور جہاں آپس میں ہمیشہ تناتنی خود غرضی رقابت اور انانیت کارفرما رہتی ہو، رشتوں سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے کیونکہ اکثر و بیشتر یہی دیکھا گیا ہے کہ ایسی جگہ رشتوں کے بعد پہلے سے زیادہ دلوں میں رنجشیں اور کدورتیں پیدا ہو گئیں۔ چونکہ زیادہ میل جول اور قرابت کی وجہ سے دلوں میں ایک دوسرے کی عزت و وقعت بالکل نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے بعض دفعہ دلوں میں دبی ہوئی چنگاریاں شدید صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور شامت آتی ہے اُن غریب لڑکے لڑکیوں کی جن کو ایک طرف سے دبایا جاتا ہے کہ اگر تو سسرال والوں سے ملا یا ان سے کچھ تعلق رکھا تو ہمارا تجھ سے کچھ واسطہ نہیں۔ دوسری سے کہا جاتا ہے کہ اب اگر تو میکہ گئی یا اپنے میکہ والوں سے کچھ تعلق رکھا تو ہم تجھے اپنے گھر سے نکال دیں گے۔ اب ان بزرگواروں سے جو برخورداروں کو ایسے احکام صادر فرمایا کرتے ہیں کوئی یہ پوچھے کہ حضرت جب آپ نے ان بچوں کو ایک دوسرے کے دامن سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کر دیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکا اپنی سسرال والوں سے بلا وجہ قطع تعلق کرے اور لڑکی اپنے میکے والوں سے ملنا چھوڑ دے۔ لڑائی تو آپ بڑوں کی ان معصوموں کا کیا قصور ہے۔ یہ تو پہلے سے آپ کو سوچنا چاہئے تھا۔ بالعموم اس کھینچا تانی میں یہ ہوتا ہے کہ بزرگوں کا تو کچھ نہیں بگڑتا ان غریب لڑکے و لڑکیوں کی ہی پُر مسرت ازدواجی زندگی مصیبت کی زندگی بن جاتی ہے۔ اور بیچاروں کے نزدیک جائے ماندن نہ پائے رفتن" کا معاملہ ہوتا ہے اس کا علاج [illegible]

میں بزرگوں میں لڑائی جھگڑوں کا امکان نہیں ہوتا تو اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ امکان ضرور رہے گا مگر بہت کم۔ اس کے علاوہ خاندانی تعلقات جو کچھ بھی باقی ہوں قائم رہتے ہیں اور تمام خاندان پر ان کا اثر نہیں پڑتا جیسا کہ یہاں رشتہ ہونے کی صورت میں پڑتا ہے۔ سوسائٹی کے لئے خاندان کی شیرازہ بندی بہت ضروری چیز ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جن خاندانوں کے گھروں کی فضا برسوں سے سموم چلا آتی تھی وہاں آپس میں رشتے ہو گئے تو وہاں کی فضا خوشگوار اور عطر بیز ہو گئی۔ بہر نوع خاندان میں رشتے کرنے میں تخریبی پہلو بھی ہیں اور تعمیری بھی مگر بہر صورت میں کسی ایک پہلو پر اڑے رہنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں کسی صحیح فیصلہ پر پہنچنے کے لئے اس بات پر غور کر لیا جائے تو اپنے خاندان میں رشتہ کی رائے دی جا سکتی ہے کہ خاندان یا دو گھروں میں جو بات چلائے رنجش یا فساد تھی اس کی جڑ کٹ گئی ہے یا نہیں۔ اور وہاں کے دوسرے رشتہ دار افراد کی ذہنیت کلی طور پر تبدیل ہو گئی ہے یا نہیں

اسی ضمن میں عام طور پر ایک بات ہندوستانی گھروں میں یہ بھی دیکھی جاتی ہے کہ متمول خاندان اپنی بیٹیاں غیر کفو میں نہیں دیتے کہ جائداد تقسیم ہو کر دوسری جگہ چلی جائے گی اور بیٹیاں جیسے تیسے اپنے ہی خاندان میں کھپائی جاتی ہیں۔ اس طریقہ سے بھی غیر موزوں بعد الفعل جوڑ انتخاب کر لئے جاتے ہیں۔ جائداد بہرحال تقسیم ہونے والی چیز ہے۔ اس میں کفو اور غیر کفو کی پابندی ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے تو پھر کیوں اس خود غرضی پر لڑکے و لڑکیوں کی مسرتوں کو قربان کر دیا جائے؟ اسی طرح یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جو لڑکیاں ناقص ہوتی ہیں ان کو بھی اس خیال سے زبردستی اپنے خاندان میں کھپایا جاتا ہے کہ ان کا "نبھاؤ" اپنے ہی گھر میں ہو سکتا ہے۔ غیروں یا دوسروں کو پرائی لڑکی سے تنگی ہمدردی نہیں ہو سکتی کہ باوجود اس کی غیر مستحسن باتوں کے اس کو ہمدردی کے ساتھ نبھا سکیں۔ مگر اس کی یہ حکمت عملی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی

بلکہ میری رائے میں خاندان میں نئے جھگڑے تنازع ایسی ہی لڑکیوں کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ چونکہ گھر یا خاندان میں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام نہیں کیا جاتا اور خود لڑکے و لڑکیاں آپس میں بہت قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے عیب و نقائص سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور گھروں میں بات بات پر ان کو زیر بحث لایا جاتا ہے جن کی وجہ سے فریقین کا غصہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ لڑائی جھگڑے بڑھ جاتے ہیں پھر آپس میں تُو تُو میں میں۔ جگ ہنسائی یا طلاق خلع اور عدالتی چارہ جوئی۔

پانچویں بچپن کی منگنی بیاہ کے رواج کو بالکل اڑا دیا جائے۔ ماؤں کو عموماً "ننھی سی دلہن" اور "ننھا سا دولھا" لانے اور دیکھنے کی بہت تمنا ہوتی ہے۔ اس تمنا یا خواہش کو پورا کرنے کے لئے یا کبھی کبھی دوستی یا عزیزداری کے تعلقات کو خوشگوار اور استوار کرنے کے لئے مائیں اپنے بچوں کی منگنی بلکہ شادی بھی بچپن میں کر دیتی ہیں۔ ان کی یہ خواہش یا خوشی تو بہر حال پوری ہو جاتی ہے مگر بعد میں بڑی بڑی پیچیدگیاں آ کر پڑتی ہیں۔ اوّل تو یہ کسی کو خبر نہیں کہ دولھا دولہن کی افتادِ طبع کیسی نکلے۔ دوسرے خدانخواستہ بچوں کے ہوشیار ہونے تک آپ نہ رہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا بھی (سوتیلی ماں وغیرہ) آپ کے کئے ہوئے رشتہ کو برقرار رکھے گا یا خود بچے ہی ہوشیار ہو کر یقیناً اس رشتہ کو پسند کریں یا نبھائیں گے۔

چھٹے۔ اکثر و بیشتر گھرانوں میں "خانہ دامادی" کا سوال اٹھا کرتا ہے اس کے نتائج خوشگوار بہت کم۔ ناخوشگوار زیادہ دیکھنے میں آئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ماؤں کو اپنی بیٹی یا بیٹیوں سے انتہائی محبت ہوتی ہے۔ ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی لڑکیوں کے دولھا ان کے گھر "خانہ داماد" ہو کر رہیں تاکہ لڑکیاں ہر وقت ان کے گلے لپٹی لگی رہیں۔ ماؤں کی یہ خواہش بظاہر اولاد سے انتہائی محبت اور ہمدردی کے جذبہ پر مبنی ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی بیٹی کو ازدواجی زندگی کی کٹھن منزلوں کی تکلیفوں سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں جن کا خود ماؤں کو تجربہ ہو تا ہے مگر یہی اندھی محبت یا ہمدردی لڑکیوں کے حق میں سمِ قاتل سے کم نہیں کیونکہ اس صورت میں معمولی ذہنیت تربیت کی حامل لڑکیاں اپنے فرائض کو بخوبی انجام نہیں دیتیں نہ اپنے شوہر والوں کی حقیقت کچھ سمجھتی ہیں نہ ان کے معاشرتی فرائض اور عام انسانی اخوت و ہمدردی کے تعلقات کا دائرہ وسیع ہونے پاتا ہے جو سسرال یا علیحدہ گھر میں رہنے سے ہوتا ہے۔ اور نہ دنیا کا کچھ عملی تجربہ حاصل ہونے پاتا ہے۔ ایسی لڑکیوں کی دنیا سمٹ سمٹا کر صرف "اپنا میکہ" ہی رہ جاتی ہے اس لئے ایسی لڑکیاں خود غرض لاپرواہ مغرور اور کاہل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جن کی سماج کو ضرورت نہیں۔ پھر اس کے ایک نفسیاتی پہلو پر بھی غور کیجئے۔ والدین کی "خانہ دامادی" کی خواہش یا شرط بالکل غیر فطری اور ایک خود غرضی کے جذبہ پر مبنی ہوتی ہے۔ سوچئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ماں باپ اپنے لڑکے کو جوان ہونے پر دوسرے گھر کے حوالے کر دیں اور اپنے حقوق سے جو اُن کی اولاد پر عائد ہوتے ہیں خوشی سے دستبردار ہو جائیں۔ جہاں ایسا ہوتا ہے وہاں فریقین یعنی سمدھیانے کے تعلقات ہمیشہ ناخوشگوار رہتے ہیں ایسے والدین جو دوسروں کے لڑکوں کو "ہتیا کر" خانہ داماد بنا لیتے ہیں اور اُن کو اپنے غریب والدین سے چھڑا دیتے ہیں سوسائٹی کو اُن کے خلاف ہمیشہ اظہارِ برأت کرنا چاہئے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ جب خود ہی لڑکے والے لڑکی والوں کی گھر دامادی کی شرط کو منظور کر لیں اور پھر وہ لڑکا سسرال میں گھر داماد ہو کر رہے تو اس میں لڑکی والوں کا کیا قصور ہے اور وہ کیوں قابلِ اظہارِ برأت یا مواخذہ سمجھے جائیں؟ اول تو میرے نزدیک لڑکی والوں کا یہ مطالبہ ہی سراسر بے اُصول اور منافی اخلاق ہے۔ دوئم لڑکے والوں کا لڑکی والوں کی ایسی شرائط کو ظاہراً بخوشی منظور اور قبول کر لینا محض ایک وقتی حکمت عملی یا کوئی مجبوری ہوتی ہے جس میں خلوص کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

ساتویں۔ لڑکی کے سسرال والوں کا ماحول حتی الامکان ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ کم از کم خود اس کے میکہ کا ہے۔ ساس نند دل کے خیالات خود غرضانہ اور غیر شریفانہ نہ ہونے چاہئیں۔ یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ ان کا میل جول کیسی سوسائٹی اور کیسے خیالات کی عورتوں سے رہتا ہے۔ کیونکہ جیسے خیالات کی ان کی ملنے والی عورتیں ہوں گی۔ ویسی ہی ان کی معاشرت بھی ہوگی۔ اکثر یہ جو کہا جاتا ہے کہ

کا ساس نندوں سے ایسا کچھ زیادہ واسطہ نہیں پڑتا صرف لڑکے کا
دیکھ لینا کافی ہے جس سے عمر بھر سابقہ پڑے گا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔
ہماری معاشرت کی کچھ ایسی ترکیب ہے جس میں ابتدا میں ساس بہو کا چولی
دامن کا ساتھ لازمی ہے پھر اس کی مدت غیر متعین ہوتی ہے اس کے
علاوہ عورت کی فطرت کچھ ایسی عجیب اور حاسدانہ ساخت کی ہوتی ہے
کہ اس سے ہم جنس کے ساتھ خواہ اس سے کیسا ہی تعلق ہو کسی مستقل
رواداری کے برتاؤ کی توقع فضول ہے۔ اس لئے جب تک ہماری
خانگی معاشرت اور مشرقی عورت کے خیالات کی اصلاح نہیں ہوتی۔
ہمیں دولہا کے ساتھ ساتھ اس گھر کی عورتوں کے کردار سیرت و اخلاق
پر بھی ایک نظر ڈالنی پڑے گی جہاں لڑکی دی جا رہی ہے۔

یہی بات ہمیں لڑکے کے لئے بیوی تلاش کرتے وقت بھی مد نظر
رکھنی چاہئے چنانچہ لڑکی کے خیالات و عادات و اطوار اور دیگر ضروری
باتیں اس کی ماں بہنوں خالاؤں اور پھوپھیوں کے طرزِ عمل سے بھی
بہت کچھ اور آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔

آٹھویں۔ حتی الامکان اشتہاری رشتوں سے پرہیز کیا جائے
کیونکہ اس میں اکثر و بیشتر ایسی ہی ہوتی ہے۔ اشتہاری رشتوں میں بہت
سی اصلی باتیں چھپائی جاتی ہیں۔ بہت کچھ مبالغہ آمیزی کا مظاہرہ کیا
جاتا ہے اور کثرت سے فریب اور طمع کاری سے کام لیا جاتا ہے۔
اشتہاری رشتے غالباً دو وجوہ سے ہوتے ہیں۔ اول خود "برسرروزگار"
"زمیندار"، "تعلقدار"، "صاحبِ جائیداد" دولہا میاں اپنے حلقہ
برادری و خاندان میں اپنے چال چلن یا خاندانی نقص کی وجہ سے
اس قدر بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو اپنی برادری میں لڑکی یعنی رفیقۂ حیات
نہیں ملتی۔ یا دوم "خوبصورت"، "قبول صورت"، "امور خانہ داری
میں ماہر"، "ہر فن مولا" لڑکی "خاص وجوہ" سے جن کا علم برادری میں
سب کو ہوتا ہے اس قدر مشہور ہوتی ہیں کہ ان کا اپنی برادری میں کوئی
خواستگار نہیں ہوتا۔ بہت ممکن ہے کہ اشتہاری رشتوں میں کوئی خاص
جذبہ مثلاً حصولِ دولت منصب جاہ کارفرما ہوتا ہو۔ یا واقعی بہترین
رشتہ کی تلاش اور خاندان کی توسیع مد نظر ہو لیکن جہاں تک ممکن
ہو اس چکر میں نہ پڑا جائے۔ کیونکہ قطع نظر ان امور کے اس میں
ایک سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ حسب نسب کی صحیح تحقیق بہت
مشکل سے ہوتی ہے۔

نویں۔ رشتہ برادری سے باہر کیا جائے یا برادری کے اندر یہ ایک
نہایت ضروری اور قابل غور بات ہے جس پر خاندان و سماج کے سکون
کا دار و مدار ہے اگر خود غرضی کارفرما نہ ہو تو اس پر نہایت ٹھنڈے
دل سے غور کرنا چاہئے۔ بالعموم جو قباحتیں اشتہاری رشتوں میں نظر آتی
ہیں وہی برادری سے باہر رشتوں میں بھی نمایاں ہیں۔ خاندان و برادری
سے باہر رشتے عموماً ہندوؤں میں ہوتے ہیں کیونکہ مذہباً ان کے یہاں
اپنے خاندان و گھر میں رشتے منع ہیں۔ مگر آئے دن ان کے یہاں
ان تمام باتوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ جو ابھی اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔
اس لحاظ سے ہمیں برادران وطن سے سبق لینا چاہئے۔ خاندان و برادری
سے باہر رشتہ کرنا سوشل تعلقات کی وسعت اور نسل کی بہتری کے
لئے بہت اچھا ہے۔ بہر نوع ذرائع تحقیق و تفتیش معتبر اور قابل اطمینان
ہیں تو برادری سے باہر رشتہ میں برائی نہیں۔ مگر ایک خرابی اس میں
یہ آکر پڑتی ہے کہ باہر کی لڑکی کو اپنے سسرال والوں کے خاندان و
برادری سے کوئی ہمدردی اور دلچسپی نہیں ہوتی۔ نہ اس کا کوئی خوف
اس کے دل میں ہوتا ہے۔ پھر یہ دقت اس وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے
جب مرد دوسری شادی کرتا ہے اور اس کی پہلی بیوی سے بچے بھی ہوتے
ہیں۔ ایک تو عورت کو دوسری عورت کے بچوں سے ویسے بھی فطرتاً
کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ پھر جب غیر برادری اور غیر خاندان کی لڑکی
دوسری بیوی کی حیثیت سے گھر میں آئے تو اس گھر کے موجودہ بچوں
کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے۔ اس لئے لڑکی یا عورت کے اپنے سوتیلے
بچوں یا سسرال والوں سے نہایت تشدد اور سرد مہری کے برتاؤ
مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔

دسویں۔ یہ بھی نہایت ضروری بلکہ لازمی ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت
ایک دوسرے کے بالکل صحیح حالات مثلاً قابلیت چال چلن عادات و
اطوار لڑکے و لڑکیوں کے گوش گزار کر دیئے جائیں یا کرا دیئے جائیں
اس میں مصلحت آمیز باتوں یا مبالغہ کو کسی صورت سے دخل نہیں ہونا
چاہئے مگر عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو نتیجے صورت [illegible]

مرضی یا مصلحت سے طے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کے گھر لڑکے و لڑکی نیز سسرال والوں کی جا و بیجا تعریفیں کی جاتی ہیں اگر کوئی والدین کے سامنے کسی کا ایسا ذاتی نقص یا کمزوری جو بچوں کی ازدواجی زندگی میں حائل ہو بیان کر دے تو اس کا بہت برا مانا جاتا ہے بلکہ کینہ وری دشمنی یا حسد و رقابت کے جذبہ پر محمول کیا جاتا ہے چنانچہ اکثر ایسی بہت سی باتیں جو ایسے ہی ذرائع سے معلوم ہوئی تھیں اور جن پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ شادی کے بعد آشکارا ہو جاتی ہیں جن کی تلافی شادی کے بعد ناممکن ہوتی ہے۔ بہرحال یہ تمام امور عمر رسیدہ والدین و بزرگ ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

گیارہویں۔ شادی بیاہ جیسے روحانی معاملوں میں فضول لین دین یا شادی سے پہلے جہیز چڑھاوے وغیرہ کے متعلق بات چیت کو بالکل ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ باتیں بھی رشتہ طے ہوتے وقت اور بعد میں بھی رخنہ اندازیاں پیدا کرتی ہیں اور شوہر بیوی کے تعلقات پر بھی ناخوشگوار اثر ڈالتی ہیں۔ یہ باتیں صرف فریقین کی مرضی پر چھوڑ دی جائیں جس کی حیثیت جیسی ہو وہ کر دے۔ اور سوائے مہر اور نکاح نامہ کی باتوں کے دوسری لین دین کی باتیں قطعاً زبان ہی پر نہ لائی جائیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ مسلم برادری میں لین دین کے رواج کا جو اصلیتاً ہندوؤں کا رواج ہے۔ اس قدر زور شور ہے کہ اس نے شریعت نبوی کو تو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ اب اس زمانہ میں اسی کی شادی ہو سکتی ہے جس کے پاس چڑھاوے اور مہر کے بدلے میں گراں قدر رقمیں بیٹی والوں کو دینے کے لئے موجود ہوں۔ یا بیٹی والوں کے پاس قیمتی جہیز وغیرہ دینے کو موجود ہو یہ قابل غور بات ہے کہ مسلمان جو بات بات میں قرآن و حدیث کا حوالہ دیتے اور بزرگان دین کے کارناموں کی دل کھول کر داد دیتے ہیں حل کے وقت ان چیزوں کو کہاں اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ سید رضا احمد

برقی دماغ (بقیہ صفحہ ۱۸۵) طیارہ باز کے سامنے ایک آئینہ سا ہوتا ہے جو بالکل ریڈیو کی مانند ہوتا ہے۔ فرض کیجئے یہ طیارہ بھوپال سے اڑ کر دہلی جانے والا ہے۔

نقشہ نمبر ۱

تو دہلی میں ایروڈروم پر براڈکاسٹنگ اسٹیشن کی طرح ایک عمارت ہوگی جس میں سے ایک خاص لمبائی کی برقی لہریں بھوپال کے رخ چھوڑی جائیں گی۔ یہ لہریں جب اس نلکی میں داخل ہوں گی تو ایک خاص آواز جو دہلی کی مخصوص و مقرر کردہ ہوگی اور جس کا علم طیارہ باز کو پیشتر سے ہونا لازمی ہے سنائی دیگی۔ طیارہ باز پھر اپنے طیارہ کو ہمیشہ اسی رخ رکھے گا جتنی کہ آواز نہ بدلے جب آواز بدلے گی تو وہ پھر واپس ہو کر اسی راستے پر آجائے گا اور پھر داہنے یا بائیں طرف ہٹ کر چلنا شروع کرے گا۔ اس طرح بغیر بھٹکے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ اس مقصد کے لئے ایروڈروم تین چار سمتوں میں مختلف آوازیں نشر کرتا ہے جیسا کہ نقشہ نمبر ۱ سے ظاہر ہے۔ یوں سمجھئے دہلی چار سمتوں میں ا۔ ب۔ ج اور "د" آوازیں نشر کر رہی ہے۔ طیارہ باز کو معلوم ہے کہ دہلی اور بھوپال کے درمیان آواز "ج" نشر ہو رہی ہے وہ ریڈیو کی سوئی گھما کر اسے صرف اسی آواز کو کھینچنے کے لئے تیار کر لیتا ہے اور اندازاً اس سمت پرواز کرتا ہے جس طرف دہلی ہے لیکن اگر یہ اندازہ غلط ہو اور وہ کوئی خط جہاں سے آواز "ج" بدلتی ہے پار کر جائے تو پھر اسے کوئی آواز سنائی نہیں دیگی۔ اسے پھر چکر کاٹ کر اسی قیف نما احاطہ میں آنا پڑیگا جو کوئی مشکل امر نہیں ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے اور اس طرح وہ برابر دہلی کی نشر گاہ پر پہنچ جائے گا جو یقیناً وہاں کے ایروڈروم پر ہوگا ——— مندرجہ بالا تمثیلات اور دلچسپیوں و دیگر حقیقتیں ایسی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل کا اور اس کی کاوشوں کی داد دینی پڑتی ہے لیکن یہ سب اسکی ان کوششوں کا نتیجہ ہیں جو اصول و قوانین کے تحت کی جاتی ہیں اسے سائنس کہتے ہیں مگر اس عقل کی تعریف کرتے ہی ہمیں اس کے عطا کرنے والے کا خیال آجاتا ہے اور ہم اس خدائے واحد کی قدرت و صنعت کو نہایت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

سید امام علی ہمدرد۔ ناگپور

برقی دماغ

برقی قوت کو قبضہ میں کر کے آدمی اس قابل ہو گیا ہے کہ دنیا کے بہت سے کام اس کے ذریعہ بحسن وخوبی انجام دے سکے۔ اب تک برقی قوت صرف میکانکی کٹھ پتلیوں کا سا کام کر رہی ہے۔ لیکن ہماری خواہش تو یہ ہے کہ ایسی قوت ہمارے ہاتھ آجائے جس کے ذریعہ تمام کام بغیر آدمی کی قوت کے انجام دیئے جا سکیں۔ اسی کوشش میں اب انجینئر ایسی کلیں ایجاد کر رہے ہیں جن کے ذریعہ بہت سا دماغی کام لیا جا سکے۔

بعض کلیں آج کل تعجب انگیز کام انجام دے رہی ہیں۔ ایک مشین آتش دان کو ہمیشہ یکساں گرم رکھتی ہے۔ جب گرمی کم ہونے لگتی ہے تو وہ خود بخود ہی اٹھتا ہے اور اس درجۂ حرارت یکساں رہتا ہے اسی طرح یکساں روشنی رکھنے والی مشینیں بھی استعمال ہو رہی ہیں۔

ریفریجریٹر (خنک ساز آلہ) بھی بجلی کے ذریعہ اس وقت تک ٹھنڈا کرتا رہتا ہے۔ جب تک چیزیں ایک خاص درجۂ حرارت پر نہ پہنچ جائیں اس کے بعد خود بخود بند ہو جاتا ہے۔ پھر جب چیزیں اطراف کی گرمی سے دھیرے دھیرے گرم ہوتی ہوئی ایک خاص درجۂ حرارت پر پہنچ جاتی ہیں۔ تو وہ مشین خود بخود کام کرنے لگتی ہے۔ اس سے قوت بھی بیکار ضائع نہیں ہوتی اور چیزیں بغیر کسی فکر و محنت کے ہر وقت مقررہ درجہ حرارت کے درمیان ہی رہتی ہیں۔ اگر یہی کام کسی آدمی کو سونپ دیا جائے تو شاید ہی وہ اسے اتنی اچھی طرح انجام دے سکے

ایک فرنیچر کی دکان میں جب کوئی شخص کسی کرسی، میز یا پلنگ کے قریب جائے تو برقی مشین خود بخود اس چیز کو صاف کر دیتی ہے۔ اگر برقی آتش دان کے پاس جائے تو وہ خود بخود جل اٹھتا ہے۔ اصل میں ان چیزوں کے سامنے دو ڈبے رکھے ہوتے ہیں۔ ایک میں سے روشنی نکل کر دوسرے ڈبے میں جاتی ہے۔ اگر اس روشنی کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے تو برقی قوت کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ جو مختلف اقسام کی مشینیں چلانا شروع کر دیتا ہے۔

اور پھر جب دوسری مرتبہ برقی روشنی کا سلسلہ منقطع ہو تو اس برقی قوت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ جو فرنیچر صاف کرنے کا کام کر رہی تھی۔ اور مشین کام کرنا بند کر دیتی ہے۔

ایک انجینئر ایک کیمیاوی مرکبات اور دوسری دوائیں فروخت کرنے والے کے لئے ایک ایسا کمرہ بنا رہا ہے جس میں داخل ہوں تو خود بخود ایک طرف دیوار پر برقی قمقمے روشن ہو جائیں گے اور دیوار پر لٹکا ہوا ایک نقشہ منور ہو جائے گا قریب ہی سے ایک آواز نقشہ کے متعلق معلومات فراہم کرے گی۔ ایسا معلوم ہوگا۔ جیسے کوئی آدمی اس نقشہ کے متعلق بتا رہا ہے۔ جب وہ آواز بند ہو جائے گی۔ تو دوسری طرف روشنی ہو گی اور وہیں سے آواز آنے لگے گی۔ جو یا تو نقشوں کے متعلق بتائے گی یا اگر الماری میں چیزیں رکھی ہوں تو ان کا مظاہرہ کر کے ان کی صفات آشکارا کرے گی۔

اس طرح یکے بعد دیگرے مختلف جگہوں پر لیکن اسی کمرہ میں مختلف قسم کی آوازیں نئی نئی باتیں سمجھائے گی۔ اور نئی نئی چیزوں کا مظاہرہ کرے گی۔ وہاں اس کام کے لئے ایک بھی آدمی کی ضرورت نہیں اگر اسی طرح ایک کمرہ ہندوستان میں بنایا جائے تو عجب نہیں کہ آدمی اُسے "جادو گھر" سے موسوم کریں۔

ایسی مشین تو عرصہ ہوا ایجاد ہو چکی ہے جس کا صرف بٹن دبانے کے کچھ عرصہ بعد ایک کمرہ منور ہو جاتا ہے اور خود بخود تصویر کھنچ جاتی ہے پھر یہ کاغذ خود بخود تین چار دوائیوں میں دھل کر نکل آتا ہے جسے اسی مشین پر ایک آدھ منٹ رکھ کر سکھایا جا سکتا ہے۔ اور دیکھئے تصویر تیار ہے۔ اتنا نازک کام جس میں اچھے اچھے آرٹسٹ بھی چوک جاتے ہیں۔ برقی قوت سے کس آسانی اور خوبی سے انجام پا جاتا ہے۔ برقی قوت کے ذریعہ اب طیاروں کو راستہ بھی دکھایا جاتا ہے۔ طیاروں میں ایک نلکی لگی ہوتی ہے جس کے پیچھے ایک آلہ لگا ہوتا ہے اور اندر کی جانب (باقی صفحہ ۱۹۲ کالم ۱)

مکّہ مسجد حیدرآباد کا سنگِ بُنیاد

حیدرآباد کی مکّہ مسجد کا سنگِ بُنیاد رکھنے کی رسم ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کئی روز پہلے حیدرآباد کے گوشہ گوشہ میں بادشاہ کے حکم سے یہ منادی کرادی گئی تھی کہ "شہر کے وسط میں جو عظیم الشان مسجد تعمیر کی جانے والی ہے اس کا سنگِ بنیاد وہ پرہیزگار شخص رکھے گا جس کی کوئی نماز بارہ سال کی عمر کے بعد سے قضا نہ ہوئی ہو"

اس اعلان کے بعد ہر شخص اس دن کا بے چینی سے منتظر تھا جس دن مکّہ مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جانے والا تھا۔ اس وقت سلطنت قطب شاہی کے پایۂ تخت حیدرآباد میں اس کی شان کے لائق کوئی مسجد موجود نہ تھی

حیدرآباد کی مشہور عمارت چار مینار کے پہلو کا وہ میدان جہاں یہ مسجد تعمیر کی جانے والی تھی، وقت مقررہ پر تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا وسط میں ایک بڑے شامیانہ کے نیچے زرق و برق لباس پہنے ہوئے امیروں اور شاہی خدمتگاروں کی قطاریں دونوں طرف کھڑی ہیں سارا مجمع جواں بخت وجواں سال بادشاہ کی آمد کا منتظر تھا۔ لوگوں کی گردنوں کا اٹھنا اور سُنہری پگڑیوں کے شملوں کا فضا میں لہرانا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر کی مضطرب لہریں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آرہی ہیں۔

دس بجے کے قریب شاہی نشان کا ہاتھی چار مینار کے قریب پہنچا مجمع کی نظر پڑتے ہی شور وغل کافور ہوگیا اور ہر شخص یہ کوشش کرنے لگا کہ جس طرح ممکن ہو بادشاہ سلامت کو دیکھنے کی سعادت حاصل کروں ۔ اس کے بعد چند اور ہاتھی اور گھوڑے نظر آئے اور سو ڈیڑھ سو سوار ڈاب میں تلواریں لگائے قطار در قطار چار مینار کے نیچے صف باندھ کر کھڑے ہوگئے اس کے بعد ایک اور دستہ سواروں کا نفیر بلل بجاتا ہوا میدان میں داخل ہوا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ سلامت گھوڑے پر سوار آرہے ہیں پچاس ساٹھ پیادے ادب سے پیچھے ہیں۔ نقیب "ہٹو بچو نگاہ روبرو" کے نعرے لگا رہے ہیں۔ چوبدار ہاتھوں میں نقرئی عصا لئے مجمع کو ہٹا رہے ہیں مورچھل بردار بادشاہ کے دونوں طرف مورچھل جھل رہے ہیں۔ آفتاب گیر اور چتر بادشاہ کے سر پر سایہ فگن ہیں بادشاہ شامیانے کے نیچے پہنچ کر شاہی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور شاہی نقیب باوازِ بلند یہ اعلان کرتا ہے۔ " اعلیحضرت ظلِ سبحانی جلیس سریر سلطنت وکامرانی دولت پناہ سلطان محمد قطب شاہؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ شرفاء و نجبائے شہر میں جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے جس نے بارہ سال کی عمر سے اب تک ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ کی ہو وہ آگے بڑھے اور خانہ خدا کا سنگِ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھے۔"

بادشاہ کا یہ حکم سُن کر مجمع پر پھر سکون چھا گیا اور کوئی آگے نہ بڑھا، چند لمحہ کے بعد نقیب نے پھر اس حکم کو دُہرایا اور مجمع میں سے ہر شخص دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک گروہ دوسرے گروہ کو ایک محلّے والا دوسرے محلّے والوں کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا تیسری مرتبہ پھر نقیب نے رُک رُک کر اس حکم کو دُہرایا تیسرے اعلان کو سُن کر مجمع میں سے دو آدمی آگے بڑھے۔ اور ایک نے شرعی قسم کھا کر عرض کیا کہ "بارہ سال کی عمر سے اب تک میری ایک نماز قضا نہیں ہوئی لیکن آج صبح کی دوسری رکعت پڑھ رہا تھا کہ آفتاب نکل آیا۔" دوسرے نے عرض کیا کہ "میں نے ایک دفعہ صبح کی نماز وقت پر پڑھی تھی لیکن آفتاب نکلنے کا وقت قریب ہوگیا تھا۔ اس شُبہ دور کرنے کے لئے دوبارہ نماز پڑھلی تھی۔ اس کے علاوہ کبھی میری نماز قضا نہیں ہوئی۔"

دونوں کے بیان سے عوام میں ہلچل پیدا ہوگئی اور فوراً ہی سلطان محمد قطب شاہ نے کھڑے ہوکر اوّل شرعی قسم کھائی اور پھر فرمایا۔ "اس خدائے بزرگ کی قوت و دبدبہ کی قسم جس کے گھر کی بنیاد ڈال رہا ہوں بارہ سال کی عمر سے اب تک میری پنج وقتہ نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔" یہ کہہ کر سلطان محمد نے بنیاد کا پتھر اپنے سر پر اٹھالیا اور اپنے ہاتھوں سے مکّہ مسجد کی بنیاد رکھدی اور اس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ ۴

دُور کے ڈھول سُہانے

محترمہ بیگم خان عبدالرشید نے جون کے عصمت میں سلطان ابن سعود ملک الحجاز کے متعلق ایک مختصر مضمون لکھا ہے جس میں ابن سعود کی تعریف میں یہ جملے بھی تحریر فرمائے ہیں:۔

"وہ تمباکو نوشی، مے نوشی اور قمار بازی کے سخت دشمن ہیں۔ انہوں نے اپنی مملکت میں سینما کو ممنوع قرار دیا ہے۔ وہ اس امر کی سخت نگرانی رکھتے ہیں کہ سینما کی کوئی تصویر ان کی سلطنت میں نہ آنے پائے۔ ان کے ملک کا نظم و نسق اور ان کی سیاست کا دار و مدار قرآن کریم کے احکام پر ہے۔ ان کی سلطنت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ہے۔"

معلوم نہیں بیگم صاحبہ نے یہ کب کی باتیں اور کہاں سے لکھدی ہیں کسی کتاب میں دیکھی ہیں یا کسی کی زبانی سُنی ہیں۔ اپنی خوش اعتقادی سے لکھدی ہیں یا تحقیق بھی کی ہے۔ ملک حجاز اور حرمین شریفین سے مسلمانانِ ہند کے تعلقات قائم ہیں اور ہر سال ان کی تجدید ہوتی رہتی ہے۔ ہر سال ہزارہا حاجی ہندوستان سے جاتے ہیں اور حکومت سعودی کا حال بچشم خود دیکھ کر آتے ہیں۔ محترمہ مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے بیشک اسی دعوے کے ساتھ امیر نجد نے حجاز میں حکومت شروع کی تھی۔ لیکن اب حجاز اور حکومت حجاز کی یہ کیفیت نہیں ہے۔ یہ بات میں نہیں کہتا دیکھنے والے کہتے ہیں۔ مولوی عبدالحلیم صاحب صدیقی میرٹھی جو ہندوستان کے مشہور و معتمد عالم ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں دیکھی کہتے ہیں اور گزشتہ سال ۱۹۴۵ء کے حاجیوں سے سُن کر کہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے ایک مفصل مضمون لکھ کر چھپوایا ہے جس میں نجدی حکومت میں حجاز مقدس کی دینی حالت، تعلیمی حالت، معاشی حالت سب پر روشنی ڈالی ہے۔ اس وقت اس تمام مضمون کا خلاصہ کرنا بھی طول طویل ہے اس لئے میں سب سے پہلے دینی حالت کو مولانا صاحب ممدوح کے الفاظ میں بہت اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہوں اس لئے کہ محترمہ بیگم خان عبدالرشید خاں نے حکومت حجاز کی دینی حالت ہی کا تذکرہ کیا ہے اور سلطان ابن سعود کی سلطنت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت بتائی ہے۔

مولانا عبدالحلیم صاحب فرماتے ہیں کہ نماز روزہ کی پابندی کا جذبہ عام طور پر صرف معمر لوگوں میں باقی رہ گیا ہے جوان لوگ آنکھیں بند کر کے مغربی سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہے عورتوں میں مغربی اخلاق و عادات لباس و زینت کے مراسم بہت سرعت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں مردوں میں اگرچہ قصر الحیہ (داڑھی کتروانے) کا دستور مدت دراز سے جاری تھا لیکن ابتدا سے دور نجدی میں اس پر تہدیدی احکام نافذ ہوئے مگر جب عمال حکومت اور اکابر سلطنت نجدیہ نے خود رخساروں کی صفائی کو اپنے تشیش میں داخل کیا اور فریح طریق پر نام نہاد چند بال ٹھوڑی پر رکھ لینے کو کافی سمجھا تو عوام کی جرأت کا اس حد تک بڑھ جانا کہ وہ داڑھی مونچھ دونوں کا صفایا کر کے پورے مغربی سانچے میں ڈھل جائیں، تعجب خیز نہیں۔ وہ مرکزِ اسلام جہاں دُنیا کے مسلمان اسلامی تہذیب کا نمونہ دیکھنے آتے ہیں آج اس قدر مغرب زدہ ہے کہ امیر نجد نے عام و خاص دعوتوں میں اپنے شاہی دسترخوان پر میز کرسی اور چھری کانٹوں کی ابتدا کی اور اب گھر گھر اسی کا چرچا ہوتا جا رہا ہے وہ حرم مکہ جس سے نبی اکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھروں کے بتوں کو نکالا اور اپنے محبوب داماد شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے شانۂ مبارک پر چڑھا کر دیوار کعبہ سے تصویروں کو مٹوایا، آج اس حرم کے "باب السلام" پر داخل ہوتے وقت سب سے پہلی چیز جس پر ایک ناظر کی نظر پڑتی ہے وہ سلطان ابن سعود کی تصویر ہے جس کو متعدد دکانداروں نے زینت دکان بنایا ہے خاص باب حرم پر کتب فروشوں کی دکانوں ہی پر نہیں بلکہ کوچہ و بازار میں عریانی نیم برہنہ تصاویر کی فراوانی ہے امریکہ کے جنگی پروپیگنڈے کے ماتحت لاکھوں کی تعداد میں عربی اخبار نشر کئے جاتے ہیں جن میں عورتوں کے لئے لباس و زینت کے جدید فیشن کے بہترین نمونے تصویروں کی شکل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

جدہ کے بعض کونسل خانوں کی طرف سے سینما بھی شروع کئے جا چکے ہیں مگر ابھی صرف کونسل خانوں کے ملازمین اور ان کے احباب لوگ ان کی خواتین بھی سینما میں شریک ہوتی ہیں مگر تدریجی طور پر یہ تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔

جدہ میں تو مختلف حکومتوں کے نمایندوں کے نام سے اُمّ الخبائث (شراب) کا بے تکلف داخلہ ہوتا ہی تھا مگر اب یہ دُختِ رز رفتہ رفتہ چاروں طرف پھیل چکی ہے۔ اگرچہ خود سلطان ابن سعود کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے لیکن بعض امراء و رؤساء کے متعلق یہ عام شہرت ہے کہ وہاں شبانہ روز اس کی سحر کاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔

وہ سگرٹ بازی جس کی حُرمت کے احکام دار الافتاء نجدی سے زمانہ ہوا صادر ہو چکے ہیں محصول کی آمدنی کی خاطر اس کا داخلہ کبھی بند نہیں کیا گیا اور آج وزراء و امراء نجد کی مجلسوں کی زینت ہے اور عوام حجازی و نجدی اس میں اس طرح مبتلا ہیں کہ عورتوں اور مردوں دونوں صنفوں میں اس سے پرہیز کرنے والے انتہائی اقلیت میں ہوں گے۔

فرزندانِ امیر نجد و امرائے نجد کے خاص حالات پر مزید روشنی ڈالنے کا یہ موقع نہیں خود امیر نجد سلطان ابن سعود نے اپنے تعیش کی خاطر ظاہرداری کے لئے اگرچہ چار کی حد بندی کو قائم رکھ کر سالانہ بلکہ سہ ماہی تبدیل کی صورت میں اختیار کیں لیکن فرزندان و امراء کے لئے ان قیود کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ العلم عند اللہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ روایات کہاں تک صحیح ہیں جو یورپ کے سفر اور حجاز و نجد کے حضر کے متعلق اس قدر شہرت پا رہی ہیں کہ چند روزہ مہمانانِ حجاز حجاج کے کان بھی ان سے آشنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

فرزندانِ امیر نجد کے دورۂ ہند کے وقت ہم سے چند معتمد و ثقہ تاجروں نے بیان کیا کہ صرف ایک فرزند نے فقط عود (خوشبودار لکڑی) کا ہزار روپیہ کی لور عطر اگر ۱۲ ہزار روپیہ کا بمبئی سے خرید کیا۔ جب عود و عطر کا یہ حال ہے تو دوسرے تکلفات پر کیا خرچ ہوگا اور ایسے خرچ کرنے والوں کی حیاتِ تعیش کا معیار کس قدر بلند ہوگا وہ غریب حاجی جو اپنی حلال مزدوری کی گاڑھی کمائی سے ایک ایک پیسہ بچا کر شوقِ زیارتِ حرمین شریفین میں جمع کرتا ہو اور جبری ٹیکس کی صورت میں ان عیش پرست امیروں اور امیرزادوں کی بھینٹ چڑھا آتا ہے اس کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا۔

امیر نجد کو سرزمینِ حجاز پر مسلط ہوئے برسوں گزر گئے امیر نجد ابن سعود نے اس لوٹ مار کے ساتھ شریفی طاقت اور حجازی رعیت کے مقابلہ پر نیزہ بازی کی تھی اور طائف و مکہ کی سرزمینِ مُطّہر کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا۔ تھا کہ وہ حرمین محترمین کو شریفی غلامی سے آزاد کر کے تمام مسلمانانِ عالم کے

سپرد کر دیں گے تاکہ وہاں صحیح اسلامی نظام کے مطابق اس کا اسی کا انتظام کیا جائے یہی وہ فرمانِ امارت اور اعلانِ سعودی تھا جس کی ترجمانی ہندوستان میں ابو الکلام آزاد نے کی اور رفقاء مدّتِ مرحوم مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی کو ابن سعود کی حمایت میں سرشار و کمر بستہ کر دیا لیکن جب وہ خود مؤتمر عمومی اسلامی منعقدہ مکہ معظمہ میں پہنچے اور مقابرِ مقدسہ کو بچشمِ خود منہدم و معدوم دیکھا اور بگوشِ خود وہاں کے حالات سُنے اور یہ اندازہ کیا کہ حرمین شریفین کو مسلمانانِ عالم کے حوالے کرنے اور اماکنِ مقدسہ کی حفاظت کرنے کا جواب بارگاہِ سعودی سے یہ دیا گیا ہے کہ ہم نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہے جو چاہے بزورِ شمشیر ہم سے لے لے۔ تو ہماری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سُنا کہ دینِ اسلام کی تڑپ رکھنے والا اخد الکا یہ بندہ محمد علی کبھی میزاب کے نیچے تڑپ رہا ہے اور کبھی ملتزم پر پیشانی رگڑ رہا ہے کبھی روضۂ نبوی صلعم پر جبہ سائی کر رہا ہے اور حرمین محترمین کی آزادی و حفاظت کے لئے آنسو بہا رہا ہے۔

اس بیان کی وضاحت کے لئے میں یہ اضافہ کرتا ہوں کہ آثار و مقابر شکنی کے مسائل کو مختلف فیہ کہہ کر لوگوں نے نظر انداز کر دیا اور بہت سوں نے بھلا دیا لیکن فی الحقیقت اس مسئلۂ خاص میں کسی اختلاف کی مطلقاً گنجائش نہ تھی اس کے لئے قرآن کریم اور حدیث شریف کو تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی فقہ و شرع کے کسی فتوے کی حاجت نہ تھی بالکل واضح و صاف نہایت کھلا ہوا مسئلہ تھا کہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے مزارات و مقابر و مساجد و آثار جن کو ایسا منہدم کیا گیا کہ سطحِ زمین کے برابر کر دیا گیا تیرہ سو برس سے موجود تھے بہت سے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے بنے اور قائم رہے پھر خلافتِ راشدہ میں کثرت سے تعمیر ہوئے اور باقی رہے اس کے بعد بنی اُمیہ و بنی عباس وغیرہ حکومتوں کے زمانہ میں نئے بنتے رہے اور پرانے موجود رہے خود حرمین شریفین میں کتنے صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین موجود تھے پھر کتنے ائمہ حدیث ائمہ فقہ علماء امت اولیاء اللہ تیرہ صدیوں کی مدت میں حکومتِ سعودی سے قبل تک حرمین شریفین میں اور تمام عالمِ اسلامی میں موجود تھے اور ان مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کرتے رہے کسی نے ان کے انہدام کا فتویٰ نہیں دیا یا کسی نے ان کی زیارت کو شرک نہیں بتایا۔ کیا ابن سعود اور علماء سعودی ان سب بزرگوں سے زیادہ عالم و پرہیزگار ہیں۔ اگر مقابر کی پختگی گنبد کا راستہ مزارات حرمت تعمیر ہی تھی

تو کیا دنیا ئے اسلام [illegible]

ٹماٹر

ٹماٹر نے اپنی خوبیوں کے سبب ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرلی ہے وجہ یہ ہے کہ غذائی حیثیت سے یہ تمام پھلوں اور ترکاریوں میں بہترین چیز اور زود ہضم ہے۔ اس میں معدنی نمک اور پوٹاش اور فاسفورس جو اعصاب کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ بکثرت پائے جاتے ہیں اس میں وٹامن اے۔ بی۔ سی۔ تینوں پائے جاتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کا وٹامن۔ سی پکانے سے خراب یا ضائع نہیں ہوتا۔ یورپ خصوصاً فرانس اور اٹلی میں اس کو "پیارے سیب" اور "سنہرے سیب" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کا اصلی وطن "پیرو" اور میکسیکو کے ممالک ہیں تقریباً دو سو برس تک ٹماٹر کی کاشت اسپین اور پرتگال تک محدود رہی ۱۸۲۵ء میں ٹماٹر پیرس میں کمیاب تھا۔ پانچ سال بعد لندن میں اس کی کاشت شروع ہوئی۔ اب یورپ میں ٹماٹر کی تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد اقسام زیر کاشت ہیں۔ ان سب میں جو سیب کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے اس کا وزن دو اونس اور اس سے زیادہ بھی ہوتا ہے گلوب گولڈن کوئن، بونی بیسٹ۔ مارگلوب۔ ٹماٹر کی اقسام زیادہ مشہور ہیں۔

ہندوستان میں جون سے نومبر تک اس کی کاشت بہت اچھی ہوتی ہے۔ ٹماٹر زیادہ بارش برداشت نہیں کرتا تیز دھوپ اور گرمی میں بھی اس کا پودا سوکھ جاتا ہے اگر اس کے پودوں کو زیادہ بارش۔ ہوا کے سخت جھونکوں اور سخت دھوپ سے بچانے کا انتظام ہو سکے۔ تو ٹماٹر ہر موسم میں پیدا ہو سکتا ہے۔ سرد موسم اس کی کاشت کے لئے بہت مناسب ہے۔ ٹماٹر کا پودا اس مقام پر زیادہ پھیلتا ہے۔ جہاں کاشت کے دنوں میں کبھی کبھی تھوڑی تھوڑی سی بارش ہوتی رہتی ہے جہاں کا درجۂ حرارت ۶۵ سے ۸۰ ڈگری تک ہوتا ہے۔ جہاں ۳۵۔ انچ سے ۴۰ انچ تک سالانہ بارش ہوتی ہے۔ اس کی کاشت کے لئے سایہ دار جگہ مناسب ہے یعنی بڑے بڑے درختوں کے نیچے بونا چاہئے تاکہ زیادہ دھوپ یا زیادہ بارش سے اس کے پودے محفوظ رہ سکیں لیکن یہ خیال رہے کہ دوسرے درختوں کی جڑیں اس کی جڑوں سے نہ ملنے پائیں ورنہ پودے کمزور ہو جائیں گے۔ اس کی کاشت ایسی زمین میں نہ کی جائے جہاں پہلے آلو۔ بیگن۔ مرچ۔ بوئے جا چکے ہوں۔ ایسی زمین کم از کم چھ ماہ چھوڑ دینے کے بعد استعمال کی جا سکتی ہے۔

ٹماٹر ہر قسم کی زمین میں بویا جا سکتا ہے۔ اگر لال مٹی۔ بالو اور کھاد یا گوبر تینوں چیزیں مساوی مقدار میں زمین میں ڈال دی جائیں۔

ٹماٹر کے پودوں کو بیماری سے بچانے کے لئے بیج کو بونے سے پہلے کاپر سلفیٹ کے پانی میں اچھی طرح بھگو لیں۔ دو اونس کاپر سلفیٹ لے کر ایک گیلن پانی میں ڈال دیں اور چھ گھنٹہ تک اس میں بیج تر رکھیں اور پھر سکھا کر فوراً بو دیں۔ ٹماٹر کے ایسے بیجوں کی کاشت نہ کی جائے جو خراب پھلوں اور پودوں سے حاصل کئے گئے ہوں۔ بیج علیحدہ علیحدہ بونے کے بجائے ایک جگہ پھیلا دیئے جائیں۔ اور اس پر ½ انچ موٹی مٹی کی تہہ جما دیں۔ سات آٹھ روز میں جب بیج پھوٹ آئیں تو پودے کو ہوشیاری کے ساتھ نکال کر دوسری جگہ لگا دیں اور پتوں کے سوا تمام جڑیں زمین میں دبا دیں۔ دوسری جگہ کو جہاں پودے لگانا ہیں۔ پہلے اچھی طرح کھود دیں۔ اور اس میں دو فٹ چوڑی اور دو فٹ گہری نالیاں تین فٹ کے فاصلہ پر بنائیں۔ اور پندرہ دن تک دھوپ اور ہوا میں کھلا رہنے دیں۔ کھاد۔ بالو۔ لال مٹی۔ یا کسی دوسری قسم کی اچھی مٹی ہموزن ملا کر

نالیوں میں ڈال دیں۔ پھر جب پودے چھ، سات، انچ کے ہو جائیں۔ تو اس روز جبکہ ہوا میں رطوبت پائی جائے یعنی الصباح یا شام کو پودوں کو آہستہ سے اکھاڑ کر دو۔ دو فٹ کے فاصلہ پر تیار شدہ نالیوں میں لگا دیں اور پودا اکھیڑنے سے پہلے زمین کو گیلا کر لیں۔ اکھیڑتے وقت جڑ کی مٹی کو ساتھ رکھیں اور پودے کو بٹھا کر زمین کو اچھی طرح دبا دیں۔ پانی روزانہ یا ایک روز کے وقفہ سے دیتے رہیں اور اس کا خیال رکھیں کہ نہ تو زمین بالکل سوکھ جائے اور نہ بہت گیلی رہے۔ پانی آہستہ سے نیچے نیچے بہ جائیں۔

ٹماٹر کا پودا تقریباً ڈیڑھ فٹ تک سیدھا چلا جاتا ہے اس کے بعد جھکنے لگتا ہے۔ اس کی ڈال بہت کمزور ہوتی ہے اس لئے پودے کے قریب لکڑی یا بانس کے ٹکڑے گاڑ کر اس میں پودے کو سُتلی یا دھاگے سے باندھ دیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پھل صرف تنے میں نکلتے ہیں۔ اور پھلوں کو اوپر کے پتے ڈھانک لیتے ہیں۔ اور پھل۔ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہتے ہیں، پودے کی بازو والی غیر ضروری ڈالیوں کو تراش دیں۔ خراب پھل کو فوراً توڑ دیں۔ جب پھل پکنے لگیں تو کھاد ملے پانی کو بہا دیا کریں پندرہ دن میں ایک مرتبہ امونیم سلفیٹ دو حصہ سپر فاسفیٹ چار حصہ پوٹاشیم سلفیٹ۔ ایک حصہ کا مرکب بنا کر استعمال کریں اس طرح کہ اس مکسچر کا ایک اونس دو گیلن پانی میں ملا کر ٹماٹر کے پودوں کو دیں۔ باغات میں پھلواری کے ساتھ ٹماٹر کی کاشت بھی کی جا سکتی ہے جس سے نہ صرف باغیچوں کی زینت دو بالا ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک بہترین ترکاری بھی بہ افراط مل جاتی ہے۔ اگر پودوں میں بیماری لگ جائے پتوں میں سوراخ ہونے لگیں تو پندرہ روز میں ایک مرتبہ بورڈکس مکسچر پانی میں ملا کر چھڑک دیں۔ مندرجہ بالا طریقہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس طرح صرف ۵-۶ پودوں میں روزانہ ۳۰-۳۵ پھل اُتر آتے ہیں۔

آنسہ مشیر فاطمہ حمیدی ادیب بدایونی

بہارِ شملہ

کچھ ایسی اب کے برس ہی بہار شملہ پر ۔۔۔ بہارِ خلد بریں ہو نثار شملہ پر
لباس غنچہ و گل میں بہ رنگ گوناگوں ۔۔۔ عیاں ہے صنعت پروردگار شملہ پر
ہوائے سرد معطر کہیں ہے جھونکے ۔۔۔ کھلا ہے نافہ مشک تتار شملہ پر
کہیں ہے روح فزا تختہ گل ریحاں ۔۔۔ کہیں ہے جلوہ نما لالہ زار شملہ پر
رواں ہو آب کہیں پتھروں سے رس رس کر ۔۔۔ کہیں ہیں نالے کہیں آبشار شملہ پر
گھرے ہی رہتے ہیں بادل جو اب پہ صبح و مسا ۔۔۔ نہ برسے کس لئے مینہ بار بار شملہ پر
بنا ہے فیض نمو سے سرورِ دیدۂ دل ۔۔۔ جدھر بھی دیکھئے ہے سبزہ زار شملہ پر
یہ سین دیکھ کے جی میں ہمارے آتا ہے ۔۔۔ گزاریں زندگی مستعار شملہ پر

ازل ہماری کٹے خوب پھر تو محشر تک
بنے جو مر کے بھی اپنا مزار شملہ پر

ابوالاعجاز ازل شملوی

طلبِ صادق

محبوب حق کی چاہ کئے جا رہا ہوں میں ۔۔۔ اور ذکر لا الہ کئے جا رہا ہوں میں
حسن رسولِ پاک کہاں میں کہاں مگر ۔۔۔ دیدار گاہ گاہ کئے جا رہا ہوں میں
اللہ رے اشتیاق تری رہگذار کا ۔۔۔ دل کو بھی فرشِ راہ کئے جا رہا ہوں میں
گزرا حدِ ادب سے نہ عشق رسول میں ۔۔۔ اللہ کو گواہ کئے جا رہا ہوں میں
صرف اس امید پر وہ غفور الرحیم ہے ۔۔۔ فردِ عمل سیاہ کئے جا رہا ہوں میں
یہ فخر ہے غلام شفیع الامم کا ہوں ۔۔۔ اس ناز پر گناہ کئے جا رہا ہوں میں
اللہ رے احترام دیارِ رسول کا ۔۔۔ ہر قدم پہ نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
خیر الامم کی یاد میں دل تھام تھام کر ۔۔۔ ہر لحظہ آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں
شاید کبھی ادھر بھی محبت سے دیکھ لیں ۔۔۔ ان کی طرف نگاہ کئے جا رہا ہوں میں
روضے کی جالیوں کی طرف دیدہ پُر قمر ۔۔۔ حسرت بھری نگاہ کئے جا رہا ہوں میں

عبدالرشید خاں قمر لکھنوی

آزادی

آزادی تو ہے ہی، بیسویں صدی جو ٹھیری، قلم کی آزادی زبان کی آزادی، مردوں کی آزادی، عورتوں کی آزادی، قول کی آزادی فعل کی آزادی، خیال کی آزادی، عمل کی آزادی، یہی آزادی کا صدقہ تھے، جن سے بی انور کے اماں باوا کو آزادی کا ایسا متوالا بنایا کہ جس گھر کی خواتین کی آواز کبھی کسی نے پاس پڑوس میں نہ سُنی تھی۔ اُسی گھر کی جوان لڑکی انور بے حجاب و بے نقاب اسکول تو اسکول، تنہا سینما اور بازار بھی جانے لگیں۔ آبا جان باوصف ڈاڑھی، شرعی پائجامہ، گھٹی کھوپڑی اور چوگوشیہ ٹوپی کے بیٹی کے کرتوت دیکھتے، لوگوں سے تعریفیں کرتے اور ہمت افزائی فرماتے، جو چیز آبا جان ایک روپیہ میں خرید کر لاتے ہونہار صاحب زادی اس کو چودہ ہی آنہ میں لاتیں۔ ماں باپ باغ باغ ہو جاتے لڑکی کا ہے کو تھی کشمی ہوتی تھی نا۔

آخر اسکول سے بازار تو ہو ہی گیا تھا۔ بازار سے سینما کتنی دُور تھا لگے ہاتھوں وہاں کے پھیرے بھی ہونے لگے۔ جہاں اور تو بہت کچھ ہوا مگر غیر ذمہ دار، بے تکیل، لیڈر قسم کی خواتین سے بھی تعارف ہو گیا اب کیا تھا انور کے وجود سے جلسے مشاعرے اور ادبی محفلیں سب کے سب جگمگا اٹھے، پہلے پہل جگہ سامعین میں ملی۔ پھر رضا کاروں میں بھرتی کی گئیں اور آخر میں پانچوں سواروں میں شامل ہو کر ملا سرتِ غیرے لیڈر - - - کوئی موضوع ہو انور ضرور بولتیں، طراری کچھ تو والدین کا عطیہ تھا، بقاطلی انگریزی تعلیم۔ بے باکی۔ صحبت نے ایسی سکھائی کہ یہ کنواری صاحبزادی جب "ترقی پسند ادب" پر اُتر آئیں تو مشہور و معروف ادیب بھی شرما جاتے۔

ماں باپ بے تعبیر نہ تھے۔ سب سُنتے، دیکھتے مگر وا طلب انداز میں، کہ کیا لڑکی اٹھائی ہے، کتنی ذہین، کتنی ذی ہوش کس قدر عقلمند، غرض مختلف افسانوی طریقوں سے لوگوں سے یہ واقعات بیان کرتے، لوگ سُنتے دل ہی دل میں ہنستے اور بدھو بناتے۔ مگر واہ رے احمق کسان کی سمجھ میں خاک نہ آتا۔ اپنی تعریف خیال کر کے باچھیں کانوں سے جا ملتیں۔ -

انور آخر تھی تو لڑکی ہی، باپ کوئی رئیس نہ تھے۔ کہ ہمیشہ گھر میں بیٹھ کر کھاتیں۔ بَر کی تلاش شروع ہوئی۔ پہلے تو کوئی جچتا ہی نہ تھا۔ جج اور کلکٹر سے نیچے تو منہ سے بات ہی نہ کرتے تھے۔ مگر جب بازار میں آئے تو معلوم ہوا کہ ہمارا سونا تو نقلی مانا جا رہا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا اب اُترے تو خیر وکیل اور پروفیسر تک پر آگئے۔ مگر یہاں بھی خیر صلاح ہی نظر آئی۔ مشاطہ، نائی اور اسی قسم کے لوگ جو رقعے لائے ان میں سے کوئی تو ملٹری کے جمعدار صاحب تھے۔ کوئی چنگی کے منشی کوئی میونسپلٹی کے عرائض نویس، کوئی کسی مختار کے محرر، آخر پانڈے جی نے چنے ہی کی روٹی پر شکر کیا۔ اس ہی میں سے ایک ایک کو ٹٹولا۔ لوگ رقعے تو مشاطاؤں کے کہنے سے دے دیتے لیکن بعد میں جب حالات سنتے تو ایسے نوک دُم بھاگتے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، پلٹ کر رقعہ واپس لینے بھی نہ آتے، جان بچی لاکھوں پائے۔ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے۔ -

صاحب زادی نے جب یہ حالت دیکھی تو خود بنفسِ نفیس توجہ فرمائی۔ احباب میں جج صاحب بھی تھے اور ڈپٹی صاحب بھی خان بہادر صاحب بھی تھے اور شہر کے منچلے دیگر امراء بھی، پیار سے ملے۔ مگر شادی کی ذمہ داری کون لیتا۔ جب اُدھر سے بھی مایوسی اور ناکامی ہوئی۔ تو بڑی سوچ بچار کے بعد پردیس کے ایک چنگی کے رنڈوے منشی صاحب جن کی پہلی بیوی سے تین لڑکیاں اور چار لڑکے تھے اس انتخاب میں کامیاب ہوئے ادھر منشی جی جن کا دوزخ کے سوا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جوان لڑکے کے سامنے اپنی شادی رچا بیٹھے۔

یہاں آکر انور نے دیکھا تو کارخانہ ہی نرالا تھا بیس روپیہ

چھکی کے منشی، نہ گھر میں کھاٹ، نہ زمین ٹھاٹ۔ کچھ زیادہ اللہ والے تھے، چٹائی مرغوب خاطر، لڑکے پڑھے لکھے کے بدتمیز، لڑکیاں دُنیا بھر کی پھوہڑ، بات کرنے کا سلیقہ نہ جواب دینے کا ڈھنگ، مُنہ پُھلائے بیٹھی ہیں۔ ارے بھئی کیا ہو تم بی ذرا خاموش طبع ہیں، تو پھر جواب دینا بھی بار ہے' بی شرمیلی ہیں — اور صاحبزادے، اجی ان کی عمر ہی کیا ہے۔ سولہ سترہ سال ہی میں پڑھنے بٹھا دیں تو تپ دق ہو جائے پتنگ بازی میں ماہر، گلی ڈنڈے کے اُستاد، فوجداری میں طاق، یہ سب خوبیاں ہیں۔ اب اور چاہئے بھی کیا، شریفوں میں اس کے علاوہ کیا ہوتا ہے۔!

اور جو کل تک دوسری نیک سیدھی سادھی بیویوں کو "بغاوت" کے مفہوم سے آشنا کیا کرتی تھیں۔ حیات و ممات، آزادی و محکومی، سماج اور عورت جن کے خاص موضوع تھے۔ ساری چلت پھرت بھول گئیں۔ اب کیا کریں۔ اِدھر شوہر صاحب آبا جان سے بھی دو چار سال بڑے۔ کیا کریں۔ اور کیا نہ کریں۔ دن رات یہی فکر تھی۔ آخر جو بیندہ یا بندہ پڑوس کے ایک مہار صاحب کے ساتھ جو حافظ بھی تھے۔ تھوڑی سی اُردو بھی جانتے تھے اور شعر شاعری سے بھی شوق رکھتے تھے تعلقات بڑھے۔ اور بالآخر نو دو گیارہ ہو گئیں۔

غلط پرداخت کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ اماں آبا کی کی ناک جڑ سے کٹ گئی۔ عورتوں کو آزادی دلاتے دلاتے خود اتنی آزاد ہوئیں کہ اللہ اللہ

شہزادی صفیہ سلطان رعنا
آف جاورہ

ماحول

انسان ہمیشہ اپنے ماحول کا گیت گایا کرتا ہے اور یہ چیز فطرت انسان میں داخل ہے۔ ایک مضمون نگار کے بچے سے مضمون نگاری کی توقع کی جاتی ہے۔ ایک کاشتکار کے بچہ سے کاشتکاری کی اور ایک وکیل کے بچہ سے وکالت کی، یہاں تک کہ ایک بُت ساز کے بچے سے بُت سازی ہی کی امید کی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ واقعہ یہ ہے کہ ماحول اپنا اثر ہر شخص پر ڈال کر رہتی ہے۔ اب سے دُور لوگوں کا خیال تھا کہ ماحول کا اثر اشخاص کے وجود میں آجانے کے بعد ہوتا ہے لیکن موجودہ دور کے ماہر نفسیات کا خیال ہے کہ کسی فرد کے وجود میں آنے سے پہلے ہی ماحول کا اثر ہونے لگتا ہے۔ اس کو واضح طور پر یوں سمجھئے کہ بچہ پر اس کے ماحول کا اثر اس کے پیدا ہونے کے بعد ہی سے نہیں بلکہ حمل یعنی ماں کے پیٹ ہی سے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ امریکہ کے کسی کالج کے ماہر نفسیات نے ایک حاملہ عورت کو اسپتال میں لٹایا اور اس کے پیٹ کے چاروں طرف الیکٹرک تار باندھ دیا۔ تاکہ بچہ کی حرکت معلوم ہو سکے۔ تجربہ میں یہ دیکھا گیا کہ جب بچہ کو سکون اور ساکت فضا ملتی ہے تو وہ بھی خاموشی سے اپنے ماں کے شکم میں لیٹا رہتا ہے اور جب سکون اور ساکت فضا میں شور و غل کی آوازیں پیدا کی جاتی ہیں تو بچہ بھی شکم میں حرکت اور بے چینی محسوس کرتا ہے اور جب شور و غل کی آواز بند کر دی جاتی ہے تو بچہ بھی اپنے حرکات و سکنات بند کر دیتا ہے۔

لیکن ہم ہیں کہ قسمت کے ہاتھ میں مٹی کا کھلونا بنے ہوئے ہیں کرے دھرے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور قسمت کا گلہ کرتے پھرتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے بچے ناکارہ اور جاہل نکلتے ہیں تو اپنی بدقسمتی کی شکایت کرتے ہیں کہ میری قسمت میں یہی لکھا ہوا تھا۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ جب تک ہم اپنے آپ کو تعلیم و تربیت کے زیور سے اچھی طرح آراستہ و پیراستہ نہ کریں گے۔ جب تک ہم اپنے ماحول اور فضا کو تبدیل نہ کریں گے۔ ہم سر سید، اقبال اور جناح جیسا بچہ پیدا نہیں کر سکتے ہماری بہنوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہماری قوم اور ملک کو ہونہار بچوں کی تلاش ہے اور ان ہونہار بچوں کے پیدا کرنے [illegible] کی ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔

مصر کی قدیم یادگاریں

آثارِ قدیمہ کے لحاظ سے کوئی ملک مصر کی ہمسری نہیں کر سکتا یہاں کی ایک ایک ٹھیکری قدامت کی تاریخ ہے۔

تھیبس کے عالی شان محل اور مندر

منفنف کا قصر الشمع

منفنف کا قلعہ

قلعہ کا وہ کنواں جو غلطی سے چاہ یوسف کے نام سے مشہور ہے۔ نگر مچھوں کے شہر کی بھول بھلیاں یہ ایسی عالیشان عمارتیں ہیں۔ اور ان میں ایسی ایسی صناعیاں اور رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں کہ انسان پر ان کو دیکھ کر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ مصر کے لوگ ریاضی ہیئت علم المرایا اور جر ثقیل کے فن میں اعلیٰ درجہ کی دستگاہ رکھتے تھے۔

اہرام مصر یہ وہ قدیم مینار ہیں جن کی نسبت عام روایت یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ سے پہلے موجود تھے۔ اور اس قدر تو قطعی طور سے ثابت ہے کہ یونان کی علمی ترقی سے ان کی عمر بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ جالینوس نے اپنی تصنیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ مینار بہت سے تھے یعنی دو دن کی طویل مسافت میں پھیلے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں ان میں سے بہت سے ڈھائے گئے۔ اب جو باقی ہیں۔ اور جن کو آجکل اہرام کہا جاتا ہے۔ وہ صرف تین ہیں ہیروڈوٹس جو سن عیسوی سے چار سو سال پہلے مصر گیا تھا۔ لکھتا ہے کہ:۔

"اس مینار کو سن عیسوی سے نو سو برس پہلے مصر کے چیوپس بادشاہ نے بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر میں ایک لاکھ آدمی کام کرتے تھے۔ اور اس طرح یہ عمارت ساٹھ برس میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کی اونچائی پانچ سو فیٹ ہے یعنی قطب صاحب کی لاٹھ سے دگنی اور نیچے کے چبوترے کا ہر ضلع سات سو چونسٹھ فٹ کا ہے۔ مینار کا مکعب آٹھ کروڑ نوے لاکھ فٹ ہے اور [illegible] اور [illegible] ہے [illegible] میں تیس تیس فٹ چوڑی [illegible] کی چٹانیں ہیں۔ اور چوٹی پر چھوٹی سے چھوٹی آٹھ فٹ کی ہیں۔ اس کی شکل یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک نہایت وسیع مربع چبوترہ ہے۔ اس پر اطراف میں کسی قدر سطح چھوڑ کر دوسرا چبوترہ ہے۔ اسی طرح چوٹی تک اوپر تلے چبوترے ہیں۔ اور یہ چبوترے بتدریج چھوٹے ہوتے جانے سے زینوں کی شکل پیدا ہو گئی ہے تعجب یہ ہے کہ پتھروں کو اس طرح وصل کیا گیا ہے کہ جوڑ یا درز کا معلوم ہونا تو ایک طرف چونا یا مصالح کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اس استحکام کا یہ حال ہے کہ کئی ہزار برس ہو چکے اور جوڑوں میں بال برابر فصل نہیں ہوا ان میناروں کو دیکھ کر خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جر ثقیل کا فن قدیم زمانہ میں موجود تھا۔ کیونکہ اس قدر بڑے بڑے پتھر اتنی بلندی پر جر ثقیل کے بغیر چڑھائے نہیں جا سکتے۔ اور اگر اس ایجاد کو زمانۂ حال کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے تو جر ثقیل سے بھی بڑھ کر کسی عجیب صنعت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ چیوپس بادشاہ نے اس مینار میں کسی طرف کوئی دروازہ نہیں رکھا تھا گویا وہ ایک طلسم تھا جس کی اندرونی حالت لوگوں کی نظر سے بالکل پوشیدہ تھی۔ لیکن سنہ ۲۲۰ھ میں جب خلیفہ مامون مصر میں آیا تو اس مینار کی بیرونی کیفیت دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی نہ کسی طرح اس عمارت کی اندرونی حالت بھی دیکھنی چاہیئے۔ اس نے فولادی اوزاروں سے اس میں آنے جانے کے قابل ایک راستہ بنوایا۔ اور اس وقت سے اس عمارت کی اندرونی حالت لوگوں کو معلوم ہوئی۔

اسلامی دنیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ:۔ "اس عمارت کے بانی چیوپس بادشاہ نے نجومیوں سے دریافت کیا تھا کہ اس عمارت کو کسی طرف سے کبھی کھولا جائے گا؟" نجومیوں نے جواب دیا کہ "شمالی جانب سے اس مینار میں راستہ کیا جائے گا اس مقام کا تعین بھی انہوں نے کر دیا۔ اور یہ بھی

بتادیا تھا کہ اس قدر روپیہ راستہ بنانے میں خرچ ہوگا۔ یہ سن کر بادشاہ نے اسی قدر زر نقد اس کے اندر رکھدیا۔ خلیفہ ماموں کا زمانہ آیا تو اس نے اہرام کے کھدوانے کا قصد کیا مصر کے بعض مشائخ نے اس ارادے سے اس کو روکا مگر وہ نہ مانا۔ اور حکم دے دیا کہ شمالی طرف سے مینار کو کھودنا شروع کیا جائے۔ اول اس پہ خوب آگ جلائی جاتی تھی۔ اور جب وہ مقام خوب گرم ہو جاتا تھا۔ تو اس پہ تیز سرکہ ڈال دیا جاتا تھا۔ اور پھر ٹانکیوں سے وہ جگہ کھودی جاتی تھی۔ اس ترکیب سے بمشکل تمام اس طرف ایک راستہ اندر جانے کے قابل بنایا گیا۔ اور مینار کے اندر کچھ زر نقد رکھا ہوا پایا گیا۔ خلیفہ کے حکم سے جب اس زر نقد کو وزن کیا گیا تو حساب لگانے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ زر نقد تقریباً اس روپیہ کے برابر تھا جو ماموں نے اپنے خزانہ سے خرچ کیا تھا۔ اس پر ماموں کو بہت حیرت ہوئی۔ اندر سے اس دیوار کا آثار بیس گز نکلا۔ اس دیوار کے اندر متعدد مکانات اور کمرے ہیں جو بہت ہی نفاست اور قرینے کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔ اور ان عمارتوں کے اندر پانی پہنچانے کے لئے مینار کے نیچے ہی نیچے پانی آنے کا ایک وسیع راستہ بنایا گیا ہے جس کا منبع رود نیل ہے۔ جب ماموں مینار کے اندر گیا تو اسے اندر ایک راستہ ملا جو اس کو ایک چوکھونٹی باولی پہ لے گیا جس کے چاروں طرف کمروں کے بہت سے دروازے تھے ان میں بیٹھکر دیکھنے والوں کو باؤلی کا کچھ عجیب ہی لطف حاصل ہوتا ہوگا۔ اندر ایک وسیع کمرے میں بہت سی لاشیں ملیں جن کو عربی میں مومیائی اور انگریزی میں ممی کہتے ہیں۔ یہ اُن مصریوں کی لاشیں تھیں جن کو مرے ہوئے ہزارہا برس ہو گئے تھے مگر کچھ ایسے مصالحے ان میں دیئے گئے تھے کہ اُن کے سر کے بال اور ہاتھ اور پاؤں کے ناخن اب تک بدستور قائم تھے اور کسی جگہ اُن پر بوسیدگی کا اثر نہیں تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی مرے ہیں اور اگر بول بھی اٹھیں تو تعجب نہیں۔ اس کمرے کے اوپر ایک اور کمرہ تھا۔ جس میں پتھر کا ایک صندوق رکھا تھا۔ اور صندوق میں ایک آدمی کی مورت تھی۔ اس مورت کے سینے پر سونے کا ایک سینہ بند رکھا ہوا تھا۔ جس میں نہایت قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے۔ اور سونے کے پتر پر جا بجا کچھ ایسے حروف کندہ تھے جن کو اب کوئی پڑھ نہیں سکتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کی کچھ اصلیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔ انہیں کمروں میں سے ایک اور کمرے میں ایک خالی قبر بھی ملی جو اس امر کی نصیحت کر رہی تھی کہ مرنا جینا تو کسی کے اختیار میں ہے ہی نہیں مگر یہ بھی کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ جس جگہ کوئی چاہے وہاں دفن بھی ہو۔ یہ کس کی قبر تھی؟ اور اس کی مٹی اس کو کہاں لے گئی؟ اس کا جواب ذرا مشکل ہے۔ خیال یہ ہے کہ غالباً چیوپس نے یہ قبر اپنے ہی لئے بنوائی ہوگی۔ اس نے اپنے بزرگوں کی نعشوں کو تو اس میں جگہ دی مگر آہ اس کے مقدر میں اتنی بڑی عمارت کے ایک گڑھے میں بھی اس کو سونا نصیب نہ ہوا۔ یہ قبر ایک بہت بڑے پتھر میں تراشی گئی تھی۔ تین فٹ گہری تھی تین فٹ چکلی اور چھ فٹ سے زیادہ لانبی ۔

ابوالہول۔ اہرام کے قریب بہت بڑا بُت ہے جس کو یہاں کے لوگ ابوالہول کہتے ہیں اس کا سارا دھڑ زمین کے اندر ہے گردن اور سر اور دونوں ہاتھ باہر نکلے ہوئے ہیں۔ چہرے پہ سرخ روغن کیا گیا ہے جس کی آب اب تک قائم ہے اعضاء کی مناسبت سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ پورا قد ساٹھ ستر گز سے کم نہ ہوگا اس درازی کے باوجود تمام ناک کان وغیرہ ایسے بنائے گئے ہیں کہ اعضا کے تناسب میں بال برابر کا فرق نہیں۔ عبد اللطیف بغدادی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ نے دنیا میں سب سے عجیب چیز کیا دیکھی؟ اس نے کہا "ابوالہول کے اعضا کا تناسب" کیونکہ عالم امکان میں جس چیز کا نمونہ موجود نہیں اس میں ایسا تناسب رکھنا آدمی کا کام نہیں ہے۔

محمد ضیف خاں ہمدم بھوپال

(بقیہ صفحہ ۱۹۲) ہمارے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہمارے یہاں کی عورتیں سو فیصدی جاہل ہیں، ضرور کچھ تعلیم یافتہ ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے یہاں کی تعلیم یافتہ بھی غیر تعلیم یافتہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ ہم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ناحق کی مخالفت کرنی گویا اپنی حماقت کا ثبوت دینا ہے ہاں معقول بات [illegible]

افسانے

افسانے سننا انسان کی فطرت میں داخل ہے چنانچہ بچہ جب رات کو پلنگ پر لیٹتا ہے۔ اماں جان سے کانی چڑیا دو ۹ کی فرمائش کرتا ہے۔ نوجوانوں کی نظریں بھی فرصت کے اوقات میں کتابوں اور رسالوں کی ورق گردانی صرف کسی دلچسپ افسانے ہی کی تلاش میں کرتی ہیں۔ اور بوڑھوں کی راتوں کی بیخوابی کے اوقات گزاری کا واحد ذریعہ بھی یہی نقل و حکایات ہیں۔ قرآن شریف میں اسی فطرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پیغمبروں کے واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں۔

لیکن کیا کبھی ہم نے اس پر بھی غور کیا کہ خلاقِ عالم نے یہ شوق محض بیکاری کے لمحات کاٹنے کے لئے انسان کو مرحمت فرمایا ہے یا کوئی اور مصلحت اس میں پوشیدہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عادت انسان میں صرف وقت گزاری کے لئے نہیں ڈالی گئی۔ بلکہ اس سے مقصد اصلاح و فلاح ہے۔ آج کل سینکڑوں افسانے جو رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور مستقل تصانیف کی صورت میں بھی نظروں کے سامنے آتے رہتے ہیں تھیئٹر اور سینما کی شکل میں نگاہیں انسانی زندگی کے افسانوں کو دیکھتی ہیں۔ یہ سب تفریحِ طبع ہی کردہ گئے ہیں۔ اور مقصد فوت ہوتا چلا جا رہا ہے جس کے لئے انسان میں یہ عادت پیدا کی گئی تھی۔

خدا کی مصلحت یہ تھی کہ انسان کے حلق سے دوا کی وہ کڑوی گولی جسے ہدایت و نصیحت کہتے ہیں۔ افسانوں کی مٹھاس میں لپیٹ کر بآسانی اتاری جاسکے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں کسی بزرگ نے ہدایت و نصیحت کی کچھ باتیں سنائیں اور لوگوں کا دل اس کی باتوں سے اکھڑ گیا۔ اور چھوٹے تو بڑوں کو نصیحت کر ہی نہیں سکتے۔ اور نہ غریب امیر کو کھلم کھلا کسی کام سے منع کر سکتا یا روک سکتا ہے۔ عورت بھی اپنے شوہر کو برے کاموں سے منع نہیں کر سکتی۔ صرف یہی افسانے ایک واحد ذریعہ نصیحت ہیں۔ اس حکمت یا ذریعے سے عقلمند طبائع نے ظالم بادشاہوں کو عادل بنا دیا۔ قوموں کی تقدیریں پلٹ کر رکھ دیں اور ملکوں کی تاریخیں بدل دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افسانے کا اثر طبیعت پر فوری ہوتا ہے۔ اور افسانہ نگار کی قابلیت نے اگر انسانی کردار کو خوبی سے دکھایا ہے تو انسانی طبیعت فوراً اس کو قبول کر لیتی ہے افسانے نصیحت و ہدایت ہونے کے باوجود نصیحت کی طرح ناگوار نہیں ہوتے اس لئے کہ نصیحت کرنے والی ہستی سامنے نہیں ہوتی۔ اور جو اثر طبیعت قبول کر رہی ہے۔ وہ اس کا اپنا فعل ہوتا ہے۔

آج کل کے افسانہ نگار ناول اور ڈرامہ نویس اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر افسانے وغیرہ لکھتے ہیں۔ لیکن ان کا اثر طبیعتوں پر اچھا نہیں پڑتا۔ اور شریفانہ جذبات۔ ہمدردی اور خیر خواہی کے بجائے غیر شریفانہ۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حیوانی جذبات ترقی پا رہے ہیں۔

ایک فلم میں ڈرامہ نویس نے یہ دکھایا ہے کہ "لڑکی اللہ کے حکم کی تعمیل میں ماں باپ کی مخالفت سے بھی نہ ڈرے"۔ لیکن کیا یہ مقصد اس فلم سے حاصل ہو سکتا ہے جبکہ لڑکیاں نفس پرستی کا مظاہرہ چوری چھپے مل مل کر ناز و نخرے دکھا دکھا کر اسٹیج پر کر رہی ہوں۔ کیا اس کردار کی لڑکیاں اس قابل رہ جاتی ہیں کہ عوام انہیں اس قدر خدا پرست سمجھ لیں کہ وہ خدا کے احکام کی پابندی کا بہانہ کر کے اپنی شادی خود کر لیں۔ اور ماں باپ کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں۔ انصاف کو پیش نظر رکھ کر بتایا جائے کہ کتنی فی صدی طبیعتیں اس کردار سے نیکی اور پابندیٔ شرع کا اثر لے سکتی ہیں۔

رہ گئے رسائل کے افسانے ان کی کیفیت یہ ہے کہ۔

"گوپال نے بچپن میں عشق کیا لڑکی نیچ ذات کی تھی۔ ماں باپ نے شادی منظور نہیں کی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکے اور لڑکی نے سماج کے بندھنوں کو توڑ ڈالا اور آوارہ لوگوں کی طرح گھر سے نکل سے عشق کا ثبوت دیا اور یا پھر لڑکی نے کپڑوں میں آگ لگا کر وفاداری کا منظر پیش کیا۔ اسی طرح ناصر نے ایک پیشہ ور عورت کی زندگی سدھارنے کے لئے اپنی زندگی وقف کی اور سماج کے ٹھیکیداروں کو ذلت انگیز شکست دینے کے لئے ماں باپ کی مرضی کے خلاف اس عورت سے نکاح کرلیا لیکن اس کردار سے وہ نہ تو سماج کو بدل سکا اور نہ اس کا کچھ بگاڑ سکا بلکہ اپنی اور اپنے ساتھ کئی ہستیوں کی بربادی کا موجب ہوا۔ ایسے افسانوں سے آخر کیوں کر مفید نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ عوام کے دماغ تو اس نتیجہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے اور خواص میں سے بھی سو میں سے ایک ہی شاید اس خاص اثر کو قبول کرتا ہو۔ اس لئے کہ افسانہ میں نیکی سے زیادہ بدی کی رغبت کا پلاٹ موجود ہے۔ مختصر یہ کہ اس قسم کے افسانوں کی تعداد جتنی بڑھے گی اسی قدر ملک قعر ذلت کی طرف جائے گا۔ افسانوں کو موثر بنانے کے لئے تصاویر۔ ڈرامے۔ اور سینما وغیرہ بنائے گئے تھے۔ اور واقعی وہ موثر ثابت ہورہے ہیں۔ مگر کونسا اثر پڑ رہا ہے۔ یہ ہمارے سامنے ہے۔

ماہوار اور ہفتہ وار رسالوں میں فلمی نازوانداز کی تصاویر عشق و محبت کے افسانے روزانہ شائع ہورہے اور پڑھے جارہے ہیں لیکن ان کا اثر کیا ہورہا ہے۔ موجودہ اور آئندہ نسلیں بدکاری اور جرائم کی زندگی اختیار کرتی جاتی ہیں۔ اور اخلاق و عادات میں بڑی بڑی نقصان رساں تبدیلیاں ہورہی ہیں۔

صفدری چاندپور

بقیہ کالم دوم ۔۴

اہل اسلام ہی کی اختراع نہیں ہے۔ بلکہ اسلام سے کئی صدی پیشتر اس کا وجود تھا۔ اور غیر مسلم خواتین کا یہ اعتراض کہ اسلام نے عورتوں کو پردہ کی قید میں رکھا کسی صورت سے صحیح اور درست نہیں ہے۔

نفیس فاطمہ بدایوں

پردہ کی قدامت

پردہ کا رواج بہت ہی قدیم ہے پرانے زمانے میں عام طور پر تمام مہذب قومیں پردہ کی پابند تھیں۔ اور اس کا رواج باعث افتخار و امتیاز خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بیت المقدس کے اندر عورتوں کی عبادت گاہیں علیحدہ بنائی گئی تھیں، اور ان کی آمد و رفت کے راستے بھی علیحدہ تھے مرد بھی عام طور پر گرد اور ریگ سے بچنے کے لئے چہرہ پر نقاب ڈالا کرتے تھے سوسائٹی میں اپنا وقار اور احترام قائم رکھنے کی غرض سے نقاب استعمال کی جاتی تھی۔ انجیل میں بتایا گیا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں اور جیکب کے زمانے میں مذہبی پیشوا گرد و غبار سے محفوظ رہنے کے لئے نقاب کا استعمال کرتے تھے سلطنت روما میں عام طور پر پردہ کا رواج تھا مشہور و مستند مورخ گبن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ قسطنطین کے عہد حکومت میں مستورات پردہ کرتی تھیں۔ اور گرجاؤں میں ان کی عبادت گاہیں علیحدہ تھیں قسطنطنیہ کے مشہور گرجا سینٹ صوفیہ میں مستورات کے لئے عبادت کے کمرے علیحدہ تھے۔ چین میں بھی عام طور پر پردہ کا رواج تھا۔ یہاں تک کہ چین کی ملکہ پردہ کرتی تھی اور بادشاہ کی ماں حرم سرا کی نگراں ہوتی تھی۔ مرد محل سرا کے اندر نہیں جاسکتے تھے اور پس پردہ مردوں سے بات چیت ہوتی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قدیم مصری بھی نقاب استعمال کیا کرتے تھے۔

جس زمانے میں ایران کا بادشاہ خسرو تھا۔ ایران کا سفیر سلطنت روما کے حکمراں سے ملنے گیا تھا۔ وہ اپنی مستورات کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اس وقت وہ پردہ میں تھیں اور خواجہ سراان کی خدمت کرتے تھے۔ پارسیوں نے ہندوستان میں آکر بہت دنوں تک پردہ کو برقرار رکھا۔

ان تمام واقعات سے پتہ [illegible] صرف ۴

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے

نجمہ کا دل بہت ہی پژمردہ اور افسردہ ہو رہا تھا۔ آج وہ خلافِ معمول بہت پریشان تھی۔ شام ہو رہی تھی اور وہ تنہا اپنے کمرہ میں بیٹھی آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے کسی گہرے خیال میں غرق تھی۔ چہرہ کبھی زرد ہو جاتا اور کبھی شام کی شفق کی طرح سرخ۔ ڈوبتے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنیں کمرہ میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں آفتاب آہستہ آہستہ افق میں ڈوب رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی "کاش میری زندگی کی کرنیں بھی اسی طرح موت کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے ڈوب کر ختم ہو جاتیں۔ ۔ ۔"

لیکن اپنے خیالات، اپنی تمناؤں اور اپنی آرزوؤں پر اس کا اختیار ہی کیا تھا۔ وہ اٹھی کھڑکی کے پاس گئی اور کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا۔ دور بہت دور فضا میں ایک چھوٹی سی چڑیا ہوا پر پَر پھیلائے اڑی چلی جا رہی ہے۔ وہ اڑتی گئی۔ اتنی بلند کہ فضا میں ایک سیاہ نقطہ کی شکل بنی اور پھر دھیرے دھیرے وسیع نیلگوں آسمان میں جذب ہو گئی۔ "کاش ایسا ہی ہوتا کہ میں بھی امی کی نظروں سے اسی طرح اوجھل ہو جاتی کہ انہیں ہمیشہ کے لئے میری فکر سے نجات مل جاتی یا نہ انہیں میرے لئے تلاشِ رشتہ کی فکر گھن کی طرح کھاتی اور نہ اس فکر میں اُن کا دن کا آرام اور راتوں کی نیند حرام ہوتی۔ کھڑکی کے سامنے ایک چھوٹے سے حوض میں ایک پتی کہیں سے آکر گری۔ پانی میں ایک ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور سینکڑوں چھوٹے بڑے حلقے پانی کی سطح پر بن گئے۔ اور حلقے کی لہریں آہستہ آہستہ پھیلتے پھیلتے پھر پانی میں مل گئیں۔ "کاش انہیں لہروں کی طرح زندگی کی لہریں بھی زمانہ میں اسی طرح مل جاتیں کسی کو کچھ خبر بھی نہ ہوتی کہ کیا ہوا اور کیونکر!"

اسی طرح معلوم نہیں اس کے دل میں کیا کیا خیالات آئے اور نکل گئے۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتی تھی۔ ان معاملات میں اس کا بس ہی کیا تھا [illegible] اختیار تھا۔ وہ روتا رہا۔ اپنی آنکھوں پر اسے اختیار تھا۔ ان سے آنسو ٹپکتے رہے وہ روتی رہی۔ اور معلوم نہیں کب تک!

زمین گردش کرتی رہی۔ سورج نکلتا اور غروب ہوتا رہا۔ سردی کے بعد گرمی۔ گرمی کے بعد سردی۔ صبح کے بعد شام اور شام کے بعد صبح۔ یہاں تک کہ نجمہ کی عمر کا بائیسواں سال شروع ہو گیا۔ لیکن اب تک اس کی نسبت کہیں طے نہ پا سکی کئی جگہ سے نامہ و پیام ہوئے مگر ہر جگہ سے مایوسی اور ناکامی۔ یوں تو لڑکے بہت تھے۔ مگر ان میں بعض تو ایسے تھے جن کی اپنی حیثیت تو کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن چاہتے تھے کہ لڑکی ایسے گھر کی ہو جہاں سواری کے لئے موٹر رہنے کے لئے الگ ایک اچھا سا مکان اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک بڑی رقم مل سکے۔ بعض گریجویٹ تھے مگر مالی حالت ان کی بہت کمزور تھی۔ سفارش کے ذرائع بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے ملازمت نہ مل سکی اور عمر بھی زیادہ ہو چکی تھی۔ تمنا تھی کہ شادی ایسی جگہ کی جائے جہاں جائداد کافی ہو تاکہ زندگی گزارنے کا سہارا ہو جائے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو کسی ایسے با رسوخ گھرانے کی تلاش میں تھے جہاں شادی کے بعد ملازمت کا سامان بہتر سے بہتر ہو سکے۔

نجمہ کے والد نہ تو ایسے با اثر آدمی تھے کہ ملازمت دلوا سکتے نہ اتنی جائداد رکھتے تھے کہ تمام عمر کا کسی کے لئے ٹھکانہ کر دیتے نہ اتنے دولت مند تھے کہ رہنے کے لئے الگ ایک اچھا سا مکان اور سواری کے لئے موٹر اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کثیر رقم ادا کر سکتے۔

نجمہ کی ماں کے پیشِ نظر دو ایک جگہ ایسی تھیں جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ بڑی خوشحالی اور فارغ البالی تھی۔ کوٹھی بھی تھی موٹر بھی تھے۔ بیرے اور بوائے بھی تھے۔ اگر کوشش کی جاتی تو یقین تھا کہ صاحبزادے اور ان کے والدین آمادہ بھی ہو جاتے لیکن صاحبزادے آتش کے پرکالے طبیعت کے آگ بگولے

اور فطرت کے مدد درجہ نگیلے تھے۔ جہاں دیدہ و دانستہ لڑکی کو
بیتے جی درگور کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔

اسی تلاش و جستجو اور چھان بین میں نجمہ کی عمر کا تیئیسواں
سال شروع ہوگیا۔ ماں کی بے چینی اور پریشانیوں کی کوئی حد
نہ تھی۔ نجمہ کو دیکھ کر زار و قطار روتی اور کبھی اپنے لئے اور کبھی نجمہ
کے لئے موت کی دعائیں مانگتی۔

خدا خدا کر کے ایک جگہ گفتگو طے پائی۔ صاحبزادہ ابھی طالب
علم تھے۔ شرط یہ طے ہوئی کہ تعلیم کے اخراجات لڑکی والے
برداشت کریں تو شادی ممکن ہے۔ پچاس روپیہ ماہوار کی نجمہ کے
والد نے رضامندی دیدی۔ لیکن پھر بھی نجمہ کی قسمت نے یاوری نہ
کی کسی دوسرے صاحب نے ساٹھ روپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کرلیا
اور یہ معاملہ انہیں کی بولی پر ختم ہوگیا۔ اور ہفتہ کے اندر ہی اندر
نکاح بھی ہوگیا۔

نجمہ اپنے والدین کے لئے ایک نہ ٹلنے والی مصیبت تھی۔
ماں بات بات پر خفا ہوتی۔ خفگی میں نہ صرف ملامت اور غصّہ
ہوتا بلکہ نفرت و بیزاری بھی۔

ایک دن نجمہ برآمدہ میں بیٹھی ترکاری چھیل رہی تھی ایک
بڑی بی آ پہنچیں۔ آتے ہی انہوں نے نجمہ کی ماں سے پوچھا "اری
نجمہ کی شادی کب کروگی بہن؟" اب تو ماشاء اللہ سیانی ہوگئی
کب تک بٹھائے رکھوگی؟"

"بہن فکر میں تو ہوں۔ کیا کروں لڑکا خاطر خواہ نہیں ملتا۔
دعا کرو اللہ تعالیٰ اس بار سے مجھے جلد سبکدوش فرمائیں۔"

نجمہ کمرہ میں چلی گئی۔ جب باہر آئی تو بڑی بی جا چکی تھیں
ماں دیکھتے ہی برس پڑیں۔

"تیری صورت سے بھی اب مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ تو
کرم کر میرے حال پر۔ میرے سامنے نہ آیا کر خدا کے لئے۔"

نجمہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین پیروں تلے سے سرک
گئی ہو۔ وہ اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ مگر بجائے
رحم کے ماں کا غصّہ اور بڑھ گیا۔ کہنے لگی۔

"شوے بہانے سے کیا ہوتا ہے! بڑی شرم و حیا والی
تو ڈوب مر کہیں جا کر۔ میرے سینہ پر چٹان کی طرح دھری
کمبخت اور ٹالے نہیں ٹلتی۔"

نجمہ کے لئے یہ باتیں اور ماں کی زبان سے بالکل خلاف توقع
تھیں وہ کمرہ میں جا کر بہت روئی۔ اتنی کہ ہچکی بندھ گئی۔ وہ رو رہی
تھی اور سوچتی تھی کہ ان ساری مصیبتوں سے نجات پانے کا ایک
ہی حل ہے۔ ۔ ۔ خودکشی ۔ ۔ "گھر بھر کی مصیبتوں
کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور میں بھی روز روز کے طعنوں سے نجات
پا جاؤں گی۔ ۔ ۔ لیکن ۔ ۔ خودکشی کے بعد ۔ ۔
لاش پولیس کے قبضہ میں جائے گی۔ ۔ اور پھر ۔ ۔
پوسٹ مارٹم ۔ ۔ بے آبروئی ۔ ۔ اللہ کی پناہ"
وہ کانپ اٹھی۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اس کے لئے نہ
مرنے میں چین تھا اور نہ زندہ رہنے میں ۔ ۔ حریص ۔ ۔
خود غرض ۔ ۔ نکمے اور بے رحم مرد! ۔ ۔ وہ بڑبڑا رہی
تھی ۔ ۔

نجمہ کے والد شام کو دفتر سے گھر آئے۔ آج نسبتاً وہ کچھ
بشاش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔ کپڑے بدلے۔ منہ ہاتھ دھو
کے بعد چار پائی پر بیٹھے۔ میاں بیوی میں کچھ راز دارانہ باتیں ہونے
لگیں۔ نجمہ مصلحتاً اٹھ کر پاس کے کمرہ میں چلی گئی۔

"کیا بات طے ہوگئی؟"

"ہاں"

"یہ چار ہزار روپئے پھر کہاں سے آئیں گے!"

"کوئی صورت نکالنی ہوگی۔"

"اپنے پاس تو جائداد کے سوا کچھ بھی نہیں"

"ہاں لیکن میرے لئے تو تمہاری اور نجمہ کی زندگی زیادہ قیمتی ہے
تم جانتی ہو۔ نجمہ کتنی حساس اور خوددار ہے۔ اور یہ بھی تم کو معلوم ہے
نسبتاً لڑکیاں والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں ہماری پریشانی
اور فکر سے وہ دن رات رو رو کر آدھی ہوگئی ہے۔ تمہارا قلب کیا
ہوگیا۔ اختلاجی دورے پڑنے لگے۔ مجھے انہیں دوا جانوں

ہے۔ جیسے بھی ہو۔ میں نے سوچا ہے دو ہزار گورنمنٹ سے قرض لے لوں گا۔ اور باقی دو ہزار جائداد فروخت کر کے حاصل کر لوں گا۔

"یکمشت چار ہزار نقد! پھر زیور۔ جہیز کا سامان۔ اور شادی کے بقیہ اخراجات۔ کہاں سے آئیں گے؟"

"میں چاہتا ہوں کسی طرح شادی ہو جائے۔ پھر لینا دینا بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔"

"بعد میں کیسے ہوتا رہے گا۔ جہیز سمدھنے دنیا کیا کچھ کہے گی پورا نہ دیا جائے گا۔ تو پھر سمدھن کی جوتیوں کے لئے میرے سر پر تو اتنے بال ہی نہیں۔ آپ تو مرد ہیں۔ باہر رہیں گے سننا تو مجھے ہی پڑے گا سب! پھر دو لڑکیاں اور بھی تو ہیں ابھی! ان سے کون کرے گا بیاہ!"

"پھر کیا کروں۔ تم ہی بتاؤ؟ شادی کے قرض کی ادائگی کے بعد جس تنگی اور عسرت سے اپنی زندگی بسر ہوگی اس کا بھی تو اندازہ کرو! اچھا کھانے اور پہننے کو بچے ترسیں گے۔ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا۔"

نجمہ کے والد کی حیثیت متوسط درجہ کے لوگوں کی تھی۔ دو سو روپیہ ماہوار پر وہ سرکاری ملازم تھے۔ گھر کی جائداد سے پورے سال کا غلہ مل جاتا تھا۔ جائداد اور ملازمت کی ملی جلی آمدنی سے گھر کی سفید پوشی قائم تھی۔ بیوی کے حسنِ انتظام سے چالیس پچاس کی رقم بھی گھر میں وقت بے وقت کی ضرورت کے لئے بچ رہا کرتی تھی۔ پاس پڑوس اور باہر والے ان کی صاف ستھری زندگی پر رشک کرتے تھے۔

غرض پروویڈنٹ فنڈ سے قرض لے کر باپ نے بیٹی کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔ جہیز کا سامان خرید لیا گیا۔ زیورات بن گئے۔ کپڑوں کی خریداری بھی ہو چکی۔ رہا سہا ایک سہارا جائداد کا تھا۔ وہ بھی فروخت کر کے حرص و طمع کے نذر کر دی گئی۔

نجمہ آج مایوں بٹھا دی گئی۔ ماں خوش خوش لڑکی کی شادی کے انتظام میں مشغول ہو گئیں۔ برات کے بیس دن باقی تھے۔

نجمہ کے والد کھانا کھا کر دفتر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ڈاکیہ ایک خط لایا۔ جسے پڑھنے کے بعد نجمہ کے والد پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ لڑکے والوں کے توسنِ طمع کو پھر ایک ایڑ اور لگی۔ انہوں نے دیکھا کہ چار ہزار کی رقم دینے پر لڑکی والے بڑی آسانی سے رضامند ہو گئے۔ کچھ زیادہ کا مطالبہ کیا جاتا تو شاید وہ بھی مل جاتا چنانچہ دو ہزار مزید مطالبہ کا خط لکھ کر بھیجا گیا۔ لکھا تھا کہ دوسری جگہ چھ ہزار روپیہ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اگر آپ مزید دو ہزار رقم منظور فرما لیں تو تقریب تاریخ معینہ پر انجام پا جائے ورنہ جواب دیں کہ دوسری جگہ گفتگو کر لی جائے۔

نجمہ! غریب نجمہ کا کلیجہ گھر کی تباہی کا نقشہ دیکھ کر پہلے ہی منہ کو آ رہا تھا۔ اس خبر سے بے چین ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں مانگنے لگی۔

ایک ہندوستانی شریف لڑکی کے بس ہی میں کیا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ والدین سے ہاتھ جوڑ کر، پیروں پر گر کر التجا کرے کہ وہ اس کی شادی نہ کریں۔ وہ اپنی زندگی اُن کے قدموں میں ان کی خدمت کر کے بسر کر دے گی۔

نجمہ کی نظر بے ہوش ماں پر پڑی۔ دامنِ ضبط اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ زور سے چیخی اور ماں سے لپٹ گئی۔ ماں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک نظر نجمہ پر ڈالی اور اس کی آنکھوں سے چشمۂ اشک اُبل پڑا۔ وہ نجمہ کو دیکھتی رہی۔ اور اسکی آنکھیں آنسو بہاتی رہیں۔ نجمہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر خیالات میں کھو گئی۔ اُس نے سوچا کہ "کیوں نہ ایک خط چپ چاپ" اُن" کے پاس لکھوں! کہ میں آپ کے پیروں پڑتی ہوں مجھے اپنی کنیز بنا لیجئے۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ اس خداوند قدوس کی۔ جو ہمارا اور آپ کا سب کا مالک ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری اور آپ کی اور ساری دنیا کی جانیں ہیں۔ اس ارحم الراحمین کی قسم جس کے حضور حشر کا میدان قائم ہونے والا ہے کہ میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپ کی فرمانبردار، اطاعت گزار اور خادمہ بن کر رہوں گی۔ میری ایک تمنا ہے ایک خواہش ہے

ایک آرزو ہے۔ اور ایک ہی التجا میں آپ سے اپنی طرف سے اپنے والدین کی عزت وآبرو اور ان کی جانوں کی بھیک مانگتی ہوں۔ خدا کے لئے ان سے روپیوں کا مطالبہ نہ کیجئے مجھے اپنی خادمہ بنا کر مجھے کپڑے پہننے کو نہ دیں اچھا کھانے کو نہ دیں۔ مہر کا ایک دھیلہ بھی آپ مجھے نہ دیں مجھ پر لعنت ہے اگر میں کبھی جہیز کا بھی مطالبہ کروں۔ یا کسی بات کی کسی حال میں شکایت زبان پر لاؤں۔ لیکن اس وقت خدا کے لئے

اباجان سے روپیہ نہ لیں۔ ۔ ۔ ان روپیوں سے تو آپ کی زندگی بسر نہیں ہوسکتی۔ مگر ہاں ایک خاندان کی زندگی بچ جائے گی۔ اگر آپ نے اپنا مطالبہ ترک نہ کیا تو کھاتے پیتے لوگ فاقے کرنے لگیں گے۔ بچے جاہل رہ جائیں گے۔ ایک شریف کنبے کی ساکھ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی۔

ان خیالات سے نجمہ اچانک چونک پڑی۔ اس طرح جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے چونک پڑے۔ اس نے دل میں کہا "نہیں ہرگز نہیں نجمہ اتنا خطرناک اقدام نہیں کرسکتی۔ ایک شریف غیر شادی شدہ لڑکی کا شادی سے پہلے کسی نامحرم یا اپنے ہونے والے شوہر کو خط لکھنا سماج کی نظروں میں کتنا سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہوگا۔

پھر ۔ ۔ پھر کیا ہوگا ۔۔ ۔ ذلت ورسوائی ۔ ۔ ۔

اللہ کی پناہ۔ نہیں نہیں میں ایسا نہیں کرسکتی۔ ایک شریف ہندوستانی بن بیاہی لڑکی ایسی بے باک اور بے حیا نہیں ہوسکتی۔

رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کی شادی ہوگئی ہے عرصہ کے بعد وہ میکے واپس آئی ہے۔ ایک بہت چھوٹے سے بوسیدہ خام مکان میں چولھا جل رہا ہے۔ ماں کھانا پکا رہی ہے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس نے پوچھا "نصیبن کہاں ہے امی؟" "وہ تو کب کی چلی گئی بیٹی! اسے میں نے ہی الگ کردیا رکھتی کیسے اسے! اپنے اخراجات تو پورے ہوتے نہ تھے اس کو کہاں سے رکھتی۔ جاتے وقت بہت روئی۔" نجمہ نے دیکھا۔ ماں کے جسم پر کپڑے تار تار تھے۔ پیروں میں جوتی ایسی کہ نصیبن نے بھی کبھی نہیں پہنی۔ بالوں کو جیسے سالوں سے تیل میسر نہیں آیا بالکل [illegible] اور میلے۔ وہ موٹی موٹی باجرے کی روٹیاں پکا رہی ہے

اتنے میں ابّو بھی پہنچ گئے۔ جوتوں میں بیسیوں پیوند قمیص میلی اور پھٹی ہوئی۔ پائجامہ میں گھٹنوں پر دو بڑے بڑے پیوند لگے ہوئے نجمہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں مگر دفتر جانے کی جلدی تھی۔ باورچی خانہ ہی میں دو موٹی موٹی باجرے کی روٹیاں امی نے انہیں ایک پلیٹ میں دیدیں۔ اور ایک پیالے میں تھوڑی سی دال۔ ابّو کھانے لگے۔ نجمہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا تکیہ آنسوؤں سے تر تھا۔

اب نجمہ کے جذبات وخیالات کا کچھ اور ہی عالم تھا۔ وہ گھنٹوں ایک جگہ بیٹھی رہتی اور سوچا کرتی۔ "ازدواجی زندگی تو باہمی محبت والفت کا نام ہے۔ کوئی شخص اگر مجھ جیسی لڑکی کو ان حالات میں جو سامنے ہیں شادی کرکے اپنے گھر لے جائے اور اس سے یہ توقع کرے کہ وہ اپنے شوہر سے ایسی ہی محبت کرے گی کہ شوہر کے مقابلہ میں باپ اور ماں، بھائی اور بہنوں کو حتیٰ کہ اپنے کو بھی بھول کر سنگدل خود غرض اور زرپرست شوہر سے محبت کرے گی بھلا یہ کیونکر ممکن ہے جس ڈاکو رہزن نے لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے باپ ماں بھائی اور بہنوں کو لوٹ کر انہیں تباہ وبرباد کردیا ہو۔ وہ بیوی کے دل میں کیونکر گھر کرسکتا ہے۔ ایسے شوہر کی لڑکی کے دل میں کیا عزت ہوگی۔ ایسی شادی ایک مقدس عہد کی زنجیر کے سوا اور کیا ہے۔ لڑکی کا جسم شوہر کا ہوسکتا ہے لیکن اس کے دل پر شوہر کا قبضہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے جذبات واحساسات پر وہ قابو نہیں پا سکتا۔ ۔ ۔ زرپرست دولت کے بندے لالچی انسان۔ بیوی کی دولت پر زندگی بسر کرنے کے آرزومند۔ ۔ ۔ ۔ کاہل نوجوان۔ افسوس۔

آخر نجمہ کے والدین نے ایک ہزار روپیہ اور گورنمنٹ سے قرض لے کر پانچ ہزار پر معاملہ طے کرلیا۔ اور روپئے دیدیئے گئے گھر میں پھر پہلے جیسی چہل پہل شروع ہوگئی۔ میراثنیں اور ڈومنیں گانے بجانے میں مشغول ہوگئیں۔ گھر عزیزوں اور مہمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔

بارات آرہی ہے۔ باجوں تاشوں اور آتش بازیوں کی آوازیں

دور سے آنے لگیں۔ عورتیں گلے پھاڑ پھاڑ کر بارات کے استقبال میں گیت گانے لگیں۔ بچے خوشی میں پھولے نہیں سماتے۔ ان سب کے ملے جلے ہنگاموں اور شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

بارات آگئی۔ قاضی صاحب اجازت کے لئے آرہے ہیں۔ ۔ ۔ نجمہ کانپ اٹھی۔ ۔ ۔ دفعتہً اس کی آنکھیں جلنے لگیں لرزہ کے ساتھ بخار آگیا۔ اور جسم آگ کی طرح دہکنے لگا۔ ۔ ۔ ایجاب و قبول کی مراسم بھی ادا ہوگئیں۔ مبارک و سلامت کی صدائیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں۔

نوشہ گھر میں آرہا تھا۔ دروازہ پر عورتیں اور میراثنیں سب ہی مل کر گلے پھاڑ پھاڑ کر گا رہی تھیں۔

آیا رے لاڈلا بنا ۔ ۔ ۔ ۔

نجمہ سنواری جانے لگی۔ عورتوں میں سے ایک نے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔ "ارے دیکھو تو اس کا ماتھا کتنا جل رہا ہے! دوسری نے متھا دیکھا اور نبض پر ہاتھ رکھ کر کہا" اوہ اسے تو بخار ہے بہت تیز!

نوشہ گھر میں آیا۔ آرسی مصحف کی رسمیں ادا ہوئیں۔ رشتے کی سالیوں نے جی بھر کر پھولوں کی گیند سے کھیلیں۔ ایک بجے تک نوشہ حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا ۔ ۔ تھوڑی دیر کمرہ میں غیر معمولی خاموشی رہی۔ دفعتہً نجمہ نے سُنا "کچھ باتیں کیجئے آپ تو جیسے خفا بیٹھی ہوں "

نجمہ کے جی میں آئی کہہ دے کہ "تمہاری بلا سے، تمہیں میرے بولنے نہ بولنے سے کیا مطلب! تم نے تو روپیوں سے شادی کی ہے تم انہیں پانچ ہزار روپیوں سے کھیلو۔ اور ان ہی سے باتیں کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" لیکن وہ مجبور تھی خاموش رہی کچھ بول نہ سکی۔

پھر آواز آئی "میں کوئی بت پرست تو ہوں نہیں! کہ پتھر کا بت سامنے رکھ کر تمام رات پوجا کروں" نجمہ کے دل میں آیا کہدے کہ "نہیں تم بت پرست نہیں تم تو ماشاء اللہ زر پرست ہو۔ تمہیں بتوں کی پوجا میں کیا ملے گا۔ ۔ ۔ تم تو دولت کے پجاری ہو۔ تمہیں دولت چاہئے۔ کہ اسی سے تمہاری دنیا بنے گی اور وہی آخرت میں تمہاری بخشش کا ذریعہ ہو گی۔ ۔ ۔

وہ بولنا چاہتی تھی لیکن نہ بول سکی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتی تھی۔ لیکن شرم و حیا نے اجازت نہ دی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنے جذبات کا اظہار وہ کسی طرح آج ہی کر دے لیکن اس کی زبان گنگ تھی۔ بولنے پر قادر نہ ہو سکی۔ اب بھی خاموش بیٹھی رہی۔

صبح نجمہ کو تیز بخار تھا۔ جسم جل رہا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں لوگوں نے کہا میکہ چھوٹ رہا ہے۔ اسی فکر میں نڈھال ہو رہی ہے اور کیوں نہ ہو۔ !

ماں نے بیٹی کو جا کر دیکھا ۔ ۔ بخار بہت تیز تھا۔ ماں کا دل ۔ ۔ ماتا اجازت نہیں دیتی تھی کہ بیمار نجمہ کو نظروں سے دور بالکل نئی جگہ پرائے گھر میں بھیجا جائے لیکن رسم و رواج پر ماں کا بس نہ چل سکا۔ بیمار اور کمزور لڑکی کو دل پر پتھر رکھ کر رخصت کرنے پر مجبور ہو گئی۔

نجمہ رخصت ہو رہی ہے ۔ ۔ بابل گایا جانے لگا۔

ایک تو صبح کا سہانا اور پُر کیف وقت پھر بابل جیسا دل ہلا دینے والا وقت کا مناسب گیت عجیب سماں تھا۔ شادی کی خوشیوں سے معمور گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ گھر کا گھر رو رہا تھا۔ نجمہ ماں سے لپٹی ہوئی رو رہی تھی۔ کئی بار بے ہوش ہوئی اور ہوش میں لائی گئی۔ بہنوں اور چھوٹے چھوٹے معصوم بھائیوں سے لپٹ لپٹ کر روئی۔ باپ نے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھانے اور تسلی دینے کی کوشش کی لیکن گلے میں جیسے پھندا پڑ جائے کچھ زبان سے بول نہ سکے۔ صرف آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

روتی ہوئی بیمار اور غمزدہ نجمہ موٹر میں بٹھا دی گئی۔ باپ نے دعائیں دیں ماں نے بلائیں لیں۔ ۔ ۔ بارات رخصت ہوگئی۔ گھر سونا ہو گیا۔ ماں مصلّے بچھا سجدہ میں گر پڑی اور نجمہ کی صحت اس کی آئندہ زندگی خوش و خرم بسر ہونے کی دعائیں خداوند قدوس کی بارگاہ میں رو رو کر مانگنے لگی۔

موٹروں کی گیتوں کے شور سے دولہن کا خیر مقدم ہوا وہ صحن میں لاکر بٹھائی گئی۔ سامان اکٹھا کیا گیا۔ عورتوں نے دولہن کو چاروں طرف سے حلقہ میں لے لیا۔ رونمائی کی رسمیں ادا ہونے لگیں۔

ایک عورت ۔ صورت شکل کی تو ماشاءاللہ بہو بہت اچھی ملی بہن خدا کرے سیرۃ بھی اچھی ہو۔

دوسری عورت ۔ زیور تو دیکھوں کیا کیا ملے ہیں!

تیسری۔ نکلس ایرنگ۔ ناک کی کیل۔ بریسلٹ بندنیں۔ کڑے چار چار جڑاؤ چوڑیاں۔

چوتھی ۔ اور چاندی کے سامان میں کیا کیا لائی ہیں۔

تیسری ۔ پاندان۔ بوتل۔ تشت۔ زیور کا بکس۔ عطردان۔ آئینہ کا فریم۔ پان کی ڈبیہ۔

پانچویں ۔ چیزیں بہت اچھی اور سب روزمرہ کے کام کی ہیں۔

تیسری ۔ اور پانچ ہزار نقد نوشہ کو ملے ہیں۔

چھٹی ۔ پانچ ہزار نقد! ماشاءاللہ دل کھول کر سامان۔ زیور اور روپئے دیئے ہیں۔

تیسری ۔ بہن تم بھی تو دیکھو زیور بہو کے!

ساس ۔ زیور میں کیا دیکھوں۔ سنا ہے اینٹ پتھر لائیں ہیں بھر کے اپنے ساتھ۔ تم خوش ہو لو کہ سامان اور زیور دل کھول کر دیئے ہیں۔ میں تو انہیں اپنے لڑکے پر نچھاور کرکے پھینک دوں زیور دینے کے لئے جب روپئے میسر نہ تھے تو بیٹی بیاہنا کیا ضرور تھا۔ زندہ دفن کر دیتے لڑکی کو! شور تو اتنا تھا کہ جیسے تمام دنیا کی دولت سمٹ کر ان کے ہی پاس آگئی ہے۔ خوشامدیں اتنی کی گئیں کہ جان چھڑانا مشکل ہو گیا۔ تنابیں کھینچ دیں گھر سے لے کر یہاں تک سے - - - اور جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا۔ جیسے کسی چمار کے گھر بیاہ رہے ہوں لڑکی کو۔ انہیں دو چار ہلکے پھلکے معمولی زیوروں پر بڑا ناز ہے انہیں لے جائیں اپنے زیور اور سامان۔ اور اپنی لڑکی بھی۔ ایسی ایسی تین سو ساٹھ لڑکیاں میرے عامر پر قربان! وہ زندہ ہے تو ایسی لڑکیاں بہت مل جائیں گی اُسے۔ توبہ! اپنی حیثیت نہ تھی تو ہماری حیثیت کا تو خیال کیا ہوتا!

ایک عورت ۔ بہن ایسا نہ کہو! بہو جب اپنے گھر آگئی تو اپنی لڑکی ہو گئی وہ۔

ساس ۔ کیوں نہ کہوں۔ تم نہ سن سکو تو اپنے کان بند کر لو۔ میں تو کہوں گی۔ اور ڈنکے کی چوٹ کہوں گی۔

نجمہ آنکھیں بند کئے بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی۔ ساس کے زہر میں بجھے ہوئے یہ تیر و نشتر اس کے دل کے ٹکڑے کئے دے رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو جاری ہو گئے

چوتھی میں نجمہ کو اس جرم میں میکے نہیں جانے دیا گیا کہ وہ زیور اپنے ساتھ کم لائی تھی۔

آج پانچواں دن ہے نجمہ کا بخار ایک لمحہ کے لئے نہیں اُترا۔ غم۔ فکر۔ ضعف۔ فاقہ اور پھر بخار سے نجمہ کی صحت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

شادی کو ایک سال ہو گیا۔ اس درمیان میں باپ اور ماں کی انتہائی خوشامد اور اصرار سے صرف تین بار بمشکل نجمہ کو ایک ہفتہ کے لئے میکہ جانے کی اجازت مل سکی تھی وہ میکہ جاتی تو والدین پر اپنی صحت کی خرابی ظاہر نہ ہونے دیتی۔ ماں کے پاس جتنی دیر بیٹھی خوش اور بشاش رہتی۔ باپ کے سامنے جاتی تو ہنستی ہوئی اور مسرور۔ وہ جانتی تھی کہ ماں باپ کے لئے خانگی فکر و پریشانیاں پھر سسرال والوں کے طنز و طعنے اور بدسلوکیاں کیا کم پریشان کن تھیں کہ اپنی علالت کا حال ان کو بتا کر ان کو اور بدحواس بناتی۔ نجمہ ہمیشہ باپ کو خوش کرنے کے لئے سسرال والوں کی تعریفیں کیا کرتی۔ ساس کی محبت اور شفقتوں کا ذکر کرتی۔

عابد حسن نے شادی کے بازار میں اپنی قیمت پانچ ہزار لگائی تھی۔ دنیا کے بازار میں اس کی حیثیت ایک کھوٹے سکے کی تھی۔ جس کی کوئی قیمت نہ لگ سکی۔ معمولی درجہ کا بی اے پاس کئی برس در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ لیکن اس کو کسی سرکاری یا غیر سرکاری

دفتر میں پچاس روپیہ کی ملازمت بھی نہ مل سکی۔ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ عامر کی نااہلی اور ناکامی کا ذمہ دار بھی غریب نجمہ ہی کو بتایا گیا۔

"روزی تو لڑکی کی قسمت سے ہوتی ہے" نجمہ کی ساس کا یہ مستقل طعنہ تھا۔

"ایسی ہی قسمت والی ہوتی تو میاں کی ملازمت لیکر نہ آتی!"

ماں باپ سے چھوٹ کر سسرال میں چین نہ پانے کا غم۔ شوہر کی بے روزگاری اور ساس کے ہر وقت کے طعنوں نے نجمہ کا کلیجہ چھلنی کر دیا تھا۔ اب کی مرتبہ گویا آخری بار نجمہ میکہ سے سسرال آئی تھی۔ جس کو ڈیڑھ سال ہو چکا۔

نجمہ کی صحت روز بروز تیزی سے گرنے لگی۔ ایک مہینہ کے اندر اندر اس کا پھول سا چہرہ کمہلا کر رہ گیا۔ پانچ ہزار نقد اور زیورات تلاش معاش کی فکر اور دوڑ دھوپ میں صرف ہو چکے تھے بے روزگاری اور افلاس کے سبب غریب نجمہ علاج معالجہ سے بھی محروم رہی پھر جہاں محض نعلیوں سے شادی ہو وہاں جان کی کون پروا کرتا ہے ڈیڑھ سال کے اندر اندر دق نے آخری صورت اختیار کر لیتی۔ گھر والوں کو یقین ہو گیا کہ اب یہ پھندا ٹوٹنے والا ہے۔ اندر اندر اس کھوٹے اور زہریلے مال کا پھر سودا ہونے لگا۔ پانچ ہزار کی رقم اور نجمہ کے زیورات چونکہ اب ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے۔ اگر دوسرا سودا نہ کیا گیا تو پھر کام کیسے چلے گا نجمہ بستر مرگ پر پڑی کراہ رہی ہے اور بغل کے کمرہ میں خوش ہو ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے۔

ماں ۔ لڑکی بہت اچھی ہے۔ ابھی دو سال ہوئے اس کی شادی ہوئی تھی۔ شادی کے بعد شوہر نے بیوی کی محبت میں اپنی جائداد اس کے نام لکھ دی۔ اتفاق کی بات کہ اسی سال وہ ہیضہ میں مبتلا ہو کر چند گھنٹوں میں مر گیا۔ اب اس کی جائداد کی تنہا وارث اس کی بیوہ ہے۔ اس کی کوئی اولاد بھی نہیں۔ جو آئندہ اس کی جائیداد کی وارث ہو سکے میں نے پیام بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ وہ منظور کر لے گی۔

عامر ۔ جائداد کتنی ہوگی اُس کی۔

ماں ۔ یہی کوئی سات آٹھ سو سالانہ کی آمدنی ہے۔

عامر ۔ پھر جلدی کرنا چاہئے۔ اتنی جائداد تو زندگی گزارنے کے لئے کافی ہوگی۔

ماں ۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ نجمہ کو ہسپتال میں پہنچا دیا جائے کہ وہاں علاج معالجہ اور تیمارداری میں سہولت ہوگی۔ ہر وقت ڈاکٹر اور نرسیں دیکھ بھال کریں گی۔ بہتر سے بہتر کھانے پینے کا انتظام ہوگا۔ اور جلد آرام ہو جائے گا۔ اور اس کا مجھے یقین ہے کہ وہ اب ہفتہ عشرہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی۔

نجمہ نے خاص طور سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ اس کی علالت کی اطلاع کوئی اس کے میکہ نہ بھیجے۔ چنانچہ وہاں سے جتنے خطوط آتے تھے۔ سب کے جواب میں یہ لکھ دیا جاتا تھا کہ نجمہ بہت اچھی اور خوش ہے۔ خود نجمہ نے متعدد خطوط اسی مضمون کے اپنے قلم سے لکھ کر اکٹھا رکھ دیئے تھے کہ جب دریافت خیریت کے لئے خطوط آیا کریں تو جواب کے ساتھ اس کے قلم سے لکھا ہوا خط بھی اس میں رکھ کر بھیج دیا جائے تاکہ سب میری طرف سے مطمئن رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔

نجمہ کو سبز باغ دکھا کر اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ وہ انتقال مکانی کا سبب خوب سمجھ رہی تھی۔ مگر خاموشی کے ساتھ اسپتال چلی گئی۔

شروع شروع عامر دن میں کئی کئی بار اسپتال جاتا اور تسلی تشفی دے کر چلا آتا۔ پھر بتدریج کمی ہوتی گئی۔ اور اب ہفتہ میں ایک بار دو چار منٹ کے لئے کسی وقت چلا جاتا۔ ایک دن نجمہ نے پوچھا۔

نجمہ ۔ آپ کہاں رہے اتنے دنوں! کئی دن سے خبر بھی نہیں لی آپ نے میری۔

عامر ۔ ہاں معاف کرنا۔ میں آج کل خدمت کی فکر میں سرگرداں

ہوں۔ چاہتا ہوں کہ کوئی ملازمت مل جائے تاکہ تمہارا علاج خاطر خواہ طریقہ پر کر سکوں۔ بڑی مشکل اور کوششوں سے ایک جگہ کچھ امید بندھی ہے۔ اور ڈیڑھ سو ماہانہ کی ملازمت ملنے والی ہے۔

نجمہ۔ خدا کرے مل جائے۔ لیکن میری دعاؤں میں اثر کہاں! یہ تمنا ہے کہ کم از کم مرتے وقت ہی مجھے ایک لمحہ کے لئے خوشی میسر آجاتی۔

عامر۔ اگر مجھے دیر ہو جایا کرے آنے میں نجمہ! تو گھبرایا نہ کرو۔ اچھا! آج مجھے پھر باہر جانا ہے۔ شاید دو چار دن کی دیر ہو جائے میں ڈاکٹر اور نرسوں سے کہہ جاتا ہوں کہ تمہیں اگر کچھ ضرورت ہو تو فوراً گھر پر خبر کر دی جائے۔ تاکہ وہاں سے بر وقت تمہاری دیکھ بھال ہو جائے

آج معلوم نہیں کیوں۔ خلاف معمول عامر رخصت ہونے لگا تو نجمہ کا دل بھر آیا۔ اس نے عامر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ رونا چاہتی تھی لیکن ... وہ رو نہ سکی۔ شاید اس کی آنکھوں میں اب آنسو کا ایک قطرہ بھی باقی نہ تھا۔

دوسری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ خوشی کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں۔ بارات کا انتظام ہو رہا ہے۔ احباب مدعو کئے جا رہے ہیں۔

نجمہ نحیف و زار اسپتال میں پڑی خون کی قے کر رہی ہے آج تمام رات مسلسل خون کی قے ہوتی رہی۔ کھانسی اس شدت کی کہ دم لینے نہیں دیتی۔ بخار بھی بہت تیز ہے۔ ڈاکٹروں کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اب دوائیں بند کر دی گئیں۔ دم آخریں کا انتظار ہے۔ نجمہ بار بار نظریں اٹھا اٹھا کر چاروں طرف دیکھتی کہ شاید عامر آیا ہو۔ اس وقت اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ایک نظر عامر کو دیکھ لے ماں اور باپ بھائی اور بہنوں کی یاد سے اس کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

نرس! - - نرس! کھوں کھوں اوع - - -
میری - - یہ - - سونے - - کی - -
اوع - - اوع - - گھڑی - - فروخت
- - ایک تار - - کھوں کھوں - - تقوہ .. ..
میری طرف سے - - وقار - - احمد - - حسن - - پدر
- - سلطان پور - - دم - - آخریں - -
نجمہ - - بس

نجمہ کے والدین روتے پیٹتے اسپتال کے وارڈ میں جہاں نجمہ پڑی تھی داخل ہوئے۔ ان کے رشتے کے ایک ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر نے نجمہ کو دیکھنا چاہا۔ نجمہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ گھر بھر کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ نجمہ ماں کی طرف مخاطب ہو کر بولی ع "غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے" اور ماں سے لپٹ گئی۔ باپ سرہانے کھڑا حیرت سے نجمہ کو تک رہا تھا۔ ایک تنفس پھر آئی۔ اور ایک ہچکی۔ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

شام ہو گئی تھی۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ اسپتال کے پھاٹک کے سامنے سڑک پر عامر کی بارات جا رہی تھی۔ اور ٹھیک اسی وقت حرماں نصیب نجمہ کا جنازہ اسپتال کے پھاٹک سے نکل رہا تھا۔

نسیمہ عذرا۔ پاروی

بانگِ درا

"آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے" پھر کیا کروں کہ فکر بھی روزِ جزا کی ہے
ہر سانس ختم ہو کے بتاتا ہے کوچ کو آواز قلب کی نہیں بانگِ درا کی ہے
ہے عارضی مقام مسافر نہ گھر بنا دنیا کی ایک مثال مقرر سرا کی ہے
فرماتی تھیں خدیجہؓ کہ سچے نبی ہیں آپ بے لاگ کہئے بات جو غارِ حرا کی ہے
گاندھی جناح کی رہیں سرگوشیاں بہت سمجھوتہ گر نہ ہو تو یہ مرضی خدا کی ہے
اخلاق کے سبق دیئے اصلاح قوم کے خدمت یہ شاعری کا بھی تو خلقِ خدا کی ہے
حالی تو کہہ گئے ہیں کہ ہے شاعرِ جنتی اب شاعری میں فکر بھی روزِ جزا کی ہے
دیتا نہیں کسی کو سندِ قلمِ شعاع تسکین ہی تو ہاں تری فکرِ رسا کی ہے

نیّر جہاں شعاعؔ بنت حضرت ناصر نذیر فراق دہلوی

میرا آٹوگراف البم

(۱) "M. a. Jinnah"

(مسٹر محمد علی جناح - صدر آل انڈیا مسلم لیگ)

(۲) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت سے نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لیاقت علی خاں

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں پھر انقلاب آنے کو ہے		مفقودِ سکوں عذاب آنے کو ہے
سائنس نے چیلنج دیا فطرت کو		فطرت کا بھی اب جواب آنے کو ہے

تفرقہ فرقہ وارانہ شادو، تم فقط مسلمان ہو، تمہاری قومیت مسلم، تمہارا مذہب اسلام، تمہارا وطن - اسلام		محمد امیر احمد

(۴) کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں		یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

حاجی عبد الستار حاجی اسحٰق

(۵) محمدؐ کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے		فلک کے ستائے ہوؤ سر چھپاؤ

نواب صدیق علی خاں

(۶) عطا اسلاف کا جذب دروں کر		شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں		میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

(اقبال)

سید عبدالرؤف شاہ - سی پی و برار ۲۴-۳-۴۶

(۷) ہر انسان کی موت کا وقت خدا متعین کر چکا ہے۔ پھر موت کا خوف دل میں رکھنے کی کسی مسلمان کے لئے گنجائش نہیں۔ موت کا خوف دل سے نکال کر مسلمان پاکستان کے حصول کی تحریک شروع کر دیں تو کوئی طاقت ان کو ناکامیاب نہیں کر سکتی۔		اسماعیل چندریگر

(۸) مسلمان کی سیاست تمہید وانگریز کی سیاست سے قطعی جدا ہے مؤخر الذکر قومیں پرستارِ دولت و جاہ طالبِ دنیا ہیں اور اول الذکر قوم یعنی مسلمان خدائے لم یزل کے پجاری ہیں۔ البتہ دنیا کا طلب گار خود انتہا درجہ کا حریص ہوتے ہوئے مسلمان کو کچھ نہیں دے سکتا مسلمان کو خود اپنی دنیا بنانی ہوگی۔		کرامت علی شیخوپورہ (پنجاب)

(۹) سرِ ہر گدا اختصار می بایدکرد		یک کار ازیں دو کار می بایدکرد
یا سر بہ رضائے دوست می باید داد		یا قطعِ نظر زیار می بایدکرد

خلیق الزماں ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۳ء

(۱۰) اتحاد آج محض اخلاقی صداقت نہیں، بلکہ انقلابی سیاست اور فوری عملی ضرورتوں کا واحد تقاضا ہے، اس جنگ میں حفاظتِ وطن اور آزادی کا اصل راز اتحاد ہے۔ اتحاد سے مراد لیگ اور کانگریس کا اتحاد اور صریحاً اقوام کے اصولِ خود ارادیت پر مبنی ہے۔ محبِ وطن کا فرض ہے کہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو۔		ڈاکٹر محمد اشرف

آنسہ محمودہ رضویہ

نیاگرا

نیاگرا دنیا کی قابلِ دید چیزوں میں سے ہے۔ یہ دنیا کی بڑی بڑی آبشاروں میں سے ہے جو شمالی امریکہ میں ملک کینیڈا اور اضلاعِ متحدہ کے درمیان نیویارک سے ۴۰۰ فرسنگ مغرب کی طرف دنیا کا یہ مشہور آبشار ہے یہاں کینیڈا اور اضلاعِ متحدہ کے درمیان سرحد پر ایک قسم کی جھیل ہے جس میں پانچ بڑی بڑی جھیلیں ہیں اور ان کا پانی بالترتیب یکے بعد دیگرے گر کر آخر کار دریا میں جا گرتا ہے جس وقت چوتھی جھیل بنام اری (آلوبالی) کا پانی آخری جھیل بنام انٹریو کے پانی میں گرنا چاہتا ہے تو راستے میں ایک پہاڑ پڑتا ہے اور یہاں ہی آبشار نیاگرا بنتی ہے جب مذکورہ بالا آبشار اس جگہ پہاڑ سے نیچے اترنے لگتی ہے تو ایک چھوٹے سے جزیرے سے گزرتی ہے اور دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ چھوٹا اور دوسرا جو کہ اضلاعِ متحدہ کے کنارہ واقع ہے اور دوسرا حصہ بڑا اور ڈراؤنا جو کہ کینیڈا کے ساحل پر ہے آبشار نیاگرا در اصل اسی سے مراد ہے یہ آبشار اپنے دائرہ جیسی شکل کی مناسبت سے آبشار نعل اسپ کہلاتی ہے۔ ہزار گز کے قریب چوڑی اور تقریباً پچاس گز بلندی رکھتی ہے۔ اس کی عظمت کا زیادہ سبب وہ پانی ہے جو بہت زیادہ مقدار میں اس جگہ سے نیچے گرتا ہے حساب دانوں نے معلوم کیا ہے کہ اس پانی کے گرنے کی مقدار چار لاکھ پچیس ہزار مکعب میٹر فی ثانیہ ہے۔ (باقی صفحہ ۲۱۰ کالم ۲ پر دیکھیے)

بدحواسیاں

یہ حقیقت ہے کہ ہنسنا بھی انسان کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے ماتحت مزاحیہ افسانے مزاحیہ نظمیں اور مزاحیہ فلمیں وجود میں آئیں، مگر ہمارے اکثر مزاح نگار ہنسنے ہنسانے کے لئے افسانے تصنیف کرتے ہیں اور بسا اوقات حدِ اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کو بجائے لطف کے الجھن ہونے لگتی ہے۔

اگر آپ غور سے دیکھیں تو روزمرہ کی زندگی میں ایسے دلچسپ واقعات ملیں گے جن میں مزاح بدرجۂ اتم موجود ہے۔

شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس سے بدحواسی میں کوئی غلط جملہ نہ نکلا ہو۔ ایک مشہور لطیفہ ہے۔ "ایک اصطبل خانہ کے منشی سے صاحب نے جو ذرا ڈانٹ کر کہا۔ "کیوں رے تو کون ہے؟" صاحب کی سرخ آنکھیں دیکھ کر غریب گھبرا گیا اور کہا۔ "حضور میں تو منشی خانے کا اصطبل ہوں۔"

ایک جلسہ کی شرکت کے لئے میں اور ایک وکیل صاحب باہر گئے ہوئے تھے واپسی پر میری زبان سے ایک جملہ نکل گیا میں کہنا چاہتا تھا کہ "اپنے ہاں تو دو گھوڑوں کے تانگے ہوتے ہیں۔ مگر بدحواسی میں "دو تانگوں کا ایک گھوڑا" کہہ گیا۔ وکیل صاحب میرا منہ تکنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اسٹیشن پر ریل رکی تو چیکر نے ایک مسافر کو دھکے دے کر نکال دیا۔ اس پر ہمارے وکیل صاحب کی رگِ شاعری نے جو زور کیا تو فرماتے ہیں کہ "نکلنا خلد کا آدم سے سنتے آئے تھے لیکن۔"

میرے ایک عزیز دوست کے ہاں ایک مہمان آئے اور اپنا بستر بیٹھک کے کمرے میں رکھ باہر چلے گئے۔ جب میرے دوست اپنے آفس سے گھر آئے بستر پر نظر پڑی تو غصہ میں ملازمہ سے کہا "یہ بیٹھک میں کمرو کس نے لاکے رکھ دیا؟" یعنی بستر کس نے رکھ دیا۔

یہ تو تھیں لفظی بدحواسیاں اب کچھ فعلی بدحواسیاں سنئے۔

■ ایک آل انڈیا مشاعرے کا ذکر ہے، مشاعرہ کی صبح ایک نواب صاحب کے ہاں دعوت میں جانا تھا، ہم لوگ اٹھ کر جانے کی تیاری کرنے لگے ایک صاحب سو رہے تھے میں نے انھیں جگا کر کہا حضرت چلئے نا موٹر آگیا ہے موصوف گھبرا کر اٹھے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھوئے نئی قمیض پہنی اس پر شیروانی پہن کر ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے باہر آگئے ہم لوگ موٹر میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر بدتمیز ڈرائیور سے نہیں رہا گیا ہنس دیا۔ میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا "حضرت اس قدر بھی عجلت کیا؟ پاجامہ تو پہن لیا ہوتا یا تہمد باندھے ہوئے ہی چلنے کا خیال ہے۔" بیچارے بہت خفیف ہوئے

ہمارے قبلہ مولانا صاحب کی سنئے اپنے گھر سے نماز کے لئے اٹھے ایک ہاتھ میں اپنی ٹوپی سنبھالی، دوسرے میں قفل، باہر آئے دروازے کی کنڈی چڑھائی اور بجائے قفل کے کنڈی میں اپنی ٹوپی اٹکا کر قفل کو ہاتھ میں ہلاتے ہوئے مسجد پہنچ گئے! جب لوگوں نے دیکھا تو کہا حضرت یہ کیا؟۔

ایک صاحب ایک جلسہ میں تقریر فرما رہے تھے بڑی عمدہ تقریر تھی مگر چند نوجوان مقرر کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے مقرر صاحب نے انکی مسکراہٹ سے یہ خیال کیا کہ تقریر میں خامی ہے جب جلسہ ختم ہوا تو ایک نوجوان سے نہیں رہا گیا قریب آیا اور کاندھے پر جو رومال پڑا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا مولانا یہ کپڑا کہاں سے خریدا تھا؟ مولانا نے جو دیکھا تو بیچارے سٹ پٹا گئے یعنی اپنے گھر سے بجائے رومال کے بچی کا پاجامہ کاندھے پر ڈال لائے تھے۔

ایک صاحب اندور سے آگرے جا رہے تھے ریل چلنے ہی والی تھی جلدی سے روپے نکالے اور کہا بابو صاحب ایک ٹکٹ اندور کا دیجئے بابو نے کہا صاحب گھبرا کیوں رہے ہو۔ جلدی سے کہو کہاں کا ٹکٹ دوں۔" کہا تو سہی اندور کا دیدو۔" بابو نے چڑ کر کہا تو تم اس وقت اندور میں نہیں تو کیا جہنم میں ہو؟" (باقی صفحہ ۲۱۴ کالم ۲ پر)

شیریں لمحات

آپا جان (میری امی محترمہ شیریں بیگم منشی فاضل) فرماتی ہیں کہ ایف اے
کے امتحان میں انہیں جو مضمون لکھنے کے لئے دیا گیا۔ اس کا عنوان تھا
"زندگی کے شیریں ترین لمحات" چنانچہ اُس وقت ان کے تصور میں اُن کا
اولین مکتب (نیم کی گھنی چھاؤں تلے) آگیا۔ اور اسی پر انہوں نے
خامہ فرسائی کی لیکن میرے خیال میں میری زندگی کے شیریں ترین
لمحات وہ ہیں۔ جو میں نے تربیت گاہ بنات میں گزارے اس لئے
اپنی پہلی تحریر جو میں اپنے پیارے عصمت کے لئے بھیجوں اسی کی
یاد میں ہونی چاہیئے۔ ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

مجھے یاد ہے دسمبر کی وہ خنک شام! جبکہ آپا محترمہ نے مجھے
کھیلتے سے بلا کر اپنا آخری فیصلہ سُنایا "خالدہ تم آج شام کی گاڑی سے
اپنے ابا کے ہمراہ دلی جا رہی ہو" اور میں دلی جانے کے شوق میں ان
سے اتنا بھی نہ پوچھ سکی۔ کہ میں وہاں کیوں بھیجی جا رہی ہوں اور اگر پوچھ
بھی جاؤں۔ تو اس وقت مجھے اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ کوئی ننھی سی بچی
اپنی اماں سے جدا بھی کی جا سکتی ہے۔ میں نے صرف یہ سوچا کہ وہاں
کھیل تماشے کے لئے بھیجی جا رہی ہوں۔ اور بس' میری ننھی سی دنیا میں
سوائے اس ایک تصور کے اور آ ہی کیا سکتا تھا۔ چنانچہ میرا ننھا سا
بکس اور بستر تیار کر کے مجھے آپا نے رخصت کیا۔

مجھے یاد ہے وہ وقت بھی جب میرے دونوں ننھے بھائی خالد اور
راشد میرے تانگے کے پاس کھڑے آبدیدہ آنکھوں سے کہہ رہے
تھے "باجی ہمیں بھی لے چلو" مگر ابا نے انہیں جھڑک کر اندر بھیج دیا تھا
مجھے وقت رخصت اپنی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو پا کر حیرانی ہوتی
تھی کہ آخر یہ کیوں؟ مگر وہ اُمنڈتے ہی چلے آ رہے تھے! جنہیں ابا کی
خفگی کا خیال بہت جلد خشک کر دیتا تھا۔

دوسری صبح محترم قبلہ ابا جان اور اماں جان محترمہ (قبلہ حضرت مولانا
راشد الخیری صاحب و بیگم صاحبہ) کے دست شفقت نے آپا کا پیار
اور بھائیوں کی محبت یک قلم بھلا دی جس پر ماموں جان محترم
(مولانا رازق الخیری صاحب) نے خود میری زبانی ابا جان کو کہلا دیا
کہ آپ بخوشی جموں واپس جا سکتے ہیں۔ اب میں یہیں رہوں گی۔

آہ! کیسے معصوم لمحات تھے وہ۔ جبکہ ممانی دُلہن (محترمہ آمنہ نازلی
بیگم رازق الخیری صاحبہ) نے میرے ننھے بھائیوں کو مجھ سے بھلوا دیا
اور اُن کے ننھے کھلونوں نے نہ گھر کی یاد رہنے دی اور نہ بھائیوں کی
صحبت یاد آنے دی میں چھوٹے ننھے سے ایسی ہل گئی کہ جموں کی یاد خواب
بن کر رہ گئی ——— آپا کی شفقت مجھے یاد آتی تو میری پیاری آپا جان
(محترمہ واجدہ الخیری صاحبہ) نے بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتیں مگر
آہ! میں اُن معصوم ترین لمحات میں ان بزرگوں کی شفقت کے معنی
سمجھنے سے عاری تھی اور میں خیال کرتی تھی کہ یہ میرے عزیز ہیں اور ان کا
فرض ہے کہ ایسا ہی خلوص اور محبت دکھائیں۔ لیکن آج جبکہ میں سمجھنے کے
قابل ہوں اور جانتی ہوں کہ اس خاندان کی شفقت اور خلوص ہی تو
تھا جس نے میری ہم عمر بیسیوں لڑکیوں کو ملک کے گوشے گوشے
سے لا کر کوچہ چیلاں میں جمع کر دیا تھا اور جو اپنی اس چھوٹی سی ارضی بہشت
میں اتنی خوش نصیب تھیں کہ وہ ننھی ننھی حوریں فردوس سماوی میں بھی نہ ہوں گی۔

آہ! وہ کبھی نہ بھولنے والی محبت بھری آنکھیں مجھے اب بھی تخت پر
سے دیکھ رہی ہیں اور اپنے پاس بلا رہی ہیں۔ جنہیں اماں جان کی پُرعظمت
آنکھوں سے یاد کر سکتی ہوں۔ آہ! دلی کی وہ کبھی نہ مٹنے والی عظمت
کے نقش و نگار، تربیت گاہ بنات کے در و دیوار اب بھی جب کبھی
یاد آ جاتے ہیں تو مجھے خون کے آنسو رلاتے ہیں۔

اپنے ان بزرگوں کی آغوش شفقت میں میری زندگی کا جو وقت
گزرا کبھی بھی واپس نہ آئے گا۔ مگر اس کی یاد ——— میری زندگی
کے خوش ترین لمحات سے بھی زیادہ زرّیں ہو گئی ہے اور میرے مستقبل
کا خوش ترین وقت بھی اس ماضی پر غالب نہیں آ سکتا مگر آہ ~

اب نہ وہ دن ہیں اور نہ وہ راتیں ——— رہ گئیں یادگار سب باتیں

خالدہ ادیبہ (جموں)

اجرِ حسین

نوجوان حامد ابھی بچہ ہی تھا کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گیا۔ بیوہ ماں نے تعلیم و تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حامد کے اخلاق بڑے اونچے تھے۔ وہ پنج وقتہ نماز پڑھتا، مفلسوں اور غریبوں کی مدد کرتا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ رحم کا سلوک کرتا۔ سچ بولتا، جھوٹ کا کبھی نام نہیں لیتا۔ ذکرِ خدا اور رسولؐ میں اُسے بڑی لذت حاصل ہوتی تھی۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب کی تاکید آپ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتا تھا۔

حامد جب پڑھ لکھ کر ملازم ہو گیا تو ماں کو اس کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی اور جلد ہی یہ مراد پوری بھی ہو گئی۔ حامد کو اُسی جیسی بیوی خدا نے عنایت فرمائی۔ مہ جبین بہت ہی اچھی لڑکی تھی۔ وہ حسن و خوبصورتی میں یکتا تھی، سلیقہ شعاری میں لاثانی، نیک سیرت و فرمانبردار تھی۔ اور انتظامِ خانہ داری میں اپنی مثال آپ۔ اُس نے اپنے گھر کو جنت بنا رکھا تھا۔ حامد اُسے دیکھ کر بڑا ہی خوش ہوتا لیکن ماں! آہ وہ اندھی ہو چکی تھی۔ دونوں دل و جان سے اس کی خدمت کرتے اور خوش بختی و درازیٔ عمر کی ان گنت دعائیں اس سے حاصل کرتے۔

اتفاقاً ایک پڑوسی کے گھر میں آگ لگ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ ساری دنیا خوابِ شیریں کے مزے لے رہی تھی، چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ آگ بڑھتے بڑھتے حامد کے گھر تک پہنچ گئی اور چشم زدن میں پورا گھر آگ کی آغوش میں تھا۔ حامد اٹھا لیکن سکتہ کے عالم میں۔ ہمسائے بھی اٹھے حیران و پریشان۔

حامد نے کیا سوچا یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے تو وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً والے پر اس کو عمل کرتے پایا۔ اُس نے ایک چیخ سنی اور وہ اندھی بڑھیا ماں کو کندھے پر اٹھائے آگ سے نکلا۔ یہ کہتا ہوا کہ سب نعمتوں کا حاصل ہونا تو ممکن ہے لیکن یہ نعمت اگر گم ہو جائے تو تا قیامِ قیامت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حامد مسکرا رہا تھا اور کائنات کی کشتی ورطۂ حیرت میں ہچکولے کھا رہی تھی۔

صبح چاروں طرف مسجدوں سے اذان کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ حامد ماں کو لٹا کر اٹھا کہ سجدۂ شکر ادا کرے اتنے میں ایک رسیلی آواز نے اس کے دل میں ایک ارتعاشی کیفیت پیدا کر دی اس نے تڑپ کر پوچھا کون؟

"آپ کی نیکیوں اور ماں کی دعاؤں کا اجرِ حسین — مہ جبین"

واہ وہ بھی کیا وقت ہوگا جب مسرت و شادمانی کے آنسوؤں نے ڈھلک کر ہونٹوں کے دامن پر نگینے جڑ دیئے۔

محمدی بیگم۔ تلے گاؤں دساسر (برار)

ساون آیا تم نہ آئیں

سکھیوں نے آم کے پیڑوں پر جھولے ڈالے — ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے، ملہار گائے جا رہے ہیں۔ درختوں کے جھرمٹ میں متوالی کوئل کوک رہی ہے۔ خوشی کے ترانے

مگر ایسے میں میرا جی دل بھر آئے ہے

پپیہا "پی پی کہاں" کی رٹ لگا رہا ہے، شاید یہ بھی کسی کا جویا ہے۔ دھانی، کاہی، سبز ساڑیاں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ گویا آسمانی دھنک دھرتی پر اتر آئی ہو۔ شوخ و شنگ سکھیاں گلے میں باہیں ڈالے مصروفِ گلگشت ہیں۔ سنو تو ننھی ننھی چڑیاں بھی تمہیں پکار رہی ہیں ہاں، میرا جھولا تجھ بن خالی ہے۔ آ بھی جاؤ، سونے من کو بسالو۔

پیاری سکھی — ایسے سہانے سمے میں تنہا بیٹھی تمہیں یاد کر رہی ہوں۔ دور بہت دور کوئی بانسری کی مدھر لے پر گا رہا ہے۔

"ساون آیا تم نہ آئیں"

آنسہ رئیس طلعت پشاوری

(بقیہ صفحہ ۲۰۵) انہوں نے اس آبشار کی طاقت کا حساب بھی لگایا ہے جو کہ ایک کروڑ ستر لاکھ گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہے اور علم میکینک میں گھوڑے کی طاقت سے وہ طاقت مراد ہے جو ایک سیکنڈ میں ۷۵ کیلوگرام بوجھ کو ایک میٹر کی بلندی تک بلند کر دے لیکن بدقسمتی سے یہ تمام قوت جو کہ دراصل صرف پانی کی [illegible] کے سبب سے بے مصرف ضائع ہو جاتی ہے [illegible] اس کی ایک [illegible]

خانہ داری

(جس میں سنگھار و آرائش بھی شامل ہے)

نقشہ کی جوانی نوجوانی خود ہی خوشنمائی اور نک سک کی درستی کی ذمہ دار ہے لیکن جو سمجھدار ہیں وہ اس عمر کے حصّہ کو بھی یونہی فضول نہیں جانے دیتے ایسے لوگوں کو آئندہ جا کے زیادہ فکر و پریشانی سے دو چار نہیں ہونا پڑتا۔ نقشہ کا جہاں تک تعلق ہے ۲۵ سال کی عمر نازک زمانہ ہے کیونکہ ان دنوں میں کوئی خوش نصیب ہی ہوگا جو اس قاعدہ سے بچا ہوا ہو ورنہ اب تک صاف و قائم رہنے والے چہرہ کے خط میں قدرے ڈھلک محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ معلوم ہوتی ہو مگر یہ ایک ایسی بات کی ابتدا ہے کہ اگر اس کا توڑ نہ کیا گیا تو اس کا انجام گڑھے پڑے ہوئے رخسار اور بھاری جبڑے ہوگا۔

اس زمانہ میں مشاطہ خانوں میں چہرہ کے نقشہ اور خاکہ کی درستی پر خاص خیال مرکوز رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اب یہ نتیجہ قائم ہو گیا ہے کہ چہرہ کا ڈول سب سے زیادہ عمر کا چغلخور ہے۔ خطوط اس قدر راز فاش نہیں کرتے اگر احتیاط نہ برتی جائے تو موزوں نوک دار ٹھوڑی مربع اور ڈھیلی ہو جائے گی اور رو وقت گزرتے جانے پر رخسار ڈھلکنے لگیں گے اور نقشہ بگڑ کر انوکھا سا معلوم ہونے لگے گا۔ ان ناگوار علامات کو تقریباً غیر معین زمانہ تک روکا جا سکتا ہے بشرطیکہ جوانی ہی سے چہرہ کی غور و پرداخت جاری کر دی جائے اور اگر آپ اپنی غفلت و بے پروائی سے وقت کو اپنے چہرہ کے خطوط سے چھیڑ چھاڑ کی اجازت بھی دے چکے ہوں، ہاتھ پاؤں ہلانے سے سابقہ دلفریبی و دلکشی بہت کچھ واپس لائی جا سکتی ہے۔

جب بھی آپ چہرہ کو ملیں دلیں یا صاف کریں تو پوروں سے جبڑے کے خط کے برابر برابر ہلکے ٹھوکہ لگا کے اوپر کی جانب تھپکتے چلے جانے کی عادت ڈال لیں۔ بائیں ہاتھ کی انگلیاں کسی جلد کسنے والی (astringent) یا مقوی جلد دوا (Skin tonic) میں ڈبوئیں اور انہیں ڈھیلا چھوڑ کے ٹھوڑی کے نیچے سے شروع کریں اور تھپکتے ہوئے جبڑے کے خط کے سہارے سہارے دائیں کان تک چلے جائیں۔ ایسا چھ مرتبہ کریں دائیں ہاتھ سے یہی عمل چہرہ کے بائیں رخ پر کریں۔

(Witch-hazel) [illegible]

کی ایک چمچیہ ملا کے چہرہ دھونا چہرہ مہرہ کو درست رکھنے کی ایک اور ترکیب ہے۔ یہ عمل دن میں ایک مرتبہ کرنا چاہئے۔ اگر یہ دونوں تدابیر روزانہ باقاعدہ جاری رکھی جائیں تو جوانی کے چہرہ کے نقش و نگار کو درست رکھنے کے لئے سب کچھ ہے۔

تیس سال کا نقشہ جب عمر تیس برس کی ہو جائے تو چہرہ کو تھپکنے اور بھینچنے کا عمل جاری کر دیا جائے جن پٹھوں سے نقشہ درست رہتا ہے۔ انہیں بھینچنے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ اس کام کے لئے اعلیٰ قسم کی پرورش دینے والی کریم (Nourishing cream) استعمال کرنی چاہئے۔ اس سے نسوں اور رگوں کو قوت حاصل ہوگی اور وہ لٹکنے نہ پائیں گے جس سے چہرے کے پٹھے بھی نہ جھک سکیں گے۔ تھپکنا اور بھینچنا بتایا جا رہا ہے نہ کہ ملنا دلنا۔ کیونکہ گھر پر خود مالش کرتے رہنے سے جھرّیاں روکی جا سکتی ہیں مگر پٹھوں کو جاندار کرنے کے لئے اچھی مالش سیکھنا ہر کا کام نہیں۔ یہ تو ماہر فن ہی کر کے فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

انگلیوں کی پھولی ہوئی گدّیوں سے بالائی اور بیرونی رُخ چہرہ کی ساری سطح کو تھپکتے چلے جائیں۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل طریقے سے گالوں کو بھینچیں۔ رخساروں کے ہر طرف کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے سے گوشت کی گہری گرفت کر کے رگوں اور نسوں کو ہلکے ہلکے بھینچیں جیسے چٹکی لیا کرتے ہیں حتےٰ کہ رخساروں کی ساری سطح پر یہ عمل ہو جائے۔ نقشہ کو مناسب صورت دینے اور چہرہ کو درست رکھنے کی یہ ترکیب بہت کار آمد ہے۔ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ ورنہ زیادہ جتنا ممکن ہو ایک چکنی ململ جیسے بٹر ململ Butter muslin کی ایک دگّی کسی جلد تاننے والی دوا astringent میں ڈبو کے ٹھوڑی مضبوطی سے باندھ دیں۔ کم از کم نصف گھنٹے بندھی رہنے دیں اور بشرط ضرورت اسے پھر گیلی کر لیں۔

زیادہ عمر کے چہروں پر زیادہ محنت اور وقت صرف کرنا ضروری ہے کہ کوئی کس دینے والا کریم (Bracing cream) یا خطوط ہموار کرنے والی جیلی (Contour jelly) استعمال کرنی چاہئے اور ہفتہ میں ایک مرتبہ تحریک دینے والا لیپ Pack [illegible]

جاہیئے۔ اگر خطوط کی ہمواری جاتی رہے یا وہ مرجھا ہو گئے ہیں تو ٹھوڑی کا تسمہ chin strap خرید لیں جو اکثر مشہور سنگھاری اشیا کے سوداگروں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے سی کر تیار کئے جاتے ہیں کہ ٹھوڑی اور رخساروں پر ٹھیک آجاتے ہیں اور سر پیچھے کو اس کی جگہ پر کر کے قائم رکھتے ہیں اسے احتیاط سے ٹھیک لگایا جائے۔ اور روزانہ ایک گھنٹہ یا زیادہ لگائے رکھنا چاہیئے بعض ماہروں کی رائے ہے کہ اسے رات کے وقت بھی لگانا چاہیئے لیکن ہماری رائے میں اس کی شاذ ہی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

نقشہ کی ورزش

چہرہ کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے بعض ورزشیں عجیب اثر رکھتی ہیں۔ ایک یہ ورزش آپ دن میں وقت بے وقت کر سکتے ہیں۔ سینہ میں لمبا سانس لے کے ہوا بھر لیں اور منہ بند رکھ کے نتھنوں میں سے چھوٹے چھوٹے جھونکوں سے باہر نکالیں۔ ایک ماہرہ نے مشورہ دیا ہے کہ خطوط کی موزونیت کے حصول و قیام کے لئے مشکیزہ کی پونگی بجایا کریں۔ لیکن اگر آپ خوبصورتی کے لئے یہ قیمت ادا نہ کرنا چاہیں تو اس نے ایک خیالی ترکی پھونکنے کی ہدایت کی ہے کہ بالائی لب اور رخساروں کے اندرونی رخ کے برخلاف خوب خوب دھونکیں۔ ایک پریا آک کی بڑھیا مائی پھونک مار مار کے اپنے سر پر اڑا لے جائیں۔ چہرہ کا تسلسل قائم کرنے میں یہ ترکیب جادو کا حکم رکھتی ہے۔

بعض اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کے پٹھے مضبوطی سے اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ مگر خطوط کا تسلسل دہری ٹھوڑی کی نمو داری سے بگڑ گیا ہے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ بغیر تکیہ کے سوئیں اور ہر رات کو نئی ٹھوڑی پر کیمفر آئس (camphor ice) سے مالش کریں اور ہر صبح کے وقت پست دست سے اسے خوب چوٹیں لگائیں۔

آپ نے یہ فقرے سنے ہوں گے اس نے اپنا منہ تھوتھا لیا۔ وہ لٹکے ہوئے چہرے سے کمرے میں آئی۔ وغیرہ آپ اپنے چہرہ پر یہ نوبت نہ آنے دیں۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چہرہ کے پٹھے مستقل طور سے بدنمائی کے درجہ تک لٹک جائیں گے۔ اس کے برعکس مسکراہٹ پٹھوں کو اٹھانے کی شاندار چیز ہے۔ آپ مسکرا کر دیکھیں معلوم ہوگا کہ چہرے کے پٹھے نرمی سے اوپر کو اٹھ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ سے جس قدر ہو سکے مسکرایا کریں۔ سب سے بڑی یہ بات کہ بستر پر لیٹیں تو مسکراتے ہوئے اور نیند کو مسکرا مسکرا کر بلائیں۔ چہرہ کے رگ و ریشے اٹھانے کی یہ بہترین ورزش ہے۔

بات چیت

بعض لوگوں کو اللہ تعالٰی نے بولنے چالنے کا ہنر دیا ہوا ہے۔ اور اکثر اس سے محروم ہیں بات کرنے اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے بڑی لیاقت کی ضرورت ہے۔ دیکھا نہیں کہ محض بات چیت سے بعض دوسروں کو اپنا ہم خیال بنا لیتے ہیں۔ اور جدھر چاہتے ہیں انہیں موڑ توڑ لیتے ہیں کم سخنوں کو ایسے فصیحوں سے سبق لینا چاہئیے کیونکہ عمدہ بات چیت کا طریقہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں ایسے بھی ہیں کہ ہر وقت بولے ہی جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دوسرے تنگ آجاتے ہیں۔ لسان اور بکواس میں زمین و آسمان کا فرق ہے گفتگو وہ ہے کہ آدمی دل لگا کے سنے اور خوش ہو۔ اچھی گفتگو کرنے والوں کو عین موقع پر بات کرنے کے مضمون ہاتھ آجاتے ہیں۔ اگر صحبت میں مختلف مذاق کے آدمی ہوں تو اخبار کی بہت سی باتیں عام دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں جو شخص ایسی بات چیت کرتا رہے جو کام دلچسپی کی نہ ہو۔ سمجھو کہ اسے بات کرنی نہیں آتی۔ اگر سینے کی ماہر عورت مختلف مذاق کی بیبیوں میں بیٹھ کے اپنے ہی کام کے متعلق بات چیت کرتی رہے تو اوروں کے ماتھوں پر تیوریاں پڑ جائیں گی۔ علمی آدمیوں میں علمی گفتگو بلاشبہ موزوں ہو۔ فرض کرو وہاں سینے پرونے متعلق کوئی بات چیت کرنے لگے تو اسے بدمذاق ہی کہا جائے گا۔ بات کرتے ہوئے اپنی ہی تعریف کے گیت نہ گائے جائیں۔ اس سے زبان بند رکھنا بدرجہا بہتر ہے۔

خانگی ٹوٹکے

کپڑے پر پھپھوندی کے دھبے آجائیں تو نشاستہ (اسٹارچ) کو دودھ میں حل کر کے کسی ملائم کپڑے سے دھبوں پر لگائیں۔ بعد میں نیم گرم پانی سے چند مرتبہ دھو ڈالیں۔

دو حصہ نیپتھالین Napthalene اور ایک حصہ نسوار ملا کے گدوں پر چھڑک دیں۔ کیڑے اور پروانے بھاگ جائیں گے اور پاس بھی نہ پھٹکیں گے۔

محمد ظفر

(بقیہ صفحہ ۲۰۶) اب ان کی سمجھ میں آیا اور کہا لاحول ولا۔ اماں آگرے کا ٹکٹ دیدو۔ ٹکٹ لے کر پھاٹک پر آئے انجن سیٹی دے چکا تھا گھبراہٹ اور بڑھ گئی اب پھاٹک پر جو ٹکٹ طلب کیا گیا تو بجائے ٹکٹ کے چھڑی دکھانے لگے بابو پر مذاق آدمی تھا اچھا میاں جاؤ ریل چلنے والی ہے ورنہ تم سے بھی مذاق کرتا۔

احمد وقار [illegible]

سیر زمین

نئے بم کا دوسرا تجربہ

اس دفعہ جزیرہ بکنی کے پانی میں نوّے فٹ نیچے گولہ رکھا گیا۔ اُسے ہوا نہ پہنچنے والے چوکور صندوق میں بند کر کے نیچے اُتارا گیا۔ ایک افسر کے قبضہ میں وہ تالی تھی جس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر کھڑے ہوئے جہاز میں برقی لہریں پھینکنے والے آلے کے خانہ میں لگا کے دو لہریں چھوڑی گئیں یعنی جن کی وجہ سے یہ بم چل سکتا تھا۔ ۷۸ جہاز اس کے نشانہ کے لئے بندرگاہ میں کھڑے کئے گئے۔ ایک سو دو آدمیوں نے آٹھ گھنٹے کی لگاتار محنت سے اس بم کو جوڑ کے سمندر میں اُتارا اور اس سے چلانے والے بٹن تک تار کا سلسلہ قائم کیا۔ اس دفعہ سمندر میں اس قدر گہرائی پر اس لئے بم چلانے کا تجربہ کیا گیا کہ پانی ہوا سے زیادہ کثیف ہے اور اس میں نشانہ زیادہ صحت کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ اس سے پہلا ہوا میں چلایا ہوا بم نشانہ سے دو ہزار گز پرے گرا تھا۔ چلانے والے نے ایک بٹن سے لہر چھوڑی جس نے بم میں پہنچ کے طاقت کا آخری چکر پیدا کر دیا۔ جو تین منٹ تک جاری رہا۔ اس وقت اس شخص نے ایک اور بٹن دبایا اور ۵۰ سکنڈ میں آخری برقی لہر بم کی طرف روانہ ہو گئی جس نے بم میں ایک گھڑی کو حرکت دی جو اگلا سول کے اجزا کو ملاتی رہی۔ جب آخری گلاس کی آمیزش جاری ہوئی اُس نے بندوق کے گھوڑے کا کام کیا اور بم چل پڑا۔ اور پانچ مربع میل کے رقبہ میں تباہی و بربادی پھیلانے لگا۔ ۷۸ جہازوں میں سے اس نے ۲۸ ہزار ٹن کا جنگی جہاز آرکنسس۔ ۳۳ ہزار ٹن کا ہوائی جہاز بردار سراٹوگا۔ تین ساحل پر اُتارنے والے جہاز۔ پانچ آبدوزیں اسی وقت ڈوب گئیں۔ دو ایک طرف کو جھک گئے اور بعد میں ڈوب گئے۔ جوش کھاتے ہوئے پانی کا ایک ہیبت ناک ستون دو میل آسمان کی طرف اُٹھا۔ برقی لہروں سے بھری ہوئی پانی کی بوچھاڑ سب ۷۸ جہازوں پر پڑی۔ یہ پانی کا ستون نیچے کی طرف ۲۱ سو فٹ چوڑا تھا اور اوپر پھیلتا چلا گیا تھا۔ پانچ ہزار فٹ کی بلندی کے بعد گیس اور بخارات چکر کھاتے ہوئے چار ہزار فٹ کی مزید بلندی تک چڑھ گئے۔ ستون کے پانی کا رنگ سیاہ تھا اور اوپر چڑھتے چڑھتے بالکل سفید ہو گیا۔ پھر بھورے اور نارنجی دھبوں کے بادل اس میں سے نکلنے لگے۔ ڈیڑھ میل کی بلندی پر ستون پر بہت بڑا سفید گنبد پیدا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ بنیاد پانچ میل کے قطر میں پھیل گئی اور جہازوں کا بیڑہ نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ اس وقت ستون کی چوٹی سے پانی کی نہایت زبردست کوہ نما مقدار نکل کر کل رقبہ پر برسی جو لہر ساحل سے ٹکرائی صرف پانچ فٹ بلند تھی۔ اس سے تجربہ والوں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ سائنسدانوں کے دماغوں میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ایک تباہ کن سیلابی لہر پیدا ہو سکتی ہے جو بالا کر دے گی ساحل کے کھجوروں کے درختوں پر اس سے پہلے کہ ہوا سے پھینکے جانے والے بم نے مطلق اثر نہ کیا تھا۔ اس دفعہ چھال اور پتوں سے محروم اور شکستہ ہو گئے۔ جتنی تباہی کے خواب دیکھے گئے تھے اُس کا عشر عشیر بھی نقصان نہیں ہوا۔ گو اس دفعہ کا بم بہت طاقتور تھا۔ تعجب ہے کہ جاپان پر پھینکے ہوئے گولوں نے بہت تباہی پھیلائی اور تجربہ کے بم اُن سے کہیں زیادہ بربادی پھیلانے کا باعث ہوئے۔

لنش لا

امریکہ میں ایک ایسا قانون جاری ہے جس کی وجہ سے لوگ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے بغیر ملزم کو سزا دے سکتے ہیں۔ اسے لنش لا اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ورجینیہ کے ایک ممبر مجلس آئین چارلس لنش نے جو ۱۷۳۶ء سے ۱۷۹۶ء تک زندہ رہا اپنے رقبہ میں اس قسم کی سزاؤں کا سلسلہ جاری کر دیا اور وہاں سے اوروں نے نقل کیا۔ اس کا نشانہ عام طور پر امریکہ کے اصلی باشندے حبشی ہوتے ہیں۔ جن کو معمولی معمولی باتوں پر زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ یا کوڑے مار مار کے مار ڈالا جاتا ہے یا کسی اور وحشیانہ طریقہ سے اس غریب کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

امریکہ تہذیب کا بہت مدعی ہے۔ اور اس جنگ کے بعد تین بڑوں میں شامل ہے۔ پچھلے دنوں ایسے ایسے واقعات ہوتے رہے کہ کسی حبشی نے کسی گوری عورت کی شان میں ایسی حرکت کی جسے گورے رنگ والوں نے اپنی نازک اصطلاح میں گستاخی سمجھا۔ اُسے پکڑ کر مجمع نے منظر عام میں باندھ کے جلا دیا۔ ایسے بھی واقعات ہوئے ہیں کہ حکومت نے کسی جرم میں کسی حبشی کو جیل خانہ میں بند کر دیا مجمع شور و غل کرتا وہاں پہنچا اور جیل خانہ کو توڑ ملزم کو نکال لے گیا اور خود طرح طرح کے عذاب دے کے اُس کو مار ڈالا ... کامیاب

ہوا۔ اب حکومت اس فکر میں ہے کہ اس عادتِ بد کو مٹا دیا جائے۔ کیونکہ پچھلے مہینہ میں ایک ہفتہ میں ہی پانچ بلنش کے واقعات ہوئے ایک خفیہ انجمن کوکلس کلین نفرت وحقارت کے جذبات پھیلا کے ان تشدد آمیز حادثات کا باعث ہوتی ہے۔ اسے اب مٹا دینے پر حکومت نے کمر باندھ لی ہے۔ اس انجمن کا صدر مقام جارجیہ میں واقع ہے۔ اس کے ممتاز ممبر سر پر سفید ٹوپی رکھتے ہیں اور جلتی ہوئی صلیب کے نیچے عجیب عجیب رسوم ادا کرتے ہیں۔ چند امریکی ریاستوں کے گورنر انتخاب میں محض اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ وہ سفید رنگ کے ممتاز و غالب ہونے کے عقیدہ کے سرگرم کارکن تھے۔ ادھر ہی پچھلے ہفتہ میں دو حبشی امریکن کی بیویاں ایک مسلح ہجوم نے بندوق کی گولیوں سے چھید چھید کے مار ڈالیں مسی سی پی میں ایک حبشی کو کوڑوں سے مار ڈالنے کے بعد جھیل میں پھینک دیا گیا۔ اس سلسلہ میں چھ آدمی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

امریکہ میں بہت غریب سفید رنگ کے لوگ جن کی تعداد ۷۰ لاکھ ہے اور ۳۶ لاکھ حبشی پنچایتی ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔ اس لئے انہیں رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ ہر رائے دہندہ کو اس ٹیکس کی ادائیگی ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرق و امتیاز کی خلیج اس قانون نے پیدا کی ہے۔ جسے اب منسوخ کرنے کا ارادہ کیا جا رہا ہے۔

ہٹلر کی ذمہ داری

ہٹلر چونکہ پُرجوش اور اندھا دھند طبیعت کا آدمی تھا اس لئے اُس کے پُرجوش کارناموں پر عوام الناس کا ایک بڑا فرقہ عاشق ہے اور اب شکست کھانے پر بھی اُن کی خوش اعتقادی ملاحظہ کیجئے کو ہٹلر اپنی فوج اور سامان سمیت کہیں چھپا بیٹھا ہے مگر نورمبرگ کے مقدمہ کی طویل سماعت نے حقائق پر سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ جرمنی کی تباہی کا باعث خود ہٹلر ثابت ہوا۔ آخری زمانہ میں خود اُس کے جرنیلوں نے کہ ہملر اور گورنگ نے اُسے دغا دی۔ اُس کے جرنیل اُسے خبطی سمجھتے ہیں اور اُن کے جو بیانات مقدمہ میں ہو رہے ہیں اُن میں انہوں نے اُسے اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا۔ فیلڈ مارشل رنسٹین ۷۰ سالہ سفید بال روسی محاذ پر لڑنے والے سپہ سالار نے بیان کیا کہ لاکھوں جرمن نوجوانوں کا خون ہٹلر کی گردن پر ہے۔ اس کی غلطیوں پر پردہ سرکاری احکام کی آڑ میں قربان ہو گئے جو آدمی دنیا میں یکہ و تنہا ہو جس کے ساتھ کوئی خاندان ہو نہ روایت جسے اپنے اعلیٰ مشن پر جنون آمیز یقین ہو ایسا آدمی انسانی قانون کی مدد سے باہر نکلے پھر نکلے۔ اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اختلاف ہو جاتے ہوئے صرف ایک فیلڈ مارشل اور تین کرنیل جرنیل اپنے عہدے اور عزت برقرار رکھ سکے۔ ۱۷ میں سے ۱۰ فیلڈ مارشل دورانِ جنگ میں گھر بھیج دیئے گئے تین کو سنہ ۱۹۴۴ء کی ہٹلر کے خلاف سازش کے الزام میں مار دیا گیا ۳۶ کرنل جرنلوں میں سے ۱۸ برطرف ہوئے اور پانچ یا تو مر گئے یا بے عزتی سے نکالے گئے۔ حالانکہ یہ سب افسر اعلیٰ ترین لوگ تھے۔ اور جنگ میں اُن کی خدمات سے مستغنی نہیں رہا جا سکتا تھا۔

پھلجھڑیاں

برطانیہ میں عورتوں میں سب سے بلند رتبہ والی عورت مس شارپ ہے جس کی عمر ۴۲ سال ہے اور اسے اب ۳۳۳۳ روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ یہ پہلی عورت ہے جسے شہری انتظام میں ڈپٹی سکرٹری کا عہدہ نصیب ہوا ہے۔

جرمنی کے وی ٹو نمونہ کے اُڑن بم کو زیادہ بہتر صورت میں بنانے کے بعد نیو میکسیکو میں اُڑایا گیا۔ وہ آسمان میں ۱۰۴ میل تک اُڑا چلا گیا اس سے پہلے صرف ۵،۴۳ میل بلند پرواز حاصل ہو سکی تھی۔

برطانیہ میں فوجی ناکارہ ملک کے لئے ۲½ گھوڑوں کی طاقت کی موٹر تیار کی گئی ہے جس کا نام ٹرامر رکھا گیا ہے ایک گیلن پٹرول میں ۶۵ میل جا سکتی ہے اور اس کی رفتار ۴۳ میل فی گھنٹہ کی جا سکتی ہے ایک آدمی کے بیٹھنے کی اس میں جگہ ہے اور انجن پیچھے کی طرف ہے اس کی قیمت ۲۶۴ روپیہ ہے انتظام کیا گیا ہے کہ سال بھر میں ایک ہزار تیار ہو جایا کریں۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے ناظم دینیات نے فیصلہ فرمایا ہے کہ قاعدے کے مطابق عورتیں شدر ہیں اور انہیں ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے کا حق نہیں ہے۔ خواہ وہ ذاتی رہنمائی یا نجات کیلئے [illegible]

ایک چھوٹے ہوائی جہاز کی رفتار کو مکمل کیا جا رہا ہے اب تک اسے ۶۰۶ میل فی گھنٹہ اُڑایا جا سکا ہے۔ کوشش جاری ہے کہ اس کی

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کیے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط نہایت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ ایڈیٹر

مورخہ ۳۔ اگست ۱۹۴۶ء مطابق ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ بوقت سوا آٹھ بجے شام میری پیاری اور شفیق والدہ محترمہ تین مہینے کی علالت کے بعد ہمیں ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئیں۔

خداوند عز و جل انھیں غریق رحمت کرے اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ دس روپیہ عصمت کے نادار فنڈ کے لئے ارسال خدمت ہیں۔ عصمتی بہنوں سے متمنی ہوں کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور ان کا قطعہ تاریخ وفات لکھ کر مجھے ممنون فرمائیں۔ مس ضیاء لاہوری خریدار نمبر ۳۰۲

میری پیاری ہمشیرہ محترمہ شہزادی شمس النساء بیگم محمد عبد الحمید سپروائزر ملٹری ڈپو آملکو، مئی ۱۹۴۶ء بروز چہارشنبہ اللہ تعالیٰ نے دختر نیک اختر عطا فرمائی ہے بچی کا نام فیروزہ خاتون نکلا ہے۔ اللہ پاک بچی کی عمر دراز کرے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔ اس خوشی میں دس روپیہ کی حقیر رقم نادار فنڈ کے لئے ارسال خدمت ہے۔

کنیز فاطمہ بیگم وردوارہ ضلع جاندہ۔ خریدار نمبر ۵۰۰۴

میرے شفیق نانا شمس العلماء الحاج مولانا مولوی محمد عمر صاحب پرنسپل عربی کالج کرنول ۲۰۔ جولائی شام کے ساڑھے پانچ بجے رحلت فرما گئے۔ مرحوم نے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ ڈاکٹر عبد الحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے۔ آپ نے ہزارہا شاگرد رشید لاکھوں مخلص دوست اس دنیا میں چھوڑے ہر جگہ آپ کا چرچا تھا۔ آپ کا تمام وقت دینی کاموں میں بسر ہوتا تھا۔

آہ! جہاں نانا مرحوم ۴۰ سال سے حدیث و تفسیر کا سبق جس مسجد میں جس جگہ بیٹھ کر دیا کرتے تھے اسی جگہ پیوند زمین ہوئے۔ خدائے پاک آپ کو جنت الفردوس بہترین مقام دیوے۔

طاہرہ سعید میو شارم (علاقہ مدراس)

میری شریک حیات "عصمت" کی گیارہ سال کی خریدار تین ننھے ننھے معصوموں کو آغوش مادری سے محروم کر کے سترہ اپریل ۱۹۴۶ء چند روز کی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ عصمتی بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ درود و فاتحہ پڑھ کر مرحومہ کے نام پر بخشیں اور ان کی مغفرت کے لئے دعا فرمادیں۔ محمد عبد الغفور بنگلور

میرے بڑے بھائی جان سید محمد زوار حسین قمر منتظم مہمان خانہ شاہی کی شادی میری تایا زاد بہن ثریا بیگم کے ساتھ ۲۵۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو ریاست کپورتھلہ میں بخیر و خوبی انجام پائی۔ کوئی رسم خلاف شریعت نہیں ہوئی۔ سیدہ آمنہ بتول خریداری نمبر ۵۶۳۷

میری پیشانی پر بہت چھوٹے چھوٹے بال ہیں جن کی وجہ سے پیشانی بہت چھوٹی اور بھدّی معلوم ہوتی ہے۔ مہربانی فرماکر کوئی بہن بذریعہ عصمت کوئی ایسی دوائی بتائیں جس سے وہ بال بھی صاف ہو جائیں اور دوبارہ اُگنے نہ پائیں۔ خریدار نمبر ۸۶۰۲

اگر کسی بہن کو مچھر مکھی دور کرنے کی دوا معلوم ہو تو بذریعہ عصمت مطلع فرمائیں پیشگی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ رقیبہ خاتون خریداری نمبر ۱۰۹۴

میرے سر کے بال جڑ کو چھوڑ کر نکل آئی ہے اور لمبائی بھی ایک بالشت کی ہو گئی ہے میں عرصہ چھ ماہ سے بیمار تھی اسی وجہ سے بال جھڑ گئے۔ میں بنگال کیمیکل کا ناریل کا تیل لگاتی ہوں کیا؟ کوئی بہن ایسا آزمودہ تیل بتا سکتی ہیں جس سے بال لمبے اور گھنے ہو جائیں۔ اگر کسی بہن نے تیل کنتھیر یس آئل استعمال کیا ہو تو تحریر فرمائیں۔ خریدار نمبر ۱۱۰۴

میری ایک سہیلی کے ہونٹ بہت سیاہ ہیں اگر کسی بہن کو ایسا نسخہ معلوم ہو کہ جس سے یہ سیاہی دور ہو جائے تو مہربانی کر کے بذریعہ رسالہ عصمت بتائیں۔ خریدار نمبر ۱۰۰۱

ماہ اگست کے پرچہ میں خریداری نمبر ۲۰۰۴ کو قد بڑھانے کی دوائی مطلوب ہے [illegible] استعمال کریں آزمودہ ہے ہر دوا فروش سے مل سکتی ہے۔ [illegible] خریداری نمبر

محترمہ آمنہ نازلی کی ادیبۂ فاضلہ کا مجموعہ ڈراموں کا

دوشالہ

محترمہ آمنہ نازلی کے ۱۳ چھوٹے ڈراموں اور ہلکے خاکوں کا یہ مجموعہ بے انتہا قابل قدر ہے۔ ان ڈراموں میں اصلاح اخلاق و معاشرت کا فرض نہایت دلفریبی ادا کیا گیا ہے جذبات کردار کی تصویر کھینچنے میں محترمہ آمنہ نازلی کو ملکۂ خصوصی حاصل ہے زبان نہایت پاکیزہ ظرافت بے پناہ لیکن سنجیدہ۔ ڈرامے کی ترکیب اور ساخت بالکل فطری اور بیساختہ۔ پھر دیہاتیوں اور عورتوں کی زبان بے حد دلفریب کرداروں میں غریب بھی ہیں امیر بھی اور مہذب بھی۔ روشن خیال اور قدامت پسند بھی سب کا نقشہ اتنا صحیح ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

(انقلاب لاہور)

ان ڈراموں کے پلاٹ ہماری روزانہ زندگی کے آئینہ دار ہیں روزانہ گھریلو واقعات کو فاضل مصنفہ نے اپنے طرز نگارش سے اس قدر دلچسپ انداز میں لکھا ہے کہ آنکھوں کے سامنے حقیقت کا عالم کھنچ جاتا ہے۔ آمنہ نازلی صاحبہ کی طبیعت میں اس قدر ظرافت اور رنگینی ہے کہ ہندوستانی خواتین میں بہت کم یہ بات ہے لطف یہ کہ تمام ڈراموں کے پلاٹ اور مکالمے میں خاص ہندوستانی نسوانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے زبان نہایت سادہ اور ستھری استعمال کی ہے۔ محترمہ آمنہ نازلی کے اس مجموعہ کو ہندوستانی ادب میں ایک اچھا اضافہ سمجھنا چاہیئے۔

(ہندوستانی ادب حیدرآباد۔ دکن)

طبقۂ نسواں کی خدمت اور اصلاح معاشرت محترمہ آمنہ نازلی کا خاص موضوع ہے "دوشالہ" ان کے ۱۳ ڈراموں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ کردار نگاری تصویر جذبات یا واقعاتی تسلسل کی بنا پر یہ خاکے جاندار نظر آتے ہیں اور سلیس انداز بیان اور صاف ستھری زبان نے شگفتگی اور ادبی چاشنی بھی پیدا کر دی ہے۔

(صدق لکھنؤ)

محترمہ آمنہ نازلی خوب لکھتی ہیں "دوشالہ" میں ۱۳ دلچسپ اور مفید ڈرامے ہیں ہر ڈرامہ اپنی جگہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جسے پڑھ کر ہم سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

(حریم لکھنؤ)

دوسرا اڈیشن

قیمت عہ

ملنے کا پتہ۔ عصمت بک ڈپو کوچہ چیلان دہلی

سیدہ رضؓ کی بیٹی

حضرت زینب کبریٰؓ کی مفصل مکمل جامع سوانح عمری جو رازق الخیری صاحب کی کئی سال کی تحقیق و تلاش اور محنت و جانفشانی کا نتیجہ ہے یہ حالات زندگی رسول اکرم کی اس لاڈلی کے ہیں جس نے اسلام کے استحکام کے لئے حسین جیسے پیارے بھائی پر جگر کے ٹکڑے قربان کرنے کے بعد ایسی ایسی تکالیف اٹھائیں کہ ان واقعات کے خیال سے قلب انسانی تھرا اٹھتا اور کلیجہ منہ کو آتا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں کا خون، تربیت، ماحول اور صحبت کا انسانی طبیعت پر کس قدر گہرا اثر پڑتا ہے۔ "سیدہ کی بیٹی" بتائیگی کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ انسانیت کیا چیز ہے دنیاوی تعلقات کا مطلب کیا ہے۔ شوہر کی رضامندی بچوں کی تربیت اور بہن بھائیوں کی محبت کیا معنی رکھتی ہے اسلامی تاریخ سے واقفیت ہونے کے علاوہ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا کے حقیقی اسباب کیا تھے اور کربلا کے بعد کیا ہوا۔ دشت کربلا کا حال کس قدر درد انگیز ہے اس کے متعلق یہی کہنا کافی ہے کہ مصنف کے دماغ اور قلم سے یہ واقعات ادا ہوئے ہیں ناممکن ہے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بغیر آنسو بہائے یہ واقعات پڑھ بھی سکے کوفہ اور دمشق میں زینب کبریٰؓ کی تقریریں اور مکالمے، سفر شام اور مدینہ کی واپسی سے وفات تک کے حالات کے بعد آخری باب سیرت زینبؓ ہے جس میں سیدۃ النساء کی بیٹی کی انسانی اور اسلامی خوبیوں اور مختلف حیثیتوں پر بحث ہے مورخین کے تحت اختلافات کے باوجود کتاب اس پیرایہ میں لکھی گئی ہے کہ شیعہ سنی دونوں فرقوں میں پسندیدہ نظر سے دیکھی جا رہی ہے اور غیر مسلموں کے سامنے بھی فخر کے ساتھ پیش کی جا سکتی ہے ساری کتاب میں ایک واقعہ بھی خلاف عقل نہیں۔ اور شروع سے آخر تک درد و اثر میں ڈوبی ہوئی ہے لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ سفید چکنا۔ ضخامت پونے دو سو صفحوں سے زیادہ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ چند ماہ میں نکل گئے اب چوتھی دفعہ چھپی ہے قیمت عہ رخاص قسم آرٹ پیپر تین روپے مجلد

ملنے کا پتہ۔ عصمت بک ڈپو کوچہ چیلان دہلی

ڈالڈا آپ کی دلپسند سبزی کو لذت دیتا ہے
— اور آپ کو قوت بھی بخشتا ہے؟
نہایت خوشبودار
فوراً ہضم پذیر
خالص
وٹامین سے مشتمل
ڈالڈا سے پکائی ہوئی غذا کو ضایع نہیں کیا جا سکتا! فوراً ہضم پذیر اور وٹامین
سے مشتمل ڈالڈا سادی رسوئی کو اس کی شیریں لذت سے مالا مال کرتا ہے۔ آپ کو
رونانکی اکتانیوالی غذا سے نجات دلاتا ہے۔ ڈالڈا سے پکاؤ اور اس خاص
رسوئی کے سامان کے مشہور مقوی صفت کی امداد سے اپنی غذا کو درست کیجئے۔
یاد رکھئے کہ ڈالڈا معمولی رسوئی کا سامان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اہل و عیال کو
تندرست رکھتا ہے اور انہیں زیادہ قوت بخشتا ہے۔
DALDA VANASPATI
THE HINDUSTAN VANASPATI MANUFACTURING CO., LTD.

دُوربین

فلسطین کی تقسیم

برطانیہ کی زیر حمایت یہ تحریک مدت دراز سے جاری ہے کہ یہودیوں کے لئے فلسطین میں وطن بنایا جائے۔ چنانچہ بیشمار یہودی وہاں پہنچنے لگے اور عربوں کی آبادی کا تہائی حصہ ہو گئے۔ فلسطین اتنا بڑا ہے جتنا انگلستان کا صوبہ ویلز۔ ۱۹۳۶ء میں پیل رپورٹ کی رو سے فلسطین کو دو ریاستوں میں تقسیم کیا جاتا تھا اور مقامات مقدس کو انگریزی حکمرانی میں رکھا گیا تھا۔ یہودی ریاست میں شمالی حصہ تھا جو کل کا تہائی حصہ تھا اور یافہ اور غزہ کے درمیان نصف ساحل جس میں سے حکمرانی کا حصہ خارج ہو جاتا تھا۔ حکمرانی میں یروشلم اور بیت اللحم اور یافہ تک جانے کا راستہ اور نظارت سے بحیرۂ گلیلی کا جنوبی حصہ شامل تھا۔ باقی ملک بردان میں شامل کر کے عرب ریاست بنائی جاتی تھی۔ دونوں ریاستیں کو برطانیہ سے ہوا خواہی اور جان نثاری کا معاہدہ کرنا ضروری تھا۔ اس اس تجویز پر دونوں عرب و یہود بہت برہم ہوئے اور برطانیہ کو اپنی یہ تجویز ترک کرنی پڑی۔ ۱۹۳۹ء میں دونوں قوموں کی متحدہ ریاست بنائی جانی قرار پائی وعدہ کیا گیا کہ دس سال میں خود مختاری دیدی جائے گی۔ اس جنگ میں یہودی ملک میں آنے شروع ہوگئے اور جو زمینیں عربوں کے ہاتھ سے نکل چلی جا رہی تھیں پھر سے یہودیوں کے قبضہ میں پہنچنے لگیں۔ یہودیوں نے مسلح کارروائیں شروع کر دیں اور خفیہ انجمنیں بنا کر قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سے عربوں میں سخت غصہ پھیل گیا۔ اب امریکہ نے سفارش کی کہ ایک لاکھ یہودی فوراً یا ہر سے فلسطین میں پہنچائے اور اس کے لئے جس کی طاقت و دولت حاضر ہے۔ اب برطانیہ نے اعلان کیا ہے کہ فلسطین کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک یہودی صوبہ۔ دوسرا عربی صوبہ۔ تیسرا یروشلم کا غیر جانبدار علاقہ۔ چوتھا صحرائے نجیب کا علاقہ۔ ملک میں بیرونی لوگوں کے نقل مکان کرنیوالوں کا داخلہ صوبوں کے ہاتھ میں ہوگا جس کے یہ معنے ہیں کہ یہودی اپنے صوبہ میں برابر یہودیوں کو آنے کا حق کرو۔ اس قدر لبریز ہو جائیں کہ اُن کے حامیوں کو پھر کوئی تجویز سوچنی پڑے۔

اب یہ حالت ہے کہ یورپ بھر کے یہودی اٹلی میں جمع ہو رہے ہیں اور وہاں سے جہازوں میں بلا بیٹھ کے فلسطین کی طرف کوچ کر دیتے ہیں کہا جاتا ہے کہ برطانیہ اب یہودیوں کا داخلہ وہاں نہیں چاہتی مگر اپنی زبردست بحری طاقت کے باوجود یہودی جہاز ان سے نہیں رکتے۔ وہ ساحل پر اترے چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے وہ کیمپوں میں روک لئے جاتے ہیں اور پھر کہاں جاتے ہیں۔ یقیناً ملک سے باہر نہیں نکالے جاتے۔ اب ایسے یہودیوں کے آنے اور ملک میں پہنچنے کی خبروں کی اشاعت شائع کرنا جرم قرار دیدیا گیا ہے۔ اس سے عربوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہودی کس قدر تعداد میں ملک میں آ رہے ہیں۔ یہودی جماعتیں کشت و خون کرتی پھرتی ہیں اور حامی بے بس ہیں۔ سارے عربی ممالک میں غصہ کی لہر پھیلی ہوئی ہے اور وہ اس سیاسی شطرنجی بساط کے سخت خلاف ہیں۔ فلسطین کے حالات خطرناک ہوتے جاتے ہیں۔ عرب روس کی پالیسی کے اظہار کے منتظر ہیں۔

پاکستان پر زور

مشن اور وزیر ہند کے وعدوں کے باوجود کہ انکار کرنے والے فریق کو موقع دیا جائیگا کہ وہ درمیانی حصہ کی حکومت قائم کرے۔ کانگریس انکار کر کے اس قابل نہ رہی کہ وہ ایسی حکومت بنائے صرف مسلم لیگ کو یہ حق تھا کہ اس سے درخواست کی جاتی کہ وہ ایسی حکومت قائم کرے مگر اسے نظر انداز کر دیا گیا اور ایک دقیانوسی قسم کی حکومت کی تشکیل دے کے ۳۰ سال پہلے کا نظام قائم کر دیا گیا۔ کانگریس والے مسلم لیگ کی اس غفلت سے بہت خوش ہوئے مگر مسلم لیگ کا رویہ برابر اور دیانتدارانہ رہا۔ اپنے اخلاص کی یہ قدر دانی دیکھ کے جولائی کے آخر میں مسلم لیگ نے بمبئی میں ٹھنڈے سوچ بچار کے بعد مشن کی تجاویز پر عمل کرنے کی رضامندی منسوخ کر دی اور مفصل ریزولیوشن میں یہ ثابت کیا گیا کہ وزارتی مشن نے مسلم لیگ سے بد عہدی کی اور کانگریس کو خوش کرنے کے لئے مسلم لیگ کو عارضی حکومت قائم کرنے کی دعوت نہیں دی۔ کانگریس نے مسلم لیگ کا یہ فیصلہ دیکھ کر قلا بازی کھائی اور اعلان کیا کہ اس نے مشن کی دونوں تجاویز من و عن مان لی ہیں اور ان کو انہی معنوں میں سمجھا جائے جو مشن کو مقصود ہیں۔ مسلم لیگ کو یہ شکایت ہے کہ کانگریس اب بھی اپنے پہلے ارادہ پر قائم ہے اس نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ وہ آئین ساز مجلس کو بالکل خود مختار سمجھتی ہے اس میں مشن کی تجاویز کے جو معنے قائم کرینگے اس کی کثرت

حسن جلد کا آغاز
صحت جلد سے ہوتا ہے
رکسونا
سے
صحت جلد کی حفاظت کیجئے

آزادی کی وجہ سے وہی رہیگی مسلم لیگ ٹک ٹک دیکھا کرے گی مجلس شروع میں
ہی صوبوں کی مسلم اور غیر مسلم مجموعوں کی تقسیم رد کر سکتی ہے وغیرہ مسٹر جناح نے
۱۶ اگست ۱۹۴۶ء عام ہڑتال کے لئے مقرر کی اور مسلم لیگ نے طے کیا کہ مسلمان
اپنے سرکاری خطابات واپس کر دیں چنانچہ اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ وائسرائے
نے کانگریس کو باقاعدہ دعوت دیدی کہ وہ ساری عارضی حکومت خود قائم کرے
پنڈت نہرو نے مسٹر جناح کو شرکت کی دعوت دی بمبئی میں جاکے اُن سے ملے
مگر مسٹر جناح نے مسلم لیگ کی بحالت موجودہ ماتحت اور دست نگر حالت
پسند نہیں کی کہ وائسرائے پہلے سے پنڈت جی کو عارضی حکومت بنانے کا
اختیار دے کے ان کے مشورہ پر عمل پیرا ہونے کا ارادہ کر چکے ہوں چنانچہ
پنڈت جی ناکام واپس آئے۔ ۱۵ اگست کو لندن میں مسلم لیگ کے ممبروں کا
جلوس دو گھنٹے تک نکلا۔ لوگ کھڑکیاں کھول کھول کے اور دوکاندار دوکانوں
ت دیکھ رہے تھے۔ انگریزوں کی وعدہ شکنی اور پاکستان کے نعرے لگائے
گئے۔ ۱۶ اگست کو سارے ہندوستان میں ہڑتال رہی۔ بنگال اور سندھ میں
اس روز سرکاری تعطیل رہی۔ کلکتہ اور پٹنہ کے سوا سب جگہ امن و امان رہا
کلکتہ میں چار ہزار کے قریب مارے گئے پندرہ ہزار زخمی ہوئے ابھی تعداد صحیح
قائم نہیں ہوئی ہے بہت سے مکانات جلا دیئے گئے۔ وائسرائے کے موجودہ
اقدام سے متعلق لندن کے اکنامسٹ نے کہا ہے کہ یہ اقدام بہت خطرناک
ہے۔ کانگریس پارٹی کی تاریخ میں اختیارات کے استعمال میں اسی فیاضی
اور فراخ حوصلگی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی چنانچہ اس سے اعلیٰ توقعات
فضول ہیں اگر مسلمان اپنا حق نہ ملنے کی صورت میں بغاوت کریں تو کیا
برطانوی فوج کے ذریعہ کانگریسی حکومت مسلمانی علاقوں پر چسپاں کی جائیگی۔

امور بعد جنگ

پیرس کانفرنس میں جرمنی کے اتحادی اٹلی رومانیہ بلغاریہ ہنگری فن لینڈ کے متعلق شرائط صلح تیار کی جا رہی
ہیں بعد میں جرمنی و جاپان کی نوبت آئیگی۔ اٹلی کی شرائط طے ہو چکی ہیں
جزائر دوڈیکانیز یونان کو دیدیئے گئے ہیں۔ افریقہ سے سب مقبوضات چھین
لئے گئے ہیں۔ سینٹ سن ٹیپن میں جو مراعات حاصل تھیں ضبط کر لی گئی
ہیں۔ اطالوی بیڑہ میں ۲ جنگی جہاز ۴ گشتی جہاز چند چھوٹے چھوٹے جہاز
۲۲۵۰۰ ملاح رکھے جانیکی اجازت ہوگی۔ ہوائی جہاز ۳۵۰ اور ان کے آدمی
۲۵ ہزار رکھے جا سکیں گے ۲½ کروڑ پونڈ روس کو سات سال میں تاوان
دیتا رہیگا اور دوسرے ملکوں کو علیحدہ تاوان [illegible] شرائط سے

بہت بری پھیلی ہوئی ہے کہ جرمنی کی شکست پر لات مار کے اتحادیوں کے حق میں
لڑنیکا یہی معاوضہ ہے؟ ادھر سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جب بُرا وقت آتا
دیکھا اپنے یار کو دغا دیدی ورنہ دل سے اتحادیوں کے ساتھ نہیں ہوا۔
پھر بھی اٹلی سے کیا کیا سلوک کیا گیا ہے۔ حبش اور البانیہ آزاد کر دیئے گئے
ہیں آسٹریا کا بہت سا علاقہ جو اسے پہلی جنگ عظیم کے بعد دیدیا گیا تھا اس کے
پاس رہنے دیا گیا ہے۔

ایران نے برطانیہ پر اعتراض کیا ہے کہ اُس نے بصرہ میں نئی فوجیں کیوں
بھیجی ہیں کیا ان کے ذریعہ ایرانی صوبہ خوزستان پر دباؤ ڈالا جانا مقصود ہے؟
جہاں انگریزی کمپنی کے تیل کے چشمے ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی روس نے ایران کے
شمال میں کوہ قاف میں فوجیں جمع کرنا شروع کر دی ہیں۔ روس نے ترکی کو بُرا بھلا
کہنا شروع کر دیا ہے کہ اسکے دل میں لڑائی کے زمانہ میں جرمنی سے ہمدردی رہی
برلن میں سرکاری کاغذات سے معلوم ہوا کہ ترکی روس کی تباہی چاہتا تھا۔ ترکی اسکی
تردید کر رہا ہے کہ اسکی غیر جانبداری سے روس کو فائدہ پہنچا ورنہ جنگ کا یہ نتیجہ نہ ہوتا
جو ہوا۔ اب روس نے مطالبہ کیا ہے کہ درہ دانیال تمام ملکوں کے تجارتی جہازوں کے
لئے کھلا رہے بحیرۂ اسود کے ملکوں کے جنگی جہاز ہمیشہ کیلئے اسمیں سے بلا روک ٹوک
گزرتے رہیں دوسرے ملکوں کے جنگی جہاز سوائے مقررہ خاص حالات کے اسمیں سے
نہ نکل سکیں۔ آبنائے دانیال کی حفاظت میں ترکی کے ساتھ روس بھی شامل ہو۔ ترک
جہاں اوروں کو آسانیاں بہم پہنچانے کیلئے طیار رہیں روس کو آبنائے کی حفاظت میں شریک
کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کیونکہ اس طرح ترکی کو روس کا ماتحت بننا پڑیگا۔ معاملہ
بہت پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے ادھر جرمنی میں مغربی انگریزی اور امریکی حلقہ سے جرمن نکل نکل کر
روسی علاقہ جا رہے ہیں کیونکہ وہاں زیادہ آزادی اور آرام بتایا جاتا ہے جاپان
پر فتح پانے کی سالگرہ پر روس نے شکایت کی کہ اس فتح کو امریکہ کی طاقت کا نتیجہ
بتایا جاتا ہے حالانکہ روس کا جاپان پر حملہ نئے گولے سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوا۔

تاروں کا جھرمٹ

سرکاری اعلان سے معلوم ہوا کہ ۸ ہزار [illegible] سے ۳۵۰۰ بغیر کسی مقدمہ چلائے کے مختلف جیلوں میں
بند ہیں ۱۶ ہزار حراستی بستیوں میں روکے ہوئے ہیں ۱۳ ہزار کی پولیس نگرانی کرتی ہے
۱۲۰ کو پھانسی دیئے جا چکے ہیں اور سینکڑوں مختلف موقعوں پر مارے جا چکے ہیں صرف
۷ ہزار ادھر ادھر چھپے پھرتے ہیں۔ عربوں کا خیال ہے کہ یہ گروہ زندہ ہے اور اس
کے کھڑانے کے لئے ادھر ادھر موقعے کرتے پھرتے ہیں۔ حملہ کا خدشہ ہمیشہ کیلئے
مٹا دیئے جانیکا تہیہ کر لیا گیا۔

Established 1908 October 1946 Regd No. L 1872

THE ISMAT DELHI

رسالہ عصمت دہلی

انتالیسواں (۳۹) سال	اکتوبر ۱۹۴۶ء	جلد ۷۷ نمبر ۴

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ (ہے) بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ (صہ)
ممالک غیر سے دس شلنگ امرا سے دس روپیہ (للعہ)
رؤسا سے پچیس روپیہ والیان ریاست سے سو روپیہ (ما)

باہتمام رازق الخیری ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر ۔۔۔ کوچہ چیلاں دہلی سے شائع ہوا

نافرمان بیٹیاں

(از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ)

دیکھتے ہی دیکھتے کچھ ایسی ہوا پلٹی اور زمانہ بدلا کہ بیٹے تو بیٹے بیٹیاں وہ نہ رہیں۔ سو پچاس برس نہیں ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ جوان بیاہی تیاہی بچوں والی بیٹی کی بے خطا، بے قصور ماں نے سینکڑوں فضیحتیاں کر ڈالیں اور جواب تو در کنار اتنی مجال نہ ہوئی کہ اُف تو کر لیتی، ایک پچاس برس کے اُلٹ پھیر میں وہ باتیں کہانیاں، وہ صورتیں خواب و خیال ہو گئیں اور آج یاد کرنے کو اُن کے افسانے اور آنسو بہانے کو اُن کے گُن باقی رہ گئے۔ وہ بھی ایک وقت تھا کہ برابر کی بیٹیاں آنکھ ملا کر بات کرنا گناہ سمجھتی تھیں۔ اور یہ بھی ایک وقت ہے کہ ٹا نگ برابر کی لڑکیوں سے ایک کہہ کر سو سُن لو۔

تہذیب قاعدے ادب آداب کچھ بھی نہ رہے۔ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھو آزادی ہے کہ در و دیوار تک سے ٹپکی پڑ رہی ہے۔ بیٹے میں تو بیٹیاں ہیں تو، غرض جو ہے فرعون بنا ہوا ہے بیٹوں میں تو یہ نقص اچھی یا بُری۔ غرض کسی نہ کسی طرح کھپ گیا۔ اس لئے کہ ایک دفعہ وہ فرنٹ ہوئے، دوسری دفعہ جھک گئے۔ مگر بیٹیوں میں یہ نقص وہ عیب ہے جو اُن کی زندگی برباد کردے گا۔ ان کے ہاتھ سے اگر ماں باپ کے دل کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ تو پھر جوڑ لگنا مشکل ہی ہے۔ اس لئے کہ وہ ماں باپ کے در پر زندگی بسر کرنے نہیں آئیں، وہ اکی دہلیز پر سدا رہنے والیاں نہیں ہیں۔ ان کا قیام عارضی اور صحبت چند روزہ ہے۔ جدائی کی گھڑی سر پر ہے۔ رات کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ اور وہ وقت اب آیا کہ میکے کو عمر بھر کے واسطے خیر باد کہہ کر نئی بستی بسائیں۔ اور دم کے دم میں وہاں پہنچ جائیں۔ جہاں ماں نہ باپ کا جایا۔ اس وقت اس نافرمانی کا مزہ پایا جائے گا۔ اور معلوم ہوگا کہ جن ماں مامتا کی ماری ماؤں کی قدر نہیں کی۔ جن کو بے ادبی سے جواب دیئے۔ بے دردی سے گھُر کا اور سنگدلی سے جھڑکا وہ جیتے جی ہمیشہ کو چھوٹ چکی ہیں۔ اور اب اتنا وقت بھی نہیں ہے۔ کہ منت اور خوشامد سے پچھلے قصوراُن کے دل سے دھل جائیں۔

یقیناً وہ لڑکی جس نے آج کوارپتے میں ماں باپ کی قدر نہ کی، سسرال میں بھی خوش نہ رہے گی۔ کچھ اس لئے نہیں کہ ماں باپ کی دعا عرش کا کنگورہ ہلا دے گی۔ نہ اس لئے کہ اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے۔ بلکہ اس لئے کہ جس احسان فراموش ناگنی، بے ادب، بے تمیز نے باپ جیسے عاشق زار اور ماں جیسی خدمت گزار کی قدر نہ کی، وہ شوہر جیسے غم خوار کی کیا خاک قدر کرے گی۔ اور شوہر ایسی بیوی سے جس کا دل ماں باپ کی طرف سے پتھر ہوا اپنے واسطے کیا کچھ توقع کر سکتا ہے۔

تعلق، محبت، مامتا پر خاک ڈالو اور ماں باپ کو صرف اس نظر سے ہی دیکھو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا، تو بتاؤ کوئی ایسی شریف لڑکی جس کی صرف احسانات سے دبی ہوئی آنکھ اُن کے سامنے اُونچی بھی ہو سکے؟

لاج والی آنکھیں اس سوال پر زمین میں گڑ جائیں گی۔ مگر وہ آنکھیں، جن کی شرم و حیا کا پانی مر چکا اور جن میں غیرت کا نشان تک نہ رہا بڑھ چڑھ کر بولیں گی لیکن کواری یا بیاہی ہو یا بال بچے دار اور فقیرنی ہو یا بیگم وہ لڑکی جو ماں باپ کے آگے زبان چلا رہی ہے، تو اس خیال کو چھوڑ کر کہ آسمان و زمین اُس پر لعنت برسا رہے ہیں۔ کانوں سے سننے والے اور آنکھوں سے دیکھنے والے لوگوں کا دل اس کی بابت یہ فیصلہ کر رہا ہے اے وہ کم بخت، تو جس نے آج محسنوں سے یوں دغا کی، دُنیا تجھ سے اچھی توقع نہیں رکھ سکتی۔ عصمت ستمبر ۱۹۱۱

پُشتارہ

جنگ بدر میں آنحضرت صلعم کی شاندار فتح نے قریش مکہ کے وقار کو خاک میں ملا دیا تھا۔ یہ شکست ایسی نہ تھی کہ قریش اسے آسانی سے بھول جاتے، اس جنگ میں چونکہ بڑے بڑے سرداران قریش قتل ہوئے تھے۔ اس لئے ان میں جذبۂ انتقام کی ایک آگ بھڑک رہی تھی اور ابوسفیان نے "شام" سے واپس آکر اس کے شعلہ اور بھڑکا دیئے تھے۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ مکہ کے دارالندوہ میں شرفاء وسرداران قریش کی ایک مجلس مشاورت قائم کی جس میں اسود بن عبد المطلب، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابوجہل، حارث بن ہشام، عمرابن العاص، وغیرہ وغیرہ کو مشورہ کے لئے بلایا۔ بعد مشاورت قرار پایا کہ "بدر کی شکست کا انتقام مدینہ پر حملہ کر کے لیا جائے۔ جنگ کی تیاری فوراً شروع ہو۔ اور شام کی تجارت سے جس قدر منافع ہوا ہے۔ وہ تمام رقم جنگی تیاریوں پر خرچ کی جائے"۔ اس فیصلہ کے بعد اطراف کے مختلف قبائل کی طرف کی طرف وفود روانہ کرکے اُن کو شرکتِ جنگ کی دعوت دی گئی۔ ہبیرہ بن وہب، ابن الزبعری ابوعزۃ الجمحی، عمرو بن العاص بطور سفیر مختلف قبائل کی طرف گئے اور ایک کافی لشکر جمع کر لائے۔!

شورہ سے یہ بھی قرار پایا کہ خواتین مکہ کو بھی جنگ میں شامل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ جنگی خدمات ادا کریں۔ اور مردوں کو جوش دلائیں تین ہزار کا لشکر تیار ہوا جس میں سات سو زرہ پوش، دو سو سوار اور باقی اسلحہ سے مسلح تھے، یہ لشکر مدینہ کے قریب جاکر مقیم ہو گیا اور اپنے اونٹ اہلِ مدینہ کے کھیتوں میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے، جنہوں نے شاداب کھیت اجاڑ دیئے۔!

حضرت صلعم کو جب اس لشکر کی آمد کا علم ہوا تو آپ نے حباب رضؓ المنذر کو دیکھ بھال کے لئے روانہ کیا۔ حباب رضؓ نے حضور صلعم کی خدمت میں آکر بیان کیا "لشکر قریش کم وبیش تین ہزار اور اسلحہ سے پوری طرح آراستہ ہے"۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:
"حسبنا اللہ ونعم الوکیل"

دوسرے روز انصار و مہاجر حضور صلعم کے پاس حاضر ہوئے اور جنگ کی نوعیت پر غور و خوض کیا جائے گا۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق نے کہا کہ "ہمیں قریش کا مقابلہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی کرنا چاہئے"۔ صحابۂ کبار اور مہاجرین و انصار کی اکثریت اور خود آنحضرت صلعم کی رائے بھی یہی تھی کہ مقابلہ مدینے کے اندر رہ کر ہی ٹھیک طرح ہو سکے گا۔ مگر وہ نوجوانانِ مدینہ جو جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ اصرار کرتے تھے کہ "میدان میں نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے"۔ حضرت حمزہ رضؓ سعد بن عبادہ رضؓ نعمان بن مالک رضؓ اور بعض دوسرے شجاعانِ اسلام نے کہا کہ "اگر ہم نے میدان میں کفار کا مقابلہ نہ کیا۔ تو قریش کو آئندہ مزید حملوں کی جرأت ہو جائے گی۔ اور وہ ہمیں حقیر سمجھنے لگیں گے"۔ مالک بن سنان رضؓ نے کہا "یارسول اللہ! اگر ہم نے میدان میں کفار کا مقابلہ کیا۔ تو دو نعمتوں میں سے ایک تو ہم کو ضرور حاصل ہو گی۔ فتح یا شہادت"۔ پھر ابوسعید رضؓ نے عرض کیا۔ "آقائے دوجہاںؐ! قریش سال بھر کی تیاری کے بعد ہم سے مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ اور انہوں نے ہم کو محصور کرنے کا ارادہ کیا ہے اگر وہ یہاں سے ہماری زراعت و باغات کو تاراج کر کے چلے گئے تو اُن قبائل کو جو ہمارے اِرد گرد ہیں، مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت ہو جائے گی۔ یہ قبائل ہمیں بزدل خیال کریں گے۔ اور ہر طرف سے ہم پر حملوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم قریش کے خطرہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیں"۔ حضور سرورِ کائنات نے ان تقریروں کو سکون کے ساتھ ساتھ سُنا۔ اور نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر فرمایا کہ "جہاد فی سبیل کی منظوری دیجاتی ہے۔ مجاہدین تیار ہو جائیں"۔

مجاہدین! تیاری کا فرمان سُن کر مجاہدین جمع ہونے شروع ہوئے بہت سے کمسن اور ناپختہ بھی جوشِ شجاعت میں اپنی تلواریں لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلعم نے انہیں جنگ میں شرکت سے منع کیا۔ مگر وہ بہم نواز ہو کر بولے کہ "ہم کو قتل ہونے ہی چاہئیں ہم مریں یا میدانِ جنگ میں" آخر انہیں اجازت دینی پڑی۔

عمر ابن الجموح اپاہج بھی تھے اور ضعیف سن رسیدہ بھی۔ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ "میرے چاروں بیٹے، بیوی، اور سالا آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے بھی شرکت کی اجازت دیجئے" حضرتؐ نے ان کی عمر کا عذر پیش کیا لیکن عمر ابن الجموح شوقِ شہادت میں کچھ ایسے بیتاب تھے کہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے ناچار انہیں بھی ساتھ لے لیا گیا۔ کُل سات سو بچے، بوڑھے، اپاہج اور جوان اسلام کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ جن کا مقابلہ قریش کے تین ہزار مسلح جوانوں سے تھا!

عبداللہ بن ابی منافق بھی اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ اسلامی لشکر میں تھا۔ کچھ دور چل کر اس نے کہا کہ "مقابلہ چونکہ میدان میں ہوگا۔ جو ہماری رائے کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم کو شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے" اور واپس چلا گیا۔ اسلامی لشکر کی یہ کیفیت تھی کہ ساری فوج میں دو سوار تھے۔ ایک سو زرہ پوش، اور باقی چھ سو کے پاس تلواریں بھی نہ تھیں۔ بے سرو سامانی کا سامنا تھا اور خدا کی مدد پر بھروسہ، مگر شہادت، اور حفاظتِ اسلام کا جذبہ تھا کہ بچے، اور بوڑھے تک نشۂ شجاعت سے سرشار تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "بہادرو! اللہ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھو، جس قدر صبر و استقامت سے کام لوگے، فتح و نصرت تمہارا ساتھ دے گی!" غرض آپ اُحد کی طرف بڑھے اور اُحد کے قریب پہنچ کر رات گزاری، صبح کو فوج کو ترتیب دیا۔ اس طرح کہ اُحد کو پشت کی طرف رکھا! اور مدینہ کو سامنے، تیر انداز کو پشتِ کوہ کی ایک بلندی پر کھڑا کر کے حکم دیا کہ "ہرگز اپنی جگہ نہ چھوڑیں، خواہ موقع کیسا ہی ہو" پھر ایک روح پرور تقریر فرمائی جس نے مجاہدین کے دلوں کو گرما دیا۔ اور وہ حصولِ شہادت کے لئے بے چین نظر آنے لگے۔

لشکرِ کفار میں قریشی عورتیں گیت گا گا کر اور دف بجا بجا کر مردوں کو جوش دلا رہی تھیں۔ پہلے چند غلام اور نامی پہلوان مقابلے پر آئے۔ اور شکست کھا کر یا تو بھاگ گئے یا مارے گئے۔ پھر عام [illegible]

اور تائید غیبی ساتھ تھی۔ اس لئے مشرکین شکست کھا کر بھاگ نکلے اور لشکرِ اسلام نے اُن کا پیچھا کیا!

لشکرِ اسلام کے تیر اندازوں نے جو کفار کو پیچھے ہٹتے دیکھا تو باوجود اپنے سردار عبداللہ بن جبیرؓ کی ممانعت کے لوٹ میں شامل ہو گئے۔ اور عبداللہ کے پاس صرف آٹھ دس تیر انداز رہ گئے۔ یہ ایک ذاتی غلطی تھی، جس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا، کیونکہ خالد بن ولید کی دور بین نگاہ نے جب تیر اندازوں کے مورچہ کو خالی پایا تو اسلامی لشکر پر عقب سے حملہ کر دیا۔ (خالدؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ کفار کے رسالہ کے کمانڈر تھے۔)

لشکرِ قریش نے جب خالد کو عقب سے حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی لوٹ آیا، اب مسلمان ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ اور قریب تھا کہ قریش کا جرار لشکر انہیں بالکل نیست و نابود کر دے۔ مگر اسلامی فوج کا سالار وہ صاحب کمال انسان تھا۔ جسے قدرت نے زندگی کے ہر شعبے میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اس نے اپنی فوج کی نازک حالت کا اندازہ کیا۔ اور اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بھی قوم کو بچانے کے لئے کہا: "الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ" (اے خدا کے بندو! میری طرف آؤ میں خدا کا رسول ہوں) اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ مسلمان جیسے ہوش میں آگئے۔ اور چاروں طرف سے سمٹ سمٹا کر شمعِ رسالت کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقفہ میں چودہ جانباز جن میں سات مہاجر تھے اور سات انصار پروانہ وار اپنے آقا پر اپنی جانیں قربان کر چکے تھے۔ حالت یہ تھی کہ مصعب بن عمیرؓ نے جو حضور صلعم کے ہم شبیہ تھے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اور لشکر میں غل مچ گیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر مسلمانوں پر سکتہ کی سی حالت طاری ہو گئی۔ نہ ہاتھوں میں لڑنے کی قوت رہی اور نہ جوشِ شجاعت۔ انس بن النضرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا کہ "مسلمانو! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ تاہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ لطفِ حیات تو بس آپ کے ساتھ ہی تھا" یہ کہا اور کفار کے لشکر میں جا گھسے۔ اور ایک صحابی یہ کہنے لگے، کہ جس بات کے لئے آنحضرت صلعم جنگ کرتے تھے یعنی حفاظتِ اسلام جس کا

اب بھی ضرورت ہے، تم اس کے لئے لڑتے رہو"۔ غرضکہ مسلمان اسی طرح ایک دوسرے کی ہمت بڑھاتے اور لڑتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت صلعم زندہ سلامت ہیں اور وہ آپ کے قریب جمع ہوگئے۔ لشکر کی روح رواں کو زخمی دیکھ کر مسلمانوں کا جوش حد سے تجاوز کر گیا۔ اور پھر وہ مشرکین قریش سے ایسی جگری سے لڑے، کہ لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ دشمن اُن کی زد میں آگیا۔ اور خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔

دشمن نے مسلمان شہداء کا مُثلہ کیا یعنی ان کے ناک اور کان وغیرہ کاٹے گئے۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے امیر حمزہ رضی کا جگر نکال کر چبا ڈالا۔ ابوسفیان نے بلند آواز سے پکار کر کہا کہ "محمدؐ، ابوبکر رضی وعمر رضی زندہ ہیں، یا سب مارے گئے۔ حضورؐ نے اصحاب کو منع فرمایا کہ کوئی جواب نہ دے، پھر ابوسفیان نے کہا کہ "یہ سب قتل ہو چکے ہیں" یہ سُن کر عمر رضی سے نہ رہا گیا، اور وہ بولے کہ "اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں اور تیرے حملوں کا جواب دینے کو تیار ہیں"۔

پھر ابوسفیان نے اپنے بُت ہُبل کا نام احترام سے لیا۔ لشکر سے اللہ اعلیٰ واجل کے دلفریب نعرے بلند ہوئے۔ ابوسفیان نے اپنے دوسرے بُت عُزّیٰ کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: "اللہ مولانا ولا مولا لکم (اللہ ہمارا حافظ و مددگار ہے اور تمہارا محافظ کوئی نہیں) یہ سُن کر ابوسفیان میدانِ جنگ سے واپس چلا گیا۔ مسلمانوں میں سے جو لوگ حملہ کی شدت کے وقت بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر خبر دی کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے۔ مگر جب انہوں نے اپنے گھروں میں داخل ہونا چاہا تو ان کی بیویوں نے ان پر طعن کئے اور بہت سی خواتین حضورؐ کی خیر خیریت معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوگئیں۔ ایک انصاریہ کو جب اپنے تمام عزیز و اقارب کی شہادت کا علم ہوا تو وہ انا للہ کہہ کر خاموش ہوگئیں لیکن جب حضورؐ کے بعافیت تمام ہونے کا علم ہوا تو بہت مسرور ہوئیں اور ان کا تمام رنج و غم مسرت میں تبدیل ہوگیا۔

ہندہ بنت عمرو رضی جنگ اُحد میں مسلمانوں کو پانی پلانے پر مامور تھیں اور وقت ضرورت زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کرتی تھیں۔ لشکر قریش کے واپس جانے پر یہ بہادر خاتون زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھیں کہ انہیں اپنے خاوند عمرو ابن الجموح کی لاش کے چار ٹکڑے ملے ابھی یہ ان ٹکڑوں کو اٹھا ہی رہی تھیں کہ ان کی نظر اپنے بھائی عبداللہ بن عمر کی لاش پر پڑی ہندہ نے ان ٹکڑوں کو بھی خاوند کی لاش کے ٹکڑوں کے پاس رکھ دیا پھر انہیں اپنے نوجوان بیٹے خلاد بن عمرو رضی کی نعش ملی۔ انہیں بھی خاوند اور بھائی کے قریب لے آئیں اور تینوں لاشوں کو ایک چادر میں باندھ کر گٹھری سی بنالی پھر اپنے اونٹ پر لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ان کا اونٹ ٹھیر گیا اور باوجود ہزار کوشش کے بھی وہ اسے آگے نہ بڑھا سکیں۔ اتفاقاً حضرت عائشہ رضی صدیقہ کا اس طرف گذر ہوا آپ بھی اس وقت لشکر اسلام کے ہمراہ تھیں اور مجروحین کی خدمت میں مصروف! ہندہ بن عمر کی پریشانی، اور اونٹ کی سرکشی دیکھ کر آپ ٹھیر گئیں پشتارے میں سے لاشوں کے سر کھلے نظر آرہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی نے دریافت فرمایا کہ تم انہیں کہاں لے جانا چاہتی ہو؟ ہندہ نے کہا کہ "تدفین و تکفین کے لئے مدینہ منورہ"۔ اور پھر اونٹ کو اٹھانے لگیں، اونٹ اٹھ کر کھڑا تو ہوگیا۔ اور بظاہر چلنے کو تیار تھا لیکن جب اس کی مہار کھینچ کر ہندہ نے مدینہ کا رخ کیا تو پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ اب حضرت عائشہ رضی معاملہ کی تہہ کو پہنچ چکی تھیں آپ نے ہندہ بن عمر رضی کو اونٹ کا رُخ اُحد کی طرف کرنے کے لئے فرمایا تو اونٹ خاموشی سے اس طرف روانہ ہوگیا۔ ہندہ بھی مجبور ہو کر عائشہ صدیقہ رضی کے ہمراہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹ گئیں اور آنحضرت صلعم سے اونٹ کی سرکشی کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ "جب عمرو بن الجموح رضی گھر سے بارادہ شہادت نکلے تھے تو انہوں نے کوئی وصیت کی تھی" ہندہ نے جواب دیا کہ "یا رسول اللہؐ روانگی کے وقت یہ کلمات عمرو رضی کی زبان سے ادا ہوئے تھے "اللھم لا تردنا الی اہلی خزیا وارزقنی شہادۃ (میرے معبود! مجھے اپنے اہل کی طرف خوار و شرمسار نہ پھیرنا بلکہ مجھے درجہ شہادت عطا فرمانا۔) آنحضرتؐ نے عمرو بن الجموح رضی اور عبداللہ بن عمرو رضی دونوں سالہ بہنوئی کو ایک قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کیا گیا کہ لاشوں کے ٹکڑے مخلوط ہوگئے تھے اور بعضوں کا قیاس ہے کہ چونکہ دونوں میں نہایت الفت تھی، اس لئے اکٹھا دفن کیا گیا۔

بعد تدفین شوہر و فرزند و برادر، ہندہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا وفائے حضرت مانگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر

نسوانی جوہر

عورت فرشتہ قرار دی جاتی اگر اس میں بعض خامیاں نہ ہوتیں یوں تو انسان مجسم خطا و نسیان ہے اور ابو البشر کی فطری خامی یا کمزوری نے ہی انسان کو جنت سے نکلوا کر دار المحن زمین پر لا پھینکا ہے۔ مگر اس ابتدائی لغزش کے بعد بھی وسیع الخیال انسان عورت کو ملزم قرار دے کر اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔

سچ پوچھئے تو یہ غلطی خود مرد کی تھی کہ اس نے صنف نازک کی غیر معقول بات کو بلا سوچے سمجھے مان لیا۔ یا فرض کیجئے کہ شیطان کے بہکانے پہ آپ بالواسطہ شکار ہوئے۔ پر الزام دھرا بیچاری عورت کے سر۔ ان تمام خامیوں، لغزشوں اور کمزوریوں کے باوجود عورت دنیا پر حکمران ہے کہنے کو وہ لونڈی ہے۔ مگر اسی کی من مانی انجام دی جاتی ہے۔ وہ مرد کی محکوم کہلاتی ہے۔ مگر اس پر اسی کی حکومت چلتی ہے۔ کبھی ماں کے مقدس روپ میں، کبھی بیوی کی دلربا حیثیت میں کبھی بیٹی کی محبت پرور ہستی میں۔ وہی دنیا پر، زندگیوں پر، اور دولتوں پر قابض ہے۔ اور اس کمزور ہستی کے پاس جبر و استبداد کی ستم رانیاں نہیں۔ اس محکوم جنس کے ہاتھ میں ایسے آلات حرب نہیں۔ اور نہ اس ناقص العقل صنف کو حکمت پر عبور حاصل ہے لیکن باوجود ان نقائص اور کمی کے وہ اپنا نسوانی جوہر تصرف میں لا کر دلوں کی تسخیر، دولت پر قبضہ اور زندگیوں کا ٹھیکہ لے کر ایک با اختیار چھوٹی سی حکومت قائم کر لیتی ہے

بچپن میں وہ ماں باپ کی آنکھوں کی تارا بنی رہتی ہے۔ بعض گھرانے انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور بعض گھرانوں میں ان کی انتہائی بے وقری ہوا کرتی ہے۔ قدر دانی کی حالت میں یہ اپنی مزید قدر افزائی کے لئے زیادہ سے زیادہ دلجوئی، ماں باپ کی اطاعت بھائی بہنوں کا خیال کرنے لگتی ہیں اور بیاہ ہو جانے کے بعد بھی ان کا سب سے اول و آخر اور واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ پہلے اپنے خاوند کو اور اس کے بعد اس کے کل خاندان کے دلوں پر اپنی اطاعت، خدمت اور دلجوئی سے اپنا سکہ جمائیں اور اس گھر پر اپنی ذاتی شہرت اس قدر قائم کریں کہ ہر شخص ان کا گرویدہ ہو جائے۔

اسی طرح ان خاندانوں میں جہاں لڑکیوں کی بے وقری ہوتی ہے۔ وہاں بیچاری بدنصیب لڑکیاں قصائی کی گائے کی طرح لرزاں نظر آتی ہیں۔ اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی خوبیوں اور خدمتوں کے لحاظ سے ان کی نظروں میں اس قدر خار بن کر نہ کھٹکیں اور خاندان کے افراد انہیں اپنی خدمت اور اپنی دلبستگی کے لئے ہی سہی انہیں اپنی دنیا سے نکال باہر کرنے کی تجویز نہ کریں۔ چنانچہ یہی سعی ان کی اس قدر محبوب ہو جاتی ہے کہ باپ بھائی اور شوہر خواہ مخواہ بھی انہیں مانتے احسان کے ساتھ رعایت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اب اگر ہم ان کی چاپلوسیوں کو نہ سمجھ کر یہ خیال کرنے لگ جائیں کہ اب مردوں نے مساوات کے سنہرے اصول کو سمجھ کر ہمیں دائمی حقوق بخش دیئے ہیں۔ اور اپنی نسوانی جوہر یعنی خدمت، دلجوئی اور خوش خلقی کو چھوڑ کر مردوں جیسی بے پروائی، دلشکنی اور ناعاقبت اندیشی پر اتر آئیں تو یہ قدیمی نعمت و دولت ہمارے ہاتھ سے یقینی چھین لی جا سکتی ہے۔

آپ کہیں گی کہ ہندوستان میں جس قدر عورتوں کی بے قدری ہوتی ہے۔ اور جیسی پابندیوں کی زندگی ان کو گزارنی پڑتی ہے اس کا نمونہ دنیا کے کسی گوشے میں نظر نہیں آئے گا۔ متمدن دنیا آزادی اور مساوات چاہتی ہے اور اسی آزادی اور برابری کے حصول میں کسی کی جان جائے، کسی کی دلشکنی ہو یا کسی کا بنا بنایا گھر اجڑ جائے پروا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ان کا مطمع نظر آزادی ہے، خواہ وہ کسی طریقے سے حاصل کی جائے۔

آزادی اور مساوات کا لازمی عمل افراد کا اپنے بل بوتے پر میدان میں برسر کار نظر آتا ہے۔ یہ نہیں کہ عورتیں گھر والوں پر اعتماد

آرام سے بیکاری کی زندگی گزاریں اور مردوں کو اس پُر آشوب عہد میں تنہا محنت اور مزدوری کے لئے چھوڑیں اور وہ ایک جان پورے خاندان کے افراد کا پیٹ پالینے، تن پروری کرنے، تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے اور موجودہ تمدّن کے مصارف پورے کرنے میں مصروف رہیں۔ اور خاندان کی عورتیں مساوات کے طریقہ پر اس طرح آزاد نظر آئیں کہ وہ مردوں کے ساتھ تفریح میں شریک ہوں۔ جدید فیشن کے مطابق اُن کے لباس اور تراش خراش ہوں۔ اور جدید تہذیب مثلاً گانے بجانے اور ناچنے میں اُنہیں مہارت پیدا ہو جائے۔ یہ کوئی آزادی اور مساوات نہیں ہے۔ اس غلط آزادی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم نسوانی جوہر کھو دیتے ہیں۔ ہمیں پہلے اپنی ضروریات فیشن کو پورا کرنا زیادہ ضروری نظر آتا ہے۔ خواہ ہمارے عزیز قریب فاقے مرتے ہوں۔ خواہ ہمارے رشتہ داروں کے بچے جاہل اور درماندہ ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ ہماری نانیاں اور دادیاں مختلف فنڈوں اور چندوں میں موٹی موٹی رقمیں پیش کر کے اپنی شہرت اخباروں میں نہیں دیکھتی تھیں بلکہ اس سے بہت زیادہ روپیہ وہ حاجت مندوں کو دے ڈالتی تھیں۔ کسی یتیم لڑکی کی شادی کرادی۔ کہیں بیواؤں اور یتیموں کو عید بقر عید کے موقعوں پر کپڑے بنوا دیئے کسی نادار بیمار کی دوا اپنی جیب سے منگوادی۔ کہیں کسی یتیم بچے کے لئے اپنے حلقۂ اثر سے کہہ سن کر اس کی تعلیم کا انتظام کرادیا۔ یا اُسے یتیم خانہ میں بھجوادیا۔ جہاں وہ کچھ عرصہ بعد ایک تربیت یافتہ اور کمانے کے لائق انسان بن گیا۔ یہی وہ جوہر انسانی تھا جس پر قدیم بیویوں کو ناز تھا لیکن آج ان کی دُنیا میں سوائے اپنی آرائش و زیبائش، نفیس لباس، پوڈر، روژ اور لپ اسٹک اور اس کے بعد سینما بینی سے کسی عورت کو فرصت ملتی ہے کہ وہ اور طرف دھیان کرے۔ کسی کو اگر سوشل خدمات کا بہت شوق ہوا تو کسی خاص تحریک میں اپنی شہرت پیدا کرنے کو چندہ جمع کرنے فرسٹ ایڈ پہنچانے۔ یا دو چار دس پانچ ہم خیال عورتیں جمع ہو کر کسی قسم کا کنسرٹ وغیرہ کر کے اپنی قوم کی سطحی خدمت کر دیتی ہیں۔ اور اسی خدمت کو ان کی ہم خیال من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کے مصداق بڑھا چڑھا کر اخباروں میں شائع کر دیتی ہیں۔ جس کو دیکھ کر وہ پھولی نہیں سماتیں۔ اور سمجھ لیتی ہیں کہ ہم نے بنی نوعِ انسان کی خدمت کا سچا خود وار کر دیا۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ نادار ہمسایوں کے بچوں کی عید کرانے میں عورتیں اپنے آرام اور آسائش کی چیزوں میں کمی کر دیتیں۔ اور مصارف کو کاٹ چھانٹ کر ایک رقم بچا کر دیتیں جس سے حق ہمسایہ ادا ہو جاتا۔ آج ہمیں اپنے عید کے پروگرام میں ایک روپیہ کی کسر بھی گوارا نہیں ہوگی۔ اور ہم عورتیں عید منانے کے لئے چندوں اور پکنک پروگرام کے واسطے فی کس کئی کئی روپیہ دے دیں گی۔ مگر اپنی غریب ہم قوم۔ ہم جنس اور بعض اوقات اپنے عزیزوں پر بھی کچھ رقم صرف کرنے میں تامل ہوگا۔ وائے برحالِ ما۔

جمیلہ بیگم کلکتہ

(بقیہ صفحہ ۲۲۸) ہاں تو اُس شب یہ لکھا تھا ؎

ہم تو تربت پہ تری آہ و بکا کرتے ہیں	سونے والے نہیں فریاد و بُکا کرتے ہیں
تم کو ہوئی تھا بہت اپنی وفاداری کا	چاہنے والے بھی یوں چھوڑ دیا کرتے ہیں

پھول تُربت پہ چڑھاتے ہیں دعا کرتے ہیں
آخری فرض محبت کا ادا کرتے ہیں

یہ تو ہے پُرانا دُکھڑا اب سُنو تازہ جذبات غم جو تمہارے خیال سے متاثر ہو کر لکھے ہیں آج کا دن عید ہے نا؟ اور یہ خط اسی روز ملے گا ؎

عید آتی ہے مگر تم کو تو محرّم ہو گا	آہ اس عید پہ کس کا تمہیں ماتم ہو گا
اُس کو تُربت میں بھی آرام نہ ہو گا اُس روز	آہ بیوہ کا تو کچھ اور ہی عالم ہو گا

عیش و عشرت میں سدا جس نے منائیں عیدیں
ہائے اس عید پہ اُس کے لئے یہ غم ہو گا

پیاری مصیبت کی ماری ناامید ہوا اب نہیں یہ سمجھنا ہے کہ آخر کب تک صبر صبر۔ اس کے بعد ہمارے لئے بھی قبر ہے۔ تمہاری غم نصیب

نذر سجاد حیدر

ایک بیوہ کا خط اپنی بیوہ سہیلی کے نام

پیاری ناہید! آج تم بھی ایسی ہی بدنصیب غمزدہ ہو جیسی ایک عرصہ سے تمہاری تنویر ہے۔ رمضان ختم ہو گیا۔ کہتے ہیں پرسوں عید ہے۔ مجھ پر تو کئی عیدیں گزر چکی ہیں۔ جن پر دل و جگر کا خون ہوا ہے۔ یادِ ماضی میں کئی کئی دن رو رو کر گزارے ہیں۔ مگر اس سال تمہارا زیادہ خیال ہے۔ بیوگی کا پہلا سال، پہلی عید ہوگی ہائے کیسے برداشت کرو گی؟ تم نے ہمیشہ خوشیاں ہی خوشیاں دیکھیں تمام گذشتہ عیدیں مسرت و شادمانی سے منائیں۔ مگر آج یہ پہلی عید آرہی ہے کہ تم سوگوار ہو۔ سوگوار تو عمر بھر رہو گی۔ اس وقت نئی بیوہ ہو۔ ابھی ابھی ہاتھوں کی چوڑیاں ٹوٹی ہیں۔ سفید یا سیاہ لباس کے علاوہ اور کسی رنگ کے کپڑے نہیں پہن سکتیں خدا جانے آجکل کیسی ساڑی لپیٹی ہو گی؟ یہ خیال کرکے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ یہی عید تم نے کس قدر خوشی اور کیسی شان سے منائی تھی۔ مگر آج بیوہ ہو گئیں۔ پرسوں کا دن ہشاش بشاش لوگوں میں کس دل سے بسر کرو گی؟ میں نے تو پہلی عید جنگل میں گزاری تھی۔ دیوانہ وار گھر سے صبح ہی نکل گئی تھی۔ مگر آج تم تو ایسا بھی نہیں کر سکتیں۔ رسم و رواج کی پابندی میں گرفتار ہو۔ ۴ ماہ تک اپنے مدفنِ ارمان تک بھی نہیں جا سکتی ہو اللہ تمہارا مددگار رہے۔ وہی صبر و طاقتِ برداشت عطا کرے گا اس وقت رات کے ۱ بجے ہیں۔ سب سو رہے ہیں میں جاگ رہی ہوں۔ نیند ویسے ہی بہت کم آتی ہے۔ ادہر تین دن سے آمدِ عید کے خیال سے دل زیادہ پریشان ہے۔ اس پر تمہاری تازہ مصیبت کا خیال بے چین کئے ہوئے ہے۔ لیٹتے ہی چند بے ربط سے شعر پنسل سے لکھ لئے اس کے بعد خیال آیا کہ ایک خط نئی قسم کی مبارکباد کا لکھ دوں۔ ہمیشہ خوبصورت چھپے ہوئے سنہری کارڈ بھیجا کرتی تھی کئی سال سے جن کا لکھنا بھیجنا بند کر دیا ہے۔ مگر آج تمہیں مبارکباد کا خط ضرور لکھنا ہے۔ اٹھ بیٹھی۔ روشنی کی اور قلم کاغذ لے کر لکھنے لگی۔ یقیناً تم بھی اس وقت جاگ رہی ہو گی اور تمہارا خیال قبرستان کی طرف ہو گا۔ آہ یہ برسات کی کالی کالی ڈراؤنی راتیں بستیٔ خموشاں کا کیا نقشہ ہو گا؟

ویرانہ! سناٹا! گھاس، سانپ! ان لوگوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ عزیز سے عزیز چاہنے والے نرم بستروں پر محوِ خواب ہیں کسی کا دھیان بھی اس طرف نہیں جاتا۔ شام سے پہلے پہلے قبرستان سے چلے آتے ہیں کہ برسات کا موسم ہے اور سانپوں کی وہاں کثرت ہوتی ہے!

ناہید پیاری! میں تو برسات کی راتوں میں قبرستان گئی ہوں۔ سانپ سے دل ڈرتا ہے مگر اس خیال کے آتے ہی کہ ہمارے جان سے زیادہ عزیز چیز اسی جگہ حالت بے بسی و بے کسی میں مدفون ہیں۔ خوف جاتا رہتا ہے مگر سب کے دل یکساں نہیں۔ کسی نے قبرستان میں آکر یہ شعر کہا تھا ؎

یہ سناٹا یہ ویرانہ یہ تاریکی ہے اور قبریں
تمہیں اے سونے والو! کس طرح آرام آتا ہے

سونے والوں سے یہ سوال کرکے وہ حضرت تو چلے گئے ان کو تعجب تھا سونے والوں کی حالت پر۔ ناہید! میں بھی ایک شب قبرستان میں تھی۔ اتفاق سے اس رات چاند کی ہلکی روشنی درختوں سے چھن چھن کر قبروں پر پڑ رہی تھی۔ مگر برسات کی رات تھی مینڈک اور سانپ بول رہے تھے۔ میں پنسل سے نوٹ بک پر کچھ لکھ رہی تھی۔ کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز دل سے گویا چونک پڑی دوسری طرف دیکھا کہ ایک جنازہ دفن کرنے کو لایا جا رہا ہے۔ میرے قریب سے وہ گزرے۔ میں پھر لکھنے لگی۔ صرف تین شعر یاد ہیں تمہارے دیکھنے کو لکھتی ہوں۔ کیونکہ اب تم کو بھی ان چیزوں ہی سے دلچسپی ہو گی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ظالم موت بھی دوست معلوم ہوتی ہے۔ ہر وقت اسی کے ذکر میں دل لگتا ہے۔ (باقی صفحہ ۲۲۷ کالم ۲ پر)

مطالعۂ قرآن

۱۴۱

قانون قدرت یہ ہے کہ وہ جہاں عقل ودانش کا عمل دیکھتا ہے، اُسی کے مطابق اُس کا ساتھ دیتا ہے۔ جہاں گمراہی کا عمل دیکھتا ہے، وہاں اُسی کے مطابق نتیجہ پیش کرتا ہے۔ نتائج کا مدار تو انسان کے عمل پہ ہے، نہ کہ قدرت کے عمل پر۔ قدرت کا قانون تو انسان کے عمل کے ساتھ ہے یعنی جیسا عمل ہوگا، ویسا ہی نتیجہ ہوگا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جَو بونے والا گیہوں کاٹے، یا گیہوں بونے والا جَو کاٹے۔ عیش وراحت میں مفلوجوں اور اپاہجوں کی طرح پڑا رہنے والا حکومت کرے، اور عقل وبصیرت کے ساتھ محنت ومشقت کرنے والا محکوم و غلام بنا رہے۔

بسا اوقات قدرت کا قانون انسانوں کے افکار وعمل، ارادوں اور جذبوں کے مطابق ہوتا ہے، اور بعض اوقات اس کے عمل کے خلاف نظر آتا ہے یعنی اچانک اچھائی سے بُرائی اور بُرائی سے اچھائی جب ہوتی ہے تو انسان مقدر کو یا قدرت کو دوش دیتا ہے، حالانکہ ایسے موقعوں پر انسان کے ارادہ کی کمزوری یا اس کی کوشش کی غلطی ہوتی ہے، یا حوادثِ قدرت۔

مثلاً واٹرلو کی جنگ میں اگر ۱۷-۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو بارش نہ ہوئی ہوتی تو نپولین کو یقینی طور پر کامیابی وکامرانی ہوتی، اور آج یورپ کا نقشہ بدلا ہوا نظر آتا۔ کیوں کہ دلدل کی وجہ سے اس کی فوجیں آگے نہ بڑھ سکیں، اِدھر زمین خشک ہونے کا انتظار تھا، اور اُدھر ولنگٹن کی فوجیں شکست کھانے سے بچ گئیں۔ اسی طرح جنگ بدر میں اگر وقت پر بارش نہ ہوئی ہوتی تو کلمہ گویوں کا نام ونشان تک مٹ جاتا اور روئے زمین کا نقشہ بدل جاتا یعنی حق وانسانیت کا بلند کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ اسی کو اتفاقات کہتے ہیں یا مقدر۔

بعض اوقات قدرت کا قانون مخفی طور پر عمل کرتا ہے، اور یہ انسانوں کے عمل سے وابستہ ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت لوط کی بے حیا قوم۔ اس کے متعلق توراۃ میں ہے کہ مقام صدوم وعمورہ پر جہاں حضرت لوط مقیم تھے، آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی، قرآن میں ہے کہ پتھر برسے تھے۔ دونوں قسم کے بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ وہاں کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹا تھا جس کی وجہ سے آبادی کا بڑا حصہ غارت ہوگیا۔ وامطرنا علیہم مطرا، فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین۔ یعنی ہم نے اُن پر پتھروں کا مینہ برسا دیا تھا، پس دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوتا ہے؟

ایک مذہبی آدمی اس کے یہ معنی لیتا ہے کہ اس ناپاک، ذلیل، بے شرم قوم کی بیہودہ حرکات پر خدا کو غصہ آیا اور اس قوم کو آگ اور پتھر کی بارش سے تباہ کردیا۔ لیکن یہاں حقیقت وہی ہے کہ انسان کا عمل غفلت وبدمستی میں ڈوبا ہوا تھا، ایسا کہ اس کو اس آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے تک کا ہوش نہ تھا۔ اس کو اپنے اس عمل میں اتنا استغراق تھا، غفلت کا ایسا پردہ پڑا ہوا تھا کہ اپنی آبادی کو وہاں سے الگ کسی دُور مقام پر بسانے تک کا خیال نہ کرسکا، بالآخر اس غفلت کے عمل کا نتیجہ وہی ہوا، جو ہونا چاہئے تھا۔

فرعون کی قوم کی غرقابی کا بھی یہی راز تھا کہ اِدھر ظلم وسرکشی کے عمل سے فرصت نہ تھی، اُدھر فطرت اپنے عمل میں سرگرم تھی، بالآخر سیلاب آیا، اور غافل لوگوں کو ڈبو دیا۔ بیدار بچ گئے۔

بہر نوع غفلت کے عمل کا نتیجہ تباہی ہے، اور بیداری کے عمل کا نتیجہ کامرانی ہے۔ اسپین میں مسلمانوں کا جو حشر ہوا، وہ بھی غفلت وبدمستی کا نتیجہ تھا۔ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی ہلاکت بھی اسی غفلت وبدمستی کے بدلے میں تھی، اور دُنیا کی دیگر اسلامی سلطنتیں بھی قدرت کے قانون ہی سے بغاوت کرنے پر تباہ ہوئیں۔

قدرت کا قانون ہے کہ ہر لمحہ عمل جاری ہے۔ جہاں اُمت حیات کے عمل سے انسان غافل ہوا، قدرت نے اس کا گلا دبا دیا۔

جہاں بیداری کا عمل ہوا۔ وہیں عزت و وقعت کی آزادانہ زندگی
نظر آئی۔ کل شئی فی فلک یسبحون کا مطلب یہی ہے کہ فضا میں
تمام چیزیں ہر وقت مصروف عمل ہیں۔ ہر وقت تسبیح کرتی رہتی ہیں
یہ تسبیح نہیں جو مولوی و صوفی گھماتا ہے، بلکہ وہ تسبیح، وہ حرکت
جو کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہے جس سے ہر چیز میں انقلاب ہوتا
رہتا ہے۔ گمراہی کے عمل کا انقلاب سزا و عذاب کی صورت اختیار
کرتا ہے۔ اور بیداری و ہوشیاری کے عمل کا انقلاب انعام اکرام
پاتا ہے۔ چنانچہ اس دنیا میں دیکھ لو کہ جو قومیں آئین حیات کی پابند
ہیں، وہ کس طرح کامیاب و کامران ہیں۔ اور جو اس سے دور ہیں،
غافل ہیں، کس درجہ نامراد و مایوس ہیں۔

چونکہ کامیابی و ناکامی کا مدار دو باتوں پر ہے، ایک اپنے اوپر
اعتماد و عدم اعتماد، دوسرے کائنات کا مطالعہ اور اس پر عمل
یومنون بالغیب، سے خدا کے وجود ہی کا پتہ نہیں لگتا، بلکہ کائنات
کے راز اور بھید کی معلومات کے بعد اس سے فیض حاصل کرتا ہے۔
زمین کی دفائن و خزائن کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ قرآن کے اس
اعلان پر خالی ایمان رکھنے سے کوئی نتیجہ نہیں، بلکہ عمل کرنے سے
امید افزا نتیجہ نکلتا ہے۔ لفظی معنی سے آگاہی مفید نہیں، لفظ کی روح
جاننے سے فائدہ ہے۔

قانون قدرت یہ ہے کہ جس قوم میں ایمان ہوگا (ایمان کے
معنی امید و یقین کے ہیں) وہی قوم کامیاب ہوگی۔ ابتدائے اسلام
میں بھی جب مسلمانوں کے ایمان کا یہ حال تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں
پر بھاری تھا۔ پھر جب حالت کمزور ہوئی، تب بھی یہ اپنے سے
دوگنی تعداد پر غالب رہا۔

"ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین"
اور "وان یکن منکم الف یغلبوا الفین" کا یہی مطلب ہے
آج روئے زمین پر ۴۰ کروڑ مسلمان آباد ہیں، ان میں سے دس
کروڑ ہندوستان میں بستے ہیں۔ لیکن ان کے ایمان یعنی امید و
یقین کا یہ حال ہے کہ غیر مسلموں کی کثرت تعداد سے خائف ہیں
کانپتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ ان کے اندر ایمان و یقین کی کوئی
روشنی نہیں۔ اسلامی اسپرٹ و روح سینوں سے نکل چکی ہے۔
اس لئے یہ زمین کا وارث اسلام کو سمیٹ کر ایک محدود دائرے
میں رکھنا چاہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اسی کا نام اسلام ہے، ایمان ہے اور
یقین ہے اور اسی تنظیم و تنسیق کا اسلام نے حکم دیا ہے۔

آج کا مسلمان اس قوم کا دشمن ہے، جس نے ابھی کوئی
دغا نہیں کی، اگرچہ اس کی نیت دغا کی سہی، لیکن وہ اس پر
عامل نہیں، یا عمل کی ابتدا سہی، لیکن اس کے ہاتھ میں خنجر نہیں،
مگر اس قوم کا مخالف تک نہیں جو دغا کر چکی ہے۔ جو کھلم کھلا روئے
زمین کے مسلمانوں کو مٹا چکی ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ
جس سے دغا کا اندیشہ ہے، پہلے اس سے بدلہ لیا جائے؟ یا
اس سے جو دغا دے چکی ہے؟

اس کے لئے قرآن کا یہ اعلان ہے۔ وان یریدوا خیانتک
فقد خانوا اللہ من قبل فامکن منھم واللہ علیم حکیم
یعنی اگر ان لوگوں نے چاہا کہ تمہیں دغا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ
اس اندیشہ سے تم اپنا طرز عمل بدل ڈالو کہ اللہ سب کچھ جانتا اور
حکمت والا ہے۔

پھر اسلام کو ایک گوشہ میں محفوظ رکھنا، شعار اسلام اور ایمان
و یقین کے خلاف ہے یا نہیں؟ وہاں تو یہ ہے کہ لا تقنطوا
من رحمۃ اللہ۔ یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہاں
خدا کی رحمت و اعانت پر ایمان کی جگہ مضحکہ ہے، ناامیدی ہے
اور مایوسی۔ حالانکہ غیر مسلموں کے دھوکے و فریب سے نہ تو ڈرنا
چاہئے، نہ بھاگنا چاہئے۔ بلکہ اپنے اندر خود اعتمادی، تقویت و
تسکینیت اور قلب میں طمانیت پیدا کر کے تنظیم و تنسیق پر کاربند
رہنا چاہئے۔ پھر دیکھو قدرت ساتھ دیتی ہے یا نہیں؟ اس کے
متعلق قرآن کا یہ اعلان ہے۔ وان یریدوا ان یخدعوک فان
حسبک اللہ، ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین والف
بین قلوبھم۔ یعنی اگر ان کا ارادہ دھوکا دینے کا ہوگا تو (کوئی فکر
نہیں) اللہ کی ذات تیرے لئے کافی ہوگی، وہی ہے جس نے
اپنی مدد سے اور مومنوں کی جماعت سے تیری تائید کی؛

ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہمی اُلفت پیدا کر دی۔

پس اگر آج مسلمانوں نے قرآن کے ان اعلانات پر توجہ کی ہوتی، اس کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس درجہ گمراہی، اور بزدلی پیدا ہوئی ہوتی، جس درجہ ڈیڑھ سو برس سے چلی آتی ہے۔ آج کا مسلمان ایک طرف تو مساوات اسلام اور باہمی بھائی چارگی کی سپرٹ کو کھو چکا ہے، اور دوسری طرف علم حکمت سے بالکل بے خبر ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی ہوتی تو یہ محکومی و غلامی کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ یہ دونوں خوبیوں سے محروم ہے۔

دنیا میں انسان کے لئے کوئی کام اس درجہ مشکل نہیں جس درجہ مشکل بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت میں پرو دینا ہے۔ پھر وہاں یہ کام بالکل ہی ناممکن ہو جاتا ہے جہاں کی قوم صدیوں سے باہمی جنگ وجدال کی خوگر ہو، اور جس کے نفسیاتی ڈھانچے اختلافات و آویزش کی تصویر ہوں لیکن پیغمبر اسلام کا عظیم الشان معجزہ یہ ہے کہ آپ نے ایسے مُردہ دلوں کو زندہ کر دیا، اور مساواتِ انسانی کا وہ درس دیا کہ ان میں بھائی چارگی کی اسپرٹ پیدا کر دی، ایسی اسپرٹ کہ ایک نو مسلم دوسرے نو مسلم کا بھائی ہوتا تھا، اور پھر یہ تمام باتوں میں ایک دوسرے کی ملکیت و شرکت کے ویسے ہی حقدار ہو جاتے تھے، جیسے دو حقیقی بھائی ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ایک کے مر جانے کے بعد دوسرا نو مسلم اس کا وارث بن جاتا تھا۔

وہاں ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح شیخ، سید، مغل، پٹھان شیعہ و سنی، اہل قرآن و اہل حدیث، قادیانی و چکڑالوی، پھر صابری و چشتی، رضوی و زبیری، قریشی و انصاری کی کوئی برادری اور کوئی امتیاز نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ایک دوسرے کی پہچان کے لئے تھا، نہ کہ امتیاز مراتب کے لئے۔ ہر مسلمان برابر کا شریک تھا، الا وہ جس کے اعمال بہتر ہوتے تھے۔ وہاں نقدِ عزت و شرافت کی کوئی دوکان نہ تھی۔ فرعونیت و نمرودیت کا کوئی کارخانہ نہ تھا۔

[illegible]

شرافت بکتی نہ تھی۔ مساوات کا یہ عالم تھا کہ اگر بھوکے سپاہی کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا ہوتا تھا تو خلیفۂ وقت کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوتے تھے۔ اگر سپاہی چولھے کی آگ پھونکتا تھا تو پیغمبرِ اسلام اپنے کاندھے پر لکڑیاں لاد کر لاتا تھا ؎

چہ عظمت دادہ یارب بخلقِ آں عظیم الشان
کہ انی عبدہ گوید بجائے قولِ سبحانی

غرض کہ عرب کی گمراہ قوم نے اسلام سے پہلے کے اپنے سارے رشتے اور تمام امتیازات مٹا دیئے تھے، اور اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ اور ایسا جوش پیدا ہو گیا تھا کہ خون کے شریک رشتہ داروں سے بڑھ کر کہیں زیادہ، رشتۂ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے، جو اس سے پہلے دشمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ دفعتہً یہ انقلاب کیوں برپا ہوا؟ اس لئے کہ ان کے کانوں میں رسولِ اکرمؐ نے یہ پھونک دیا تھا کہ

انما المومنون اخوۃ۔ یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر ان کے قلب و دماغ پر یہ بات مرتسم کر دی کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ یعنی تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہوں۔ یہ تھی اشتراکیت، یہ تھا سوشل ازم، اور یہ تھا کمیونزم۔

مگر آج کا یورپ زدہ مسلمان، ان باتوں کو فرسودہ سمجھ کر مذاق اُڑاتا ہے، ہنستا ہے۔ حالانکہ کارل مارکس، لینن، اور گاندھی نے اسی فلسفہ کی صورتیں اختیار کی تھیں، اور آج روس کی ترقی کا راز، اور ہندوؤں کی بیداری کا بھید اسی اسلامی فلسفہ کا مرہونِ منت ہے۔ گاندھی جی کا اچھوت کو اونچی ذات کے ہندوؤں کے برابر لانے کا کیا مطلب ہے یہی کہ یہ آپس میں بھائی بھائی بن کر اپنی طاقت کو بڑھائیں۔ نام نہاد شریف مسلمانوں کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

روس نے ایک طرف "انما المومنون اخوۃ" سے درس لیا، دوسری طرف "یومنون بالغیب" پر ایمان لا کر ... کر دفائنِ و خزائن کا پتہ لگا کر اس سے انعام و اکرام

حاصل کیا، اور پہاڑوں کے بیابانوں میں وہ طیاری کی کہ قانونِ قدرت کا عمل بھی اس کے ساتھ ہو گیا، اور کوئلہ، پٹیرول، اور فولاد کے فرشتوں کا نزول ہونے لگا۔ اس نے ریاکار عبادت گزاروں کی سرکوبی کی، اور حقیقی عبادت کو اپنے گھر میں جگہ دی، آگے بڑھ گیا۔ کیا آج کا مسلمان اس دھوکے میں ہے کہ غیر مسلم قرآن کے فلسفہ پر نظر نہیں رکھتا، اور نہیں سمجھتا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ یقین کرو، ایسا نہیں ہے۔ وہ ہم سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے ہم طوطے کی طرح پڑھ لینے کو نجات کا باعث سمجھتے ہیں، عربی الفاظ کی آوازوں کو کان میں ڈال لینا ثواب سمجھتے ہیں، بلکہ قرآن کا غالی دیکھ لینا ہی ہمارے لئے بس کرتا ہے، وہ اس کے نفسِ معانی و مطالب کی گہرائیوں پر نظر رکھتا ہے اور پھر عمل کرتا ہے۔ وہ اس کنارے پر ہے۔ ہم اس کنارہ ہی پر ہیں، وہ دریا پار کر چکا، موتی رول چکا، ہم کنارے پر کھڑے تک رہے ہیں، ہم کھو چکے ہیں وہ پا چکا ہے، پھر خدارا کوئی بتائے کہ جو اسلام کے قانون پر عمل کرتا ہے، وہ مسلمان ہے یا وہ جو اس سے سرکشی کرتا ہے۔

والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض فساد کبیر۔ یعنی جو لوگ کفر کی راہ میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم (مسلمان) ایسا نہ کرو گے یعنی (باہم بھائی چارگی نہ رکھو گے) تو زمین پر فتنۂ عظیم برپا ہو جائے گا۔ چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلاف و افتراق نے دنیا میں کیا گل کھلا رکھا ہے؟ نہ یہ باہمی اختلاف ہوتا، نہ کمزوری ہوتی، نہ اس کمزوری سے دوسرا فائدہ اٹھاتا۔ مسلمان میں جب طاقت تھی تو وہ اپنے نفس کی خاطر یا بادشاہت کے لالچ میں، تلوار نہیں چلاتا تھا، بلکہ حق و انسانیت کو بلند کرنے کے لئے اس نے تلوار چلائی تھی، آج وہ اپنی طاقت کو کھو چکا ہے، اس لئے دنیا میں فتنۂ عظیم برپا ہے، اور اس کا ذمہ دار یقیناً مسلمان ہے۔ اور تنہا مسلمان۔

مسلمان کو تو ایک سپاہی کی طرح ہر وقت آمادہ و مستعد رہنے کا حکم ہے، اور صدرِ اول کا مسلمان اسی حکم پر عامل تھا کہ: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و آخرین من دونھم۔ اور (مسلمانوں) جہاں تک تمہارے امکان میں ہے، قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان مہیا کئے رہو، اور دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رہو۔" پھر کیا ہو گا؟ قانونِ قدرت صبر و استقامت رکھنے والوں کا ساتھ دے گا کہ ان اللہ مع الصابرین۔ خدا صبر و استقامت رکھنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ بدحواسوں، بزدلوں اور قانون شکنوں کا ساتھ نہیں دیتا۔

مشکل یہ آ پڑی ہے کہ جہاں جنت دوزخ، اور فرشتوں کا ذکر آیا وہیں یا تو عذاب کا فرشتہ آتشیں گرز لئے ہوئے نمودار ہو جاتا ہے، یا حور و قصور کی قطاریں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ یہ باتیں ہمارے دلوں پر ایسی اور اس طرح نقش کر دی گئی ہیں، گویا کہ اس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ جو کچھ ہے آخرت ہے، دنیا تو ہیچ ہے، دنیا بنے یا نہ بنے مگر آخرت بن جائے۔ اور مسلمان کے پاس آخرت بنانے کی کونسی مشین ہے؟ توبہ استغفار، نماز روزہ، حج زکوٰۃ۔ اس کے قرآن میں جو کچھ ہے، (نعوذ باللہ) وہ سننے کے قابل نہیں۔ مولوی نے جو کہہ دیا۔ اس کے آگے کچھ نہیں۔ ان اللہ مع الصابرین کے معنی مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اور صبر بھی کونسا؟ وہ کہ اگر کوئی عزیز مر جائے تو صبر کرو، کچھ کھو جائے تو صبر کرو، یا کوئی مارے تو صبر کرو۔ مسلمان کے لئے صبر کے اور کوئی معنی نہیں۔

قرآن کیا کہتا ہے؟ سنئے: اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین وما جعلہ اللہ الا بشری و لتطمئن بہ قلوبکم وما النصر الا من عند اللہ یعنی تم نے اپنے خدا سے فریاد کی تھی کہ ہماری مدد کر اور اس نے تمہاری فریاد سنی، اور کہا کہ میں ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے، تمہاری مدد کروں گا۔ اس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ (تمہارے دل مسرور ہو جائیں) اور تمہارے مضطرب دلوں کو

صبر آجائے، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر فرمایا ہے۔

اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنو۔

یعنی اے پیغمبر یہ وہ وقت تھا کہ تیرے اللہ نے فرشتوں پر وحی کی تھی، میں تمہارے ساتھ ہوں بس مسلمانوں کو صابر و ثابت قدم رکھو یعنی مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس اعلان سے صبر و سکون پیدا ہوگیا، اور انہیں جذبوں کے نزول سے مسلمان ثابت قدم ہوگئے، انہیں جذبوں کو مذہب کی زبان میں فرشتے کہتے ہیں۔ یہی جذبے تھے جو فرشتوں کی صورت بن گئے تھے۔ بڑے بڑے محدثین و مفسرین اس طرف گئے ہیں۔ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ لیکن مسلمان فرشتہ کا مطلب کچھ اور لیتا ہے۔ اور صبر کے معنی کو محدود کر دیا ہے۔

چونکہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی حالت بڑی بے بسی کی تھی۔ بے شمار فوج کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، جو لڑنے کے قابل تھے، ان میں سے بھی گھوڑا صرف ایک کے پاس تھا۔ باقی پیدل تھے، پس فطرۃً مسلمانوں کو ہراساں ہونا چاہئے تھا۔ اس پر مصیبت یہ تھی کہ پانی صرف ایک ہی جگہ تھا، اور اس پر بھی دشمن قابض تھا۔ پھر زمین ریتلی تھی۔ پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ دشمن کی فوج گھوڑوں پر تھی۔ ایسی حالت میں کون تھا، جو بدحواس نہ ہو جاتا لیکن اس حکیمانہ اعلان نے مسلمانوں کے دلوں میں صبر و سکون پیدا کر دیا، اور نتیجہ کامیابی کی صورت میں رہا۔

اسی طرح جنت دوزخ اور عذاب و ثواب کا معاملہ ہے، دنیا میں ہر قدم کے ساتھ جنت بھی ہے، دوزخ بھی ہے ایک قدم آگے بڑھ گئے، جنت ہے، پیچھے رہ گئے دوزخ ہے۔ ہمارے سامنے تو عالمِ محسوسات ہے، اگر اس عالم کو ہم نے سنوار لیا تو عالمِ غیر محسوسات از خود سنور جائے گا، ہمیں تو پہلے اس عالم کو بنانا چاہئے، اسی کی بات کرنی چاہئے، اسی کا درس دینا چاہئے، آخرت خود بخود بن جائے گی۔

امام اکبر آبادی

مشرقی خاتون سے

یہ افسردہ دلی کب تک؟ دل بیدار پیدا کر — تو ان ہی خار زاروں میں نئے گلزار پیدا کر
فرشتے ڈھونڈ کر چن لیں تری ہر اک آنسو کو — اگر رونا ہی ہو تو چشمِ گوہر بار پیدا کر
گیا سب عیش و عشرت اب یہی ہو زرم گر دنیا — ہر اک فرزند میں اک جذبۂ پیکار پیدا کر
خیال و فکر کی راہوں میں کیسا یہ بھٹکنا ہے؟ — تو ہر ذوقِ عمل میں جوہرِ کردار پیدا کر
غلام آباد کے سر پر گرے جو برق بن ہو کر — تو اپنے آتشیں نغموں سے وہ جھنکار پیدا کر
ٹھٹکتے رہ گیر دل کا جو دامن تھام لیں بڑھ کر — گلستانِ جہاں میں چند ایسے خار پیدا کر
بدل خاتونِ مشرق اِن شکستہ زندگانی کو — اگر کچھ حوصلہ ہو تو نیا سنسار پیدا کر
ہیں ان خاموشیوں کے مضمحل آتش بیانوں میں — زبانِ خامشی سے آتشِ گفتار پیدا کر
خدا نے تجھ کو بخشی ہیں اگر کچھ نور کی کرنیں — تو ان تاریکیوں میں کثرتِ انوار پیدا کر

رشیدہ توڑ کر مہرِ سکوتِ زندگی آخر
لبِ خاموش سے کچھ شوخیٔ گفتار پیدا کر

رشیدہ جہاں بیگم فضل حق حیدرآباد

اُمّید

دنیا کا آفتاب سورج ہے اور زندگی کا آفتاب امید۔ نہ دنیا آفتاب کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے اور نہ زندگی اُمید کے بغیر۔ امید ایک ایسا ہتھیار ہے کہ جس کے سہارے انسان ہر مشکل سے مشکل اور خطرناک سی خطرناک چیز کا مقابلہ کرتا۔ ناامیدی کے جذبوں پر قابو پا کر ان کو شکست دیتا اور آگے قدم بڑھاتا ہے۔ اُمید کبھی نہیں مرتی۔ مر مر کر جی اٹھتی ہے! مایوسیوں میں اُمید کی مدھم شعاع زندگی کے کسی نہ کسی گوشے میں سے چمک ہی اٹھتی ہے۔ زندگی کے بوجھ سے دبے ہوئے کچلے ہوئے۔ یاس و ناامیدی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے انسان کے لئے جب دنیا میں کوئی سہارا باقی نہیں رہتا۔ اس وقت اُمید اس کے مردہ دل کو روشن کرتی ہے کامیابی کی جھلک اس کو نظر آتی ہے۔ اور وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ اور جس دن اُمید مر جائے۔ تب — ہاں تب زندگی کا خاتمہ ہے — اُمید کی موت زندگی کی موت ہے — اور امید کا خاتمہ [illegible]

ایک شام

شام کو جب میں جلسہ سے واپس آئی تو معلوم ہوا کہ تسنیم دیر سے آئی ہوئی میرا انتظار کر رہی ہیں۔ یوں تو ان کی آمد کی خبر سن کر مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی۔ لیکن اس وقت خلافِ معمول میں کچھ گھبرا سی گئی۔ دو تین گھنٹوں کی غیر دلچسپ اور رٹی ہوئی تقاریر سننے اور خواتین کے شور و غل سے میں اس قدر پریشان ہو گئی تھی کہ مجھ میں اتنی ہمت باقی نہ رہی تھی کہ کسی مہمان کی خاطر و مدارات کر سکوں۔ بچّوں کی دماغ سوز چیخ پکار، سودا بیچنے والیوں کی غیر مترنم صدائیں عورتوں کی ایک دوسرے سے گتھم گتھا۔ ایک دوسرے سے مقابلہ اور ایک دوسرے سے ظاہری نمود و نمائش میں بازی لے جانے کی انتھک کوششیں!

میری بیزاری کی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ محسوس کیا کہ "رہبرانِ نسواں" خواتین خود ایک دوسرے سے متنفر اور شاکی ہیں۔ میں جلسہ میں بڑے اُمید بھرے دل سے گئی تھی۔ اپنے دل کو "خدمتِ قوم" کے پاک جذبے سے روشن کر کے گئی تھی۔ لیکن واپس آئی تو مجھ میں اتنی سکت بھی باقی نہ رہی تھی کہ تسنیم کا خندہ پیشانی سے استقبال کر سکوں۔ مشکل سے میں نے مسکرانے کی کوشش کی اور سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے اس خشک استقبال کی معذرت چاہی۔ تسنیم، آج بہت خوش تھیں۔ اس لئے میں اگر معذرت نہ بھی کرتی تو شاید وہ برا نہ مانتیں۔ ان کا بشاش چہرہ ہر مسکراہٹ کے بعد گلابی ہو جاتا تھا اور ان کی آنکھیں اور زیادہ چمکنے لگتی تھیں۔

میں نے اُن کی اس غیر معمولی خوشی کی وجہ دریافت کرنے کا کئی مرتبہ ارادہ کیا لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی۔ میں اس وقت بات چیت کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھی۔ دل چاہتا تھا کہ تنہائی میں بیٹھ کر خوب رو لوں تاکہ دل کا غبار نکل جائے لیکن یہاں رونے کو کون کہے زبردستی مسکرانا پڑ رہا تھا اور اس خشک مسکراہٹ کے ساتھ میرے خون کے چند قطرے بھی خشک ہوتے ہوئے محسوس ہوتے تھے لیکن تسنیم بہت خوش تھیں۔ بہت دیر تک شاید وہ انتظار کرتی رہیں کہ میں ان کی اس غیر معمولی خوشی کی وجہ دریافت کروں لیکن چونکہ اس وقت میں بہت چڑچڑی ہو رہی تھی۔ دیدہ و دانستہ میں خاموش رہی یہاں یہ کہہ دینا نامناسب نہ ہوگا کہ تسنیم بہت ہی رومانٹک طبیعت رکھتی ہیں وہ شاعرہ بھی ہیں۔ اور افسانہ نگار بھی۔ ان کی شاعری ان کی افسانہ نگاری سے زیادہ اور ان کی افسانہ نگاری ان کی شاعری سے زیادہ رومانٹک ہوتی ہے، حالانکہ معمولی روایات کے مطابق انھوں نے ایک شعر بھی نہیں کہا ہے لیکن ان کے خیالات ان کی گفتگو ان کی تحریر خود ایک مستقل شعر ہیں۔ اگر شاعری "دلی جذبات کا اظہار ہے" تو ضروری نہیں کہ اس کے لئے ردیف و قافیہ کی قید ہو۔ اور نہ یہ ضرور ہے کہ "بلینک ورس" یا "آزاد شاعری" ہی کے اصول کی پابندی کی جائے۔ اگر شاعر حساس دل رکھتا ہے اور اپنے دل کی کیفیات ایسے الفاظ میں بیان کر سکتا ہے جس سے سننے والے بھی متاثر ہو جائیں تو یہ شاعری ہے۔ اور تسنیم کی شاعری اگر کسی اصول کی پابند تھی تو وہ یہی اصول تھا۔ اس کی شاعری عموماً نثر میں ہوتی تھی اور یا تو اس کی سہیلیوں کے خطوط کی الماریوں کی زینت بنتی تھی یا رسالوں میں رومانی افسانوں کی شکل میں شائع ہوتی رہتی تھی۔

وہ خود بھی اپنے شاعرانہ اور فلسفیانہ رجحان پر بہت نازاں تھی۔ اور بے موقعہ اپنے دماغ کی تعریف میں قصیدہ خوانی کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ کہہ رہی تھی۔

"انتظار کے پُرخلش لمحات بھی کس قدر حسین ہوتے ہیں فرزانہ! لوگ کہتے ہیں کہ انتظار میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن انتظار کا لُطف کوئی میرے دل سے پوچھے! ۔۔ میں اپنے تخیلات کی دُنیا الگ بسائے ہوئے تمہارے کمرے میں بیٹھی تھی۔ نہیں ۔۔ میں تمہارے کمرے میں نہیں تھی ۔۔ میرا جسم یہاں تھا۔ لیکن روح!؟ ۔۔ آہ فرزانہ میری روح!"

میں ڈری کہ اب یہ کہیں روح کے وجود۔ روح کی ضرورت۔
روح کی پاکیزگی پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث نہ کرنے لگیں اس لئے
میں جلدی سے بولی۔

"تسنیم تم بہت دیر سے میرا انتظار کر رہی تھیں؟ مجھے ندامت ہے
کہ تمہیں اتنی تکلیف ہوئی۔"

"ہائے ظالم تو اُسے تکلیف کہتی ہے۔" وہ ٹھنڈی سانس لیکر
نئے جوش سے گویا ہوئیں۔ "تکلیف کی ان چند گھڑیوں پر سکون و آرام
کے ہزاروں حسین سال نثار کر دیئے جائیں۔ ۔ انتظار اور ایک عزیز
دوست کا انتظار! کیسا پیارا شعر کسی نے کہا ہے" ؎

وہ کہیں سے آکے ستا نہ دیں انتظار کا لطف
کہیں التجا میری قبول نہ ہو جائے

یہاں یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ اپنے شاعرانہ زعم میں وہ اشعار
بھی نثر میں تبدیل کر کے پڑھتی تھیں۔ اور سننے والوں کے شاعرانہ
مذاق کو نہایت ہی بیدردی سے زخمی کر کے بھی مطمئن نہ ہوتی تھیں
ہاں تو وہ کہہ رہی تھی۔

"تکلیف تو اس وقت ہوتی جب مجھے انتظار میں لطف نہ آتا
میرا تصور مجھے یہاں سے کھینچ کر ایسے عالم لاہوتی میں لے گیا تھا۔
جہاں نہ دُنیا کے ہنگامے تھے نہ یہاں کا شور و شر۔ نہ یہاں کے
غیر شاعرانہ لوگ تھے نہ یہاں کے عامیانہ جذبات۔ ۔ ۔ تم
جانتی ہو کہ ازل سے میں ایک سریع الحس اور سریع الانفعال
دل لے کر آئی ہوں۔ میرے جذبات۔ میرے احساسات۔
۔ ۔ آہ! ۔ ۔ ۔ میرے تخیلات۔ ۔ "

میں گھبرانے لگی۔ جب بھی وہ اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی
خصوصیات بتانے لگتی تھیں مجھے بہت گھبراہٹ ہونے لگتی تھی
اور اس وقت تو میں اس موڈ میں تھی ہی نہیں کہ اس کی شاعرانہ
و فلسفیانہ باتیں لذیذ شربت سمجھ کر پی جاؤں۔ شام زیادہ ہو گئی
تھی۔ اور چونکہ ہم لوگ کوٹھے کی کھلی ہوئی چھت پر اکیلے بیٹھے تھے
اس لئے مجھے کچھ خوف معلوم ہونے لگا۔ لمبی اور سنسان سڑک
پر چند روشنیاں جگمگانے لگیں۔ اور آس پاس کے دو چار گھروں
میں بھی بلب روشن ہو گئے۔ لیکن لمبے لمبے درخت سیاہ بھوتوں
کی طرح کھڑے جھوم رہے تھے۔ اور چند چمکتی ہوئی روشنیوں
کے باوجود مجھے ان درختوں سے ایک قسم کا خوف محسوس ہو رہا
تھا۔ ایسے ہی سیاہ اور گھنے درختوں پر خراب روحیں رہتی ہیں
اور لڑکیوں کو تنہا دیکھ کر ان پر جھپٹ پڑتی ہیں۔ ۔ ۔

میں توہم پرست تو نہیں ہوں۔ لیکن بار بار یہ خیال آ آکر مجھے
پریشان کر رہا تھا کہ ہم دو لڑکیوں کو کوٹھے کی چھت پر تنہا دیکھ کر
کہیں کوئی خوفناک بھوت اپنے بڑے بڑے دانت نکالے
آ موجود نہ ہو! اس لئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اب یہاں ایک
لمحہ بھی نہ رکوں گی۔ لیکن میں نے اپنے خوف کو چھپاتے ہوئے
بظاہر نہایت ہی اطمینان سے بولی:۔

"تسنیم اب تو یہاں اندھیرا ہو گیا۔ چلو جی نیچے چلیں۔"

"تم اندھیرے سے ڈرتی ہو فرزانہ؟"

وہ بدستور شگفتہ تھی۔ اس کے لہجے میں حقارت آمیز تعجب
بھرا ہوا تھا۔ "دیکھو تو یہاں کیسی روح افزا ہوا چل رہی ہے۔"
وہ مجھے بہلانے لگی۔ "ایسی مست کر دینے والی ہوا جو ماضی کو
فراموش کر دے۔ جو حال کو محو ہو جانے دے۔ اور جسے تم اندھیرا
کہتی ہو۔ کتنا روشن۔ کتنا حسین ہے!! بالکل اس مستقبل کی
طرح جو باوجود تاریک ہونے کے میرے دل و دماغ کو روشن کئے
ہوئے ہے۔ ۔ ۔ آہ ۔ ۔ مستقبل کا اندھیرا
ہی اس کے حسن اور دلکشی کا ایک اہم راز ہے۔ ۔ شاید تمہیں
معلوم نہیں کہ میری زندگی میں ایک خوبصورت انقلاب آنے والا
ہے۔ ایسا انقلاب جو میری شخصیت۔ ۔ میرے تصورِ کائنات
۔ ۔ میرے تخیلات۔ میرے احساسات سب کو بدل دے
گا۔ جو مجھے ایک بالکل مختلف انفرادیت کا مالک بنا دے گا۔
۔ ۔ ایسا پُر سکون ہیجان جو دو روحوں کو ایک دوسرے میں
جذب کر دے۔ ایسا خاموش طوفان جو دو مختلف دھاروں کو
ایک دوسرے سے ایسا متحد کر دے کہ پھر وہ کبھی علیحدہ
نہ ہو سکیں۔ ۔ ۔ ۔"

مجھے غصہ آنے لگا - ان کی باتیں تو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ایک تو میں تھکی ماندی آئی - معلوم نہیں کہاں سے یہ معہ اپنی زندگی کے آنے والے انقلاب کی خوشی سے کر نازل ہو گئیں۔ مجھے تسنیم پر کبھی اتنا غصہ نہیں آیا تھا۔ لیکن میں نے بہت ہی ضبط اور تحمل سے کام لیتے ہوئے بظاہر خوش مزاجی سے کہا۔!

" اب میں سمجھی آپ اتنی خوش کیوں ہیں ؟ شادی ہو رہی ہے جناب کی "

تسنیم کو چاہتی ہی تھی کہ کسی طرح میں یہ کہہ دوں - ان کے تخیلات کی چنگاریاں اور بھڑک اٹھیں -

" شادی نہ کہو اسے فرزانہ - - اُف - - شادی - - - کتنا غیر شاعرانہ لفظ ہے - اس لفظ کو سنتے ہی میرے دماغ میں ایک ایسے بدمزاج مرد کی تصویر کھنچ جاتی ہے جو اپنی بدصورت بیوی پر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا ہو - اور چند گندے گندے بچے ایک دوسرے کو مار مار کر رو رہے ہوں اور رو رو کر سارے گھر کو سر پر اٹھائے ہوں - - - - اس لفظ سے میرے جسم میں عجیب قسم کی جھرجھری دوڑ جاتی ہے - - - فرزانہ یہ شادی نہیں - ایک حسین اتصال ہے۔ دو محبت کرنے والی روحوں کا - دو پاک اور بے ریا دلوں کا - یہ اُن خاموش آرزوؤں، اُن ٹمٹماتی ہوئی امیدوں کا حاصل ہے جو دو دلوں کو زندہ رہنے پر مجبور کر رہی تھیں - اور اب جنہوں نے آبحیات پی کر عمر جاوداں حاصل کر لی ہے - یہ ان گائے ہوئے جذبات - - - "

اب تک یہ سنتے آئے تھے کہ جب انسان پر مصیبت زیادہ پڑتی ہے - تو خدا اس کو صبر و استقلال بھی دے دیتا ہے۔ آج اس کا تجربہ ہو گیا - میرا غصہ اپنی حد سے تجاوز کر کے خاموش انتقام کی صورت اختیار کر چکا تھا - اس لئے میں نے بجائے تسنیم کو نہایت ہی غیر شاعرانہ طور پر اس شاعرانہ بلند پروازی سے روکنے کا موضوع بدلنے کے لئے ان سے گانے کی فرمائش کر دی تسنیم کی موسیقی بھی ان کی شاعری سے کسی طرح کم تکلیف دہ نہیں تھی لیکن میں بھی اب بدلہ لینے پر آمادہ ہو گئی تھی - تسنیم کی آواز جس کام کے لئے بھی مناسب ہو گانے کے لئے تو مطلق نہیں بنی تھی - گاتے وقت یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ گانے کی کوشش کرتے وقت ان کی آواز بالکل مختلف ہو جاتی تھی، نہ وہ حلق سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی - اور نہ ناک سے اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ منہ سے بھی نہیں نکلتی تھی - منہ کھلتا تو ضرور تھا - لیکن ایک عجیب و غریب قسم کی آواز جو معلوم نہیں کتنے سُروں کا ایک بھیانک مرکب تھی - کانپتی، تھرتھراتی - ٹوٹتی بنتی بگڑتی نکلتی چلی آتی تھی - اور ہر غزل کے بعد میں ان کی موسیقی کی ایسی ایسی داد دیتی تھی - کہ وہ اور خوش ہو ہو کر دوسری غزل گانے کو تیار ہو جاتی تھیں - غزل کے اشعار تو مجھ کو یاد نہیں لیکن اگر میں ان کا مطلب بیان کرنا شروع کروں تو عشق و محبت کے بلند فلسفہ - جدائی کی المناک صعوبتیں - ظلم و ستم کی دلگداز سرگزشت اور مایوسی کی دلخراش داستان کو عامیانہ زبان میں پیش کرنے لگوں گی اور چونکہ تسنیم کو عامیانہ پن سے سخت نفرت ہے اس لئے میں ان سے متعلق کسی چیز یہاں تک کہ اپنے طرز بیان کو بھی عامیانہ بنانا تسلیم کی عزیزاری توہین سمجھتی ہوں - اور اس بیان کو نظر انداز کرتی ہوں -

تسنیم سے گانے کی فرمائش کرنا ہی کیا کم ظلم تھا نہ کہ میں ان کو دم لینے کی مہلت ہی نہ دیتی تھی - وہ پسینے سے تر اور ہو گئی تھیں - اور ہانپ اس طرح رہی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ بہت دور سے دوڑ کر آ رہی ہیں ابھی وہ اور گاتیں اور میں اور سنتی لیکن نیچے سے ملازمہ آگئی کہ بیگم صاحبہ نے آپ لوگوں کو بلایا ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور ملازمہ کو دعا دیتی ہوئی نیچے آگئی - تسنیم کو بھی گھر سے آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی - اس لئے وہ آئندہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئیں - اور میں اب یہ دعا کر رہی ہوں کہ ؎

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ام سلمیٰ رفاض علی

آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے

زمانہ جہالت میں آفات سماوی سے دُنیا تنگ تھی۔ بارش ہوئی تو رُکتی ہی نہیں ڈھائی ڈھوئی شروع ہوگئی۔ دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ گاؤں کے گاؤں بہہ گئے۔ کھیتی تباہ ہوگئی قحط پڑ گیا وبا آگئی۔ ہزاروں لاکھوں جانیں تلف ہوگئیں۔ تہذیب نے ان کا بہت کچھ انسداد کردیا۔ تو دوسری آفات ناگہانی کا سامنا ہوا۔ یہ آفات تہذیب کا بچھلا بن گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی آفات کی بنا آزادی ہے جس کا بھوت آجکل نہ صرف ہندوستان کے بلکہ ساری دُنیا کے سر پر چڑھ کر کھیل رہا ہے۔

اوّل بچے سے چلئے۔ تہذیب نو کا دعویٰ ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو آزاد پیدا ہوتا ہے یہ دعویٰ تہذیب ماضی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر آزاد کے معنی ہیں کہ اس کا انحصار کسی بات میں دوسرے پر نہیں ہے۔ اور اس لئے وہ خود مختار ہے تو واقعہ تو یہ ہے کہ بچہ نہ کروٹ لے سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے نہ چل سکتا ہے نہ بول سکتا ہے۔ بس فقط اتنا خود مختار ضرور رہے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ادھر ادھر دیکھتا ہے اور گھبرا کر ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور جب کچھ بن نہیں پڑتا تو اپنی بے بسی پر چیخ چیخ کر روتا ہے۔ یہ ہے اس کی آزادی اور یہ ہے اُس کی خود مختاری۔ اور جب یہ بچہ بڑا ہوتا ہے۔ خاص کر ہندوستان اور ان ممالک کا بچہ جہاں غیر ملکی حکومت ہے تو سیاسی اور معاشی زندگی میں پڑ کر بھی اس بچے کی وہی حالت ہوتی ہے کہ جو پیدا ہونے کے بعد ہوئی تھی کہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر اب چونکہ بولنا آگیا ہے اس لئے خالی چیخیں مارنے کی بجائے صرف "آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے" کا غل مچا کر رونا روتا رہتا ہے۔ واقعات کچھ ہوں مگر ماہران فن نے جو خیالی کلیہ قاعدے بنا دیئے ہیں ان کو تو تا خدا کے حکم سے بھی زیادہ ضروری سمجھ رہے ورنہ دقیانوسی کا خطاب ملنے کا خوف ہے

اب اس حق آزادی کی تباہ کاری ملاحظہ ہو۔ ننھے میاں سلمہ الرحمٰن نے گدّے دار کرسیوں اور کوچ پر کود کود کر سٹ کے اسپرنگ ڈھیلے کردیئے۔ کیچڑ سے بھرے ہوئے بوٹ پہنے ہوئے قالین پر دوڑنے لگے۔ گلدان میں سے پھول نکال نکال کر سارے میں پھیلا دیئے۔ تصویر دار اخبار کی تصویریں کاٹ کر سارے گھر میں کاغذ کے پُرزوں کا ڈھیر لگا دیا۔ پنسل سے اپنے نام لکھنے کی دیواروں پر مشق شروع کردی۔ ریڈیو کے اتنے کان مروڑے کہ بچارا چیخ اُٹھا۔ برآمدے میں کرسیوں کو آگے پیچھے کرکے ریل گاڑی کا کھیل بنایا۔ جمنی کی خانہ برانداز ی کرکے اپنا ایک پلنگ لگایا۔ ادھر ادھر سے اینٹیں جمع کرکے صحن کمرے کے بیچ میں گڑیا کے گھر بنانے لگے۔ کھیلتے کھیلتے ذرا سی بات پر جو بگڑے تو بچاری چھوٹی بہن کو پیٹ ڈالا۔ راہ چلتے کے روڑا کھینچ مارا۔ بلّے سے جو فٹ بال کے کک کی مشق کی تو وہ بچاری تو اپنی جان سے گئی۔ غسلخانے میں سارا صابن گھلا دیا۔ تولیہ کیچڑ میں پھینک دیا۔ کھانے کی الماری کھول اس میں جو کچھ ملا کچھ کھایا کچھ پھینکا۔ غرضیکہ گھر میں غدر مچا ہوا ہے۔ ماہر فن سے یہ دُکھڑا رو دیا جائے تو وہ فرماتے ہیں کہ بچے کی فطرت میں ہے کہ وہ چیزوں کو توڑے پھوڑے اسی طرح تو اس کو تجربہ حاصل ہوتا اور اس کا ذہنی نشو و نما صحیح بنیادوں پر قائم ہوتا ہے کسی کو ٹھوک دینا اور کسی کو تھپڑ دینا بچے کی جرات پر دال ہے۔ اس لئے بچوں کی آزادی میں روک ٹوک کرنے سے خلل نہ ڈالنا چاہئے ورنہ ان میں اپنے دل سے نئی چیز اختراع کرنے کی قوت سلب ہوجائے گی اور دل مرنے سے وہ اس مہذب دُنیا کے لئے بیکار ہوجائیں گے جس میں ہمیشہ کشمکش جاودانی کارفرما ہے۔ اور اس پر اگر یہ کہا جائے کہ یہ سب درست مگر یہ مشق ناز جب ناقابل برداشت ہو تو کیا کیا جائے۔ تو جواب ملتا ہے کہ بچوں کے لئے ایک کمرہ علیحدہ مخصوص کردیا جائے گویا کہ بچے

اسی پہ مستفید رہیں گے اور گویا کہ ہر کُنبے والے شخص کے گھر میں جو دھر آجکل اتنی جگہ موجود ہے کہ وہ ایک کمرہ علیحدہ صرف بچّوں کے حوالے کردے اور ان کی تباہ کاری کے لئے روز نیا سامان مہیا کرے مشکل یہ ہے کہ یہ علم بردارانِ آزادی فقط کتابی کیڑے ہیں۔ عملی زندگی سے اُن کو دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ آزادی پیدائشی ہو یا نہ ہو اور ہر انسان کا حق ہو یا نہ ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کا استعمال اتنی ہی احتیاط سے کرنا چاہئے جتنی احتیاط سے ایٹم بم کا استعمال کرنا چاہئے بچے کی قوت ایٹم کی سی ہوتی ہے۔ اب جی چاہے اس کو بم بنانے کے لئے استعمال کیا جائے خواہ مفید نتیجے نکالنے کے لئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آزادی کے لئے حدود قائم ہونا ضروری ہے اور بچّوں کو اُن حدود سے باہر نہ نکلنے دینا چاہئے خواہ اس کے لئے تشدّد ہی کی ضرورت کیوں نہ پیش آئے ان حدود کی پابندی کرانے ہی کا نام تربیت ہے بے لگام آزادی صرف جنگل کے جانوروں ہی کو نصیب ہے۔ مہذّب دُنیا میں گھوڑے کے مُنہ میں لگام لگائی جاتی ہے۔ اُونٹ اور بیل کی ناک میں ناتھ اور نکیل ڈالی جاتی ہے۔ ہاتھی انکس تلے ٹھیک کام دیتا ہے۔ غرضیکہ جانور تک اگر اپنے قابو میں رہے یعنی آزادی کو محدود کرے تب ہی انسانوں میں رہ سکتا ہے تو پھر آدمی کا بچہ کس طرح بے ناتھ کا بیل اور بے نکیل کا شتر بے مہار ہو سکتا ہے اور اگر ہوگا تو جانور رہے گا۔

تہذیبِ ماضی نے اس آفت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تربیت کا پہلا اصول ضبطِ نفس اور پتہ مار نا رکھا تھا۔ گُرو اور بزرگوں کی تعظیم، اُن کی فرمانبرداری، خطائے بزرگاں نکالنے سے احتراز کرنا وغیرہ وغیرہ قسم کی قیود چھوٹوں کی آزادی پر اسی لئے لگائی گئی تھیں کہ معاشرتی تعلقات میں ابتری نہ پھیلے اور "بنی نوعِ انسان اعضائے یکدیگر اند" ہونے سے قبل افراد خاندان اپنی ذاتی آزادی کو خاندان کی مجموعی ضروریات پر نثار کرتے ہوئے ایک ایسی تنظیم کے رشتے میں منسلک ہو جاویں جسے تہذیب و تمدّن کہتے ہیں۔ آزادی کے اصلی مفہوم کو نہ سمجھنا اور رد رین چہ تنک کہنے والے طوطے کی طرح آزادی آزادی کی رٹ لگانا اور بچّوں کو بے لگام کر دینا ایک ایسی آفت خود اختیار کردہ ہے کہ جس سے نجات ملنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ

ہماری آنکھوں پر جو پٹّی بندھی ہوئی ہے وہ کھل جائے اور ہم ان برخود غلط ماہرانِ فن کے قاعدۂ کلیہ کی جادوگری کے گرد حصار کھینچ دیں۔ اور اس طلسم کو کلامِ آلہی کی ضرب سے توڑ دیں۔

بھیڑ کو تو کہتے ہیں۔ مگر انسان بھی بھیڑ کی چال ہی چلتا ہے۔ جو ایک نے کیا سب وہی کرنے لگے۔ جب مزدور اور کسان آزادی مانگتے ہیں تو گھر کی بیٹھنے والی شریف زادیاں کیا ایسی گئی گزری ہیں کہ وہ اپنے پیدائشی حق سے محروم رہیں۔ گھر بار سے آزادی۔ گھر کے کام کاج سے آزادی۔ بچّوں سے آزادی، میاں سے آزادی۔ اور کھاؤ گی کہاں سے۔ اجی کھانے کی کیا کمی ہے۔ جس نے پیدا کیا وہ کھانے کو بھی دے گا۔ اور جب تک ہاتھ پاؤں چلتے پھرتے ہیں کمائی کریں گے اور کھائیں گے۔ گھر کے بندھن اور میاں کی غلامی سے تو نجات ملے گی۔ کیوں صاحب جب مرد جن کا پیشہ کمائی کرنا ہے بھوکے مر رہے ہیں۔ اور کہیں روزگار نہیں ملتا تو عورتوں کو کہاں سے روزگار مل جائے گا۔ اور جو شخص کام دے گا۔ وہ کام کی پابندی نہ کرائے گا۔ صبح سویرے اُٹھنا۔ کام پر جانا۔ دیر ہو گئی تو جھڑکیاں الگ پڑیں اور تنخواہ الگ کٹی۔ انسان کے ساتھ بیماری دکھ سب ہی کچھ ہے۔ اگر مہینہ بھر بیمار ہو گئیں۔ تو کہاں سے گزر چلے گا۔ پھر یہ آزادی خاک ہوئی کہ پہلے میاں کماتا تھا۔ وہ پیسہ دیتا تھا اور اُس کی مرضی پر چلنا ہوتا تھا۔ اب غیر آدمیوں کی تابعداری کرنی ہوتی ہے کیونکہ وہ پیسے دیتے ہیں۔ یہ بھی آپ نے خوب کہی اجی تابعداری کیسی۔ کام کرنا اور پیسے لینا۔ پھر آزادی کتنی ہے جب چاہا کام کیا جب چاہا نہ کیا۔ جب جی چاہا نوکری کی جب چاہا چھوڑ دی۔ جو کام پسند آیا کیا۔ نہ پسند آیا نہ کیا۔ مگر میاں سے تو کبھی چھٹکارا ہی نہیں ہے میاں کی خدمت کرو۔ اُس کے بچّوں کی چھی دُھلاؤ۔ اُس کی ماں کے پاؤں دباؤ۔ اس کے باوا کو پنکھا جھلو اُس کی بہن کے طعنے سنو۔ اور پھر کوئی خوش نہیں۔ توبہ توبہ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ شادی لاحول ولا۔ یہ تو بی شادی ہے۔ اس کے تو پاس بھی نہ پھٹکے۔ آزادی۔ آزادی۔ آزادی۔ آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔

یہ تو آپ نے کنواری کی رائے سُنی۔ اب بیاہی کا حال سنئے شادی ہوئے کئی سال ہوگئے۔ اور چار بچوں کی ماں ہوئے مدت گزر گئی۔ میاں کی جو شامت آئے تو لوگوں کی دیکھا دیکھی بیوی کا پردہ اُٹھا دیا۔ جھٹ پٹے کے وقت اپنے ساتھ باہر سیر کو لے گئے۔ سینما دکھایا۔ ریڈیو لے دیا۔ زنانہ رسالے منگا لئے زنانہ جلسوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ بیوی نے پر پُرزے نکالے۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اب روز میاں سے بات بات پر ضد بحث ہے۔ احساس آزادی زوروں پر ہے۔ نہ گھر کے کام کاج کا خیال ہے۔ نہ بچوں کی خبر گیری ہے نہ باورچی خانے کو آنکھ اٹھا کر دیکھا جاتا ہے سب کچھ نوکروں پر چھوڑ رکھا ہے اور خود جب دیکھو ریڈیو سُنا جا رہا ہے۔ یا رسالہ پڑھا جا رہا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ میاں جو دفتر سے آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ بیگم صاحب ندارد ہیں۔ نوکروں سے پوچھا۔ بچوں سے پوچھا۔ کچھ پتہ نہ لگا۔ فقط اتنی خبر لگی کہ محلے میں گئی ہوئی ہیں۔ خیر آ جائیں گی۔ ۶ بجے، ۷ بجے، ۸، ۹، ۱۰ بج گئے۔ میاں پریشان ہیں۔ بچے بِلک رہے ہیں۔ نوکر چپکے چپکے آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ مگر بیوی ہیں کہ غائب ہیں۔ میاں شرم کے مارے کسی محلے والے سے بھی نہیں پوچھتا کہ کہیں اُن کو تو نہیں دیکھا۔ کہ کوئی کیا کہے گا کہ ان کی بیوی غائب بھی ہو جاتی ہیں۔ کہ خدا خدا کر کے ساڑھے دس بجے بیگم صاحب تشریف لائیں۔ میاں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے۔ جواب ملا حرکت کیا ہوتی۔ شام کو محلے والی سہیلی کے ہاں ذری کی ذری گئی تھی کہ وہاں کہیں سے موٹر آگئی تھی۔ اور سب عورتیں شام کو قطب کی سیر کو جا رہی تھیں۔ میرے بھی سر ہوئیں۔ اُن کے ساتھ ہو لی۔ یہ خیال تھا ۶ بجے تک واپس آ جائیں گے۔ رستے میں موٹر بگڑ گئی۔ اس میں دیر لگی۔ ۷½ بجے سینما کے پاس سے گزرے سب کی رائے ہوئی آج نکلے تو ہیں، چلو سینما بھی دیکھتے چلیں۔ اس میں دیر ہو گئی۔ تماشہ ختم ہوا تو سیدھے گھر چلے آئے۔ میاں نے جل کر صرف اتنا ہی کہا تھا۔ بے اجازت کہ بس غضب آگیا۔ کیوں صاحب میں کیا آپ کی زرخرید لونڈی باندی ہوں جو بغیر اجازت کے ہل کے پانی تک نہ پیوں۔ ہوا کیا سارے گھر کا انتظام کر گئی تھی۔ نوکروں کو ضروری ہدایتیں دے گئی تھی بچے بھی اُن کے سپرد کر گئی تھی۔ آپ کو چاء ملی یا نہیں۔ کھانا ملا یا نہیں جب آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی تو میری آزادی میں آپ کیوں مخل ہوتے ہیں۔ آزادی ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ خود تو خوب سیاسی آزادی کے خواہاں ہیں۔ عورت اگر تھوڑی دیر کو دل بہلانے چلی جاوے تو اس قیدی سے جواب طلب ہوتا ہے کہ یہ کیا حرکت ہے۔ واہ صاحب واہ کیا خوب! میاں بچارے تھے ذلیل اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بس اتنا کہتے ہوئے سُننے گئے کہ "ہر چہ بر ماست از ماست" ہائے خود کردہ را علاجے نیست۔ اور دبک کر سو گئے۔

مشتاق احمد زاہدی

عطا کر

الٰہی مجھے اپنی اُلفت عطا کر — نہ دولت عطا کر نہ ثروت عطا کر

ریاضت عطا کر قناعت عطا کر — مرے دل کو یارب شرافت عطا کر

محبت سے اس دل کو عظمت عطا کر — خدایا مجھے اشکِ حسرت عطا کر

عبادت سے دل کو مسرت عطا کر — کھلے غنچۂ دل وہ دولت عطا کر

مرے دل کو ایسی لطافت عطا کر — جو احساس غیروں کے غم کا بھی کر لے

میرے قلب کو وہ نزاکت عطا کر — تڑپ جائے جو دشمنوں کے بھی غم میں

وہ نیت عطا کر وہ ہمت عطا کر — غریبوں پہ جاں تک میں قربان کر دوں

میرے دل کو وہ پاک نعمت عطا کر — میری زندگی پر دو عالم ہو حیراں

میرے دل کو اپنی اطاعت عطا کر — میں فارغ ہوں دنیا کے جھگڑوں سے یارب

میرے دل کو خوفِ قیامت عطا کر — برقرار ہے روح انجام سے بھی

محمدؐ کی مجھ کو زیارت عطا کر — میں مکہ بھی دیکھوں مدینہ بھی دیکھوں

میری روح کو وہ شجاعت عطا کر — جو حق ہو وہی منہ سے جاری ہو کلمہ

عبادت ریاضت کی ہمت عطا کر — تیری بندگی میں ہو یہ عمر آخر

میرے دل کو ایسی بصارت عطا کر — ہو حقانیت مجھ پہ زیبی نمایاں

زیب النساء جاندہ

اِصلاحِ نفس

ایک عام مقولہ ہے کہ "کسی کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرو"۔ نفسی اصلاح کا تعلق جسم کے ہر حصہ سے ہے۔ مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان، دل اور دماغ وغیرہ۔ کسی بچے کی اصلاح اگر اُسے مار پیٹ کر کرنا چاہیں تو وہ کبھی دُرست نہ ہوگا۔ بلکہ ڈھیٹ بن جائے گا۔ لیکن اگر خود نمونہ بن کر اُسے دکھایا جائے تو وہ چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔ مثلاً کوئی اُستاد اپنے شاگردوں سے کہے "دیکھو لڑکو! تم سگریٹ کبھی نہ پینا یہ بُری بُری چیز ہے۔ لیکن خود اُستاد کو اپنے نفس پر قابو نہیں اور وہ اُن کے سامنے ہی سگریٹ نوشی شروع کر دے تو بچے اُس کی بات کا کیا اثر قبول کریں گے! بلکہ وہ تو یہی خیال کریں گے کہ ماسٹر صاحب غلط فرماتے ہیں ورنہ یہ خود کیوں کسی بُرے فعل کے مرتکب ہوتے۔ اس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس پر قابو رکھے۔

اصلاحِ نفس صرف ذاتی صفات ہی کو روشن نہیں کرتی بلکہ یہ ایک بڑی نیکی بھی ہے۔ کیونکہ اس سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ اس کے ساتھی یا ہم مشرب جب دیکھیں گے کہ اُن کا ساتھی کتنا شریف انسان ہے اور کیسی اچھی صفات کا مالک ہے تو وہ بھی اگر اُن میں کوئی بُری عادت ہوگی تو اس کو ترک کر دیں گے۔

سب سے پہلے ہمیں اپنے دل دماغ اور خیالات کی اصلاح کرنی چاہئے۔ خیالات کی بلند پروازی اور پاکیزگی بڑی اچھی چیز ہے لیکن اگر انہیں کو بگاڑ لیا جائے تو وہ ایک لعنت بن جاتے ہیں۔ یہ کہنا غلط اور بالکل غلط ہے کہ ہر شخص نیکی نہیں کر سکتا اس لئے کہ جب انسان یہ تہیہ کر لے کہ وہ بُرائی نہیں کرے گا ہر کام کو سوچ سمجھ کر کرے گا۔ تو پھر کوئی چیز اُس کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص پیدائشی شریف النفس ہوتا ہے۔ بعد میں ماحول کی پاکیزگی یا آلودگی اس کی حالت کو بدل دیتی ہے۔ اور وہ بھی ماحول جیسا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریف الطبع لوگوں کے لئے اصلاحِ نفس کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن پست ہمت اشخاص کے لئے یہ کام بھی امرِ عظیم ہے۔

انسان دُنیا میں نیک کام کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہے۔ دُنیا میں بھی باعزت رہتا اور عقبیٰ میں بھی اعلیٰ مدارج پائے گا۔

نقل کا مادہ فطرتاً انسان میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کو ایسا نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہئے جس کی نقل سے اوروں کو فائدہ پہنچے۔ مکمل انسان وہ ہوتا ہے جو انسانیت کی صفات سے بہرہ اندوز ہو۔ مثلاً اخلاقِ حمیدہ کا مالک ہو۔ کلام میں نرمی اور ملائمت پائی جائے۔ جھوٹ نہ بولے نیکی کرنا اس کا شعار ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جس میں ان میں سے کوئی خصلت بھی نہ ہو۔ وہ انسان کہلانے کا وہ تو حیوان ہی رہا۔

انسان کو پاکیزہ خیالات اور بلند عزائم کا مالک ہونا چاہئے وہ اپنے دل اور دماغ سے اچھے کام سوچے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اُن کو مفید مشورہ دے۔

جو انسان اپنے نفس کی پیروی نہ کرے گا۔ بلکہ نفس اس کی ماتحتی میں رہے گا۔ اور دل و دماغ پر حکمراں ہوگا۔ وہ گویا دُنیا کا بادشاہ ہے۔

ہر شخص! امیر ہو یا فقیر۔ اصلاحِ نفس اُس کا اوّلین فریضہ ہے۔ اگر وہ اس کی طرف توجہ کرے تو خیر۔ ورنہ پھر ایسے لوگ جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتے دُنیا میں بے اصول اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے والے خیال کئے جاتے ہیں۔

جمیلہ پروین عرفانی

خواتین کی ذمّہ داریاں

تمدّن کے لحاظ سے ہر چھوٹے بڑے، امیر و غریب، عورت مرد کی مختلف ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اور ان ذمّہ داریوں کی کماحقہٗ تعمیل ایک اچھے تمدّن کی ضمانت ہوتی ہے یہاں ہم عورتوں کی ذمّہ داریوں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

عموماً خواتین کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں۔ اوّل تو اس کی حیثیت والدین کی اولاد اور دختر کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ شوہر کی بی بی بن جاتی ہے۔ اور پھر بچّوں کی ماں کا درجہ ملتا ہے۔ مردوں کے برخلاف خواتین کی ذمّہ داریوں کا آغاز جلد شروع ہوتا ہے۔ اور دن بدن وہ اہم سے اہم تر ہوتی جاتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دینے اور پوری طرح ان پر عمل کرنے سے عورت کی زندگی مسرّت اور شادمانی سے بسر ہو سکتی ہے۔ وہ بہترین اولاد۔ عمدہ بی بی اور قابل ماں بن سکتی ہے۔

خواتین کی ذمّہ داریوں کی ابتدا ان کی کم عمری سے شروع ہو جاتی ہے۔ گھر کے کام کاج میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹانا اور اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو بہلانا ان کا ایک اہم فریضہ ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف اپنی تعلیمی اُمور کو انجام دیتی ہیں۔ اور دوسری طرف ماں کو مدد دینا بھی ہوتا ہے۔ ان کے یہ فرائض اس وقت تک قائم رہتے ہیں۔ جب تک کہ شادی نہیں ہو جاتی۔

شادی کے بعد خواتین کی زندگی کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ اور اب اس کی ذمّہ داریوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ شوہر کی خدمت۔ گھر کا انتظام۔ خود اپنی خبر گیری، ان کی زندگی کی اہم ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

ہمارے تمدّن کے لحاظ سے سماج کے تین طبقے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ یعنی اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ ان تینوں طبقوں کی عورتوں کی ذمّہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ اور بلحاظ مراتب ذمّہ داریوں میں بہت کچھ فرق ہے۔

ادنیٰ طبقہ کو خود اپنی ذات سے وہ سب کچھ کام کرنا ہوتا ہے۔ جو اعلیٰ طبقہ ملازمین سے لیتا ہے۔ ادنیٰ طبقہ کو اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ گھر کے سب کام کاج انجام دیں اور اس کے ساتھ ہی شوہر کی خدمت گزاری اور خبر گیری کریں۔ وہی گھر کی ماما بن کر کھانا پکاتی ہے۔ اور وہی مکان کی صفائی کرتی۔ اور میاں کے کپڑے سیتی ہے۔ غرض اس کی ذات ہی ہر جزو و کُل کی ذمّہ دار ہوتی ہے۔

اعلیٰ طبقہ یہ سب کام اپنی ذات سے نہیں کرتا بلکہ اپنی نگرانی میں ان اُمور کو انجام دینا ہوتا ہے۔

اوسط طبقہ کی ذمّہ داریاں ان دونوں طبقوں کی گویا مشترک ہوتی ہیں۔ وہ اپنی ذات سے بھی گھر اور شوہر کی خدمت کرتی ہیں۔ اور ایک آدھ خدمت گزار سے بھی مدد لیتی ہیں۔

بی بی کی سب سے بڑی ذمّہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی طبیعت سے واقف ہو جائے، اپنے آپ کو شوہر کی طبیعت کے مطابق رنگ لے۔ یا خود اس کو اپنی طبیعت کے مطابق بنا لے۔

دوسری ذمّہ داری یہ ہوتی ہے کہ گھر کا کاروبار آمد و خرچ کی دیکھ بھال کرے۔ گھر کا پورا انتظام اس کی ذات سے متعلق ہوتا ہے۔ اس کو لازم ہے کہ شوہر کی آمدنی اور خرچ میں توازن رکھے۔ کفایت شعاری سے خرچ کرے۔ سلیقہ سے ہر کام انجام دے۔ جو عورت سلیقہ شعار نہیں ہوتی وہ اپنے شوہر کے راحت و آرام کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ وہ گھر نہایت نامبارک ہوتا ہے۔ جہاں گھر والی پھوہڑ ہوتی ہے۔ اور ایسا گھر دوزخ کا نمونہ بن جاتا ہے۔ سلیقہ شعاری عورت کا زیور ہے۔ اور وہ گھر جنّت کا نمونہ ہوتا ہے۔ جہاں گھر کی ملکہ زیورِ سلیقہ سے آراستہ ہوتی ہے۔

عورت کی ایک تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شوہر کے
اچھے بُرے کی خبرگیری کرے۔ وہ اپنے شوہر کی انیس وجلیس
مونس ورفیق ہوتی ہے۔ اس کا کام ہے کہ وہ شوہر کی مصیبت
پریشانی میں ساتھ دے۔ اس کی دلجوئی کرے اس کے راحت اور
آرام کا انتظام کرے۔ اس کی صحت وتندرستی کا خیال رکھے۔

اس کے بعد عورت کی تیسری یہ حیثیت قابلِ تذکرہ ہے
جبکہ وہ بچوں کی ماں بن جاتی ہے۔ اب اس کے فرائض میں بھی
اضافہ ہوجاتا ہے۔ اور ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اس کے
ذمے نہ صرف اپنے شوہر اور اپنے گھر کا کام کاج متعلق ہوتا ہے
بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اولاد کی نگرانی ان کی پرورش ان کی تربیت
سب کچھ اس کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کی ذات سے اس کے بچوں
یا دوسرے الفاظ میں قوم کے نونہالوں کی دیکھ بھال اور ان کی
تربیت کا اہم ترین فریضہ وابستہ ہوتا ہے۔ بچوں کو اچھی تربیت
دینا اور ان کو پروان چڑھانا بہترین اولاد، عمدہ شہری اور قوم
کے شورما بنانا اسی کا کام ہوتا ہے۔

بچوں کی خبرگیری اور نگرانی میں سب سے پہلے ان کی
صحت اور تندرستی کا خیال رکھنا چاہئے۔ ابتداء سے ان کے
کھانے پینے کا خاص انتظام ہو۔ ان کے جسم اور بدن کی صفائی، لباس
کی پاکیزگی نہایت ضروری ہے۔ جب تک کھانے پینے اور صفائی
کا خیال نہ رکھا جائے گا اس وقت تک بچوں کی صحت اچھی نہیں
رہ سکتی۔ تندرستی کا دارومدار ان کی غذا اور صفائی پر ہی منحصر ہے
اس کے ساتھ ہی اور چند خاص باتیں ضروری ہیں۔ بعض کی نگرانی
بعض سے پرہیز ضروری ہے۔ جو باتیں ابتداء میں معمولی معلوم ہوتی ہیں
وہ آگے چل کر اہم ہوجاتی ہیں۔ اور ان کا اثر رونما ہوتا ہے۔

بچوں کی ہٹ۔ جس کو بالک ہٹ سے ضرب المثل کیا گیا
ہے۔ وہ غلط نہیں ہے۔ اکثر بچوں میں ضد ہوتی ہے وہ کسی کام
کے کرنے یا کسی چیز کے لینے کے لئے ضد کرتے ہیں اور ان
کی خواہش پوری نہ ہو تو مچلنا اور رونا شروع کر دیتے ہیں یہ
عادت نہایت بُری ہے
اس کا انسداد شروع سے کرنا چاہئے۔ اس
امر کی ضرورت ہے کہ جو بچے ضد کے عادی ہوں ان کو مچلنے نہ دیا جائے
بلکہ دوسری باتوں اور کھیل کی طرف راغب کر دیا جائے۔ بعض بچے شریر
ہوتے ہیں۔ دوسرے بچوں کو مارنا اور تکلیف دینا ان کو اچھا معلوم ہوتا
ہے۔ بچپن سے اس قسم کی عادت کو دُور کرنا چاہئے۔ شریر بچے
کرنے سے درست نہیں ہوتے بلکہ میٹھی باتوں سے وہ راہ راست پر
آسکتے ہیں۔

اکثر مائیں اپنے بچوں کو ڈرانے کی عادت ڈالتی ہیں۔ یہ بھی
نہایت معیوب ہے۔ بچوں کو خوف دلانا اور ڈرانا ان کی آئندہ زندگی
کے لئے مضر ہے۔

بچوں سے جھوٹی باتیں نہ کرنی چاہئیں ان کو جھوٹے وعدوں
سے نہ بہلانا چاہئے۔ مذاق میں بھی جھوٹ سے پرہیز ضروری ہے
جن بچوں سے جھوٹ کہا جاتا ہے۔ وہ پھر آئندہ زندگی میں جھوٹی باتوں
کے عادی ہوجاتے ہیں۔

کم عمری سے اولاد کو کام کرنے کا عادی بنانا چاہئے اگر ابتدا
سے ان کو کام کا عادی نہ بنایا جائے تو آرام طلب اور کاہل بن جاتے
ہیں۔ ابتدا سے ان کو سلیقہ شعاری سے واقف کرنا اور ان پر نگرانی
رکھنا چاہئے تاکہ وہ بدسلیقہ نہ بن جائے۔ بچوں کی فطرت اور مذاق
سے واقف ہو کر ان کو اسی مشغلہ کی جانب متوجہ کرنا چاہئے کھیل
کود میں اور کھلونے میں بھی بچوں کو ان کی فطرت کا لحاظ رکھنا ضروری
ہے۔ ابتدائی تعلیم کا مقصد یہی ہے کہ بچوں کو ان کی فطرت اور
طبیعت کے موافق تعلیم دی جائے۔ اور کھیل کے ذریعہ ابتدائی تعلیم ہو۔

ہمارے اعلیٰ طبقہ اور بعض متوسط طبقہ میں اولاد کی پرورش
اناؤں اور آیاؤں کے ذمہ ہوگئی ہے۔ اور آج کل کی آیائیں صرف
نام کی آیا ہوتی ہیں۔ اور ان کو صرف سفید ساری پہننا اور ٹیڑھی
مانگ نکالنا آتا ہے۔ اصلی فرائض سے آگاہی نہیں ہوتی۔ اس
امر کی ضرورت ہے کہ آیاؤں کی تربیت کی جائے اور ان کو پرورش کا
طریقہ سکھایا جائے ان کو ابتدائی اصولِ حفظانِ صحت اور بچوں کے
عام رکھ رکھاؤ اور ان کو بحال اور خوش رکھنے کے عملی طریقوں سے

واقف ہونا چاہیئے۔ ان کی نیک چلنی قابل گرفت نہ ہو۔ اور ان کے عام اخلاق وعادات اچھے ہوں۔

غرض کہ بچوں کی پرورش اور نگہداشت ماں کا سب سے زیادہ اہم فریضہ ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اولاد قوم کی امانت ہے اور امانت کی حفاظت نہایت اچھی ہونی چاہیئے۔" علامہ اقبال نے قوم کی ماؤں کو بھی پیغام دیا ہے۔ وہ خواتین کو پیام دیتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رض زہرا کی طرح زندگی بسر کی جائے ان کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے چراغ ہدایت بنائیں اور ان کی طرح بچوں کی پرورش کی جائے اور قوم کو امام حسین جیسا فرزند دیا جائے۔ جو حق وصداقت کے لئے اپنی جان بھی نذر کر سکے امام حسین علیہ السلام کے قطع نظر دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور بڑی بڑی ہستیوں کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان ہستیوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچنے اور بلند مرتبہ حاصل کرنے میں ان کی ماؤں کی تعلیم اور تربیت کا خاص حصہ رہا ہے۔ اور بچپن ہی کی اعلیٰ تربیت ان کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کی ممد ومعاون ہوئی ہے۔

دُنیا کے قطع نظر ہندوستان کے مشاہیر کے حالات دیکھے جائیں تو اس کا ثبوت مل سکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی تربیت ہی سے مشاہیر ہند نے شہرت اور نام آوری حاصل کی ہے۔ راجہ رام موہن رائے۔ سر سید۔ جسٹس رانا ڈے۔ گوکھلے۔ علامہ شبلی۔ مولانا محمد علی۔ اقبال۔ غرض ان سب کی سیرت سازی میں ماں کی تربیت کا بڑا حصہ ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ بچوں کا ابتدائی زمانہ ہی ان کو راہ راست پر لگانے کا ہوتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ بچے کو جس سانچے میں چاہو ڈھال لو۔ اچھی راہ لگاؤ تو ماں باپ اور خاندان کا نام روشن ہوتا ہے۔ اور بری صحبت میں رکھو تو بری خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ صدیوں پہلے شیخ سعدیؒ نے کس قدر واضح طور پر اس کو بیان کر دیا ہے۔

پسر نوح با بداں بنشست — خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شد

مشاہیر حکماء اور فلسفیوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بچپن کی تربیت ہی انسان کی آئندہ زندگی میں اس کی سیرت وکردار سازی میں کارآمد ہوتی ہے اور بچپن کی تربیت کا گہوارہ ماں کی گود ہے بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی اولاد کو عمدہ تربیت دینا اور ان کو آئندہ زندگی میں اچھی شہرت اچھی عادت، اچھی خصلت کا بنانا۔ ماں، صرف ماں ہی کا فریضہ ہے۔ نیک اور قابل ماں موجب خیر وبرکت ہوتی ہے۔

عورت ہی وہ چیز ہے جس کی ذات ایک گھر۔ ایک خاندان ایک قبیلے بلکہ ساری قوم کی فلاح بہبودی، ترقی وتنزل نیکنامی بدنامی۔ آسودگی اور تباہی۔ خوشحالی اور بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ وہ قوم کی معمار ہے۔ وہ قوم کی بے غرض خدمتگذار ہے وہ اپنے خون اور نازک وناتواں ہاتھوں سے قوم کے لئے نیک خصلت، نیک کردار قوی دل، بہادر اور دلاور افراد تیار کرتی ہے اور یہ وہ لازوال دولت ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

تسلّی

نصیر الدین ہاشمی

مرے اک دوست طوفاں میں بھی ہر دم لاابالی تھے — جسے آلام کی تھی زندگی فکروں سے خالی تھی
خدائے عزّ وجل نے صاحب ثروت بنایا تھا — بڑے ترکے کے وارث اور بہت دولت والی تھے
رہی حاصل تمامی عمر ان کو فارغ البالی — بکثرت کل ذرائع پاس مالی او رضالی تھے
رہا مہماں نوازی عمر بھر شوق دل ان کا — نخیرے سخی تھے حوصلے بھی دل کے عالی تھے
گرانی کی گراں بندشوں نے کر دیا عاجز — ہوا جس دن سے راشن تب لگے خستہ حالی تھے
یکایک ہو گئیں اجناس جب بازار سے غائب — تمامی ملک میں حالات مثل قحط سالی تھے
اٹھائیں ساتھ صبر وشکر کے سخت تکلیفیں — مگر پھر بھی گرفتار غم وافسردہ حالی تھے
وہ آخر ہی یہ فکر گزرے گی وہاں کیسی — تقاضے زیست مستقبل کے ان کی پائمالی تھے
تسلی دے کے سمجھایا نہیں لوگوں نے جب دیکھا — طبیعت میں عجب خطرے تھا جو خیالی تھے

نہ گھبراؤ تمہارے ساتھ راشن کارڈ جائے گا
"سکندر جب گیا دُنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے"

بدین

محمد اللہ

خاموشی

قدرت خود خاموش ہے۔

قدرت نے ہر چیز میں خاموشی ودیعت کر رکھی ہے۔ نیلا نیلا آسمان۔ نیلا نیلا تاروں بھرا آسمان اپنی وسعت میں نہ جانے کیا کیا پنہاں کئے ہوئے ہے۔ مگر خاموش ہے۔

پتھریلی اور سرسبز زمین اپنی گہرائیوں میں نہ معلوم کیا کیا لئے ہوئے ہے۔ مگر چپ ہے۔

لہریں مارتا ہوا سمندر خاموش ہے۔۔۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوا آواز سنائی نہیں دیتی۔۔۔ روشن اور درخشاں سورج آب و تاب کے ساتھ درخشاں ہے۔ مگر خاموش ہے۔

نور بھرا نورانی چاند اپنی پُر حسرت نگاہیں دنیائے فانی پر ڈالتا ہے۔ مگر منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ ستارے رات بھر جھلملاتے اور آنسو بہاتے رہتے ہیں مگر خاموش ہیں۔

گلاب کے سرخ سرخ پھول دلی مسرت سے کھل اُٹھتے ہیں مگر اپنی خوشی بھی بیان نہیں کرتے۔

موتیا کی سفید کلیاں کسی معصوم روح کی مانند دنیائے فانی کو دیکھتے دیکھتے۔ اور سمجھتے سمجھتے فنا ہو جاتی ہیں۔ مگر کہتی کچھ نہیں۔

نرگس کے حسین پھول غم سے رو اُٹھتے ہیں۔ مگر اظہار نہیں کرتے۔

سر بفلک کوہسار سر اُٹھائے بے بسی سے آسمان کو تکتے ہیں۔ اور آواز نہیں نکالتے۔

گہری وادیاں اپنے سینوں میں بہت سے راز چھپائے ہوئے ہیں۔ مگر خاموش ہیں۔

عادت لق ودق صحرا۔ اپنے اندر نہ جانے کیا کیا راز ہستی لئے ہیں مگر خاموشی سے کام لیتے ہیں۔

سرسبز درخت نہ جانے کیا کیا سوچتے سوچتے مرجھا اُٹھتے ہیں۔ مگر تکلیف بیان نہیں کرتے۔

سرسبز پودے مسرت سے لہلہاتے اور جھومتے ہیں مگر خوشی کا اظہار نہیں کرتے۔

بڑے بڑے درخت سر جھکائے بے ثباتی دنیا کو دیکھتے ہیں۔ مگر اپنی پریشانیوں کو ظاہر نہیں کرتے۔

ہمارا دل! قدرت کی عجیب ترین مخلوق ہے! اپنے اندر سینکڑوں مسرتیں اور لاکھوں غم پنہاں رکھتا ہے۔ کتنی ہی آندھیاں چلیں۔۔۔ اور کتنے ہی طوفان آئیں۔ مگر اُف نہیں کرتا۔

جب خاموشی ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔۔۔ جب خاموشی قدرت کی ہر مخلوق پر مسلط ہے۔ تو کیا لازم نہیں کہ ہم بھی بڑے سے بڑا غم خاموشی سے سہہ لیں۔

اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو خاموشی سے برداشت کرلیں۔۔۔ زندگی کو خاموشی سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ زندگی کے بے پناہ دکھ کو خاموشی سے برداشت کرلیں۔ اور خاموشی سے اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں۔ جس نے ہمیں یہ بیش بہا عطیہ! عطیۂ زندگی دیا۔ اور جس کے پاس آخر ہمیں خاموشی سے ہی لوٹ کر جانا ہے۔۔۔

کلثوم حمید یاس کلکتہ

بچّوں کی تربیّت

والدین کا حد سے زیادہ لاڈ پیار بچوں کی عادتیں بگاڑ کر اُن کو ہمیشہ کے لئے کاہل اور سست بنا دیتا ہے یہ ضرور ہے کہ والدین اپنی محبت سے مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کو چاہئے کہ وہ اپنے اس رویّہ کو اعتدال کی حد سے نہ گزرنے دیں۔ بچوں کی فطرت قدرتی طور پر ایسی ہوتی ہے کہ وہ ذرا سے تغیر سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں وہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس ماحول سے وہ بہت جلدی اثر لیتے ہیں۔ ایک بچہ جو انگلستان میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ بڑا ہو کر انگریزی بولنے لگتا ہے۔ کیونکہ وہ جس ماحول میں پروان چڑھا وہاں انگریزی زبان بولی جاتی تھی لیکن برخلاف اس کے ایک بچہ جو ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے وہ اُردو بولتا ہے کیونکہ وہ جس ماحول میں پروان چڑھا وہاں اُردو کا رواج تھا۔ اکبر اعظم مغل سلطنت کے مشہور حکمران نے اسی چیز کا تجربہ اس طرح کیا تھا کہ اس نے ایک محل بنوایا جس میں گونگے لوگوں کو رہنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہاں چالیس بچے بھی رکھوائے۔ گونگوں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ یہ چالیسوں بچے بڑے ہو کر بالکل بات نہ کر سکتے تھے بلکہ صرف گونگوں کی طرح اشاروں ہی سے بات چیت کرتے تھے۔ اس مثال سے یہ بات بخوبی روشن ہو گئی کہ بچوں کے اوپر ماحول کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔

ہندوستان کی جہالت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ والدین بچوں کے لئے وہ صحیح ماحول جس کی ان کو ضرورت ہوتی ہے مہیا نہیں کر سکتے محلہ کے بیہودہ لڑکوں کے ساتھ اپنے بچوں کو بیٹھنے اٹھنے سے منع نہیں کرتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچے ان کی صحبت میں بیٹھ کر طرح طرح کی بیہودہ اور لغو باتیں سیکھتے ہیں۔ اگر والدین ذرا توجہ کرتے اور بیہودہ لڑکوں کی صحبت کے زہریلے اثر سے انہیں محفوظ رکھتے تو باآسانی اصلاح ہو جاتی۔ جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کی اصلاح قریب قریب ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت والدین کے دل میں ان کی اصلاح اور تربیت کا خیال آتا ہے لیکن اس وقت ان کی تربیت "تربیت نا اہل را چون گردگاں بر گنبد است" کے مصداق ثابت ہوتی ہے۔

بچہ کی تربیت میں سب سے پہلی چیز ادب اور تمیز کی ہدایت و تعلیم ہے۔ بچے کو ادب سکھانے کے لئے زیادہ سختی کی نہیں صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔ اوائل عمر ہی سے بچے کے ساتھ اگر "آپ" "جناب" سے بات چیت کی جائے تو لازمی ہے کہ وہ بھی دوسروں سے آپ جناب سے بولے گا۔ بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ بچوں سے لاڈ پیار میں "تُو" "تڑاق" سے بولتے ہیں۔ لیکن بچے پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے بزرگوں سے اسی طریقہ سے بولتا ہے۔

اگر کوئی یہ چاہے کہ اپنے بچے کو مار پیٹ کر درست کرے تو یہ ناممکن ہے بلکہ اس سے بچے کے اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا ہے جسمانی سزا سے بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بچوں میں بے شرمی اور دیدہ دلیری بڑھ جاتی ہے۔ گھڑکیوں، ڈانٹوں اور جھڑکیوں سے بچے کو سدھارنے کی کوشش کرنا بالکل فضول ہے کیونکہ اس طریقہ سے ضدی، کند ذہن اور نڈر ہو جاتا ہے۔ بچے کو آپ اگر ایک بات پیار و محبت سے بتائیں گے تو اس کا اس پر زیادہ اثر ہوگا بہ نسبت اس کے جو ڈانٹ ڈپٹ کر اس کو بتائی جائے گی۔

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو بچے کے چھیڑنے میں بڑا لطف آتا ہے اور وہ اس کے غصہ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے۔ اس طرح سے اگر بچہ شروع ہی سے غصہ کا عادی ہو گیا تو جوانی میں اس کا یہ غصہ سوہان روح بن جائے گا۔ بچوں کی اصلاح جس قدر عمدہ سلوک، شفقت اور مہربانی کے رویہ سے ہو سکتی ہے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا یہ رویہ کبھی اعتدال کی حد سے نہ گزرنا چاہئے۔

بچوں میں پیسہ مانگنے کی عادت بھی ایک بری علامت ہے۔ والدین

کو اس چیز کا بڑا خیال رکھنا چاہیئے۔ اور کبھی اس کے مانگنے پر کچھ نہ دینا چاہیئے۔ اس سے کئی فائدے ہیں اول تو یہ کہ ہر وقت پیسے ملتے رہنے سے زیادہ خرچ کے عادی ہو جاتے ہیں اور بڑے ہونے کے بعد والدین نہ تو ان کی طلب کو ہی ٹھکرا سکتے ہیں اور نہ ان کے فضول اخراجات کو برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بچوں کی عموماً عادت یہ ہوتی ہے کہ والدین سے پیسہ لیا اور باہر جا کر خوانچہ والوں سے کوئی چیز خریدلی اور کھالی۔ اس سے ان کی تندرستی پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ غرض بہتر یہی ہے کہ بچوں کو کبھی پیسے نہ دیئے جائیں بلکہ جس چیز کی ان کو ضرورت ہو وہ گھر میں تیار کرادیں اس طرح سے ان کی تندرستی بھی درست رہے گی۔

خداوند تعالیٰ نے بچے کو ایسی فطرت عطا فرمائی ہے جس سے وہ معمولی تغیر سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اس کی معمولی سی مثال یہ ہے کہ بچے کہانیوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اس لئے اگر معمولی معمولی سی باتیں بھی ان کو کہانی سے سمجھائیں تو دوسری تدابیر کی نسبت یہ تدبیر زیادہ کارگر رہے گی۔ ایسی کہانیاں جن سے بچوں کے اخلاق و عادات پر اچھا اثر پڑے سنانی چاہئیں۔ چھوٹے چھوٹے چٹکلے، مہذب لطیفے دلچسپ کھیل وغیرہ بھی بچوں کی تربیت کے لئے عمدہ چیزیں ہیں۔

بچوں کی حد سے زیادہ نگرانی اور روک ٹوک بھی ٹھیک نہیں کیونکہ ایک کام جس کو وہ کرنا چاہتے ہیں اور آپ اُن کو منع کرتے ہیں تو اُن کی فطرت اُن کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کام کو آپ سے پوشیدہ طور پر انجام دیں اور اس طرح جھوٹ بولنے کی عادت اُن کو ہو جاتی ہے آپ جس کام سے بچہ کو منع کرنا چاہیں اُس کی طرف سے اُس کے دل میں نفرت پیدا کر دینی چاہیئے اور کسی عمدہ کام کی ترغیب دیں مثلاً ایک بچہ پتنگ کی طرف سے متنفر ہو جائے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اس کو رنگوں کی ایک ڈبیہ اور کاغذ دیکر کہیں کہ پھول بناؤ تو بچہ اس خیال کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ اگر ان معمولی معمولی باتوں کا خیال رکھا جائے گا تو بچہ آسانی سے صحیح تربیت حاصل کرے گا اور بڑا ہو کر خاندان کے لئے باعث فخر بنے گا۔ بچے کے لئے ماحول ایک بڑی چیز ہے صحیح اور عمدہ ماحول کے بغیر بچے کی تربیت بہت مشکل ہے۔

رازِ امارت

جس ملک میں کچھ صنعت و حرفت نہیں ہوتی
حاصل اُسے دُنیا میں فراغت نہیں ہوتی

محنت سے مشقت سے فراہم کرو دولت
بے زر کی جہاں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی

دولت کو مگر خرچ کرو سوچ سمجھ کر
وہ کون ہے اس کی جسے حاجت نہیں ہوتی

ہوتا نہیں محتاج کسی کا وہ کسی وقت
جس شخص کو اسراف کی عادت نہیں ہوتی

دیکھا ہے کہ ناداری و افلاس سے بڑھ کر
انساں کے لئے کوئی مُصیبت نہیں ہوتی

کوشش کرو ہر گھر میں ہو تعلیم کا چرچا
بے علم و ہُنر دُور جہالت نہیں ہوتی

اشیاء ضروری ہوں جو سب ہند میں تیار
پھر کس طرح زوروں پہ تجارت نہیں ہوتی

اس کام میں زرداروں سے زر لے کے لگاؤ
وہ جمع کریں اس لئے دولت نہیں ہوتی

کیا ہم کو ازلؔ فائدہ پھر اہلِ دول کا
جب قوم کی اُن سے کوئی خدمت نہیں ہوتی

ابوالاعجاز ازلؔ

ماحول اور وراثت

انسان چونکہ مجموعہ ہے روح اور جسم کا۔ اس لئے ایک کا اثر دوسرے پر پڑنا لازمی ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کو واقعی اور حقیقی زندگی بنانا چاہتے ہیں۔ تو جس طرح ہم جسم کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح ہم کو روح کی پاکیزگی کے لئے بھی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا میں انسان کو اپنی زندگی زمانہ کے ماحول کے مطابق گزارنی پڑتی ہے کبھی ہم ماحول کو اپنے مطابق بنا لیتے ہیں اور کبھی خود ماحول کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔

ماحول کے معنی صرف "انسانی سوسائٹی" میں زندگی بسر کرنا ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ماحول سے مراد انسان کا ہر اس چیز کے درمیان زندگی بسر کرنا ہے جس سے اس کو دلچسپی ہو۔ اور پھر رفتہ رفتہ یہی چیز اس کا ماحول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک اہل علم اور مطالعہ کتب کے شائق کا ماحول لائبریری بھی ہو سکتا ہے۔ فقیروں اور جوگیوں کا ماحول جنگل اور بیابان بھی ہو سکتا ہے۔ اور شاعروں اور ادیبوں کا ماحول "خیالی" بھی ہو سکتا ہے۔

آپ زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو ماحول کی تاریخ کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا یعنی جب آپ کسی بادشاہ یا بڑے آدمی کی زندگی کے حالات معلوم کریں گے تو آپ کو اس کی نفسیاتی زندگی پر بھی ایک نظر ڈالنی پڑے گی اس لئے کہ انسان کی معاشرت کا انحصار اس کے جسم کی بناوٹ پر ہے۔ اور جسم کی ساخت اس کے گذشتہ نشو و نما پر منحصر ہے اور اس نشو و نما کا ذمہ دار ماحول اور موروثی اثرات ہیں مثال کے طور پر مغل شہنشاہ بابر کو لے لیجئے اس کے ماحول اور معاشرت نے اس کو کس درجہ بدل دیا تھا۔ انہیں چیزوں نے اس میں شجاعت، استقلال، اور جفاکشی پیدا کی اور اس کے جسم میں گوشت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک بہادر اور باہمت شخص تو ماحول کو اپنا غلام بنا سکتا ہے لیکن ایک معمولی انسان ہمیشہ اپنے ماحول کا غلام بنا رہتا ہے۔ غرض اپنے سخت ماحول کا مقابلہ وہی شخص کر سکتا ہے جس میں بابر کی سی شجاعت، جفاکشی اور استقلال ہو۔

کہا جا سکتا ہے کہ کابل میں بابر جیسے بہت سے لوگ تھے۔ صرف بابر ہی ان میں اتنا بلند کیوں ہوا۔ اس کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ ماحول کے بعد ایک اور چیز بھی ہوتی ہے جس سے ماحول کو خاص تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہو خاندانی صفات جلیلہ جو انسان کو ورثہ میں حاصل ہوتی ہیں۔ بابر کا ماحول "شاہی" یا "شہنشاہی" تھا اور شجاعت و دلیری اس کو ورثہ میں ملی تھیں۔ جنہوں نے مل کر اس میں چند اور خاص خوبیاں پیدا کر دی تھیں اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ موروثی اثر انسان کے ماحول میں پلنے کے بعد اس کے مستقبل کو روشن کر دیتا ہے۔ خواہ وہ موروثی اثر بڑا ہو یا اچھا۔

یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہوگی کہ تندرست ماحول میں تندرست ہی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر ماحول خراب ہے تو اس کا اثر ضرور اولاد پڑے گا۔ چنانچہ عالم ضعیفی میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ چست و چالاک اور بہادر و باہمت نہیں ہوتی اور اس میں ترقی کرنے کا جذبہ بہت کم ہوتا ہے اور اس کی مثال تھالی کے بیگن کی سی ہے جس پر مختلف ماحول اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور بہت ممکن ہے اس بچے کے اخلاق جلد بگڑ جائیں اور وہ بدمعاش اور بدچلن ہو جائے اگر وہ یہ صورت اختیار نہ کر سکا تو پھر وہ ایک بدھو سے کم نہ ہوگا مختلف ماحول اس کی زندگی کو کھلونا بنائے، کھیلتے رہیں گے اور وہ ان سے کوئی سبق نہ لے سکیگا۔ چاہے اس کے والدین کتنے ہی اچھے صفات و خصائل کے مالک ہوں۔ اور پھر یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہے گا یہاں تک کہ تمام خاندانی خوبیاں اس سے فنا ہو جائیں گی اور بعد کی تمام اولاد کمزور اور نکمی ہوتی رہے گی۔ اگر اصلاح کرنے اور ماحول بدلنے کی کوشش نہ کی گئی۔

اگر ماں باپ بچے کے مستقبل کو روشن بنانا چاہتے ہیں۔ تو ان کا

فرض ہو کہ وہ تندرست اور خوش حال ماحول میں بچوں کی تربیت و تعلیم کا انتظام کریں خراب ماحول کو تبدیل کریں اور خاندانی صفات سے اس ماحول کو تقویت پہنچائیں اگر اس جانب توجہ کی گئی تو وہ دن دور نہیں جبکہ ہر بچہ دنیا میں کچھ نہ کچھ کر سکے گا۔ اور اگر وہ کچھ نہیں کر سکا تو اتنا ضرور ہوگا کہ اس کا معیارِ زندگی دوسروں سے ضرور بلند ہو جائے گا۔ اور پھر آئندہ نسل اپنی ہمت اور خصائل پسندیدہ سے اپنا مستقبل خود روشن اور شاندار بنا لے گی۔ اب چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) باپ میں دریا دلی اور سخاوت کی خوبیاں نمایاں ہیں اور ماں میں رحمدلی اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس خاندان میں جو بچہ پیدا ہوگا۔ اس کو ورثہ میں کیا ملے گا۔ کیا یہ بچہ بھی اپنے ساتھ والدین کی خوبیاں لائے گا؟ بے شک! اس کی خوبیاں اول اول مثل موم کے ملائم اور کمزور ہوں گی جن کو فولاد بنا دینے والے اس کے ماں اور باپ ہوں گے۔ باپ اچھی طرح سے یا بری طرح اپنے طریقہ پر تعلیم دے گا۔ اور ماں اپنے طریقے پر ہدایت کرے گی۔ چنانچہ یہ بچہ آہستہ آہستہ ان تمام خوبیوں کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس پر موروثی اثر اچھی طرح قبضہ کر لے گا۔ جو آخر زندگی تک اس کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔

(۲) باپ انتہا درجہ کا شجاع ہے۔ اور ماں میں انتہائی جرأت پائی جاتی ہے ان کا بچہ بھی بہادر پیدا ہوگا۔ اور اگر گھر کا ماحول اچھا ہے۔ تو اس میں ایک بہترین سپاہی بننے کی صلاحیت اور قابلیت بھی پیدا ہوگی اور گھر کا ماحول خراب ہے تو وہ ضرور ایک بڑا اور زبردست ڈاکو ہو جائے گا۔

(۳) اگر ماں باپ کے صفات ملتے جلتے ہوں توان کے بچے عموماً دوسروں سے زیادہ نمایاں جوہر دکھائیں گے۔ ایک قسم صفات اور عادتیں رکھنے والے ماں باپ کی اولاد یقیناً متضاد قسم کی عادتیں رکھنے والے والدین سے زیادہ قابل اور ہوشیار ہو سکتی ہے۔

(۴) باپ انتہا درجہ کا قابل، اور ماں نہایت حسین۔ توان کا بچہ بھی دونوں صفات کا حامل ہوگا یعنی علم اور ذہانت باپ کی طرف سے اور حسن و فراست ماں کی طرف سے اس کو ورثہ میں ملے گا اور پھر والدین کی تعلیم و تربیت سونے پر سہاگہ کا کام دیگی۔

حقیقت یہ ہے کہ ماں باپ ہی بچوں کی کشتی کے ناخدا ہیں۔ اپنے بچوں کی طرف سے ماں باپ کی غفلت اور بے فکری یقیناً اُن کی تباہی اور بربادی ہے۔

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ ماحول اور وراثت پر کب غالب آجاتا ہے۔ اس بحث کے تین حصے ہیں۔ (الف) وہ بچے جو خاندان کے ساتھ مل کر ایک گھر میں رہیں۔ (ب) وہ بچے جو یتیم خانوں میں پرورش پائیں۔ (ج) وہ بچے جن کا ماحول متعدد قوموں کے درمیان رہ کر بنتا ہے۔

الف کا ماحول۔ چھوٹی عمر کے بچوں کے موروثی اثرات کا اندازہ لگانا اس وقت سخت مشکل ہوتا ہے جب کہ ایک ہی گھر میں کئی خاندان بستے ہوں جن میں ہر ایک کے ایک یا ایک سے زیادہ اولادیں ہوں اور یہ بات ہندوستان میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ایسی جگہوں پر بچے کا "اپنے" موروثی اثر سے زیادہ "آپس" کا موروثی اثر (جو ماحول میں تبدیل ہو جاتا ہے) اثر کرتا ہے۔ اور پھر ان بچوں کی خوبیوں یا کمزوریوں کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ماحول میں ہم ایک والدین کی اولاد میں مختلف قسم کی عادتیں، دلچسپیاں، اور خیالات وغیرہ پائیں گے جن کے درست کرنے کے لئے والدین کو سخت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ب کا ماحول۔ یتیم خانہ میں ماحول کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے اور بعض وقت یہ ماحول ۹۰ فی صدی تک بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے یتیم خانوں میں مختلف گھروں کے بچے ایک جگہ رہتے، سوتے کھاتے پیتے کھیلتے اور کودتے ہیں یعنی دین دنیا کا کام مل کر کرتے ہیں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہر بچے کو ورثہ میں کچھ نہ کچھ ملتا ضرور ہے مگر موم کی طرح ملائم اور قریب قریب ہر سانچے میں ڈھل جانیوالا چونکہ اب اس کی زندگی دوسروں کے "قبضے" میں ہے جو اس

کے والدین سے ہر چیز میں کم و بیش مختلف یا بالکل مختلف صفات و خصائل رکھتے ہیں۔
لہذا بچے میں ورثہ کی خوبیاں دب جائیں گی اور ماحول اپنا اثر دکھلائے گا۔ لیکن موروثی اثرات
فنا نہیں ہوں گے۔ بلکہ کبھی کبھی اپنے ماحول کے ڈربے ہوئے رنگ میں بھی نظر آجائیں گے۔

ج کا ماحول - جس قدر دیکھنے میں آسان ہے اسی قدر مشکل بھی ہے جس کی وضاحت
کے لئے ایک دوسرے مضمون کی ضرورت ہے۔ جب ایک ملک میں ایک سے زیادہ قومیں مل
جل کر رہتی ہوں تو ہر قوم کا موروثی اثر اور ماحول اگر فنا نہیں تو بدل ضرور جائے گا۔ ہندوستان
کی مثال سامنے موجود ہے۔ جہاں ایک قوم کے صحیح تمدن یا معاشرت کو دریافت کرنا بہت
مشکل ہو گیا ہے۔ (یہاں تمدن اور معاشرت سے وہ چیزیں مراد ہیں جو مسلمانوں نے (یا
ہندوؤں نے) ہندوستان آنے سے پہلے اپنے پچھلے تمدن کو چھوڑ کر اختیار کیں۔ کیونکہ قوموں کے
آپس میں خلط ملط ہونے کی وجہ سے ان کی مخصوص خوبیاں فنا ہو گئیں مثلاً مسلمان اپنے
ساتھ بہادری، جفاکشی اور علم لائے اور ہندوؤں سے لے جن میں خود غرضی اور زودی عصبیت
موجود تھی۔ ایک نے دوسرے سے اثر لیا اور اثر لینا فطری تھا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ تو ہندوستان
کی گرم اور سست بنا دینے والی آب و ہوا نے اور کچھ ہندوؤں کے ماحول نے مسلمانوں سے
سپاہیانہ روح چھین لی اور خود غرضی کی زیادتی نے ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور
ہندوؤں نے مسلمانوں سے علم اور جفاکشی سیکھی مگر اب "یہ ملی جلی حالت" قریب قریب فنا
ہو چکی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب نہ وہ ہندو، ہندو رہے اور نہ وہ مسلمان مسلمان
رہے۔ اب یہ امید کرنا کہ ہندو یا مسلمان کا بچہ پھر سے اپنی قومی خصوصیات قائم یا زندہ
کرے ناممکن ہے۔ جب تک کہ انقلاب پیدا کر دینے والی کوئی زبردست طاقت ہو۔

مختصر یہ کہ موروثی اثر اور ماحول کا اثر دونوں اس قدر تیزی سے پہلو بہ پہلو
کام کرتے ہیں کہ والدین کا بچے کے ساتھ ذرا بھی غفلت کرنا یقیناً اس سے بے رحمانہ
سلوک کرنا ہے۔ عقلمند والدین وہی ہیں۔ جو بچے کی زندگی اس سانچے میں ڈھالیں
جو قابل رشک ہونے کے علاوہ دوسروں کے لئے سبق آموز بھی ہو کیونکہ بچے کی
قسمت کا ستارہ اس کے ماحول اور وراثت سے مل کر بنتا ہے۔ اور والدین اس
ستارہ کے مالک ہیں۔

جرّار حسین رضوی الہ آباد

خواتین بہار (بقیہ صفحہ ۲۵۱)

اکثر خواتین بہ رقع میں دوکان پر جا کر خود
خرید و فروخت کرتی ہیں۔ تعلیم یافتہ لڑکیاں
بھی سادگی پسند اور پردہ کی پابند ہیں۔

عورتوں میں اب سیاسی بیداری بھی پھیل
رہی ہے۔ اس دفعہ ۵۰ فی صدی عورتیں ممبر
بنیں۔ ووٹ کا دن دیکھنے کے قابل تھا۔

خواتین بہار قائد اعظم سے بہت عقیدت
رکھتی ہیں۔

بہار میں مضمون نگار تو بہت اکثر بہنیں
کرتی ہیں۔ جن میں شہر بانو اور شکیلہ اختر مشہور
مضمون نگار ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی خواتین
کے مضامین رسالوں میں چھپتے ہیں۔

بہن عابدہ معصومی کا یہ خیال ٹھیک نہیں
ہے کہ بہار کی عورتیں خانہ داری اور صفائی
سے بے پروا ہیں۔ متوسط طبقہ کی عورتیں گھر
کے زیادہ کام خود کرتی ہیں۔ امیر عورتیں شوہر
مہمانوں اور بچوں کے کھانے کا خاص خیال
رکھتی ہیں۔

لباس میں بھی اب تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔
چھوٹی بچیاں فراک۔ جانگیا۔ لڑکیاں شلوار
جمپر اور عورتیں ساری۔ بلاؤز یا شلوار جمپر
استعمال کرتی ہیں۔

مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے اور ہندو وادوں کے
تعصب سے ترقی کا موقع نہیں ملتا لیکن مسلمانان بہار
اب بیدار ہو چکے ہیں اور زندہ قوموں میں شمار ہونے
کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

رضیہ عبدالقادر

دو دلی

ایک شخص کو حاصل تھی زمانے کی امارت
خدمت کے لئے سینکڑوں خدام تھے گھر میں
لیکن یہ تعجب تھا بایں عیش فراواں
دل میں نہ اُمنگیں نہ طبیعت میں کوئی جوش
حال اُس کا تھا دُنیا کے لئے باعثِ حیرت
یہ عیش ہو جس کو وہ اس درجہ پریشاں
دُنیا میں ہر ایک شخص کو تھی فکر اسی کی
اس بات سے گو سارے زمانے کو تھی حیرت
القصہ اسی طور سے کٹتی رہیں گھڑیاں
ہمدرد، بہی خواہ ہر ایک زار و حزیں تھا
ایک ہمدمِ دیرینہ نے اک روز یہ پوچھا
سامان ہر اک عیش و مسرت کا بہم ہے
اللہ نے اولاد بھی دی زر بھی دیا ہے
کہنے لگا جو آپ نے فرمایا بجا ہے
دُنیا میں ہوا کرتا ہے آرام کا جینا
یہ سچ ہے کہ اللہ نے آرام دیا ہے
اس پر بھی مگر دل مرا مسرور نہیں ہے
دُنیا سے تمنا مری آباد نہیں ہے
سب کچھ ہے خدا کا دیا کس شے کی کمی ہے
جو رُوٹھی گھڑی ہر بات پہ ہر بات بگڑنا
ہر وقت پھُلائے ہوئے رہتی ہے وہ صورت
ضد ایسی کہ اللہ ہی اُس ضد سے بچائے
وہ اُس کو سُنانا کبھی جا اُس کو سُنانا
اس پر بھی ہے یہ ضد کہ کہیں لوگ سب اچھا
القصہ ہر اک بات سے میری اُسے کد ہے
دن رات کے کاموں سے اگر پاتا ہوں فرصت
بس دیکھتے ہی مجھ کو شکایت ہوئی جاری
یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا کیا اس کا سبب ہے
دیکھی نہیں یہ بات یہ اندھیر نہیں ہے

اُٹھتی تھی جدھر آنکھ نظر آتی تھی دولت
تکلیف نہ تھی کچھ بھی سب آرام تھے گھر میں
پژمردہ نظر آتا تھا ہر وقت وہ انساں
ہر وقت پریشانیٔ خاطر سے ہم آغوش
انگشت بدنداں تھی اُسے دیکھ کے خلقت
کچھ بھی ہو کوئی راز ہے اس بات میں پنہاں
کوشش میں تھی دُنیا کہ سُلجھ جائے یہ گتھی
اُس سے کوئی دریافت کرے کس کی تھی ہمت
ہوتا رہا حال اُس کا شب و روز پریشاں
کوئی بھی مگر واقفِ اسرار نہیں تھا
کچھ حال طبیعت کا سُنائیے تو خدا را
فرمائیے تو کچھ منہ سے یہ کس بات کا غم ہے
لیکن نہیں کھُلتا کہ سبب رنج کا کیا ہے
لیکن مرا حال آپ کو معلوم ہی کیا ہے
جب دل ہی نہ ہو شاد تو کس کام کا جینا
دُنیا میں تو انگر مجھے خالق نے کیا ہے
موجود ہے مے ساغرِ بلّور نہیں ہے
بے کار ہے یہ مال جو دل شاد نہیں ہے
بیوی کی طرف سے مری تقدیر بُری ہے
برہم کبھی ہونا کبھی دن رات بگڑنا
ہر بات ہے خاوند کی مستوجبِ لعنت
کر بیٹھنا اُس کام کو جو دل میں سمائے
برہم ہو کہ خوش کوئی کچھ اس کی نہیں پڑا
کم عقلی بے حد یہ بھی ہے عقل کا دعوا
میں نیک جسے کہتا ہوں وہ کہتی ہو بد ہے
رکھتا ہوں قدم گھر میں با اُمید مسرت
ملتے یہ شکن پڑ گئی غصہ ہوا طاری
کیا چیز ہوں میں میری یہاں قدر ہی کب ہے
نوکر کی بھی ہے قدر مری قدر نہیں ہے

آئے تھے مکاں میں کہ کچھ آرام ملے گا
بیوی سے خوشی کا کوئی پیغام ملے گا
آرام کا کیا ذکر ہے قسمت ہی بُری ہے
تفریح کو آئے تھے یہ تفریح ملی ہے
دونوں کا مزاج ایک نہ ہو جب کسی گھر میں
کچھ فرق نہیں واقعی گھر اور سقر میں
دن رات کی ہے کوفت شب و روز کی آفت
دل رہنِ الم جانِ حزیں وقفِ مصیبت
آ جائے جسے کوئی زنِ خوب میسّر
دوزخ بھی ہے اُس کے لئے فردوس سے بڑھ کر
شوہر کی وفادار ہو عورت تو وہی ہے
ہنس مکھ ہو خوش اطوار ہو عورت تو وہی ہے
عورت جو طبیعت کی ہو پھر پوچھنا کیا ہے
دُنیا ہی میں اُس شخص کو جنت کا مزا ہے
آپس میں اگر میل ہو دو دل ہوں جو راضی
واللہ امیری سے غریبی بھی ہے اچھی
سب عورتوں کے واسطے ہے باعثِ عبرت
یہ قصّے کا قصہ ہے نصیحت کی نصیحت
اک چیز ہے دُنیا میں جسے کہتے ہیں عورت
وہ چاہے تو دوزخ کو بنا سکتی ہے جنت
دُنیا میں بھلی بات سے عزت نہیں جاتی
شوہر کی مُدارات سے عزت نہیں جاتی
اخلاق تو دُشمن کو بنا لیتا ہے یاور
شوہر تو پھر اپنا ہے پسیجے گا نہ کیوں کر
ہوتا رہے ہر حال میں اظہارِ شرافت
اطوار ہوں ایسے کہ کریں غیر بھی عزت
خاوند اگر اجر بھی خدمت کا نہ دے گا
اللہ کے گھر جا کے صلہ اس کا ملے گا

دعا ڈبائیوی

خواتینِ بہار

اگست کے پرچہ میں مضمون خواتین بہار پڑھا معلوم ہوتا ہے کہ بہن عابدہ معین نے یا تو چند گھروں کے حالات دیکھ کر یہ اندازہ لگایا ہے۔ یا اب سے کافی عرصہ پہلے یہاں آئی ہوں گی بیشک آج سے بیس سال پہلے اس صوبہ کی ایسی ہی زبوں حالت تھی لیکن اب خدا کے فضل سے صوبۂ بہار کے مسلم باشندے بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں خصوصاً جنوبی بہار کے باشندے مسلمان لڑکیاں بھی تعلیم میں اب اپنی ہندو بہنوں سے کم نہیں ہیں۔ ذیل میں چند بہنوں کا ذکر کروں گی۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور جن سے میں واقف ہوں۔ سب سے اول حسن آرا بیگم ہیں۔ یہ ایم اے پاس ہیں۔ اور اب پٹنہ کالج میں پروفیسر ہیں۔

قریشہ خاتون۔ یہ بی اے ہیں اور ایم کی تیاری کر رہی ہیں یہ بہن صرف مغربی تعلیم ہی کو کافی نہیں سمجھتی۔ بلکہ مذہبی تعلیم کو سب سے بہتر سمجھتی ہیں۔ قرآن شریف انھوں نے ناظرہ پڑھا تھا۔ اب وہ حفظ کر رہی ہیں۔ ان کو کھانا پکانے اور سلائی کے مقابلے میں بھی انعام مل چکا ہے۔

رابعہ خاتون۔ یہ بہن بھی بی اے ہیں۔ اور پردہ کی وجہ سے اب گھر ہی پر ایم اے کی تیاری کر رہی ہیں مسلم لیگ کی سرگرم کارکن ہیں۔

مسنر زہرہ داؤدی۔ انھوں نے بی۔ ایس سی میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اور ایم۔ ایس۔ سی۔ میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ دو بچوں کی ماں ہونے پر بھی باقاعدہ کالج جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ کافی تعداد میں لڑکیاں آئی۔ اے اور بی اے میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ میٹرک بھی ہر سال لڑکیاں خاصی تعداد میں پاس کرتی ہیں۔

چونکہ ہندو لڑکیاں مردانہ اسکول اور کالجوں میں بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے ان کو اتنی مشکل نہیں لیکن مسلمان لڑکیوں کے لئے بڑی دقت ہے۔ اس سال بہار گورنمنٹ نے زنانہ کالجز اور متعدد ہائی اسکولس بنانے کی منظوری دی ہے پٹنہ میں لڑکیوں کے دو گرلز کالج۔ دو ہائی اسکول ہیں اور مڈل اسکول تو تقریباً ہر ڈویژن میں موجود ہیں۔

گرلس کالج اور ومینز کالج دونوں میں۔ بی اے تک تعلیم ہوتی ہے۔

بادشاہ نواب رضوی اسکول میں (یہ اسکول ایک مسلمان نواب کا جاری کردہ ہے) اس میں میٹرک تک تعلیم ہوتی ہے اس کے علاوہ اس میں سینئر ٹریننگ اور جونیئر ٹریننگ کی کلاسیں بھی ہیں سینئر ٹریننگ میں میٹرک پاس اور جونیئر ٹریننگ میں مڈل پاس لڑکیوں کا داخلہ ہوتا ہے۔ زیادہ تر بیوہ یا غریب خواتین اس میں داخلہ لیتی ہیں۔ ان کو تعلیم حاصل کرنے کے زمانہ میں وظیفہ ملتا ہے اس کے بعد ان کا تقرر پرائمری اسکولوں میں ہو جاتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسموں میں اب بہت کمی اور اصلاح ہو گئی ہے یہاں عموماً شادی میں دو تین رسمیں ہوتی ہیں۔ دولہا کو شربت پلانا آرسی مصحف اور دولہا کے ہاتھ سے دلھن کی مانگ میں صندل بھرانا سلامی کے بعد دولہا دولھن کو علیحدہ کمرے میں پہنچا دیتے ہیں شہر کے براتی کھانا کھانے کے بعد گھروں کو چلے جاتے ہیں چند قریبی عزیز رہ جاتے ہیں۔ رخصتی عموماً صبح کو ہوتی ہے۔ یا پھر جس وقت ٹرین کا وقت ہو۔ مائیوں بھی اب بہت تھوڑے دنوں بٹھایا جاتا ہے۔ دو تین روز یا زیادہ سے زیادہ پانچ چھ روز۔ لیکن دولھن ضروریات کے لئے آتی جاتی رہتی ہے۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ مغربی فیشن کی اندھا دھند تقلید بہار میں نہیں پھیلی ہے۔ اور ابھی بے پردگی کا بھی زور نہیں ہوا ہے لیکن جاہلانہ پردہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ خواتین برقعہ میں۔ یا سواریوں میں پردہ لگا کر ہر جگہ آتی جاتی ہیں۔ (باقی صفحہ ۲۴۹ کالم ۲ پر)

قوتِ ارادہ

ماہ جولائی کے عصمت میں بہن جمیلہ پروین صاحبہ کا مضمون "قوتِ ارادہ" پڑھا۔ بہن موصوفہ نے اپنے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ ہمایوں بادشاہ کی قوتِ ارادہ کمزور تھی مگر میں ان کے اس خیال سے متفق نہیں ہوں۔

ارادہ کے معنی "کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عہد کرنا" ہیں۔ اس عہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کام کرنا ہے اس کے نشیب و فراز پر غور کر کے یہ فیصلہ کرنا کہ خواہ ہمیں کتنی ہی تکلیف کا مقابلہ کیوں نہ کرنا پڑے اس کام کو انجام دینا ہی ہے۔ دوسرے ایسا ارادہ جس میں تبدیلی کا امکان بھی ہو۔

یہ درست ہے کہ ایڈیسن۔ ہٹلر۔ نپولین اور اسٹیفن نے بہت کچھ کیا۔ مگر کیا ان کو اپنی زندگی کے واقعات میں اپنی اس جد و جہد میں اپنے ارادہ کے کام کی نوعیت میں تبدیلی نہیں کرنی پڑی؟ کیا ہٹلر نے اپنی بعض اسکیموں میں تبدیلی نہیں کی؟ اگر کی تو کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے اس سے پیشتر کہ ہمایوں پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس نے میدانِ جنگ سے پیٹھ موڑی اور اپنے باپ کی حاصل کردہ حکومت کو شیر شاہ کے سپرد کر کے بادیہ پیمائی کی، حالات و واقعات پر ذرا گہری نظر ڈالنے کی ضرورت تھی۔

جس وقت بابر نے ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ ہندوستان کی حکومت کی حالت بہت ابتر تھی بچہ بچہ ابراہیم لودھی سے نالاں تھا۔ بابر کو ابراہیم لودھی کے امراء کی غداری کی وجہ سے فتح ہوئی۔ مگر ابھی بابر حکومت کا انتظام کرنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسری دنیا کو لبیک کہا۔ اس کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا۔ بابر کی وصیت کے مطابق ہمایوں نے بھائیوں کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا اور مختلف جاگیریں ان کو دیں۔ مگر کامران عسکری اور ہندال نے ہمیشہ ہمایوں کے خلاف قدم اٹھایا۔ سب سے زیادہ کامران نے مخالفت کی۔ ادھر شیر شاہ نے آفت برپا کر رکھی تھی۔

کامران نے کابل اور پنجاب کی بہترین فوج لے کر بھائی سے غداری کی اور شیر شاہ کا ساتھ دیا۔ کسی کے غیر دشمن ہوتے ہیں یہاں اپنے بھائی زندگی کے در پے تھے۔ مگر ہمایوں نے ہمیشہ بلند حوصلہ اور ہمت سے کام لیا۔ ایک دو نہیں کئی لڑائیاں لڑیں۔ کیوں؟ محض اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے۔ کیا ہمایوں نے ایسے حالات میں بھی گرفتار ہونے کے باوجود اپنے اس ارادہ کو کہ "وہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کو قائم رکھے گا" کبھی نظر انداز کیا؟ ہرگز نہیں۔ اس نے مردانہ وار ہر مصیبت کا مقابلہ کیا۔ مگر آخیر میں گردش کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہی بہتر سمجھا کہ فی الحال یہاں سے واپس چلا جاؤں۔ اور پھر اپنی قوت کو فراہم کر کے کھوئی ہوئی سلطنت کو حاصل کروں۔ وہ یہ ارادہ لے کر ہندوستان سے گیا۔ اور تین سال کے بعد شاہ طہماسپ سے امداد حاصل کر کے ہندوستان کا رخ کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ جس ارادہ کو اپنے سینے میں لے کر گیا تھا اس کو پورا کرنا ضروری تھا۔ اور آخر وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہوا۔ اور سلطنتِ مغلیہ کی بنیاد کو مضبوط کر دیا۔

میرے خیال میں ہمایوں پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ اپنے ارادہ میں قوت نہ رکھنے کی وجہ سے جنگلوں کی خاک چھانتا پھرا درست نہیں ہے۔ اگر انسان کو ایک مرتبہ اپنے کسی ارادے میں ناکامی ہوا اور پھر وہ اس ناکامی کے بعد اپنے ارادہ کو فراموش کر دے تو بے شک اس کی قوتِ ارادہ کمزور ہے۔ مگر ناکامی کے بعد پھر دوبارہ اپنے ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کھڑا ہو جائے تو پھر اس کی قوتِ ارادہ کمزور نہیں ہے۔

رضیہ لطیف بنت شیخ زبیر حسن صاحب

ماں

سولہ برس کی عمر تک اسے یہی خیال رہا کہ اُس کا باپ اس سے نفرت کرتا ہے، وہ تین برس کا تھا کہ اس کی ماں نے انتقال کیا ماں کے بعد باپ کا لہجہ کرخت ہو گیا۔ اس کے والد نے اگرچہ دوسری شادی نہیں کی تھی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ باپ نے کبھی محبت سے اُسے نہیں بلایا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی بے پروائی اور قدرے درشتی کے ساتھ اس سے پوچھا جاتا " اسکول وقت پر پہنچ گئے تھے۔ کام کر لیا تھا۔ صبح نہایا تھا؟ " اور بشیر آنکھیں جھکائے سر کے اشارے سے تمام سوالات کا جواب دے دیتا۔ محلہ کے لڑکوں کے ساتھ اُسے کھیلنے کی ممانعت تھی۔ اسکول سے لوٹنے کے بعد وہ کوئی کتاب لے کر پڑھنے لگتا۔ یا آنکھیں بند کئے باپ کی سختی اور ماں کی وفات کے متعلق سوچتا رہتا۔ اور سوچتے سوچتے اُس کی افسردہ آنکھوں سے چند آنسو ڈھلک آتے۔ اگر کبھی وہ اپنے کسی ہم جماعت کے ہمراہ اُس کے گھر چلا جاتا اور اس کی ماں اس سے کہتی کہ " تم بھی بیٹھ جاؤ بیٹا " تو اُس کے دل میں گدگدی سی پیدا ہو جاتی سا اور اور آنکھیں المناک مسرت سے چمک اٹھتیں۔ مگر والدہ کی وفات کے بعد اُسے محسوس ہو کہ باپ کا سخت طرزِ عمل محض اس لئے تھا کہ ماں کی عدم موجودگی میں، بے چارگی کا جو احساس بچوں میں پیدا ہو جاتا ہے وہ نہ ہو۔ باپ کے مرنے پر اس کے دل میں احساس محرومی اور بھی ترقی کر گیا۔ وہ اکثر تنہائی میں سوچتا کہ اتنی بڑی اور اس قدر وسیع دُنیا میں میرا کوئی بھی نہیں۔ بیس برس کی عمر میں اس نے سوچا کہ اس کے خیالات بُزدلانہ ہیں۔ اب میں بڑا ہو چکا ہوں مجھے ماں کی کیا ضرورت ہے۔ ان دنوں لوگ حکومت کے خلاف ہنگامے برپا کر رہے تھے۔ اور بغاوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ بشیر کی واقفیت چند سیاسی آدمیوں سے ہو گئی۔ ذہنی کشمکش نے اُسے سوچنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور ہنگامی جذبات سے متاثر ہو کر اس کو بھی جیل جانا پڑا۔ اس کے دماغ میں جیل کے کئی خوفناک تخیل موجود تھے۔ لیکن اُسے وہاں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ دنیا بھی تو قیدخانہ ہے۔ وہ سوچتا تھا۔ وسیع قیدخانہ سے نکل کر ایک تنگ قیدخانہ میں آگیا ہوں۔ قید کے ایام میں اس نے احساس محرومی کو کچلنے کی بہت کوشش کی اور زندگی کے میدان میں سرگرمی سے حصہ لینے کے لئے کئی نظریئے قائم کئے۔ وہ اپنے رفیقوں سے بہت کم گفتگو کرتا۔ اُسے اکثر محسوس ہوتا کہ وہ پُرانے واقعات پر سیاہی کی ایک دبیز چادر چڑھا رہا ہے۔ اپنی اندوہناک دنیا کو توڑ کر لوگوں کی سرور اور مسرت خیز دنیا میں داخل ہو رہا ہے۔ سزا ختم ہونے تک وہ اپنے پچھلے خیالات کو تقریباً بھلا چکا تھا آخر رہائی کا دن آیا۔ شہر جیل سے بہت دُور تھا۔ اس لئے وہ اور اُس کے تمام ساتھی لاری پر بیٹھ کر شہر کی طرف آئے۔ جہاں سینکڑوں لوگ استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ شہر کے باہر ایک میدان میں چند خیمے لگے تھے۔ جن میں اسیروں کے رشتہ دار خصوصاً عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ لاری کے کھڑے ہوتے ہی اُن کے رشتہ دار باپ مائیں بھائی اور دوست لپکے۔ اور اُن سے لپٹ گئے۔

بشیر نے دیکھا ایک عورت اپنے بیٹے کو گلے سے لگا رہی ہے اور خوشی کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ وہ کہہ رہی تھی - " میرے لال میرے چاند... "
بشیر کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے کلیجے پر پتھر پھینک رہا ہے اس کے نظریات، اور اس کا پروگرام سب کچھ سراب ہو کر رہ گئے وہ گھر آیا۔ اور بستر پر لیٹ کر بچوں کی طرح سسکیاں لے لے کر روتا رہا۔ چند دنوں کے بعد اس کے خیالات میں پھر کچھ تبدیلی ہوئی۔ اُس نے سوچا زندگی بہرحال بسر کرنی ہے۔ تو کیوں اس کی مسرتوں سے محروم رہا جائے۔ چنانچہ اُس نے کتابوں کی ایک دوکان کر لی۔ اور کام کی مشغولیت نے اُس کا غم بڑی حد تک

زائل کر دیا۔ وقت نے اُس کے دل میں کچھ تمنائیں بھی پیدا کیں۔ خوشنما مکان۔ خوبصورت باسلیقہ بیوی اور ننھے ننھے توتلی زبان سے باتیں کرنے والے بچے۔ آخر تیس برس کی عمر میں اُس نے شادی کر لی۔ زمانہ گزرتا گیا۔ اور پُرانے خیالات خواب ہوتے گئے۔ اب اُس کے دوست تھے جن سے چائے پیتے وقت وہ بڑی زوردار بحثیں کیا کرتا تھا۔ اخلاقی، سماجی، معاشرتی سیاسی ہر قسم کی گفتگو کے موافق اور مخالف دلائل اُس کے ذہن میں موجود رہتے تھے۔ دنیا کی دلچسپیوں نے پوری طرح اُسے جذب کر لیا تھا اُس کی تمام مایوسی اور افسردگی گزشتہ ماہ و سال اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے۔ کبھی کبھی وہ زندگی کے رہوار کو روک کر ماضی کی طرف دیکھتا۔ تو بے پایاں تاریکی اور سوگوار تنہائی اسے نظر آتی اور وہ سوچتا کہ میری پہلی زندگی گویا سزا تھی۔ بلکہ ایک بڑا جرم، وہ اتنی دیر تک دنیا سے کیوں دُور رہا۔ ان تمام باتوں کے باوجود جب کبھی اس کی بیوی پیار سے اپنے بچوں کو چومتی یا اسکول سے آنے کے بعد انھیں مادرانہ شفقت سے دیکھتی تو اس کے دل میں ایک موہوم سی پُرانی خلش بیدار ہو جاتی۔ لیکن اب وہ احساس نیم مُردہ ہو چکا تھا۔ کئی سال متواتر کاروبار میں مشغول رہنے کے بعد آج وہ کشمیر جا رہا تھا۔ بیوی بچے بھی ہمراہ تھے۔ موٹر کشمیر کے پیچ در پیچ پہاڑی راستوں کو طے کرتی ہوئی گزر رہی تھی۔ سامنے کی نشست پر ایک ضعیف العمر عورت سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی۔ سرو کے درخت کی قطاریں چناروں کے جھنڈ، بل کھاتی ہوئی ندیاں اُسے دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوائیں سکون بن کر اُس کے سینے کو ٹھنڈک پہنچا رہی تھی۔ وہ فطرت کی خوبصورتی اور رعنائی میں غرق تھا یکایک اُسے خیال آیا کہ وہ اپنی بیوی کو بھی اس مسرت میں شریک کرے۔ اُسی محویت کے عالم میں اُس نے کہا "زبیدہ دیکھو وہ بادل کا دھوئیں سا کیا اٹھ رہا ہے"۔ لیکن اس کی بیوی نے کوئی توجہ نہیں کی۔ وہ اس سن رسیدہ عورت کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ چونکہ اُن کا سلسلۂ کلام بشیر کے والہانہ فقرے سے قطع ہو گیا تھا۔ اس لئے ضعیف العمر عورت نے بشیر کی طرف ایک نظر دیکھ کر پھر کہنا شروع کیا۔ "اور بیٹی اولاد کی اچھائی یا بُرائی سے ماں کی ممتا کم نہیں ہوتی۔ پہلی مرتبہ جب وہ گھر سے غائب ہوا تو اس کی عمر بارہ سال تھی۔ تین دن تک میں نے روٹی نہیں کھائی، رات روتے اور دعائیں مانگتے گزر جاتی تھی"۔

بشیر نے موٹر سے سر نکال کر دیکھا۔ شام کی تاریکی بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ وادی کے نظاروں پر چٹانوں کے طویل اور افسردہ سائے چھا رہے تھے۔ چڑھائی ختم ہوئی اور موٹر نیچے اُترنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ جس دنیا سے وہ پچیس سال سے بھاگ رہا تھا۔ موٹر اپنی پوری رفتار سے اُسے اسی دنیا میں لے جا رہی ہے۔ موٹر کے ہر جھٹکے پر اُس کی خیالی عمارت کا ایک آدھ ستون کانپتا ہوا گر پڑتا ضعیف العمر عورت بدستور اپنے بیٹے کی المیہ داستان سنا رہی تھی۔ ۔۔ "جب وہ آیا تو پھر وہ چھ مہینے گھر میں رہا۔ ایک رات میں نے دیر سے آنے پر اسے جھڑکا اور صبح کو وہ پھر غائب ہو گیا پھر وہی حالت ہو گئی۔ نہ کھانا سوجھتا تھا اور نہ پینا رات کو سوتے وقت خیال آتا تھا۔ نہ جانے اس وقت وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ کوئی اسے اپنے پاس بیٹھنے بھی دیتا ہو گا یا نہیں۔ کھانا کہاں سے کھاتا ہو گا۔ اور اگر خدا نہ کرے بیمار ہوا تو کون اس کا پرسانِ حال ہو گا"۔ بشیر کی بیوی نے ایک لمحہ کے لئے بشیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "چڑھائی ختم ہو چکی اب غالباً ڈھلوان ہے"۔ "ہاں" بشیر نے آہستہ سے کہا۔ بیوی نے پوچھا "ڈھلوان میں خطرہ ہوتا ہے" "ہاں"۔ بشیر نے اسی لہجہ میں جواب دیا۔ اور وہ پھر بدستور بڑی بی کی باتیں سننے لگے۔ "اسی طرح وہ کئی بار آیا اور چلا گیا۔ میری زندگی کو اُس نے تلخ بنا دیا۔ جب وہ نہ ہوتا تو دل اس کے لئے تڑپتا اور جب آ جاتا تو اُسے دیکھ کر دل جلتا۔ آخر میرا دل بھی اس کی طرف سے سخت ہو گیا۔ اور میں نہایت سختی سے اس کے ساتھ پیش آنے لگی"۔ یہ کہتے ہوئے اُس عورت کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ "اگر میں جانتی کہ وہ مرنے والا ہے تو میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کاہے کو کرتی۔ آخری بار جب وہ تین مہینے باہر رہ کر آیا۔ اُس کے

بال خانہ بدوشوں کی طرح چلے تھے۔ اُس نے بتایا کہ وہ اس عرصہ میں ایک ساربان کے ساتھ رہا ہے۔ آتے ہی اُسے بخار ہو۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے کشمیر جانے کا مشورہ دیا میں اُسے لے کر یہاں سرینگر کے قریب ایک گاؤں میں آ رہی بیماری کے دنوں میں اُس کا مزاج بالکل ہی بدل گیا تھا۔ وہ ہر وقت کہتا رہتا تھا کہ " ماں مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہیں دُکھ پہنچایا ہے۔ میں نے تمہیں بہت ستایا ہے اور اب اس کا بدلہ مجھے مل رہا ہے "۔۔ بڑی بی کی آواز لرز رہی تھی، جیسے ٹوٹے ہوئے تار بج رہے ہوں۔ موٹر نیچے اُترتی گئی۔ بشیر کو محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی غائبانہ ہاتھ اُسے ماضی کے بھیانک اور تاریک گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ وہ زور زور سے اپنی ماں کو پکارے اور اس کی آواز چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے اُفق کو چیر کر دوسری دنیا میں پہنچ جائے " بڑی بی کہہ رہی تھیں۔

"بیٹی! ڈاکٹروں نے جواب دیدیا۔ اور تین مہینے بیمار رہ کر وہ خدا کے ہاں چلا گیا۔ میں نے اُسے وہیں دفن کیا۔ کیونکہ وہ اکثر کہا کرتا تھا " ماں! مجھے یہیں دبا دینا۔ مجھے شہر کی فضا راس نہیں آتی۔ کھلے میدان ہوں۔ نیلا چمکتا ہوا آسمان اور دُور تک پھیلی ہوئی پہاڑیاں ہوں۔ بس میں یہی چاہتا ہوں۔ اس جنت میں مجھے دفن کر جانا " یہاں دفن کرنے کے بعد میں واپس لوٹ گئی۔ اب ہر سال یہاں آکر میں اس کی قبر پر چند پھول چڑھاتی ہوں۔ فاتحہ پڑھتی ہوں۔ اس سے دل کو قدرے تسکین ہو جاتی ہے "۔

بشیر کی بیوی نے بشیر کی طرف دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔ خنک ہوا چل رہی تھی۔ دو تین گرم گرم آنسو اُس کی بیوی کے ہاتھ پر گرے اُس نے گھبرا کر کہا۔ " ہائیں تم بھی عجیب آدمی ہو " اور بشیر سوچ رہا تھا۔ کاش وہ اپنے وطن سے دور کشمیر میں مر چکا ہوتا۔ اور اُس کی ماں سینکڑوں میل طے کر کے اس کی قبر پر چند پھول چڑھانے آیا کرتی۔

ا۔ ب

(بقیہ صفحہ ۲۵۷) نوکروں نے انہیں اندر نہ جانے دیا۔ سعدیؒ واپس آئے اور قیمتی لباس پہن کر دعوت میں جا پہنچے اب نوکروں نے ہاتھوں ہاتھ انہیں دستر خوان پر لا بٹھایا اور حاضرین محفل نے بھی کھڑے ہو کر استقبال کیا دعوت شروع ہوئی سب نے کھانا شروع کیا لیکن یہ دیکھ کر اُن کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ اجنبی مہمان نے بجائے لقمہ منہ میں رکھنے کے اپنی آستینوں گریبان اور دامن میں رکھنا شروع کر دیا۔ میزبان نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا " تھوڑی دیر پہلے جب میں اپنے معمولی لباس میں آیا تو دھتکار دیا گیا گویا میں دعوت میں آنے کے قابل نہ تھا۔ دوسری مرتبہ جب یہ لباس زیب تن کر کے آیا تو سب نے محفل میں عزت کی جگہ دی۔ کیا یہ عزت لباس کی نہ تھی؟ کیا یہ استقبال لباس کا نہ تھا اس لئے اس کے بجائے کہ میں کھاؤں اپنے قیمتی لباس کو کھلا رہا ہوں "۔ میزبان نے معافی مانگی اس سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ نہ صرف زمانہ موجودہ میں بلکہ ہر زمانہ میں انسان کی عزت لباس سے ہوتی ہے اگر ہم کم قیمت ڈھیلے ڈھالے سادہ لباس میں ہوں تو لوگ ہمیں مفلس اَن پڑھ خشک مزاج اور بد مذاق خیال کریں گے۔ سوسائٹی کی نظروں میں معزز بننے کے لئے قیمتی اور اپ ٹو ڈیٹ لباس پہننا پڑتا ہے۔ جو لڑکیاں یا عورتیں گھر میں معمولی اور پرانا لباس پہنتی اور آنے جانے کے لئے اچھا لباس رکھ چھوڑتی ہیں وہ دُور اندیش ہیں اور وہ کوتاہ اندیش ہیں جو عمدہ لباس پہن کر پھٹے پرانے کپڑوں کا صندوق میں انبار لگاتی جاتی ہیں تاہم گھر میں بالکل میلے کچیلے اور چیتھڑے بھی لگانا مناسب نہیں یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے کہ ہم معمولی حیثیت کے پیوند لگے کپڑے پہنیں لیکن ان کے پیوند صفائی سے لگے ہوں اور وہ صاف دُھلے ہوں عقلمند بہنیں خیر الامور اوسطہا کے اصول پر چلتی ہیں۔ اپنی ظاہری وضع قطع کو ہمیں اپنی پوزیشن اور حیثیت کے مطابق رکھنا چاہیئے۔ بہت زیادہ کنجوسی کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ اسلام چیز ملت سے بے نیاز ہے کہ ہم ساری پہنیں یا شلوار جو لباس ہمیں پسند ہو یا جو ہم پر اچھا معلوم ہوتا ہو وہ پہنیں لیکن ایسے لباس کو ترک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو مکمل ستر پوشی نہ کرے کیونکہ ہر حال میں مذہبی قانون رواج پر فوقیت رکھتا ہے تعلیم یافتہ بہنیں جو لباس پہننے لگیں گی جلد وہ لباس عام ہو جائیگا کیونکہ تعلیم یافتہ اور امیر لوگوں ہی کی دنیا تقلید کرتی ہے۔

لباس اور ہم

ہر ملک اور ہر قوم کا ایک علٰحدہ لباس ہوتا ہے۔ اور اس قدر اختلاف کے ساتھ کہ بہ یک نظر یہ پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ شخص کس مذہب اور کون سے ملک کا ہے بعض اشخاص اپنا قومی لباس چھوڑ کر دوسری قوم کا لباس اختیار کر لیتے ہیں۔ سوسائٹی اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتی۔ مفتوح قوم کے بعض افراد فاتح قوم کا لباس اختیار کرنے کو عزت خیال کرتے ہیں۔ گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اس قوم کا حب الوطنی کا جذبہ اور نیشنل اسپرٹ فنا ہو چکی ہے اور وہ دوسری قوم کی فضیلت تسلیم کرنے کو تیار ہے۔

انگریزوں کا ملک سرد ہے اس لئے وہ موٹے دبیز اور اُونی کپڑے استعمال کرتے اور چست لباس سلواتے ہیں۔ بعض ہندوستانی بھی ان کی تقلید میں وہی لباس استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں پہننے میں سخت اُلجھن اور بے چینی ہوتی ہے۔ وہ مغربی لباس پہنتے ہیں اور فخر و تکبر کا اظہار کرتے ہیں۔ جاڑا تو خیر جوں توں کٹ جاتا ہے۔ لطف آتا ہے جون کی چلچلاتی دھوپ اور تپش میں۔ دوپہر کے وقت صاحب بہادر بنیان، قمیض اور کوٹ ڈالے ہوئے بے چینی سے چھٹی کا انتظار کرتے ہیں کہ کسی طرح شام ہو اور وہ گھر جا کر اس کوٹ پتلون کو اُتار پھینکیں۔

ہماری گفتگو، ہماری زبان اور ہمارا لہجہ یہ بتا سکتا ہے کہ ہم کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور لوگ ہماری تعلیم، ہماری قابلیت اور ہمارے رُجحان ہی سے ہمارے مزاج و عادات کے بارے میں خیال قائم کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے بعض خوش اخلاق خواتین دل میں بغض و عناد اور حسد کا عیب رکھتی ہوں اور ہم ان کی شیریں باتوں سے ان کے متعلق اچھی رائے قائم کر لیں۔ بعض خواتین اس خوبی سے گفتگو کرتی ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ نیک اور سیدھا کوئی نہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ایسی نہیں ہوتیں۔ بعض اس طرح بولتی ہیں کہ دوسرے سمجھتے ہیں۔ بڑی مغرور اور بد مزاج ہیں لیکن وہ حقیقت میں نیک اور عمدہ خصلتوں کی مالک ہوتی ہیں۔

اسی طرح لوگ ہمارے روزمرہ کے لباس سے کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے یہ اندازہ غلط ہو اور حقیقت اس کے برعکس ہو یہ بات تو ایک نظر دیکھ کر ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ نرس ہے ڈاکٹر ہے یا ملٹری، پولیس اور ریلوے کا ملازم ہے۔ لیکن ایک معمولی لباس کی پہننے والی خاتون کو دیکھ کر یہ پتہ چلا لینا کہ وہ کس طبیعت کی ہے۔ آسان نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جو خاتون کھدر میں ملبوس ہو وہ کانگریسی ہوگی۔ جو زیادہ قیمت کے کپڑے پہنے ہوں گی وہ اتنی ہی زیادہ حیثیت اور دولت کی مالک ہوں گی لیکن اس سے صرف یہی ایک بات ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ پہننے والے کا سلیقہ، سگھڑاپا اور نفاست بھی ظاہر ہو جائے گا اور اس کے لباس پہننے کے طریقوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس کا رُجحان کس طرف ہے۔ لباس ایسے زیادہ نہیں ہیں ساری غرارہ، دوپٹہ یا شلوار دوپٹہ۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس طریقہ سے ان کپڑوں کو پہنے ہوئے ہے۔ ساری کی چُنٹ اور پلّو وغیرہ کو کس طرح رکھا ہے۔ شلوار کو کس طریقہ سے باندھا ہے دوپٹہ کس طرح اوڑھا ہے گلے کا بٹن کھلا ہے یا ٹوٹا ہے کمربند نظر آ رہا ہے اگر کہیں سے سلائی اُدھڑ گئی ہے یا پھٹ گیا ہے تو اس کو سیا کس طرح ہے شلوار یا پاجامہ کا گھیر لٹک کر گرد وغیرہ میں اَٹا ہوا ہے یا نہیں جھاڑ دیتے دیتے پلّو میں گندگی اور دھبے لگے یا نہیں۔ کپڑوں میں تیل چکنائی، روشنائی۔ کتھے کے دھبے ہیں یا نہیں۔ کھانا کھا کر یا دوسرا کام کر کے بدن کے کپڑوں سے ہاتھ پونچھنے کی عادت ہے یا نہیں اگر لباس پر کشیدہ کاری کی ہوئی ہے یا کروشیا کی بیل بُن کر لگائی گئی ہے۔ تو معلوم ہوگا کہ پہننے والی دستکار ہے لیکن کشیدہ کاری کے بھدے نمونے رنگ آمیزی کا فطرت کے خلاف ہونا یقیناً یہ بتلائے گا کہ طبیعت میں نفاست نہیں ہے۔ اگرچہ قیمتی لباس

زیب تن ہے۔ کپڑوں کا رنگ ہلکا صوفیانہ ہے۔ رنگ میل کھاتا ہوا ہے (ایسا نہیں کہ پاجامہ سرخ ہے دوپٹہ ہرا اور قمیض نیلی) کپڑوں میں استری بھی ہے تو یقیناً پہننے والی تعلیم یافتہ ہے یا تعلیم یافتہ ماحول میں پلی ہے اگر ہمیں ان سے زیادہ ملتے رہنے کا اتفاق ہو تو ہم ان کے مزاج کی بہت سی باتیں بتا سکتے ہیں کوئی خاتون اگر روزانہ کپڑے بدلتے ہوئے فیشن کی طرف بُری طرح مائل ہے تو یقیناً ان میں مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کی کمی ہے۔ وہ زمانہ کی رَو میں بہہ جاتی ہیں۔ ان میں نقل کرنے اور جا و بیجا تقلید کرنے کا مادّہ ہے اور وہ ہر نئی چیز کو اس کی اچھائی برائی کا خیال کئے بغیر اختیار کر لیتی ہیں۔ دوسروں کی رائے کو اہمیت نہیں دیتیں۔ خود سر ہیں پُرانی چیزوں سے نفرت کرتی ہیں اور جدت پسند ہیں۔ اور زیادہ شرم نہیں ہے۔ دوپٹہ کو سر پر نہیں ٹکاتی بلکہ کندھوں پر آرائش کے لئے پڑا رہتا ہے باتوں میں کافی تیز ہوتی ہیں بات بات پہ مسکراتی اور قہقہہ لگاتی ہیں کسی بات برداشت نہیں کرتیں جواب دینے میں طاق ہوتی ہیں اپنی ذات کو کافی اہم سمجھتی ہیں اسی لئے وقت کا بڑا حصہ لباس کی درستی اور میک اپ ہونے میں صرف کر دیتی ہیں۔ اگر حیثیت سے زیادہ کے کپڑے پہنے ہیں تو گھر میں ان کا وجود باعثِ مسرت ہے اور اگر حیثیت سے کم ہو تو یقیناً گھر والے لڑکی کو بار تصور کرتے ہیں۔ اگر گھر والے قدامت پسند ہیں اور لڑکیاں آزاد بیباک اور نیم عریاں لباس میں رہتی ہیں تو یقیناً لڑکیاں ضدی اور سرکش ہیں۔ خود سری دماغ میں بھری ہوتی ہے اور گھر والوں نے شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ ایسی لڑکیاں خود غرض ہوتی ہیں عقل کی نسبت جذبات سے زیادہ کام لیتی ہیں گھر کا کام کاج کرنا عار سمجھتی ہیں بچپن کی شوخی اور شرارت باقی رہتی ہے تاہم ایسی لڑکیاں عموماً تیز اور ذہین ہوتی ہیں۔ اپنے کو ضرورت زمانہ اور ضرورت وقت کے مطابق بنا لیتی ہیں ان میں لچک کا مادّہ پایا جاتا ہے۔ جلدی ترقی کر لیتی ہیں اور ہر کام سیکھنے کا شوق رکھتی ہیں بایں ہمہ ہوس اور مادّی چیزوں سے نفرت کرتی ہیں آسائش اور آرام کی چیزیں سیکھنے میں مزا آتا ہے کیونکہ زندہ دل ہوتی ہیں۔ جو خواتین سادہ معمولی کپڑوں میں رہتی ہیں۔ کپڑے بھدّے طریقہ سے نہیں پہنتی اور نہ تو قدیم فیشن کے مطابق ہیں اور نہ جدید طرز کی دلدادہ بلکہ اوسط درجہ کی ہیں اور فیشن اور اس کے بدلنے کی پرواہ نہیں کرتیں یہ عموماً سیدھی ہوتی ہیں لیکن تھوڑی گھُنّی بھی ہوتی ہیں جو کچھ سوچتی ہیں فوراً ظاہر نہیں کر دیتیں کچھ مُردہ دل سی ہوتی ہیں سیر و تفریح اور رنگ رلیوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتیں سوسائٹی سے رغبت نہیں رکھتیں تنہائی پسند ہوتی ہیں، جذبات پر قابو رکھتی ہیں اور مشکلوں کو زیادہ اچھی طرح سے برداشت کر سکتی ہیں —— آج سے پچاس برس پیشتر لڑکیوں کا سفید رنگ کے کپڑے پہننا یا دلہنوں کا صوفیانہ رنگ کے لباس پہننا بدشگونی خیال کی جاتی تھی لیکن آجکل کی لڑکیاں اور نئی بیاہی ہوئی دلہنیں بھی سفید کپڑے پہنتی ہیں اور بزرگوں کے کہنے پر کان ہی نہیں دھرتیں کپڑے رنگنے کا فیشن تو جاتا ہی رہا اس لئے رنگنے اور چھاپنے کا فن جو ہر عورت جانتی تھی اب کم ہوتا جا رہا ہے اب دوپٹہ بھی سفید اوڑھ کر جانے لگی ہیں کبھی کبھار رنگ لئے اور چُن لئے ورنہ اکثر سفید دوپٹہ اوڑھا اور چلی گئیں اُس وقت ہم ایک بیوہ اور سُہاگن میں امتیاز کر سکتے تھے اور بیاہی اور کنواری لڑکی کا بھی امتیاز جاتا رہا ہے اور دونوں ایک طرح کے کپڑے پہنتی اور ایک ہی طرح کے سنگھار کرتی ہیں سہاگن اگر سفید بھی پہنتی ہیں تو بالکل برق دم صاف دُھلا ہوا استری کیا ہوا اُس بیلیں یا گوٹہ وغیرہ لگا رہتا ہے عطر کی خوشبو سے معطر اور فیشن کے مطابق ہوتا ہے۔ بیوائیں تو رنگین استعمال کرنے لگی ہیں لیکن گھٹیا درجہ کا کپڑا پہنتی ہیں۔ اور فیشن پر نہیں چل سکتیں۔

بعض خواتین کپڑوں کی اس قدر شوقین ہیں کہ اپنا پیٹ کاٹیں گی۔ گھر کے ضروری اخراجات کم کر دیں گی لیکن کپڑے قیمتی اور اعلیٰ بنوائیں گی اس لئے کہ پیٹ کا کھایا کوئی نہیں دیکھتا بدن کا کپڑا سب کو نظر آتا ہے۔ اوسط درجہ کے گھروں میں اتنی کم آمدنی ہوتی ہے کہ کھانے ہی کا پورا نہیں پڑتا۔ کپڑوں کی مد میں ایک بڑی رقم نکل جائے گی تو گھر والوں کو اور بھی کم درجہ کی خوراک کھانی پڑے گی اور بچوں کی نشو و نما اور بڑوں کی تندرستی پر بُرا اثر پڑے گا اور اس کے برعکس اگر ہم سارا پیسہ کھانے میں ختم کر دیں اور بچے چیتھڑے لگائے پھریں یا بے حد سستا پہننا پڑے تو یہ بھی خرابی کی بات ہے۔ سوسائٹی میں اُسی کی عزت ہوتی ہے جو سفید پوش ہے سادہ موزوں لباس میں ہے۔ ایک مرتبہ سعدیؒ کو ایک شاندار دعوت میں بلایا گیا۔ شہر میں یہ چونکہ نئے نئے وارد ہوئے تھے اس لئے لوگ انہیں پہچانتے نہ تھے۔ سعدیؒ اپنے معمولی لباس میں جا پہنچے، ایسی محفل میں جہاں شہر بھر کے رؤسا اور اُمراء بیٹھے ہوں بھلا ایک مفلس آدمی کے بیٹھنے کا کہاں ٹھکانہ۔ (باقی صفحہ ۲۵۵ کالم ۲ پر)

سُمالی لینڈ سے خط

میرے ابا جان ڈاکٹر سید علی اختر صاحب جو الہ آباد سے افریقہ برٹش سُمالی لینڈ تبدیل ہو کر گئے ہیں۔ اکثر وہاں کے دلچسپ حالات لکھتے رہتے ہیں۔ ایک خط بہنوں کی دلچسپی کے لئے بھیجتی ہوں۔ نجم النساء

افریقہ بہت بڑا براعظم ہے ہندوستان افریقہ کے ایک کونہ میں آسکتا ہے۔ ہر حصّہ کی آب و ہوا۔ پیداوار اور زبان مختلف ہے۔ شمالی علاقہ میں مصر کا علاقہ دریائے نیل کی آب پاشی کی وجہ سے نہایت زرخیز ہے۔ آدمی، خوبصورت سفید رنگ کے یورپ کے لوگوں کی طرح ہیں اس سے ملا ہوا علاقہ سوڈان ہے۔ وہاں کا رنگ دروپ بدل گیا ہے۔ پھر طرابلس اور مراکو وغیرہ ہیں۔ جو ان علاقوں سے مختلف ہیں۔ مصر، سوڈان، لیبیا، مراکو اور طرابلس کے لوگ گورے ہوتے ہیں۔ زبان عربی ہے۔

نیچے کا علاقہ جو اب اٹلی کے قبضے سے نکل چکا ہے اسمارا۔ ابیسینیا۔ اٹلین شمالی لینڈ ہے اور اس کے بعد حبشہ ہے۔ جہاں کے لوگ بالکل سیاہ ہوتے ہیں۔ زبان بھی علٰحدہ ہے۔ مگر نہایت زرخیز مقام ہے۔ بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ ہر قسم کا اناج، ترکاریاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ حبشہ بھی اب اٹلی کے قبضہ سے نکل کر سابق عیسائی حکومت کے زیر نگین آچکا ہے۔ یہاں زیادہ تر عیسائی آبادی ہے۔ مسلمان تھوڑے سے ہیں۔

حبشہ کے جنوب و مشرق میں ہمارا برٹش سمالی لینڈ ہے۔ اس کا کچھ حصہ جنگ سے پہلے اٹلی کے قبضہ میں تھا۔ مگر اب انگریزوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ ملک بالکل خشک ریگستان ہے۔ چند مقامات کے سوا کسی جگہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ بارش بھی کم ہوتی ہے زمین ریتلی ہے۔

پتھر، ریت اور ببول کے درختوں سے سارا ملک بھرا ہوا ہے۔ سمندر کے کنارے کے مقامات کے سوا دوسرے تمام مقامات بلندی پر واقع ہیں اسی لئے یہاں ٹھنڈ رہتی ہے البتہ دھوپ نہایت سخت ہوتی ہے۔ اسی دھوپ کی وجہ سے لوگ سیاہ ہو گئے ہیں۔ یہاں کے لوگ اگرچہ سیاہ رنگ کے ہیں مگر نقشہ ہندوستانیوں سے ملتا جلتا ہے اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستان کے جنوبی حصّے کے لوگوں سے مشابہ ہیں۔ یہاں کی زبان میں عربی الفاظ شامل ہیں۔ تحریری زبان عربی ہے۔ آبادی سب مسلمان ہے مگر سب کے سب وحشی اور خارج از انسانیت ہیں۔ طرح طرح کی نامعقول رسوم رائج ہیں۔ چونکہ یہاں پیداوار بالکل نہیں اس لئے لوگوں کی دولت اونٹ بکریاں اور بھیڑیں ہیں۔ بعض سرسبز مقامات جہاں گھاس اور پانی ہوتا ہے گائیں بھی گھی کے لئے پالی جاتی ہیں ورنہ عام طور پر بکریوں اور بھیڑوں ہی کے دودھ کا گھی نکالا جاتا ہے۔ یہاں کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ ٹڈیوں کا حملہ لگاتار ہوتا رہتا ہے اور وہ ببول کے درختوں کے پتے تک کھا جاتی ہیں۔ تھوڑی بہت جو پیداوار ہوتی بھی ہے تو ٹڈیاں نہیں چھوڑتیں۔ ٹڈیوں کی کثرت سے آسمان سیاہ ہو جاتا ہے۔ حکومت کی طرف سے ایک بڑا محکمہ ٹڈیوں کے ہلاک کرنے کے لئے قائم ہے۔ یہاں کے لوگ چراگاہ اور پانی کی تلاش میں اپنا گھاس پھونس کا گھر اونٹوں پر لادے بھیڑ بکریاں ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہتے ہیں جن مقامات پر پانی ہوتا ہے وہاں سب لوگ اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے لاتے ہیں اور خود اونٹ کے دودھ پر بسر کرتے ہیں یعنی پانی کی جگہ اونٹ کا دودھ پیتے ہیں اونٹ کے دودھ سے گھی نہیں نکالا جاتا۔ اگر بارش ہو جائے۔ اور اونٹوں اور بکریوں اور بھیڑوں کو پانی اور ہری گھاس ملے تو وہ خوب دودھ دیتی ہیں، اونٹ بکریاں اور بھیڑیں ان لوگوں کی دولت ہے

اونٹ کی قیمت سو ڈیڑھ سو روپیہ ہے۔ بکری بھیڑ کی قیمت دس پندرہ
بیس روپیہ تک ہوتی ہے بکریاں اور بھیڑیں خوب موٹی تازی
ہوتی ہیں لوگ مرغیاں بھی پالتے ہیں اور انڈے بیچتے ہیں ۲ ریال فی
انڈا بکتا ہے۔ بکریاں اور بھیڑیں نہیں معلوم کیا کھا کر زندہ رہتی
ہیں۔ بعض مقامات پر جھاڑیاں ہوتی ہیں ان کے پتے کھاتی ہیں ہمارے
پڑاؤ میں چونکہ کافی پانی ہے اس لئے سو ڈیڑھ سو میل سے لوگ اپنے جانور
یہاں لاتے اور پانی پلاتے ہیں اونٹ کو ایک دفعہ پانی پلانے کے بعد
دو تین مہینے تک پانی کی ضرورت نہیں ہوتی، جہاں پانی نہیں ملتا وہاں
کے لوگ نہانا دھونا جانتے ہی نہیں نہایت گندے رہتے ہیں۔ لوگ
اونٹ بکری اور بھیڑ کا گوشت کھاتے ہیں۔ ترکاری اور پھل کو نہیں جانتے
جوار اُبال کر کھاتے ہیں لیکن زیادہ تر گوشت ہی غذا ہے۔ پانی کی جگہ دودھ
گوشت کو اُبالتے ہیں پہلے اسکا پانی پی لیتے ہیں۔ اور پھر گوشت کھا لیتے
ہیں۔ اونٹ کا گوشت میں نے بھی کھایا ہے گائے کی طرح سمجھو دودھ بھی
پیا ہے کسی قدر نمکین اور دست آور ہوتا ہے۔ ایک بڑا گلاس دودھ
پیو تو جلاب ہو جاتا ہے مرد اور عورتیں زیادہ تر ایک ہی کپڑا اوڑھے اور
لپیٹے رہتے ہیں جو حج کے احرام کے مانند ہوتا ہے۔ بھاری قسم کے جوتے
بھی بعض لوگ پہنتے ہیں۔ بیاہ شادیوں میں جنگلی دیسی ناچ ہوتا ہے
لڑکیاں اور عورتیں دن رات کئی کئی روز ناچتی و گاتی رہتی ہیں کوئی بات
نہیں جانتیں تالیاں بجاتے اور کودتے ہیں بس یہی ناچ ہے۔ یہاں
کے لوگ ظالم، وحشی اور جفاکار ہیں کچھ لوگ نماز روزہ کے بھی پابند ہیں۔
چادر اوڑھ کر زمین پر اس طرح لیٹ جاتے ہیں گویا فرش مخمل پر لیٹے ہیں۔
ببول کے درخت کے نیچے ریت پر اور کانٹوں میں سو جانا ایک عام بات
ہے۔ آپس میں کوئی مشورہ کرنا ہوتا ہے تو سب لوگ دائرہ کی شکل میں ریت
پر بلا تکلف بیٹھ جاتے ہیں مسواک کے بہت عادی ہیں۔ ہر عورت اور
ہر مرد ہر وقت ببول یا کسی درخت کی مسواک اپنے منہ میں دبائے پھرتے
رہتے ہیں مسجد میں آتے ہیں تو مسواک منہ میں ہوتی ہے۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے
بھی مسواک کرتے رہتے ہیں مسجد کے اندر جب تھوکنے کی ضرورت ہوتی
ہے تو بلا تکلف اپنے کپڑوں پر اور زیادہ اس چادر میں جو اوڑھے رہتے
ہیں تھوک لیتے ہیں اور کپڑے کو مل دیتے ہیں غرض ہر مسلمان نمازی کے
کے کپڑے تھوک سے بھرے ہوتے ہیں۔ کپڑوں پر تھوکنا عیب نہیں ہے
یہاں پرانے عربی رسم و رواج کے مطابق مختلف قبیلے ہیں اور ایک دوسرے
سے علیحدہ آپس میں عداوت و دشمنی رہتی ہے مختلف قبیلوں میں شادیاں بھی
ہوتی رہتی ہیں۔ مگر قبیلوں کی خاندانی عداوتیں پشتہا پشت تک قائم رہتی
ہیں ہر شخص اپنے قبیلہ کی ہمدردی کرتا ہے اور ہر ممکن امداد پر تیار رہتا
ہے یہ عرب کے زمانۂ جاہلیت کی رسم یہاں ابھی تک زندہ ہے ان میں پانی
اور اونٹوں پر بھی جنگ ہو جاتی ہے۔ جہاں پانی ہوتا ہے وہاں کے لوگ
دوسرے قبیلہ والوں کو پانی نہیں پینے دیتے قتل معمولی بات ہے چوری
عیب نہیں کافروں کے مال و متاع کی چوری ثواب سمجھتے ہیں لیکن اب
یہ عادت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب کافر و مسلم کی چوری میں کوئی امتیاز
نہیں رہا۔ ایک ہفتہ ہوا موٹر سے ڈاک کے تھیلے لوٹ لئے گئے تھے۔
اس خیال سے کہ تھیلوں میں روپیہ ہوگا۔ حالانکہ خطوط اور پارسل کے
سوا اور کچھ نہ تھا۔ مجھے اپنے ان خطوں کا افسوس ہے جو میں نے تمہاری
اُمی جان اور چچا جان کو بھیجے تھے تہذیب شائستگی کا یہاں کوسوں پتہ
نہیں۔ عام طور پر لوگ جاہل مطلق ہیں، علم و ہنر سے بے بہرہ غصہ ناک
غصہ میں اندھے ہو کر ہر جرم کر بیٹھتے ہیں۔
مرد دُبلے پتلے مگر نہایت پھرتیلے اور عورتیں اکثر موٹی تازی ہوتی
ہیں۔ پیدل چلنے کے زیادہ عادی ہوتے ہیں اونٹوں اور بکریوں کو چراتے
پھرتے ہیں۔ یہاں بھیڑیں دُنبوں کی قسم کی ہوتی ہیں۔ جن کا گوشت نہایت
لذیذ ہوتا ہے۔ بکریوں کا گوشت بھیڑوں کے بعد ہوتا ہے گوشت کی بڑی
کثرت ہے۔ مگر زیادہ ارزاں نہیں۔ میں ۸ ریال سیر بکری کا گوشت خریدتا ہوں۔
یہاں چند باغ بھی ہیں جن میں خاک اڑتی رہتی ہے۔ مولی، بینگن، بھنڈی
ساگ پالک ٹماٹر اور تربوز کبھی کبھی مل جاتے ہیں۔ پانی کی قلت ہے
اور نہایت گہرے کنوؤں سے پانی نکالا جاتا ہے کبھی چقندر بھی مل جاتا ہے۔
انار ہوتا ہے اور شیریں۔ سُنا ہے حبشہ کے قریب جو شمالی علاقے ہیں
وہاں شکر قند اور دوسرے پھل و ترکاریاں مل جاتی ہیں۔ یہاں عربوں،
سمالیوں اور چند ہندوستانیوں کی دوکانیں ہیں، جہاں کپڑا ضروریات
کی دوسری چیزیں اور سامانِ خورد و نوش ملتا ہے۔ سامان خورد و نوش عدن
سے ملتا ہے ہندوستانیوں اور گورنمنٹ کے ملازمین کو حکومت مفت غلہ ماہانہ

دیتی ہے۔ باقی ضروریات ہم سب بازار سے پوری کرتے ہیں۔

اُن مقامات پر جہاں پانی ملتا ہے آبادی زیادہ ہے اور ذریعۂ آمد و رفت آجکل موٹر ہے۔ معمولی بارش سے راستوں اور سڑکوں پر کیچڑ ہو جاتی ہے اور موٹریں پھنس جاتی ہیں۔ کوئی پختہ سڑک نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے حال میں چند پرائمری اسکول کھولے ہیں۔ جہاں عربی اور انگریزی تعلیم ہوتی ہے۔ حساب بھی سکھایا جاتا ہے۔ صنعتی کام بھی سکھاتے ہیں کوئی پیشہ یا صنعت یہاں نہیں۔ لڑکے گلیوں میں آوارہ کھیلتے پھرتے ہیں کوئی کام نہیں تعلیم سے واسطہ نہیں۔ اونٹ کا گوشت ایک وقت کھانے کے بعد دن بھر کی چھٹی۔ ایک وقت میں پیٹ بھر لیتے ہیں۔ دوسرے اونٹ کا گوشت بھی چوبیس گھنٹہ میں ہضم ہوتا ہے۔ چائے بکثرت پیتے ہیں۔ ہوٹلوں میں بھی کھانا کھاتے ہیں اور جن کے گھر ہیں وہ گھروں میں کھاتے ہیں۔ چھپروں کے گول گھر یہاں بناتے ہیں جن میں جانوروں کی طرح رہتے ہیں۔ بھیڑوں اور بکریوں کے لئے باڑے بناتے ہیں اور ضرورت پر ان گھروں کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔

لکڑ بگھے یہاں بڑی کثرت سے ہوتے ہیں۔ جو رات کو بکریوں بھیڑوں کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ اونٹوں پر بھی حملہ کرتے ہیں۔ سمالیوں کو کتوں سے بڑی نفرت ہے۔ کتے بہت کم نظر آتے ہیں صرف انگریز کتے رکھتے ہیں۔ اسلامی مساوات کھانے میں البتہ نظر آتی ہے ایک سمالی کا کھانا سب مل کر کھا جاتے ہیں۔ سمالی بھی اور سمالیوں کی موجودگی میں علیحدہ کوئی چیز کھانا پسند نہیں کرتا۔ سب کو شریک کرکے ہر چیز کھاتا ہے۔ کوئی سمالی کسی جگہ پہنچ جائے تو دوسرے سمالی بخوشی اس کو کھانا کھلائیں گے ایک ہی پیالے میں سب مل کر کھانا کھائیں گے ہر ایک سمالی ایک ہی گلاس یا پیالے میں پانی پیئے گا۔ یہاں سب سے قیمتی چیز پانی ہے۔ جو بعض مقامات پر کسی قیمت پر نہیں ملتا۔ یہاں ایک دریا ہے جو بارش کے بعد خوب بہتا ہے اور چار گھنٹہ کے بعد بالکل خشک ہو جاتا ہے اس دریا کے کنارے کنوئیں کھود کر پانی رسیوں سے کھینچتے ہیں مشکوں کنستروں اور مٹکوں میں بھر کر لے جاتے ہیں۔

جو عرب یہاں آباد ہیں۔ اُن میں سخت پردہ ہے بعض سمالی عورتیں بھی پردہ نشین ہیں ورنہ عام طور پر پردہ بالکل نہیں ہے۔

بیماری میں خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ہر شخص اپنے جسم کا حصہ آگ سے داغتا ہے مثلاً چہرہ پر ورم یا درد ہو تو چہرہ داغتا ہے۔ عورتیں بھی گرم لوہے سے داغ لیتی ہیں۔ بیماریوں میں بچوں کے جسم کو داغ کر چھلنی بنا دیا جاتا ہے۔ اور یہ خاص علاج سمجھا جاتا ہے۔ اور لوہے سے جسم کو داغنے یا جلانے کا عام رواج ہے۔ یہ ایک نہایت ظالمانہ اور وحشیانہ رسم ہے۔ سمالی لینڈ کے نیچے زرخیز علاقے کینیا۔ نیروبی۔ یوگنڈا واقع ہیں۔ جو وسطی و مشرقی افریقہ کہلاتا ہے۔ یہ نہایت بلند مقام ہے خوب سردی ہوتی ہے۔ یہ حصہ نقشہ میں خط استوا (اکیوٹر) اوپر واقع ہے یعنی سورج کی سیدھی شعاعیں اس حصہ پر پڑتی ہیں اور لوگوں کو سیاہ بناتی ہیں۔ اگر یہاں سردی نہ پڑتی تو لوگ جل کر بھسم ہو جاتے یہ بھی خدا کی قدرت ہے۔ یہاں کے پہاڑوں پر برف جمی ہوتی ہے۔

افریقہ کے سیاہ دیونما خوفناک حبشی صحیح معنوں میں مشرقی اور وسطی افریقہ میں بستے ہیں۔ وہاں کی زبان میں عربی الفاظ زیادہ ہیں انگریزوں کی کوشش اور مسیحی مشنریوں کے پروپیگنڈے سے حبشی زیادہ تر عیسائی ہیں تھوڑے سے مسلمان بھی ہیں نیروبی و کینیا میں ہندوستانی بہت آباد ہیں۔ جالندھر (پنجاب) کے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ زیادہ تر کاٹھیاواڑی ہیں۔ —— سورج کی شعاعوں نے رنگ برنگ کی خوبصورت چڑیاں پیدا کر دی ہیں۔ ہزاروں قسم کی چڑیاں دیکھنے میں آتی ہیں طوطے مختلف رنگوں کے نہایت خوبصورت ایک ہی طوطا اور چڑیا میں مختلف رنگ نہایت خوشنما ہوتے ہیں۔ شترمرغ ایک بہت بڑا جانور ہے جو بکثرت پایا جاتا ہے۔ چڑیا اڑتی بھی ہے اور تیز دوڑتی بھی ہے کہ کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ سیاہ تیتر بکثرت ہوتا ہے۔ ہرن بکثرت ہیں زیبرا اور لوے بڑے بڑے جانور اور شیر بہت زیادہ ہیں شکار بکثرت ہے۔ تیتر کا گوشت اس قدر لذیذ ہوتا ہے کہ جنتی نعمت معلوم ہوتی ہے میرے پاس بندوق نہیں اس لئے محروم ہوں۔ ورنہ اکثر شکار کھیلتا۔ میں روزے رکھ رہا ہوں خوب ٹھنڈک ہے اس وقت ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں ہوائیں یہاں دن رات چلتی ہیں گرمی کا نام نہیں پیاس کی تکلیف نہیں خدا کا فرض ادا کرنے کے بعد تمہاری خالہ جان اور تمہاری امی جان کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ دن بھر اسپتال میں کام کرنا ہوتا ہے۔ کوئی وقت خالی نہیں۔ رات کو کمرہ میں کمبل یا چادر لے کر سوتا ہوں۔ اس وقت رات کے ۹ بجے ہیں

بالائی کے کھاجے

آج کل راشننگ میں میدہ عمدہ ملتا ہے۔ اگرچہ اس کی چپاتیاں اچھی نہیں بنتیں۔ مگر میدے سے اور بہت سی چیزیں بنائی جا سکتی ہیں عصمتی بہنوں کے لئے ایک دو چیزوں کی ترکیبیں پیش کرتی ہوں۔ امید ہے بہنیں پسند کریں گی۔

گھی چھ سیر۔ شکر دو سیر۔ بالائی دو سیر۔ میدہ پون رتل۔ چاول کا آٹا بارہ تولہ۔ پیڑے کے لئے خشکہ۔ گلاب کا عرق یا السیں گلاب کے پھول کی پتیاں۔ بادام۔ پستہ۔ چرونجی اور الائچی حسب ضرورت۔

(۱) یوں تو رنگونی چاول کا آٹا عمدہ سمجھا جاتا ہے مگر جنگ نے ہر موجودہ چیز کو اچھا سمجھنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ لہذا جو چاول موجود ہو وہی استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے چاول کو دھو کر دھوپ میں سکھا دیں۔ خشک ہونے پر چکی میں آٹا پیس لیں۔ اگر کسی بہن کو چکی پر آٹا پیسنے کی محنت گوارہ نہ ہو تو وہ مشین کا پسا ہوا بھی استعمال میں لا سکتی ہیں۔ چاول کے آٹے کو مہین کپڑے سے چھان لینا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ کھاجے کی عمدگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ جب آٹا تیار ہو جائے تو اس میں اس قدر گھی آمیز کر لیجئے کہ یہ گاڑھا لئی سا ہو جائے۔ آٹے میں گھی ڈال کر چمچہ سے خوب ہلاتی رہیں کہ آٹا گھی میں خوب پھول جائے۔

(۲) شکر کا کسی قدر گاڑھا قوام تیار کر لیجئے۔ زیادہ گاڑھا نہ ہو اس کا خیال رہے۔ جب قوام ٹھنڈا ہو جائے تو خوشبو کے لئے گلاب کا عرق یا السیں کے چند قطرے ڈال دیجئے۔

(۳) میدے کو چھان کر اس میں پاؤ بھر گھی ڈال کر دونوں ہاتھوں سے خوب مل لیں۔ اس کے بعد پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اس پانی سے ملائم آٹا گوندھ لیں مگر یہاں تک گوندھتی رہیں کہ آٹا لوچدار ہو جائے۔ اس کے بعد ۲۰ - ۲۵ منٹ آٹے کو ڈھانک کر رکھ دیں۔ اور پھر اس ترکیب پر بیلنا شروع کریں۔

اول آٹے کے دو حصے کر لیں۔ ایک حصہ آٹے کا مربع پیڑا بنا کر چکلہ پر خشکی چھڑک کر ایک کنارے سے پتلا پتلا بیلنا شروع کریں۔ اور بیلی ہوئی سطح پر چاول اور گھی کی تیار کردہ لئی کی ایک مہین تہہ لگا کر ہلکے ہاتھوں سے بیلے ہوئے حصہ کو تھوڑا سا کھینچ کر رول کی طرح اس سرے کو لپیٹتی جائیں۔ اسی ترکیب پر تمام پیڑا بیل لیجئے یعنی ایک طرف کے سرے کو بیلتی جائیں۔ اور اس بیلے ہوئے حصہ پر لئی لگا کر دوسرے سرے سے کھینچ کھینچ کر لمبی لوئی کی طرح لپیٹتی جائیں۔ جب ایک حصہ آٹے کی لوئی تیار ہو جائے تو اسی ترکیب سے باقی نصف حصہ آٹے کی لوئی تیار کر لیجئے۔

اب ان دونوں لوئیوں سے بارہ بارہ عدد پیڑے ایک ہی ناپ کے چھری سے تراش لیجئے۔ پھر ان پیڑوں کی روٹیاں حسب ذیل ترکیب پر بیل لیجئے۔

پیڑے کے کٹے ہوئے حصے کو دونوں طرف سے اندر کی طرف موڑ کر ہتھیلی پر رکھ کر تھوڑا سا دبا کر گول پیڑا بنا دیں اور ان تمام پیڑوں کی موٹی موٹی روٹیاں بیل لیں۔ مگر ان میں کی بارہ روٹیاں کچھ چھوٹی بیلیں۔ یہ کھاجے کے اوپر کی طرف کی روٹی ہوگی۔ نیز روٹی بیلتے وقت خشکہ خوب لینا چاہئے تاکہ روٹی چکلہ پر چپک نہ جائے علاوہ ازیں پیڑے کے کٹے ہوئے حصوں کو اوپر نیچے رکھ کر بیلنا چاہئے کیونکہ اس ترکیب پر بیلنے سے پوری روٹی میں پرت کا حلقہ بن جائے گا۔ دیگر بیلتے وقت اکثر لئی کا کچھ حصہ چکلہ پر چپک جاتا ہے اسے ہر دفعہ صاف کرتی رہیں۔ ورنہ چکناہٹ کے اثر سے روٹی کہیں کہیں سے ٹوٹ کر خراب ہو جاتی ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کھاجے کی روٹیاں سب طرف سے گول اور یکساں رہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں سے موٹی تو کہیں سے پتلی ہو جائے۔

جب تمام روٹیاں بیل چکو تو بڑی روٹی کو چکلہ پر رکھ کر درمیانی حصہ میں ابھری ہوئی بالائی بھر کر چھوٹی روٹی اوپر سے رکھ کر دونوں روٹیوں کے سروں کو ایک دوسرے میں دبا کر چپکا دیں اور پھر انگلی

اور انگوٹھے کے سرے سے کھاجے کے کنارے کے حصہ کو تریب قریب مروڑ مروڑ کر گوکھرو بنالیں۔ اس طرح کنارا ابھرتا ہوا رہے گی۔ اور تلنے پر دونوں حصے علیحدہ بھی نہ ہونے پائیں گے۔

تلتے وقت اول کھاجے کے نیچے کے حصہ کو بادامی رنگ کا تل لیں۔ پھر کفگیر کی مدد سے کھاجے کو سنبھال کر الٹ کر اوپر کا حصہ بھی تل لیں۔ تلے ہوئے کھاجے کو چاول کی چھلنی میں گھی نتھارنے کے لئے رکھتی جائیں۔ پھر ایک سینی میں فاصلہ فاصلہ پر رکھ دیں جب کھاجے بالکل ٹھنڈے ہو جائیں تو قوام میں کھاجوں کو ڈبو ڈبو کر پھر چھلنی میں رکھ دیں تاکہ زائد قوام چھن کر نکل جائے، قوام میں ڈبوتے وقت کفگیر سے کھاجے کو کچھ دیر تک قوام میں دبا کر رکھنا چاہیئے تاکہ کھاجا قوام کو جذب کر سکے جب قوام چھن جائے تو کھاجوں کے اوپر بادام پستہ کی ہوائیاں الائچی کے دانے سالم چرونجی اور گلاب کے پھول کی پتیاں نفاست سے لگا کر طشتریوں میں لگا کر نوش فرمائیے۔

پھیکے پکان

اگر پھیکے پکان بنانا مقصود ہو تو اسی ترکیب سے آٹا گوندھ کر بارہ عدد پیڑے بنا کر اس کی پتلی پتلی روٹیاں بنالیں اور اس پر گھی کی تہہ لگا کر گول لپیٹ لیں۔ پھر اس لمبی لوئی کو حیدرآبادی روٹی کی وضع پر پیچ دار پیڑا بنا کر خوب خشکہ لگا کر بہت موٹی موٹی روٹیاں بیل کر تل لیجئے۔ جن کو میٹھی چیزوں سے رغبت نہیں ہوتی ہے۔ وہ اسے بہت پسند کرتے ہیں۔

یہ پکان رس بھری کی جیلی کے ساتھ بھی بہت لذیذ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زیادہ تر دودھ میں بھگو کر کھائے جاتے ہیں۔ گرم دودھ میں شکر گھول کر خوشبو ڈال کر پکانوں کو پلیٹ میں رکھ کر اوپر سے یہ گرم گرم دودھ ڈال کر کچھ دیر بھگونے کے لئے رکھ چھوڑیں۔ اور پھر نوش فرمائیے۔

شیریں گل بمبئی

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔
جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیں۔ منیجر

چقندر

چقندر ایک مفید و صحت بخش سبزی ہے۔ اس کا شربت خون بڑھاتا ہے۔ ایک بڑا چقندر یا چھوٹے چار لے کر چھیل ڈالیں اور قتلے تراش کر ایک سیر پانی میں دھیمی آنچ پر پکنے رکھدیں۔ جب آدھ سیر پانی جل جائے تو ٹھنڈا کر کے چھان لیں۔ اور ایک چمچہ شکر اور چھ سات قطرے لیموں ڈال کر نوش کریں۔

جن کو خون کی کمی کی شکایت ہو اگر وہ روزانہ یہ شربت پیا کریں تو نہایت مفید ثابت ہوگا۔

چقندر بلغم کو چھانٹتا اور طبیعت کو نرم کرتا ہے۔ رعشہ کا دفع اور سرکہ اور رائی کے ساتھ طحال کے سدے کو دفع کرتا ہے۔ رائی کے ساتھ درد قولنج کو مفید ہے۔

درد گردہ اور مثانہ کو مفید مسہل کی دواؤں کے ساتھ بلغم کو خارج کرتا ہے۔ درد مفاصل اور نقرس کو بھی مفید ہے۔ روغن بادام اور شہد کے ساتھ کان کے درد کو مفید ہے۔ اور ہر قسم کے ورم کو دفع کرتا ہے۔ طبی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اس کا پانی شراب میں ڈال دیا جائے تو شراب سرکہ بن جاتی ہے۔

ربیع۔ بمبئی

دورِ خزاں

نذرِ بربادی، گلستاں ہوگیا / خوشنما گلشن بیاباں ہوگیا
ہوگئی رخصت چمن سے نوبہار / چل بسے وہ پُرفضا لیل و نہار
پتیوں کے رخ پہ زردی چھا گئی / ہے خزاں کی ان کو سردی کھا گئی
کل جو گل تھا زینتِ شاخِ شجر / مل گیا ہے خاک میں وہ بے خبر
ہوگئے وہ جانفزا منظر نہاں / ہر طرف ہے رنگِ بربادی عیاں
ہے جہاں میں تو مسافر بے وطن / زندگی تیری ہے مانندِ چمن

(دانشر)

چند عام انگریزی کھانے

اس مضمون میں میں چند آسان انگریزی میٹھی پلیٹیں بنانے کی ترکیبیں پیش کر رہی ہوں۔ جو آپ کبھی کبھار یا روزمرہ فیرنی یا زردہ وغیرہ کی بجائے پکا کر ذائقہ تبدیل کر سکتی ہیں۔ انگریزی کھانوں میں انڈا بکثرت استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً میٹھی چیزوں کے لئے تو یہ لازمی عنصر ہے۔ چونکہ مندرجۂ ذیل ترکیبیں کسی کتاب سے منقول نہیں ہیں اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ ان کا اندازہ وغیرہ کسی جگہ بالکل صحیح نہ ہو اس لئے انہیں بناتے وقت اپنے اندازے کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں یہ سب طریقے میرے آزمودہ اور گھریلو ہیں۔

(۱) سادہ کسٹرڈ پڈنگ۔ اندازہ، انڈے، دو عدد، دودھ پاؤ بھر، چینی، دو بڑے چمچے گھی یا مکھن، دو چھوٹے چمچے۔

ترکیب۔ انڈوں کی سفیدی کو خوب پھینٹیں۔ جھاگ خوب اٹھ جائے تو زردی بھی ملا کر چمچے یا کانٹے سے پھینٹیں پھر اس میں خوب گاڑھا پکا ہوا دودھ اور چینی بھی اچھی طرح سے حل کر دیں اس مرکب کو پڈنگ کے برتن میں ڈال کر اوپر گھی یا مکھن بھی ڈال دیں اگر پڈنگ کا برتن نہ ہو تو کسی قلفی یا چھوٹی دیگچی میں ڈال کر ڈھکن لگا دیں۔ اور اس کے اوپر نیچے کوئلوں کی دھیمی آنچ لگائیں جب یہ گاڑھا ہو کر جم جائے اور سرخی آ جائے تو اتار کر ٹھنڈا ہونے پر نوش کیجئے۔

(نوٹ) مندرجہ بالا پڈنگ دو آدمیوں کے لئے کافی ہوگی۔

۲۔ خوبانی کی کسٹرڈ پڈنگ۔ اندازہ، خوبانی پاؤ بھر، انڈے ۳ عدد، چینی پاؤ بھر، دودھ ڈیڑھ پاؤ، میدہ ایک بڑا چمچہ۔

ترکیب۔ پاؤ بھر چینی کو تقریباً ڈیڑھ پاؤ پانی میں ڈال کر چولہے پر پکنے کے لئے رکھ دیجئے۔ اس میں خوبانی کو دھو کر ڈال دیں اور پکنے دیں ۲۔۳ لونگ اور اسی تعداد چھوٹی الائچی بھی ڈال دیں۔ جب شیرہ کچھ گاڑھا ہو جائے اور خوبانی پکنے کے بعد خوب پھول جائے تو اس کو اتار لیجئے اب کسٹرڈ اس طریقے سے تیار کریں۔ انڈوں کی سفیدی خوب پھینٹ کر اس میں زردی بھی ملا دیں۔ پھر اس میں میدہ، دودھ اور ایک چمچہ چینی بھی ملا کر خوب چمچہ سے حل کیجئے۔ جب سب چیزیں یکجان ہو جائیں تو کسی دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور چمچے سے ہلاتی رہیں جب گاڑھا ہو کر جمنے کے قریب ہو تو اتار لیجئے۔ اس میٹھی پلیٹ کو دسترخوان پر پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہر پلیٹ میں چھ سات خوبانی مع تھوڑی سی چاشنی کے نکال کر اوپر سے میز کے دو بڑے چمچے کسٹرڈ ڈال کر خوبانی کو ڈھکتی جائیے۔ پلیٹ میں نکالنے سے پہلے لونگ اور الائچی پھینک دیں تاکہ کھانے میں نہ آئیں۔ ان کو صرف خوشبو کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا اندازہ سے تیار کی ہوئی کسٹرڈ پڈنگ چار یا پانچ مہمانوں کے لئے کافی ہوگی۔

طریقۂ دیگر۔ اگر پسند ہو تو آپ تبدیلیٔ ذائقہ کے لئے خوبانی کے ساتھ انجیر بھی ڈال سکتی ہیں۔ نیز اسی ترکیب سے کیلے، سنترے اور دیگر تازہ پھلوں کی کسٹرڈ پڈنگیں بھی تیار کی جاتی ہیں جو اپنی اپنی پسند پر منحصر ہیں۔

۳۔ مٹھائیوں کی پڈنگیں جلیبی، گلاب جامن، رس گلہ، امرتی وغیرہ حسب پسند آپ کسی بھی مٹھائی سے مندرجہ ذیل ترکیب سے نہایت لذیذ پڈنگ بنا سکتی ہیں۔ اندازہ۔ مٹھائی آدھ پاؤ۔ انڈے دو عدد۔ دودھ پاؤ بھر۔ چینی ایک بڑا چمچہ۔ مکھن ایک چمچہ۔

ترکیب۔ پہلے کانٹے یا چمچہ سے مٹھائی کو خوب چور لیں پھر انڈے اچھی طرح سے پھینٹ کر اس میں دودھ اور چینی ملا دیں۔ اس کو مٹھائی میں ملا کر خوب اچھی طرح سے حل کر لیں۔ اوپر مکھن بھی چھوڑ دیں تب حسب سابق اس مرکب کو بھی پڈنگ کے برتن یا کسی دیگچی میں ڈال کر اوپر نیچے دھیمی آنچ رکھ دیں۔ گاڑھا اور سرخ ہونے پر۔ ٹھنڈا ہونے پر نوش کیجئے۔ یہ اندازہ دو یا تین آدمیوں کے لئے ہے۔

۴۔ ساگو دانہ، سوجی یا چاول کی پڈنگ۔ اندازہ مندرجۂ بالا اشیاء میں سے کوئی سی ایک چیز دو بڑے چمچے۔ دودھ ڈیڑھ پاؤ۔ چینی تین چھٹانک۔ مکھن ایک چمچہ۔ کشمش ایک چھٹانک۔

پہلے آدھے دودھ میں سوجی یا ساگودانہ یا چاول کو اچھی طرح
سے پکالیں۔ چاول کی پڈنگ پکانا منظور ہو تو پہلے چاولوں کو پانی
میں پکاکر گلالیں۔ تب دودھ میں پکائیے۔ گاڑھا ہونے پر نیچے اتار
کر خوب ملادیں۔ پھر انڈے اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ اس میں
دودھ اور چینی اور گھوٹے ہوئے دودھ چاول ملاکر خوب حل کرلیں۔
کشمش بھی اُس میں ڈال دیں۔ پھر اس مرکب کو کسی برتن میں ڈال کر
ڈھکن لگادیں اور اس کے اوپر نیچے کوئلوں کی دھیمی آنچ لگادیں
بالکل جم جانے اور سرخ ہو جانے پر ٹھنڈا کرکے استعمال میں لایئے
بچے ایسی پڈنگوں کو بہت شوق سے کھاتے ہیں اور یہ ہیں بھی ان کے
لئے بہت مفید اور زود ہضم چیزیں۔

۵۔ کیلے کی میٹھی پلیٹ۔ اندازہ۔ کیلے دو عدد۔ دودھ
آدھ پاؤ۔ انڈا ایک عدد۔ شکر یا چینی آدھ پاؤ، میدہ ایک بڑا
چمچہ۔ گھی یا مکھن، حسب ضرورت۔

ترکیب: کیلے کے کوئی آدھ آدھ انچ موٹے ٹکڑے گول یا
لمبے رُخ کاٹ لیجئے۔ پھر انڈے کو پھینٹ کر اُس میں میدہ، دودھ
اور چینی ڈال کر اچھی طرح سے حل کریں۔ کیلے کے ٹکڑوں کو
بھی اس میں ڈال کر اچھی طرح سے لت پت کرلیں۔ چولھے پر فرائی پین
میں گھی یا مکھن کڑکڑائیں۔ اور کیلے کے ٹکڑے تھوڑے تھوڑے
کرکے ڈالتی جائیں۔ اور دونوں طرف پلٹ کر سرخ کرکے نکالتی جائیں
بعض لوگ ان ٹکڑوں پر چینی دانے دار اور لیموں کا عرق
نچوڑ کر بھی کھاتے ہیں۔

نوٹ۔ کیلے کی یہ میٹھی پلیٹ دو آدمیوں کے لئے کافی ہوگی
یہ عموماً تیج یا دوپہر کے کھانے کے بعد کھائی جاتی ہے اور دیگر اوپر
لکھی ہوئی میٹھی پلیٹیں رات کے کھانے کے بعد استعمال میں لائی
جاتی ہیں۔

بیگم نصیر الدین

کسی ماہ کا پرچہ ڈاکخانہ کی غلطی یا آپ کے ملازموں کی غفلت
سے آپ کو نہ ملے تو خریداری نمبر کے حوالے سے
دفتر کو فوراً اطلاع دیجئے ورنہ پھر کسی قیمت پر نہ مل سکے گا۔ منیجر

رخصتی

میری ہمشیرہ محترمہ اختر النساء کی شادی ۲۱۔ جون ۱۹۳۶ء کو
ہوئی ہے اس موقعہ پر میرے بھائی کبیر الدین صاحب جگوری نے ایک
نظم پیش کی تھی جو درج ذیل ہے۔ آسیہ خاتون ہمشیرہ حکیم صاحب

نہ گل ہنستا ہے کوئی اور نہ غنچہ مسکراتا ہے
چمن کا کون گلچیں اے نسیم صبح جاتا ہے
نمایاں ہیں جدائی کے الم اب دیدۂ تر سے
نئی دنیا میں اُٹھی جاتی ہیں ماں باپ کے گھر سے
پلی تھی جس گلستاں کی بہاروں میں مکیں ہو کر
گلوں سے اب جدا یہ ہو رہی ہیں دلنشیں ہو کر
چلی ہے آج رخصت ہو کے اپنوں سے جدا ہو کر
نئی دنیا کا ہے اک سامنا نا آشنا ہو کر
لٹا دیتا تمہارے واسطے دولت اگر ہوتی
نصیحت کے لئے دو چار میرے پاس ہیں موتی
بڑوں کا پاس کرنا آبروئے ہمنشیں کرنا
بُرائی سن کے اپنا دل نہ فوراً خشمگیں کرنا
اطاعت سے کبھی باہر نہ تم اپنا قدم رکھنا
فرائض زوجیت کے جاں نثاری کو بہم رکھنا
اصول زندگی اپنی مسرت سے بسر کرنا
رضا پر اپنے شوہر کی ہر ایک صورت گزر کرنا
ہر ایک چھوٹے بڑے سے گفتگو کرنا محبت کی
یہی پہچان ہے پیاری بہن حسن و شرافت کی
اطاعت فرض ہے شوہر کی اس پر تم نظر رکھنا
کسی عالم میں ہو لیکن نہ اس سے بے خبر رہنا
اگر تم سخت باتوں کا نہ دل پر نا روا لینا
مصیبت بھی اگر آجائے تو تم مسکرا دینا
بنانا اپنا گھر جنت محبت سے زمانہ میں
وہی باتیں تمہاری ہوں جو رہ جائیں فسانہ میں

خانہ داری

(جس میں سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے)

باہوں کا تناسب موزوں باہیں ہر ایک کو نصیب نہیں۔ کہنی سے کلائی تک عام طور پر یا تو زیادہ موٹی ہونگی یا زیادہ دُبلی پتلی۔ ہر حالت میں مالش سے باہوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ایک باہہ کا گوشت دوسری باہہ کے ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ کر دس منٹ تک چٹکی کی حرکت سے اوپر کو اور نیچے کی طرف ملیں۔ یہی عمل دوسری باہہ کے ساتھ کیا جائے۔ آدھ سیر وزن کے ڈمبل پھرانے بہت مفید ثابت ہوں گے۔ کیونکہ ان سے باہوں کے پٹھے رگ پٹھوں پر پھرانے کی حرکت کا اثر ہوتا ہے۔ ان سے باہوں میں موزونیت پیدا ہو جائے گی۔ مگر ان کی ورزش میں اعتدال مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ورنہ تھکن نقصان دے گی۔ شروع میں دس منٹ ہی کافی ہیں لیکن جب پٹھے عادی ہو جائیں تو وقت بتدریج بڑھایا جا سکتا ہے اگر باہوں کی اوپر کی طرف کی کھال کھُردری اور سُرخ نظر آنے لگے تو جھنواں پتھر ذرا سا جھاڑ کے ذرا سے لیموں کے رس میں جسے پہلے پانی ملا کے پتلا کر لیا جائے کیمی کہ با گر بڑے احتیاط سے لگائیں اور ملیں۔ جلد بہت جلد نرم اور سفید ہو جائے گی۔

باہوں کو موسمی ہواؤں سے بچانا چاہیئے۔ اگر انھیں کھُلا رکھنا ہی منظور ہے تو کولڈ کریم کافی مقدار میں اُن پر ملیں اور جذب کریں۔ جئی کا آٹا oatmeal چھان کے اُن پر چھڑکیں۔ اس سے جلد دبیز نہیں ہونے پائے گی جنھیں شلوکہ یا جمپر پہننے کا شوق ہے اور آج کل باہیں ننگی رکھنے کا شوق ہے ان سب کو یہ معلوم کر کے بڑا صدمہ ہوگا کہ باہیں اس طرح کھُلی رکھنے سے ان کی جلد موٹی اور کھُردری ہو جاتی ہے۔ رنگ کی دلکشی جاتی رہتی ہے اور اسی وجہ سے آج کل باہوں کے متعلق اس قسم کی شکایتیں عام ہیں۔

باہیں کلائی اور کہنی کے بیچ میں نفیس دلکش اور عمدہ ہونی چاہیئیں باہوں کی رعنائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر باہیں زیادہ دُبلی پتلی ہیں اس کے لئے یہ ورزش کریں کہ باہیں پھیلائیں مٹھیاں بند کریں اور بالو آہستہ آہستہ اوپر لے جائیں اور نیچے لائیں۔ ہاتھوں کا خم کلائی پر ہونا چاہیئے پٹھوں کے کھنچنے کی کیفیت اس تمام عرصہ میں محسوس ہوتی رہنی چاہیئے۔ ورنہ کھنچاؤ کہنی سے کلائی تک برابر معلوم ہوگا۔ یہ دن میں جس قدر مرتبہ چاہیں صرف ۵۔۵ منٹ کرنے میں تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا اثر آپ کو نظر آنے لگے گا۔ اس وقت ہر رات کو کوئی عمدہ جلدی غذا خوب باہوں کی جلد میں ملیں۔ روغنِ زیتون اس لحاظ سے بہت موثر چیز ہے لیکن اس کا خیال رہے کہ یہ رنگ کو سنولاتا ہے۔ صبح کو باہیں پہلے گرم پانی سے دھوئیں۔ پھر ٹھنڈے سے۔ پھر گرم سے اور آخر میں ٹھنڈے سے دھو ڈالیں۔ زیادہ زور سے رگڑ کے باہیں خشک نہ کریں لیکن اگر باہیں اچھی طرح خشک نہ کی جائیں گی۔ ان کی جلد موٹی اور کھُردری ہو جائے گی۔

باہیں زیادہ موٹی کم ہوتی ہیں۔ اگر کسی کی ایسی ہوں تو انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی میں زائد گوشت کی تہیں پکڑ کے نرمی سے گھماتے چلے جائیں۔ مالش کے رول Massage rollers اس کام میں بہت موثر ثابت ہوتے ہیں۔ ہتھیلی میں کریم لگا کے باہیں تھپکنا بھی کار آمد ہے۔ ساتھ ہی ساتھ کلائی کو نرم و نازک رکھنے کے لئے اس کی ورزش جاری رکھنی چاہیئے۔

کہنیوں میں ننھے ننھے گڑھے خوبصورتی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ نوک دار کہنی بہت بدنما معلوم ہوا کرتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ نوک روزانہ بیس منٹ تک گرم پانی میں ڈبوئے رکھیں اور پھر نرم نرم مالش کر دیں۔

درست وضع اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کا انداز و ڈھنگ ٹھیک ہو تو رعنائی پیدا ہوتی ہے اگر وضع قطع ٹھیک نہ ہو تو بھدا پن نمودار ہونے کے علاوہ صحت بھی بگڑ جاتی ہے۔ ذرا للکار کے کسی سے کہو کہ ٹھیک طور سے چلو تو وہ فوراً تن جائے گا۔ سینہ اُبھار کے جسم کا وزن کولھوں کے پاس تک آگے کی جانب ڈال دے گا۔ ریڑھ کی ہڈی سیدھی ہو جائے گی۔ اور کندھے پیچھے کی طرف ہو کے سینہ پھیلانے کا باعث ہوں گے۔ جب آدمی اس قسم کی للکار سنتا ہے یا کسی کی نصیحت یا پھر اس مضمون پڑھتا ہے تو کچھ عرصہ کے لئے وہ مندرجہ بالا طرز اختیار کرے گا۔ مگر کچھ دیر بعد وہی ڈھیلا ڈھالا حال اس پر طاری ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھی صورت و حالت عطا کی ہے وہ کیوں نہ سیدھا نہ رہے۔ اس کے بدن میں سو سے زیادہ ہڈیاں

دوسو پٹھے۔ بے شمار رگیں اور نسیں ہیں۔ یہ محض اس لئے ہیں کہ جسم سیدھا اور تنا ہوا رکھا جائے۔ کھڑے ہونے کا درست طریقہ یہ ہے کہ پاؤں متوازی ہوں۔ وزن بخوبی آگے کی طرف اور پاؤں کے بیرونی رُخ سینہ و پیٹ تنا ہوا۔ بالخصوص نیچے کا حصہ پشت پھیلی ہوئی اور ریڑھ کی ہڈی سیدھی سینہ بلند۔ بالکل سیدھا کھڑا ہو۔ کندھے بانہیں اور گھٹنے بالکل چست و چالاک ان میں مطلق رکاوٹ نہ معلوم ہو۔ یہ کیفیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ پہلوؤں میں کرکے پاؤں دیوار سے چار انچ آگے اور بالکل سیدھے آگے کے رُخ اس طرح کھڑے ہو کہ کمر کا سہارا دیوار سے ہو۔ سر کندھے کولھے دیوار سے لگ رہے ہوں سر بلند ہو سینہ باہر پیٹ اندر کو اور کمر کا زیادہ سے زیادہ حصہ سپاٹ دیوار سے لگے۔ اب یہ حالت کھڑے ہونے اور چلنے پھرنے میں قائم رکھیں۔ اس میں تکلف محسوس نہ ہونا چاہیئے۔ جب کرسی پر بیٹھو تو خوب اندر کو ہو کے بیٹھو کہ ساری کمر کرسی کی پشت سے لگ جائے اور ساری رانیں کرسی کی بیٹھک پر آجائیں۔ پاؤں سیدھے زمین پر رکھتے ہوں۔ کرسی ایسی ہو کہ کمر کے عام خم اس میں درست بیٹھ جائیں۔ اور ڈیسک اتنی اونچی ہو کہ کہنیاں اس پر اس طرح ٹک جائیں کہ کمر میں کُب نہ آنے پائے۔ میز کے قریب تر بیٹھیں اور جھکنے کی ضرورت میں کولھے کے پاس سے جھکاؤ شروع ہو نہ کہ سینہ کے پاس سے۔

چونکہ ہماری زندگی کا تہائی حصہ سونے میں صرف ہوتا ہے اس لئے سونے کی وضع عام وضع پر بڑا اثر رکھتی ہے بالخصوص بچپن کے زمانے میں۔ مگر سوتے میں بدن حسب خواہش وضع بدلتا رہتا ہے۔ اس طرح لیٹیں جس سے جسم کو پورا آرام حاصل ہوتا ہو۔ اور جسم سیدھا اور ڈھیلا رہتا ہو۔ اونچے تکئے استعمال نہ کریں۔ اچھی طرز سے پیٹ اور سینہ کے جوارح و اعضا درست حالت میں رہتے ہیں اور کام بخوبی کئے جانے کا موقع ملتا ہے۔ اوزان ہٹانے کھینچنے اور بوجھ اوپر سے ہٹانے سے خون کی گردش میں مدد ملتی ہے۔

بُری طرز رفتار و نشست یہ ہے کہ انگوٹھے اور انگلیاں باہر کو ہوں وزن پیچھے جا رہا ہو۔ پیٹ آگے کو کولھے پیچھے کو ریڑھ کی ہڈی میں خم سینہ سپاٹ۔ سر آگے کندھے جھکے ہوئے۔ یہ خم وانفرگی کی تصویر ہے۔ ان کی وجہ بے پروائی، بُری عادات ہر وقت بیٹھے رہنے کا روبار جوڑوں کا درد اور ہڈیوں کی نرمی چپٹے پاؤں ناصحت بخش جوتے۔ خوراک کی خرابی۔ پٹھوں میں نقص، بدن زیادہ موٹا یا زیادہ پتلا۔ مضر صحت میز کرسیاں ہیں۔ پہلے ان اسباب کو دور کریں۔ پھر درست طرز کی مشق کریں۔ یہ صحت بخش طریقوں سے رہنے سہنے معقول غذا مناسب ورزش کافی آرام صحت بخش لباس سے حاصل ہو سکتی ہے۔ عادت سے آپ کے دل میں طرز درست رکھنے کا خیال قائم ہو جائے گا اور یہی عادت ڈال دیگا۔

خانگی ٹوٹکے

جب کوئی چیز بھاپ میں پکانے سے پہلے اس میں میٹھا نہ ملائیں ورنہ پکوان بھاری اور ٹھوس ہوگا۔ یا چھاننے سے پہلے آٹے میں نمی زیادہ دیدی جائے یا ملانے کے بعد کم سے کم آدھ گھنٹہ اسے رکھا رہنے دیا جائے۔ تو یہی نتیجہ ہوگا۔ اگر بہت گرم تندور میں ایسے آٹے کی چیزیں رکھ دی جائیں تو اوپر کی تہہ سخت ہو کر رہ جائے گی اور اندر کا کچا یا ڈلا سا رہ جائے گا۔ آہستہ آہستہ پکانے سے بھی ٹھوس کیفیت پیدا ہو جائیگی

روئی سرکہ میں دو دن بھگوئے رکھیں۔ دکھتے ٹھیک یا انٹن پر اس میں ذرا سی نمک کے ٹھنڈی پلٹس کے طور پر رات بھر باندھیں ہر تیسرے دن گرم پانی میں پاؤں ڈبوئیں اور ٹھیک کی مُردہ کھال مسل مسل کے اتار دیں۔ ہفتہ دو ہفتہ یہ عمل جاری رکھیں۔

پیاز ابال کے پانی نچڑ جانے دیں۔ پھر اسے تلیں۔ زیادہ مزیدار ہوگی۔ اور دیکھنے میں سُنہلی معلوم دے گی۔ اور ہضم بھی جلد ہو جائے گی۔

اگر گرم پانی کی بوتل بستر کو ہوا پہنچانے یا گرم کرنے کے لئے استعمال کی جا رہی ہو تو اسے ایک سرے پر کھڑی کر دیں۔ اس سے حرارت ایک جگہ رُکے رہنے کی بجائے پھیلتی رہے گی۔

جس برتن میں پڈنگ بنائیں اسے پہلے خوب خشک کر لیں پھر مکھن چپڑ دیں۔ اس طریقے سے پڈنگ آسانی سے باہر نکل آئے گی۔ اور برتن سے چپکی نہ رہے گی۔ پڈنگ پکانے کے بعد ایک دو منٹ رکھی رہنے دیں۔ تاکہ اُسے سکڑنے کا موقع ملے پھر نکالیں۔

سیب اگر پکانا مقصود ہوں تو کھولتے ہوئے پانی میں چند منٹ کے لئے ڈال دیں۔ پھر نکال کے چھلکا آسانی سے اتارا جا سکتا ہے۔ اور بہت سا وقت بچ جائے گا۔

محمد ظفر

سیر بین

انگریز مصنف کی موت

انگریزی زبان کا مشہور مصنف ایچ جی ویلز لندن میں ۱۳ اگست ۱۹۴۶ء کو ۴ بجے شام ۷۹ برس کی عمر میں مر گیا۔ اُسے کچھ عرصہ سے ذیابیطس کی تکلیف تھی۔ وہ ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ کرکٹ کا مشہور کھلاڑی تھا۔ اور کونجڑہ کی دکان کرتا تھا۔ ماں ایک بھٹیارہ کی لڑکی تھی۔ باپ کے بعد وہ دوکان نہ چلا سکا۔ ماں ماما کا کام کرنے لگی۔ اس کی عمر اس وقت ۱۲ سال کی تھی۔ اُسے ایک بزاز کی دُکان پر بٹھایا گیا۔ مگر وہاں اس کا دل نہ لگا۔ اسے ایک اُستاد کی شاگردی میں دے دیا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں ایک دوافروش کی دُکان پر بطور آزمائش نوکر رکھ لیا گیا۔ مگر وہاں بھی نہ ٹھہرا۔ پھر ایک پارچہ فروش کے پاس رکھوا دیا گیا۔ مگر دو سال کے بعد اسے چھوڑ کے وہ مدرسہ جانے لگا اور وظیفہ لینے میں کامیاب ہوا۔ بعد میں وہ اُستاد مقرر ہوا۔ اور اسی حالت میں بی۔ ایس۔ سی کا امتحان اوّل درجہ کے اعزاز سے پاس کر لیا۔ مدرسہ کا رسالہ اُسی کے زیر ادارت رہا۔ اور یہ علمی دُنیا میں اُس کا پہلا قدم تھا۔ وہ پھر پال مال گزٹ کو مضمون لکھنے لگا۔ اور لوگوں کو بہت پسند آئے۔ اُس نے پہلے تعلیمی پرچے اور درسی کتابیں لکھیں۔ لیکن جب اس کی علمی قابلیت کا شہرہ ہونے لگا تو اُس نے تنقیدیں لکھنی شروع کیں۔ اس کی عمر ۲۹ سال تھی کہ اُس نے ایک دم اپنی چار کتابیں شائع کیں جن سے پبلک ششدر رہ گئی۔ اُس نے ۱۹۰۳ء اور ۱۹۲۵ء کے درمیان ۹۰ کتابیں لکھیں جن میں ناول بھی تھے اور ادبی جواہر ریزے بھی۔ وہ خیالات کی دُنیا میں پہنچ کے پیشین گوئی پر بھی اُتر آتا ہے چنانچہ اُس نے ہوا کی لڑائی کا خوفناک نقشہ کھینچا۔ جو عملاً بعد میں دُنیا میں ظہور پذیر ہوئیں۔ اُس نے مرتے دم تک کتابیں لکھیں۔ اس کی شادی دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی باہمی رضامندی سے علیحدہ ہو گئی دوسری اس کی حقیقی معنوں میں شریکِ زندگی تھی۔ گذشتہ ۱۹۲۷ء میں مر گئی۔ اُسے وہ یاد کرتا رہا۔ مسٹر ویلز کی لاش جلائی گئی۔

سانپ کے کان

آدمی حیران ہے کہ دُنیا میں سانپوں کی پیدائش سے اُسے کیا فائدہ ہے یہ تو بڑا موذی کیڑا ہے مگر کچھ عرصہ سے سائنسدان اس کے زہر کے اثرات کو مختلف بیماریوں میں دیکھ رہے ہیں۔ اور امید کی جاتی ہے کہ اس کا زہر بہت سی بیماریوں کے لئے تریاق ثابت ہوگا۔ جو اب تک لاعلاج سمجھی جاتی رہی ہیں۔ اس جاندار کے ٹانگیں نہیں ہیں۔ بدن کی ہڈیاں چھلوں کی شکل میں باہم ملی ہوئی ہیں۔ ان کی حرکت سے وہ چلتا ہے۔ وہ پتلا بھی ہوتا ہے اور بہت موٹا بھی۔ بعض اقسام کا وزن چھٹنکیوں ہوتا ہے اور بعض کا وزن سوا دو من سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ سیاہ سبز زرد کوڑیالا۔ بعض بہت ہی سست چلتے ہیں۔ اور اکثر کی رفتار غضب کی ہوتی ہے۔ آسٹریلیا میں بے ضرر سانپوں کے مقابلہ میں زہریلے بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مڈغاسکر میں زہریلا سانپ پایا ہی نہیں جاتا۔ ہندوستان میں سانپ کے کاٹنے کی اموات ہر سال زیادہ ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ ننگے پیر پھرنا بھی ہے۔ سانپ کے متعلق یہ خیال پایا جاتا ہے کہ چونکہ اس کے کان نہیں ہوتے اس لئے یہ بہرہ ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر اس کے متعلق یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہلکی سی آہٹ کو سُن لیتا ہے۔ اسی لئے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے کان تو سانپ کے سے ہیں یعنی کھسر پھسر بھی سُن لیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سانپ زبان سے سنتا ہے۔ اس کی زبان بہت حساس ہے۔ اور ہوا کی ذرا سی تھرتھری کو محسوس کر لیتی ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ آنکھ سے سُن لیتا ہے۔ اس کی آنکھ میں پپوٹہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک شفاف جھلی میں اس کی آنکھ آزادی سے حرکت کرتی رہتی ہے۔ اس کی آنکھ اسی وجہ سے سوتے میں بھی کھلی رہتی ہے اور ذرا سی آہٹ سے وہ جاگ اُٹھتا ہے۔

سانپ کے نگلنے کی قوت بھی عجیب ہے۔ اپنے سے بڑی چیز کو آسانی سے نگل لیتا ہے۔ افریقہ برما ملایا لنکا اور ہمارے ملک کے بعض بڑے بڑے سانپ جن کی لمبائی ۱۸۔ یا ۲۰ فٹ ہوتی ہے۔ پتلے آدمی کو آسانی سے نگل سکتے ہیں اور آدمیوں کے بچوں کے ہڑپ کر جانے کے تو کئی واقعات سُنے جا چکے ہیں۔

مُردہ بیوی کی واپسی

جنوری ۱۹۳۶ء میں ایک غمزدہ شوہر ایک تابوت کے پیچھے پیچھے قبرستان جا رہا ہے۔ تابوت میں اس کی بیوی کی لاش تھی۔

جسے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ہر اتوار کو وہ جا کے اس کی قبر پر پھول چڑھاتا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء میں وہ بازار میں کھڑا تھا کہ ایک خوبصورت نوجوان عورت مسکراتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور بولی ہیلو فریٹک میں واپس آگئی ہوں فریٹک ۵۴ سالہ بوڑھا انجمل کو زندہ و سلامت دیکھ کے سکتہ کی حالت میں رہ گیا۔ اس کی بیوی اکتوبر ۱۹۳۵ء میں اس کے پاس سے اچانک غائب ہو گئی۔ بہتیرا ڈھونڈا مگر وہ نہ ملی حتّٰی کہ جنوری میں اسے سالفورڈ (انگلستان) کے شفاخانہ میں بُلایا گیا تاکہ وہ ایک عورت کی لاش کو شناخت کرے جو دریا سے برآمد ہوئی تھی۔ عمل جراحی کے نشانوں سے اس نے پہچان کے کہا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ چنانچہ پولس کی تحقیقات کے بعد لاش دفن کئے جانے کی اجازت مل گئی۔ سرکاری کاغذات میں اُس کی بیوی کی فوتیدگی درج ہو گئی۔ شوہر کا بیان سنئے کہ بازار میں کسی نے میرا کندھا تھپکا۔ میں مڑا اور انجمل کو کھڑا پا کے میں نے خیال کیا کہ میرے حواس بجا نہیں ہیں میرا رنگ فق ہو گیا اور سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ وہ کہہ رہی تھی ہیلو فریٹک۔ ایک لمحہ تک میری آواز نہ نکل سکی۔ میں تتلا کے بولا۔ یہ ک ک کیا۔ میں - - تو تمہیں گاڑ چکا ہوں۔ وہ مسکرائی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تو یہ کھڑی ہوں جب اُس نے مجھے پھر چھوا اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ وہ خواب خیالی نہیں ہے۔ میں جامہ میں پھولا نہ سمایا۔ میں زندگی بھر ایسا خوش نہ ہوا تھا۔ وہ دونوں گھر گئے اور اپنی نااتفاقیوں کو چھوڑ کے پھر سے ہنسی خوشی رہنا سہنا شروع کیا۔ وہ ۱۳۔ اکتوبر کو غائب ہوئی اور ۱۳۔ اپریل کو واپس ہوئی۔

عورت نے کہا کہ جب وہ شوہر کے گھر سے غائب ہوئی وہ فلاں فلاں مقام کو گئی اور پھر مانچسٹر کے ایک کارخانہ میں نوکر ہو گئی اس کے علاوہ جوکوں کے تسمے بیچنے لگی۔ اس جگہ کسی عورت نے اُسے بتایا کہ تو تو مر چکی ہے اور تیرا شوہر تجھے دفن بھی کر چکا ہے اس پر اسے خواہش ہوئی کہ شوہر سے ملے اور کیفیت دیکھے۔ کئی جگہ شہر میں دیکھا آخر بازار میں ملا۔ بہت خوش ہوئی اور اب میرے شوہر نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ باوجود زندہ ہونے کے سرکاری کاغذات کی رُو سے وہ قانوناً مُردہ تھی اس لئے انہیں اُسے زندہ قرار دیئے جانے کے لئے بڑی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔

مُردہ کے ہاتھ قتل کیا کبھی کسی مُردہ نے کسی زندہ کو مار ڈالا ہے؟ سوال تو معلوم ہوتا ہے اور ایک معقول [illegible] لغو ہے بھی۔ میری کتاب "روحوں کے کرشمے" میں دوسری دُنیا کا قاتل" ایک سچا واقعہ ہے کہ مُردہ نے کس بُری طرح اس دنیا میں بدلہ لیا۔ وہ ایک اور واقعات ہیں جنہیں بالکل صحیح بتایا جاتا ہے ان میں حقیقت میں کچھ انوکھا پن بھی نہیں پایا جاتا جیسا کہ میری کتاب کے قصہ میں ہے۔ " دوسری جنگ افغان میں ایک برطانوی افسر جو بڑا شمشیر زن تھا۔ ایک افغان سردار سے دو دو ہاتھ کرنے چلا۔ کیونکہ اُس نے ہر ایک کو اپنے مقابلہ پر آنے کا چیلنج دے رکھا تھا دونوں گھوڑوں پر سوار تھے دونوں نے ایک دوسرے کے گرد گھوڑوں کو گھمایا اور وار کرنے کا نشانہ تاکنے لگے کہ برطانوی افسر کو موقع کسی قدر جلد ہاتھ آگیا۔ وہ افغان پر جھپٹا اور اپنی تلوار اس کے سینہ میں گھونپ دی لیکن اُس وقت وہ سردار اپنی بھاری تلوار اس پر مارنے کو اپنے سر پر اٹھا چکا تھا۔ افغان کی موت فوراً واقع ہو گئی مگر اٹھی ہوئی تلوار زور سے برطانوی افسر کے سر پر آ پڑی اور اُسے چیر کے دو ٹکڑے کر دیا پٹھان تو بیچ میں مر چکا تھا۔ مگر اس کی تلوار کا بوجھ اس کے گرتے ہوئے جسم کے ذریعہ اس قدر کافی ثابت ہوا کہ نشانہ ٹھیک بیٹھا اسی قسم کا ایک اور واقعہ سپی ان کو پیش گزرا۔ وہاں بوئروں نے ایک سارجنٹ کو دیکھا کہ بندوق کے گھوڑے پر انگلی رکھے نشانہ باندھ رہا ہے وہ بالکل مُردہ تھا کیونکہ اس کے سر میں گولی لگی ہوئی تھی۔ ایک بوئر نے بندوق اس کے ہاتھ سے نکالنی چاہی مُردہ نے انگلی سے گھوڑا دبا دیا اور گولی بوئر کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ وہیں مر کے ڈھیر ہو گیا۔

پھلجھڑیاں نئی قسم کا ہوائی جہاز زمین سے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر تین سو میل فی گھنٹہ سے زیادہ کی رفتار سے اُڑ رہا تھا کہ اس سے ایک آدمی کو پھینکنے کا تجربہ کیا گیا۔ ایک کل کے ذریعہ آدمی مع اس کی گدی کے باہر پھینکا جاتا ہے وہ باہر آتے ہی ایک آنکڑا دبا سے دو چھتریاں کھول دیتا ہے۔ ایک اپنے لئے دوسری گدی کے لئے وہ شخص صحیح و سالم زمین پر پہنچ گیا۔

اٹلی کے چور ایک گیس سونے والے پر چھڑک دیتے ہیں جس سے وہ نہایت غفلت کی نیند میں ہو جاتے ہیں اور وہ خود بڑے اطمینان سے گھر میں چوری کر جاتے ہیں۔

کوہ البرز شمالی ایران میں بحیرۂ خزر کے کنارہ پر بہت اونچا پہاڑ ہے دماوند اس کی سب سے اونچی چوٹی ہے اس کی بلندی ۲۱ ہزار فٹ ہے۔ ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ ۲۹۰۰۲ فٹ بلند ہے۔ دنیا میں سب سے اونچی چوٹی ہے۔

حصہ ۲ ظ

بزمِ عصمت

بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں
جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط نہایت مختصر ہو۔
(۳) وہی استفسار نہ ہو جن کے جوابات عصمت میں
شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین
کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن
سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔ اڈیٹر

میری دو بڑی بچیاں آمنہ خاتون اور ذہینہ خاتون اس سال
کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان میٹرک میں پاس ہوئی ہیں اور اب کالج میں
داخل ہو گئی ہیں۔ یہ بچیاں قوم ستی (کوہستان مری ضلع راولپنڈی)
کی پہلی بچیاں ہیں جنھوں نے یہ امتحان پاس کیا ہے۔ یہ عجب اتفاق
ہے کہ انکے والد صاحب مسٹر محمد عبد الحق خاں ستی بھی اس جنگجو قوم
کے پہلے فرد تھے جنھوں نے ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڈھ سے ۱۹۲۰ء
میں بی اے کا امتحان پاس کیا تھا اور عربی کا وظیفہ بھی حاصل کیا تھا
اس خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ کی حقیر رقم تا دار فنڈ کے لئے منظور کیجئے

زینب خاتون ستی از مراد آباد خریدار نمبر ۹۴۸

عصمت کی شاعرہ اور مضمون نگار ظفر محمودہ بیگم دانش کی
شادی خانہ آبادی میرے پیارے بھائی جان بشیر احمد خان کے
ساتھ ۲۱ جولائی بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے خدا اس نئے
جوڑے کی زندگی محبت و مسرت سے بھرپور رکھے آمین۔

زنبیلہ خاتون خریدار نمبر ۴۴۳

میرے والد ماجد جناب ڈاکٹر شیخ ابو الفضل حبیب ڈائرکٹر
ولیشرن یونیورسٹی جامعہ عزبیہ وایڈوکیٹ ریاست کپورتھلہ کا
تین ماہ کی سخت علالت کے بعد ۱۳ ستمبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ ۵۶ سال
کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ نہ صرف ریاست کپورتھلہ کے کچہری و
دفاتر و تفریحی کلب وغیرہ ان کی تعزیت میں بند رہے بلکہ جگہ
جگہ جامعہ عزبیہ کی ملحقہ درسگاہوں میں تعزیتی جلسے کر کے تعطیل منائی
گئی۔ مرحوم و مغفور نہایت رحم دل خوش اخلاق بامروت
بارسوخ یعنی تمام صفات انسانی سے متصف ہونے کے علاوہ
فارسی۔ اردو۔ انگلش۔ فرنچ۔ اٹیلین جیسی زبانوں کے ماہر
عالم و فاضل اور اپنے کمالات اعلیٰ وارفع کے باعث ہر دل
جلیل القدر ہستی تھے۔ فن طبابت کو اس کے معیار قدیم
مطابق زندہ رکھنا علوم عزبیہ و ادبیات شرقیہ کی نشر و اشاعت
اور جمہور کو انادیتیوں کی طرف توجہ دلانا اُن کی زندگی کا لائحہ عمل
رہا۔ خواہران عصمت مغفرت کی دعا فرمائیں۔

گ۔ ن۔ کپورتھلہ

میرے عزیز بھتیا اخلاق الرحمن قدوائی ۲۸ جولائی
کو بغرض تعلیم امریکہ روانہ ہو گئے اور خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے
اپنی ہمت سے یہ طویل سفر تمام کیا۔ اس خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ
برائے نادار فنڈ روانہ کرتی ہوں خدا کرے میرے بھائی کو فارسی کی مزید
اعلیٰ کامیابی حاصل ہو اور خیریت کے ساتھ ہم سب سے آکر ملیں۔

ادیبہ خاتون۔ بڑا گاؤں۔ بارہ بنکی۔

ڈالڈا آپ کی دلپسند سبزی کو لذت دیتا ہے
— اور آپ کو قوت بھی بخشتا ہے!
نہایت خوشبودار
فوراً ہضم پذیر
خالص
وٹامین سے مشتمل
ڈالڈا سے پکائی ہوئی غذا کو ضایع نہیں کیا جائے گا! فوراً ہضم پذیر اور وٹامین
سے مشتمل ڈالڈا سادی رسوئی کو بھی اس کی شیریں لذت سے مالامال کرتا ہے۔ آپ کی
روزانہ کی اکتانیوالی غذا سے نجات دلاتا ہے + ڈالڈا سے پکاؤ اور اس خالص
رسوئی کے سامان کے مشہور مقوی صفت کی امداد سے اپنی غذا کو درست کیجئے +
یاد رکھیئے گا کہ ڈالڈا معمولی رسوئی کا سامان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اہل و عیال کو
تندرست رکھتا ہے اور انہیں زاید قوت بخشتا ہے +
Dept. B449 P. O. Box No. 353, Bombay,
فرمایئے +
DALDA VANASPATI
TM. 40-28 UD
THE HINDUSTAN VANASPATI MANUFACTURING CO., LTD.

میری عزیزہ بہن نسیمہ ناہید عرفانی کا نکاح میرے پھوپی زاد بھائی لطف الرحمٰن اختر عرفانی کے ساتھ سکندر آباد دکن میں ہوا۔ ساتھ ہی میرے چچا زاد بھائی ندیم عرفانی اور منجھلے ماموں جان محمد عبد اللہ خاں کے عقد بھی ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان جوڑوں کو خوشیوں سے ہمکنار رکھے۔ آمین۔

جمیلہ عرفانی قادیان

کسی بہن صاحبہ نے مویز ج کی بابت دریافت کیا ہے عرض ہے کہ یہ دوا۔ ہمدرد دواخانہ دہلی میں شاید ۶ر تولہ کے حساب سے ملتی ہے۔

آنسہ مشیر فاطمہ حمیدی ادیب بدایونی

آنسہ حبیب النساء ہاشمی کی خدمت میں عرض ہے کہ بھائی صاحب کو صبح ڈھائی پتی انگورا اور ڈھائی سیاہ مرچ پیس کر تھوڑے سے پانی میں ملا کر پلائیں ایک ہفتہ میں بالکل فائدہ ہوجائیگا۔ س۔ ج اہلیہ جمال الدین صدیقی نمبر ۱۹۲۳

عصمتی بہن محترمہ حبیب النسا رہاشمی ناگپور کی خدمت میں عرض ہے کہ مجھے اپنی آنٹی کی بیماری پتّہ کی پتھری کے سلسلہ میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ان کے والد مرحوم مولوی احمد صاحب کے پاس "مثانہ کی پتھری" کا تیر بہدف علاج تھا۔ جس کے ذریعہ سے پتھری اندر ہی اندر غائب ہوجاتی ہے۔ اس لئے آپ ان کی طرف رجوع کریں۔ پتہ مندرجہ ذیل ہے۔ خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈوڈر سینی ٹوریم۔ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد۔

آنسہ۔ رئیس طلعت۔ خریداری نمبر ۷۵۷ ۹

چھوٹی بہن مس سلیمان اسمٰعیل لودی نے اس سال میٹرک کے امتحان میں علیگڈھ یونیورسٹی سے شاندار کامیابی حاصل کی۔ یہ خاندان میں پہلی لڑکی ہے جس نے میٹرک پاس کیا۔

مسز حمید صاحبہ لکھنوی نے ماہ جنوری ۱۹۴۲ء کے عصمت میں بال بڑھانے کے کئی نسخے لکھے ہیں۔ ایک نسخہ میں "سکاکائی" لکھی ہے۔ میں نے بدایوں میں بہت تلاش کروائی لیکن کہیں نہ ملی۔ بہن موصوفہ بذریعہ عصمت مطلع کریں۔ کہ "سکاکائی" کیا چیز ہے اور کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہے۔

خریداری نمبر ۴ ۹۰۷۔ جالندری سرائے۔ بدایوں

اگر کسی بہن کو منھ کے تل دور کرنے کی کوئی دوا معلوم ہو تو مہربانی فرما کر بذریعہ عصمت اطلاع دیں بہت ممنون ہونگی نیز کسی بہن کو اروییاں پکانے کی ترکیب معلوم ہو کہ کس طرح سالن میں اروییاں خستہ ہوجاتی ہیں تو براہ کرم بذریعہ عصمت اطلاع دیں ازحد ممنون ہوں گی۔

خریداری نمبر ۲ ۷ ۰ ۰ ۔

مسز حمید لکھنؤ کی خدمت میں عرض ہے کہ انھوں نے جو بہار سنگھار میں سر دھونے کا مصالحہ لکھا تھا قریب ایک ماہ سے میں اس کو استعمال کر رہی ہوں دماغ کی کمزوری کے باعث میرے سر کے بال بےحد اتر رہے تھے جو بدستور اب بھی اسی طرح اتر رہے ہیں برائے مہربانی آپ کوئی ایسی چیز تجویز کر دیجئے جس سے بال اترنا بند ہو جائیں اور گھنے ہو جائیں اور ترکیب آزمودہ ہو جس سے بالوں کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچے یہ بھی اطلاع دیجئے کہ درخت سرو کی شاخیں کہاں سے دستیاب ہوسکتی ہیں۔

کیو آر صدیقی خریداری نمبر ۲۴۲۲

میں ان بہنوں کی دل سے ممنون ہونگی جو یہ بتاویں کہ میلے اور گندے دانتوں کو وہ کون سی چیز لگائی جائے جس سے ان کی رنگت میں سفیدی چمک اور دلکشی پیدا ہو جائے۔

پروین اختر

ناشتہ۔ کتاب میں جو اسد خانی روٹی کی ترکیب میں ایک لفظ پلال ہے۔ پلال کے کیا معنی ہیں مہربانی فرما کر کوئی بہن بذریعہ بزم عصمت اطلاع دیں۔ رضیہ فاطمہ پنجوری۔

میری انگلیوں کی گانٹھیں سخت اور موٹی ہو گئی ہیں اور میری انگلیاں ٹیڑھی ہیں جو کہ بدنما لگتی ہیں برائے مہربانی کوئی بہن یا بھائی ایسی ترکیب بتائیں جس سے گانٹھیں نرم ہو جائیں اور انگلیاں بھی سیدھی ہو کر خوبصورت ہو جائیں ممنون ہوں گی نیز میری ایک سہیلی کے رخسار

اب ہر طرف اجالا ہوگیا
میلے
زیادہ
حصے بھی
ہر ایک کپڑے کے کچھ ایسے حصے ہیں جو جلد میلے ہوجاتے ہیں اور رہ رہی حصے ہیں جب کہ انہیں تھوڑا صابن لگانا، پانی میں بھگونا اور پٹک کر دھونا وغیرہ سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ اپنے کپڑے سنلائیٹ کے طریقہ سے دھونا چاہئے جس سے اُن کے پھٹ جانے کے نقصان سے حفاظت ہوتی ہے۔
سنلائیٹ صابن کے کافی اور خود بخود صاف کرنے والے جھاگ کو بھیگے ہوئے کپڑوں میں سے آہستگی سے نچوڑیئے اور بعد ازاں پھیلا لیئے، وہ (کپڑے) اُجلے اور عمدگی سے صاف وستھرے ہوجاتے ہیں۔ آپ کے کپڑے نہایت مُلائم مثلاً پنکھ کے مانند ہوجاتے ہیں، جو کہ اس خالص صابن کے استعمال کرنیوالوں کی خوشی کا باعث ہے۔ سنلائیٹ آپکے پارچجات اور اُنکے رنگوں کیلئے فائدہ مند ہے، علاوہ ازیں وہ آپ کے ہاتھ بھی نرم و ملایم رکھتا ہے۔
وہ سنلائیٹ کے طریقہ سے دھویا گیا ہے!
SUNLIGHT SOAP
سنلائیٹ صابن
LEVER BROTHERS (INDIA) LIMITED

دوربین

روس کی تقریر و عمل

جاپان کی شکست کی پہلی سالگرہ پر ماسکو ریڈیو کے ذریعہ ایک گرج دار تقریر نشر ہوئی اس میں بتایا گیا ہے کہ جیسے ہی روسی فوجیں جرمنی سے فارغ ہو کے جاپان کی طرف بڑھیں وہ انکی ضربات کی تاب تین ہفتے بھی نہ لا سکا اور وقت سے پہلے دوسری جنگ عظیم ختم ہو گئی۔ اب ہم اطمینان کا سانس لے کے کہنے کے قابل ہیں کہ ہمارا ملک مغرب میں جرمنی کے حملے اور مشرق میں جاپان کی جھپٹ سے محفوظ ہو گیا ہے۔ ہمارے آدمی اس بات کو نہیں بھولے کہ کس طرح ۱۹۰۴ء میں جاپان کے حکومت پسندوں نے حکومت زار کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کے جنوبی سکھالین اور کیورائل کے جزیروں پر قبضہ کر لیا اور اس طرح مشرقی سمندر کا دروازہ ہم پر بالکل بند کر دیا۔ ۱۹۱۸ء کی انکی زیادتی ہمیں یاد ہے کہ کس طرح اس نے ولاڈی واسٹک وغیرہ کو گھیرے میں لیکے مشرقی صوبہ کا روس سے تعلق قطع کر دینا چاہا۔ جاپانی ٹولوں نے اپنی سفاکیوں اور بے اعتدالیوں کا خمیازہ پورا پورا بھگت لیا ہے جاپان پر فتح پا کے جنوبی سکھالین جزائر کیورائل اور پورٹ آرتھر ہمیں واپس مل گئے ہیں اور بحر الکاہل کے بیڑے کو سمندر میں جانے کا بے روک ٹوک راستہ مل گیا ہے لڑائی ختم ہوئے سال بھر ہوا اس ایک ہی سال میں ہم نے اپنی حالت خوب سنبھال لی ہے اور پانچ سالہ پروگرام میں ہم اپنی طاقت بہت زبردست مضبوط بنا لیں گے اور ہمارے مزدوروں کی حالت پہلے سے کہیں بہتر ہو جائیگی اس سال بہت اہم واقعات رونما ہو چکے ہیں اور دشمن سے آزاد کراتے ہوئے علاقوں میں ہمارا اثر زیادہ پھیلتا جا رہا ہے اور وہاں جمہوریت کو زیادہ مضبوط کیا جا رہا ہے۔ دنیا نے ہماری طاقت کو دیکھ لیا ہے جس نے جرمنی اور اس کے رفیقوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا اور اب ان بین الاقوامی رجعت پسند کوششوں کا جو نئی جنگ بھڑکانا چاہتی ہیں کامیابی سے مقابلہ کیا جا رہا ہے سٹالین نے ہم سب کو متنبہ کیا ہے کہ ہم اپنی ترقیوں کی پر امن کوششوں کی سرگرمیوں میں ایک منٹ کیلئے بھی یہ نہ بھولیں کہ بین الاقوامی رقابت نے ایک نئی جنگ کی کاٹ چھانٹ شروع کر دی ہے۔

تقریر ان اعلانات کا ... ذہن نشین ہو جائیگا ... وقتاً فوقتاً اپنی جھلک دکھاتی رہتی ہیں۔ تقریر سے اگلے ہی روز اخباروں میں روسی جنگی تیاریوں کا راز طشت از بام ہونے لگا ہے کہ روسی اور جرمنی ماہران فن سابقہ اسلحہ کے کارخانوں میں موجودہ حالت کے مطابق بڑے ہی زور و شور سے جرمنی کے وہ تازہ ترین خوفناک ہتھیار جو وہ گرتے گرتے نامکمل چھوڑنے پر مجبور ہوا مکمل کئے جانے کے بعد تیار کئے جا رہے ہیں اور روس بھیجے جا رہے ہیں۔ آپ سے آپ چلنے والے اڑن بم ان کو چلانے کا مصالحہ تارپیڈو کے اجزا یورینیم جرمنی کے روسی مقبوضہ علاقہ میں کثیر تعداد میں بنائے جا رہے ہیں روسی اپنے علاقے میں کسی کو آنے نہیں دیتے۔ کارخانوں پر زبردست پہرہ ہے مگر یہ پتہ لگ گیا ہے کہ جرمنی کے ہتھیار جرمنی ماہروں نے پہلے سے کہیں زیادہ مکمل کر کے بنانے شروع کر دیئے ہیں کرپ کا کارخانہ بھی بھاری آلات حرب ڈھال رہا ہے۔ روسی ایسے جرمن ماہر بعد انتخاب بہت زیادہ تعداد میں اکٹھے کر کے ان سے فائدے اٹھا رہے ہیں۔ سویڈن سے اطلاعیں مل چکی ہیں کہ نئے نئے ہتھیار عمل کے تجربے اسکی فضا میں مشاہدہ میں آئے ہیں۔ کچھ عرصہ سے برطانوی رعایا کو شبہ میں پڑ گئی ہے کہ لڑائی کو سوا سال سے زیادہ ختم ہوئے ہو گیا۔ مگر راشن کنٹرول پھیلتا ہی جاتا ہے ایسا کیوں ہے؟

ہندوستان کا مطلع

ہندوستان کی سیاسی مطلع بہت مکدر ہے بنگال کے دار السلطنت کلکتہ میں ایسا سخت بلوہ ہوا کا اندازہ کیا جاتا ہے کہ ایسا کبھی ملک بھر میں نہیں ہوا۔ مقتولوں اور زخمیوں کی تعداد چند ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے ہندو مسلمان بلوہ کی ابتدا کا الزام ایک دوسرے پر لگاتے ہیں بنگال کی اسمبلی میں اس کے متعلق التوا کی تحریک مسترد ہو گئی اس کی بحث میں معلوم ہوا کہ ہندوؤں نے جلوس پر نہلیوں کے اشتعال میں حملہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے روز مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔ بعد میں دونوں طرف سے اپنے اپنے موقع سے سختیاں ہوئیں بنگال کی وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریکیں بھی بری طرح مسترد ہوئیں۔ سرکاری کمیشن مقرر ہوا ہے جو اس بلوہ کی تحقیقات کریگا۔ کچھ دن امن و امان ہو جانیکے بعد ۲۲ ستمبر کو پھر قتل و غارت کی وارداتیں ہوئیں۔ ڈھاکہ احمد آباد بمبئی وغیرہ میں بلوے ہوئے۔ بمبئی میں بھی بہت کشت و خون ہوا اور ... کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

شروع ستمبر میں کانگریس نے عارضی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس وزارت کے صدر وائسرائے ہیں اور نائب صدر پنڈت نہرو ہیں۔ مسٹر پٹیل مسٹر گوپال اچاریہ سردار بلدیو سنگھ اور چند دیگر غیر مسلم وزرا کے علاوہ تین مسلمان وزیر چنے گئے ہیں دو کی آسامی خالی ہے۔ ان سب نے شہنشاہ جارج ششم سے وفاداری اور نمک حلالی کا حلف اُٹھایا اور وفاداری سے کام کرنے اور سرکاری راز قائم رکھنے کے حلف علیحدہ اُٹھائے۔ انتہا پسند ہندوؤں نے اس حلف پر تعجب کیا کہ جو انگریزوں کو ہندوستان سے باہر کردینے کا ڈھول پیٹ رہے ہوں وہ کس طرح انھیں کی خیر سگالی کی قسم کھاتے دیکھے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے تدبر و سیاست کی زبردست فتح ہے۔ وزارت کے کئی جلسے ہوئے جن کی صدارت وائسرائے نے ہی کی۔ یہ عارضی حکومت اور وائسرائے کی سابقہ اگزیکٹو کونسل گویا ایک ہی چیز ہیں۔

مسلم لیگ نے بمبئی میں آخر اگست میں اپنا سابقہ فیصلہ منسوخ کرکے بتادیا کہ چونکہ مسلمان غیر مطمئن ہیں اور ان کی پروا نہیں کی گئی اس لئے وہ ان جدید تدابیر سیاست میں حصہ نہ لیں گے۔ اس ناراضگی کے اظہار ہی کے لئے ۱۶ اگست مقرر ہوئی۔ مسلمانوں نے جوق در جوق اپنے بڑے بڑے خطابات بلا پس و پیش ترک کرنا شروع کردیئے۔ انگریزوں کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا اور عدم تعاون کی صورتیں سوچی جا رہی ہیں۔

اس اثنا میں وائسرائے نے مسٹر جناح کو دوبارہ دہلی میں مدعو کیا چنانچہ وہ اُن سے ملے اور اب غور کر رہے ہیں وہ اس کا اطمینان چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اُن کے حقوق دیئے جائیں گے۔ تاکہ ہندوؤں کی کثرت آبادی کے بارہ میں وہ اب کے نذر ہو جائیں۔ صوبوں کی جماعت بندی آئندہ انتخاب تک تسلیم کی جائے اور کانگریس حکومت کے اعلان اپنے من مانے معنی نہ کرے اور نہ اپنی شرکت پر کوئی شرط قائم کرکے لیگ کے ساتھ اشتراک کرے ہر معاملہ سادہ اور سپاٹ طریقہ سے طے کیا جائے۔ غیر جانبدار کانگریس کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ فراخ حوصلگی سے کام لے اور ملک کو فرقہ بندی اور بدامنی سے بچاکر خود مختاری کے شاہراہ پر چلنے کا موقع دے۔

اچھوت بھی ہندوؤں سے ناراض ہیں اور مختلف مقامات پر اُن کی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں سے مڈبھیڑ ہوئی۔

دنیا کا حال

جرمنی کے مقتدر نازیوں کا مقدمہ ختم ہوگیا اور آخر ستمبر میں فیصلہ سنادیا جائیگا۔ ابھی سے کہا جاتا ہے کہ جس کسی کو موت کی سزا دیجائیگی منظر عام پر نہ دیجائیگی بلکہ بعد میں اسکے متعلق اعلان کردیا جائیگا۔ اب کہا جانے لگا ہے کہ ہٹلر کے نائب بورمین مارا نہیں گیا بلکہ وہ کسی خفیہ مقام سے ریڈیو پر بولتا سُنا گیا کہ عنقریب بڑے بڑے واقعات رونما ہونگے وہ اپنے سارے عملہ سمیت ملک سے وقت پر باہر نکل گیا۔ ہٹلر کے متعلق فرانس میں کسی قیدی نے کہا کہ اُسے معافی دی جائے وہ ہٹلر کے چھپنے کی جگہ بتادیگا وہ ٹائرول میں ہے۔

اٹلی اور یگوسلاویہ کی حدود کا تعین کردیا گیا مگر یگوسلاویہ ٹریسٹ مانگتا ہے جو اتحادیوں نے اٹلی کو بھی نہیں دیا۔ بلکہ اُسے خود مختار علاقہ قرار دیا۔ یگوسلاویہ اس قسم کی وجوہ کی بنا پر صلحنامہ پر دستخط کرنے سے انکاری ہے۔ اٹلی کے افریقی مقبوضات پر برطانیہ بدستور اپنا قبضہ رکھنا چاہتا ہے۔ اریٹریا حبش مانگتا ہے طرابلس کا کچھ حصہ مصر مانگتا ہے بعض سلطنتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ طرابلس کو آزاد کردیا جائے۔

برطانیہ اور مصر کی باہمی گفتگو اب تک بے نتیجہ۔ مصر سوڈان کا الحاق چاہتا ہے۔ مگر برطانیہ اُسے مصر سے علیحدہ ہی رکھنا چاہتا ہے علاوہ ازیں مصر پر کسی ملک کے حملہ کرنے یا مصر کے خطرہ کی حالت میں اپنا فوجی دخل قائم رکھنا چاہتا ہے۔ مصری وفد اُن امور کو خود مختاری کے بالکل منافی سمجھ کے مسترد کر رہا ہے۔

مسٹر چرچل نے تقریر کی ہے کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی طرح یورپ کے مختلف ملک اتحاد کی کڑیوں میں یورپ کی ریاستہائے متحدہ بن جائیں اور اُس میں جرمنی بھی شامل ہو مگر فرانس اس پر شک و شبہ کا اظہار کر رہا ہے دیگر ممالک میں بھی اس کے متعلق مختلف خیالات ہیں۔ امریکہ کے ایک وزیر مسٹر ولیس نے تقریر کی ہے کہ امریکہ کی موجودہ پالیسی اس کی مڈبھیڑ نہایت قریب میں روس سے کرا کے رہے گی۔ اس پر صدر ٹرومین نے برافروختہ ہوکے اس سے استعفیٰ طلب کرلیا اور نئے شخص کو اس کی جگہ مقرر کردیا مسٹر ولیس کے متعلق خیال ہے کہ اسے ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی ہے اور وہ آسانی سے ٹرومین کے مقابلہ میں صدر بنجائیگا۔

یونان میں رائے شماری ہوئی۔ لوگوں نے شاہ جارج اپنے سابق بادشاہ کو واپس بلانے کا اعلان کردیا چنانچہ وہ انگلستان سے اپنا تخت سنبھالنے کے لئے روانہ ہوچکا ہے۔ فرانس اور ہسپانیہ کی سرحد بند کردی گئی ہے فرانکو کی پوزیشن مضبوط ہوتی جاتی ہے۔

Established 1908 November 1946 Regd. No. D 1872

قائم شدہ ۱۹۰۸ء

یادگار حضرت علامہ راشد الخیری مغفور و محترمہ بیگم راشد الخیری مرحومہ

عصمت

شریف ہندوستانی بیبیوں کیلئے
پاکیزہ خیالات علمی ۔ ادبی مضامین اور
مفید معلومات کا ماہوار ذخیرہ

ایڈیٹر رازق الخیری

THE ISMAT DELHI

رسالہ عصمت دہلی

اُنتالیسواں سال	نومبر سنہ ۱۹۴۶ عیسوی	جلد ۷۷ نمبر ۵

فہرست مضامین

چندہ سالانہ پیشگی (مع محصول ڈاک) پانچ روپیہ — بذریعہ وی پی سوا پانچ روپیہ

ممالک غیر سے دس شلنگ — امراء سے دس روپیہ

رؤساء سے پچیس روپیہ — والیان ریاست سے سو روپیہ

[illegible] پبلشر [illegible] چھپ کر دفتر عصمت کوچہ چیلاں (دریا گنج) دہلی سے شائع ہوا

مضمون نگاری کے قواعد

مضمون نگاروں کو عصمت کے لئے مضامین بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئیے تاکہ ان کا وقت اور محنت بیکار نہ جلئے۔

(۱) مضامین کاغذ کے ایک رُخ پر روشن سیاہی سے، نظر ثانی، مناسب ترمیم اصلاح و اضافہ کے لئے ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھنے چاہئیں۔ (۲) ایڈیٹر کے نام کے خط میں مضمون نگار کا صحیح نام اور پورا پتہ درج ہونا اشد ضروری ہے (۳) طویل مضامین کے لئے تین تین چار چار ماہ بعد بھی ممکن ہے جگہ نکل سکے لیکن چھوٹے چھوٹے مضامین جلد درج رسالہ ہو سکتے ہیں اس لئے مضمون نگار جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھیں اور کم سے کم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کریں (۴) مضمون کسی کتاب یا رسالہ سے نقل ہو یا ترجمہ یا اخذ ہو تو مصنف کا نام اور کتاب یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیا جائے (۵) عصمت کے لئے وہ مضامین ارسال کئے جائیں، جو صرف عصمت کے لئے لکھے جائیں، وہ مضمون ہرگز نہ بھیجا جائے جو کسی اور پرچہ کو بھیجا جا چکا ہو (۶) مضامین کے لئے پرانے پامال عنوانات، جن پر بارہا عصمت میں مضامین شائع ہو چکے ہیں منتخب نہ کرنے چاہئیں۔ نئے نئے موضوعوں پر چھوٹے چھوٹے مضامین، جو اسلوب بیان، ندرت خیال وغیرہ کے اعتبار سے دل چسپ سمجھے جا سکتے ہیں، خوشی کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں (۷) مضامین میں تہذیب و شائستگی کا پورا خیال رکھنا چاہئیے۔ جو مضامین ذاتیات سے آلودہ ہوتے ہیں یا جن سے کسی فرقے یا کسی شخص کی دل آزاری ہوتی ہو، رد کر دیئے جاتے ہیں۔ (۸) مضامین کی زبان سلیس اور عام فہم ہونی چاہیئے رنگین بے معنی عبارت ہمیں ناپسند ہے۔ فارسی، عربی، انگریزی، ہندی الفاظ ٹھونسنے سے مضمون بھدا ہو جاتا ہے۔ (۹) جو مضامین عصمت میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کا دائمی حق اشاعت بحق عصمت محفوظ ہوتا ہے (۱۰) دو آنے کے ٹکٹ آنے پر ناقابل اشاعت مضمون واپس کیا جا سکتا ہے (۱۱) عصمت سال کے بہترین مضامین پر جولائی میں کئی سو روپے کے انعامات مضمون نگار خواتین میں تقسیم کرتا ہے کم استطاعت مضمون نگار عورتوں کو معاوضہ بھی دیتا ہے۔ غیر مسلم خواتین کے مضامین خوشی سے شائع کئے جاتے ہیں جو خواتین و حضرات ان قواعد کی پابندی نہیں کرتے ان کے مضامین ناقابل اشاعت ہوتے ہیں۔

ایڈیٹر

عصمتی بہنیں

اِن قواعد کی ضرور پابندی کریں

ورنہ

ہم اُن کی شکایت کے ذمہ دار نہ ہوں گے

(۱) عصمت ہمیشہ پابندئ وقت سے ۳۰ تاریخ کو شائع ہو کر دوسری تیسری تاریخ تک ہندوستان کے تمام خریداروں کو پہنچ جاتا ہے۔ اشاعت میں خدا کے فضل سے کبھی دیر نہیں ہوتی ہے اگر ڈاکخانہ کی غلطی سے وقت مقررہ پر پرچہ نہ ملے تو ۵ تاریخ کے بعد کارڈ لکھ کر نمبر خریداری کے حوالے سے دوبارہ پرچہ منگالیں۔ پرچہ نہ ملنے کی **فوراً اطلاع نہ دی گئی تو پھر کسی قیمت پر نہ مل سکے گا**

(۲) اگر ایک مقام سے دوسرے مقام کا تبادلہ ہو جائے تو خریداری نمبر کے حوالے سے فوراً دفتر کو تبدیلئ پتہ کی اطلاع دیجئے کئی کئی ماہ بعد پتہ بدلوانا دفتر کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ کیونکہ صحیح پتہ نہ ہونے کی وجہ سے پرچہ تلف ہو جاتا ہے۔ اور خریدار بہن کو شکایت رہتی ہے کہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ حالانکہ تمام خریداروں کو ۳۰ تاریخ کو رسالہ بھیج دیا جاتا ہے۔ لہٰذا **پتہ تبدیل ہوتے ہی دفتر کو فوراً اطلاع دے دیں** (۳) جب ہمیں خط لکھیں خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ تعمیل میں کئی دن لگ جائیں گے۔ اگر آپ کو خریداری نمبر یاد نہ ہو یا آپ نے نوٹ نہ کیا ہو۔ تو جوابی پوسٹ کارڈ بھیج کر دفتر سے معلوم کیجیے کیونکہ بغیر خریداری نمبر لکھے آپ کے خط کی تعمیل فوراً نہ ہو سکے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ یا ۲ پیسہ کا ٹکٹ بھیجئے (۵) منی آرڈر کی کوپن پر خریداری نمبر اور پتہ ضرور درج فرمائیے (۶) خریداروں کو چندہ کی میعاد ختم ہونے یعنے اختتام سال کی اطلاع ایک ماہ پہلے دے دی جاتی ہے۔ اگر کسی بہن کو خریدار رہنا نہیں ہے تو دفتر کو مطلع کر دیں اور اگر پرچہ بدستور جاری رکھنا ہے تو پانچ روپئے منی آرڈر کے ذریعہ آئندہ سال کا چندہ بھیج دیں۔ انکاری اطلاع یا چندہ نہ آنے پر وی پی بھیجا جاتا ہے۔ وی پی واپس آنے پر نام فوراً رجسٹروں سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

مُسلم کی عید

(از حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ)

مُسلم چور اور ڈاکو نہ تھا، وہ لٹیرا اور بدمعاش بھی نہ تھا، جیب کترا اٹھائی گیرا بھی نہ تھا ——— آوارہ نہ تھا اور بدمعاش نہ تھا ——— عیار و مکار نہ تھا۔

نمازی تھا اور رمضان کا نمازی نہیں بارہ مہینے کا ——— معمولی نہیں جوشیلا، اتنا پکّا، اتنا پابند کہ گھر کا بچہ بچہ جب تک عشا و نہ پڑھ لے، کھانا اور فجر نہ پڑھ لے ناشتہ نہ ملے۔

رمضان کی تیاری اس کے ہاں شعبان سے ہوتی، گھر مسجد کی سفیدی، خانقاہ کا تیل، درگاہ کے بوریئے رویتِ ہلال سے پہلے بھیج دیتا۔

وہ کھانے کا شوقین تھا، خربوزے نئے نئے چلے تھے اور گراں تھے، مگر اس کی افطاری میں ایک آدھ پھری ضرور ہوتی تھی۔

وہ ڈیڑھ سو روپے ماہوار کا ملازم تھا، سو سوا سو کا کرایہ تھا، اس لئے میر محلہ تھا۔ لوگ اس کی عزت کرتے اس کے ہم خیال بہت سے تھے۔ پُر محلے تک کے مسلمان اس کے پاس آتے، دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں گھنٹہ دو گھنٹہ کسی نہ کسی وقت اس کے مکان پر ایک مجمع ضرور ہوتا، جس میں مسلمانوں کی بدبختی کا مرثیہ پڑھا جاتا اور اصلاح کی تجویزیں ہوتیں۔

وہ کبھی کبھی جب مُلّا جی نہ ہوتے یا بیمار ہوتے نماز بھی پڑھا دیتا۔ جمعہ کا خطبہ کبھی پڑھتا اور رمضان میں سحری کے وقت بعض دفعہ چوکیدار کے ساتھ مسلمانوں کے جگانے کا ثواب بھی حاصل کر لیتا۔

مغفرت کا فیصلہ اگر اس محلّے کے مسلمان کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ سب سے پہلے اپنے میر محلہ محمّد مسلم کو جنّت کا مستحق سمجھتے۔

(۲)

مسلم نے تیسوں۳۰ روزے رکھے، تراویح پڑھی، وہ عید منانے کا مستحق تھا، اس کے بیوی بچّوں کے پاس کپڑا تھا، کم نہ تھا، مگر وہ ہر عید کو اپنا، اپنی بیوی کا، اپنے بچّوں کا نیا جوڑا بناتا تھا، اور سر سے پاؤں تک نئی چیزیں ہوتی تھیں اس مرتبہ بھی اس نے اپنا، بیوی کا اور چار بچّوں کا تمام سامان نیا تیار کیا۔ خوش حال آدمی تھا، چار پانچ سو روپے اسی مد میں صرف کئے۔

---

۲۹ تاریخ کو مسلم بچّوں کو لئے چاند دیکھنے اوپر چڑھا۔ خیال تھا کہ چاند تیس۳۰ کا ہوگا۔ مگر عید جو ان آئی، چاند ہو گیا۔ مُسلم کے چھوٹے بچّے اور بڑی لڑکی کی قمیص رہ گئی تھی۔ درزی نے مارا مار تیار کی، گھر کی بہت سی چیزیں یوں ہی پڑی تھیں اُن کے ٹھیک ٹھاک کرنے میں باہر کا کمرہ دُرست کرنے میں رات کا بڑا حصّہ گزر گیا۔ بیوی کی خوشی اور بچّوں کی مسرّت میں مُسلم نے بھی حصّہ لیا۔ اور دو ڈھائی بجے تک وہ بھی جاگتا رہا۔

سوئیاں، شیر خرما، پراٹھے، سالن ہر کھانا مسلم کے گھر تیار ہوئے۔ مُسلم، مسلم بن کر، مُسلم کے بچّے نہا دھو کپڑے بدل، عید کی خوشیاں منانے کے لیے، موٹر تیار ہوا اور مُسلم بچّوں سمیت باہر نکلا۔

جس وقت مسلم پھاٹک میں کھڑا چھوٹے بچے کی راہ دیکھ رہا تھا، وہ کیا دیکھتا ہے کہ نو دس سال کا ننگا دھڑنگا بچہ جس کا باپ پہلے روزے کو مر گیا تھا، دو پیسے کا دودھ کلھڑے میں لے کر چلا، مسلم کے ملازم نے موٹر دھوئی تھی، سڑک پر کیچڑ تھی، بچہ کا پاؤں پھسلا اور وہ دودھ سمیت گرا۔ اور بچہ رو دیا۔

بچے کے گرنے پر مسلم کو، اس کے بچوں کو ہنسی آئی، اور نو دس کا بچہ روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا ۔" اماں کے پاس تو اب پیسے بھی نہیں ہیں " چلا گیا۔

مسلم نماز پڑھ کر واپس ہوا، مٹھائیوں اور کچوریوں کے ٹوکرے، ترکاریاں، کباب، کھلونے بیسیوں روپے کا سامان ساتھ تھا، وہ باغ باغ، بچے نہال نہال، گھر کے پاس پہنچے، تو ایک آٹھ برس کی بچی ایک اور لڑکی سے کہہ رہی تھی۔" ہم کو بھی خالو جان نے عید کی یہ بخشی دی۔"

موٹر ایک تانگہ کی وجہ سے رکی، بچی مسلم کی رشتہ دار نہ تھی، مگر مسلم کے پرانے نوکر کی جو اسی سال مرا تھا، بیٹی تھی، اکنی کو ہفت اقلیم کی دولت سمجھ رہی تھی، جذبات مسرت چہرے سے عیاں تھے، آگے بڑھی، ایک آنے کے مچھلی کے کباب لئے، اور خوش خوش چلی، مسلم کی نگاہ ادھر ہی تھی کہ چیل نے جھپٹا مارا، بچی کا ہاتھ لہو لہان کیا، اور کباب پنجہ میں لے سیدھی ہوئی۔

مسلم کو اس پر ہنسی آئی، اور ہنس ہنسا کر گھر واپس آیا۔ آگے آگے مسلم ہشاش بشاش، پیچھے پیچھے بچے شاداں و فرحاں۔

مسلم گھر پہنچا تو بجائے بیگم کی دلکش صورت کے خالہ نجو پھپھیا نوبرس کے میلے کچیلے بن ماں باپ کے نواسے کا ہاتھ پکڑے دکھائی دیں، جلتا بھنتا بجائے بیوی کے کمرے میں آنے کے باہر چلا گیا، اور جب خالہ نجو ناامید ہو کر باہر چلی گئیں اور بچے کو بھی لے گئیں، تو بیوی کے پاس آیا۔

مسلم کی اس داستان میں یہ آخری باتیں بظاہر کوئی وقعت نہیں رکھتیں، اور ایک مسلم کیا ہر مسلمان اسی کینڈے کا نظر آرہا ہے۔ مگر کیا مسلمان مسلم کے اس آئینہ میں اپنی صورتیں ملاحظہ فرما کر یہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں گے کہ :-

محض نماز، صرف روزہ، فقط حج، مسلمان بنانے کو کافی نہیں۔ مسلمان نام ہے اس انسان کا جو ان صفات کے ساتھ ایثار کا مجسم نمونہ ہو، اس کا دل تڑپ اٹھے مسلمان کے درد سے، اس کے سینے میں آگ لگ جائے مسلمان کی اذیت سے، وہ بلبلا اٹھے، چیخ اٹھے، چلا اٹھے، سر پھوڑے، ٹکریں مارے اور مر جائے، ایک بدبخت، ایک مصیبت زدہ اور ایک حاجت مند مسلمان کو دیکھ کر۔

آج کا اسلام اس خیال کو ناممکن العمل اور اس توقع کو غلط قرار دے۔ مگر حقیقی اسلام نے وہ مسلمان پیش کئے ہیں۔ جو ایثار کا مجسم نمونہ اور احساس کی مکمل تصویر تھے۔ ضرورت ہے۔ مسلمان مسلم اور غیر مسلم کے فرق پر غور کریں۔ اور ایثار مسلم کا فلسفہ سمجھیں۔

غیر مسلم خوش ہوتا ہے کھا کر، مسلم خوش ہوتا ہے کھلا کر غیر مسلم مسرور ہے پہن کر، مسلمان مطمئن ہوتا ہے۔ پہنا کر۔ غیر مسلم مسرور ہوتا ہے، اور مسلمان مسرور کرتا ہے۔

اس عید کو جب مسلمان خوش و خرم، کاروبار حیات میں مصروف ہوں، اس پر بھی غور فرمائیں کہ کتنے دل خوش کر کے عید کی خوشی منانے کا حق پیدا کیا ہے؟

(مطبوعہ عصمت [illegible])

ماں بننے والی عورت کی صحت

ایک تندرست و توانا عورت کی صحت میں بھی بچہ کی پیدائش سے کئی ماہ قبل نمایاں فرق ہوجاتا ہے بعض تندرست عورتیں تو ان ایام میں غیر معمولی طور پر سُست اور پیلی ہو کر واقعی عرصہ کی مریض دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور ہر وقت ہاتھ پاؤں میں درد، کمزوری اور بدہضمی کی شاکی رہتی ہیں۔ اکثر عورتوں کو خون کی کمی اور اس قسم کی دوسری شکایتیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف بیماریوں مثلاً انیمیا (خون کی کمی) اور عصبی بیماریوں کی مریض ہوجاتی ہیں۔

ماں بننے والی عورت کو یہ سب شکایتیں کیوں پیدا ہوجاتی ہیں؟ اس کی عام صحت کیوں گر جاتی ہے؟ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ سب سے پہلے انسانی زندگی کی سب سے اہم چیز پر نظر ڈالنی چاہئے۔ اور وہ ہے خوراک۔ ماں بننے والی عورت کے لئے غذا کا خیال رکھنا بہت ضروری چیز ہے۔ اگرچہ حسب معمول اسے پہلے والی خوراک کھانی چاہئے۔ تاہم اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کرنا بھی لازمی ہے۔ اس کی غذا میں ایسے اجزا شامل کرنا بہت ضروری ہیں۔ جن سے بچے کے جسم کی نشو و نما بخوبی ہوسکے، اور ماں کی صحت بھی برقرار رہے۔ چونکہ بچے کے جسم کا ہر حصہ ماں کے خون سے بنتا اور پرورش پاتا ہے۔ اور بچہ پورے نو ماہ تک ماں کی غذا کا کافی حصہ جذب کرکے بڑھتا ہوتا ہے۔ اس لئے ماں بننے والی عورت کو علاوہ بچے کے جسم کو ضروری غذا پہنچانے کے اپنے جسم کی ضروریات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہئے۔ اسے معمول سے زیادہ مقدار میں غذا کھانی چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ غذا ہلکی اور مقوی بھی ہو۔ کھانے کے اوقات کی پابندی بھی لازمی ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے کہ جس وقت جی چاہا کھا لیا اس سے بدہضمی اور معدے کی دیگر شکایتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

بچے کے جسم کی پرورش کے لئے کافی غذائیت کی شدید ضرورت ہے۔ غذائیت سے میری مراد ہر قسم کی وٹامن، فاسفورس، چونے یا کیلسیم، پروٹین اور دھاتوں وغیرہ سے ہے۔ بہت سے لوگ ان چیزوں کو غذا کی بجائے ادویات کے ذریعے جسم میں پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ غذا کے ذریعے ان چیزوں کو حاصل کرنا بہترین اور مفید طریقہ ہے۔ عصمت کے صفحات پر وٹامنز اور دوسری غذاؤں پر متعدد بار لکھا جاچکا ہے۔ اس لئے ان کو دہرانا بیکار ہوگا۔ صرف چند غذاؤں کے بارے میں ہی اس موقع پر کچھ لکھنا کافی ہوگا۔

دودھ ایک مکمل غذا ہے۔ اس میں ہر قسم کے اجزائے خوراک پائے جاتے ہیں۔ ماں بننے والی عورت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور دوسری غذا مفید نہیں ہوسکتی۔ انڈا۔ تازے پھل۔ کچی یا ذرا سی ابلی ہوئی سبزیاں اور مکھن بھی بہترین غذائیں ہیں۔ پھل کی بجائے پپیتا اور ٹماٹر بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اور اتنے ہی فائدہ مند ہوسکتے ہیں۔ جتنے کہ پھل۔ لیموں کا رس بھی بہت اچھی چیز ہے۔ اس میں وٹامن بی اور سی دونوں پائی جاتی ہیں۔ اگر مندرجہ بالا غذائیں خاص خیال اور توازن سے روزانہ استعمال کی جائیں تو ماں بننے والی عورت کی صحت برابر اچھی رہ سکتی ہے اور بہت سی قسم کے امراض مثلاً عام کمزوری، دانتوں کا جھڑنا، مسوڑوں کا کمزور ہونا، بالوں کا گرنا اور دیگر شکایتوں سے بچ سکتی ہیں۔

قبض اس زمانے میں بہت سی بیماریوں کا باعث بن جاتا ہے کیونکہ فضلہ خارج نہ ہونے سے بدہضمی اور دیگر شکائتیں ہونا لازمی ہیں۔ اکثر عورتیں قبض کا بُری طرح سے شکار ہوجاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ مسلسل سر درد، بھوک کی کمی اور ہلکے بخار میں بھی مبتلا رہتی ہیں۔ قبض کا علاج کرنا بہت ضروری ہے لیکن وہ بھی زیادہ تر بجائے غذا اور ورزش کے ذریعے کرنا چاہئے ہلکی پھلکی اور مقوی غذا کھانا چاہئے۔ سبزیاں اور دودھ دہی کا زیادہ استعمال کرنا چاہئے۔ معمولی ورزش مثلاً چہل قدمی اور گھر کے کام

میں حصہ لینا چاہیے۔ اس سے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ جو قبض دُور کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ ہلکا جلاب بھی کبھی کبھار لے کر انتڑیوں کی صفائی کرنی چاہیے۔ ثقیل غذائیں مثلاً مرغن کھانے اور مٹھائیاں وغیرہ بہت کم کھانا چاہئیں۔ صاف پانی دن بھر میں کافی مقدار میں پینا چاہیے۔

علاوہ غذا اور ورزش وغیرہ کے ماں بننے والی عورت کو دیگر اُمورِ صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ صبح سویرے اٹھنا اور جسم اور لباس کی صفائی بھی لازمی ہیں۔ اس سے مزاج میں چڑچڑاپن جو عموماً اس زمانے میں ہو جاتا ہے۔ کم ہو جاتا ہے۔ بعض عورتیں پورے ۹ ماہ مریضہ بن کر گزار دیتی ہیں۔ زندگی کے کاموں سے دلچسپی کم لینے لگتی ہیں۔ اور پلنگ پر لیٹ کر ہائے وائے میں اپنی مختصر سی زندگی کا کافی زمانہ بیکار کھو دیتی ہیں۔ افسوس ہے کہ محض غذا کی طرف سے لاپروائی، صحت کے اُصولوں سے غفلت اور سُستی کی وجہ سے ایسی عورتیں واقعی مریض بن کر رہ جاتی ہیں۔ اور اکثر انہی عورتوں کی زندگی بچہ پیدا ہونے کے وقت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

ماں کی صحت کا اثر بچے پر پڑنا بھی ضروری ہے۔ صحت مند ماں کا بچہ جس کو اپنی ماں کے خون کے ذریعے ہر قسم کی غذا بہم پہنچتی رہی، تندرست ہوتا ہے۔ اور اُس کی ہڈی، پٹھے اور گوشت نشو و نما پائے ہوئے ہوتے ہیں ایسے بچے دانت بھی جلد اور باآسانی نکال لیتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر سوکھے یا رکیٹس وغیرہ بیماریوں کا بہت کم شکار بنتے ہیں۔

بیگم نصیر الدین

سیلاب

اس سال بہار میں جیسا سیلاب آیا ہے۔ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ بہت سی بستیاں غارت ہو گئیں بہت سے بچے بے ماں باپ کے رہ گئے۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ یہ ایک ایسا حسرت ناک نقشہ دیکھنے میں آیا ہے جس کا خیال کر کے آنسو نکل آتے ہیں گیارہ بجے دن کے شور ہوا کہ سیلاب آ رہا ہے۔ میں نے سمجھا سیلاب تو ہر سال آتا رہتا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سوئیٹر بنتی رہی کوٹھے پر جا کر دیکھا تو پانی صرف ندی ہی میں آیا تھا۔ اطمینان سے آ کر بیٹھ گئی۔ پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ایسی آواز آئی جیسی ریل میرے مکان میں آ رہی ہے فوراً پھر اوپر گئی۔ اُف دیکھ کر حواس جاتے رہے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا یوں تو اس سیلاب میں ہزاروں آدمی برباد ہوئے لیکن حسرتناک واقعہ ایک یہ بھی ہے کہ ندی کے کنارے ایک گوالن کا مکان تھا۔ غریبوں کو کہیں بھاگنے کا موقعہ بھی نہ ملا۔ گوالن بیوہ تھی لڑکا ایک بھی نہ تھا۔ سات لڑکیاں تھیں بیچاری بہت غریب تھیں دو چار بھینسیں تھیں۔ یہ اس کی ذریعۂ معاش تھیں۔ غریب نے اپنی جوانی کو برباد کر کے ان بچوں کو پالا تھا۔ اس حسرت نصیب کی تباہی دیکھ کر آسمان بھی رو رہا تھا بھینسیں دریا کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ ساتوں لڑکیاں اور ماں چھپر پر بیٹھ گئیں لیکن مصیبت نے یہاں بھی نہ چھوڑا۔ ایک جھونکے میں چھپر گر گیا اور پھر سب گری ہوئی دیوار پر بیٹھ کر حسرت سے چاروں طرف تکنے لگیں مگر قدرت کو ابھی اور کچھ دکھانا تھا اس کی چھوٹی بیٹی جو بہت عقلمند نیک اور حسین تھی سانپ نے اس کو ڈس لیا۔ اس وقت ماں بہنوں کی حالت دیکھ کر دشمن کی آنکھوں سے بھی اشک جاری ہو گئے۔ ماں حسرت سے چاروں طرف تکتی اور دعا کرتی اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا تھوڑی دیر بعد لڑکی نے آنکھیں بند کر لیں ماں بہنوں کو حسرت سے دیکھا اور سلام کر کے کہا "ماں میں جاتی ہوں میرا غم نہ کرنا ممکن ہے جمنا مائی میری بھینٹ قبول کر کے تم لوگوں پر رحم کرے" ادھر لڑکی کی لاش کو ماں نے دریا کے سپرد کیا اور اُدھر پانی کم ہونے لگا اور صبح تک چڑھاؤ بالکل اُتر گیا ماں بہنیں رو پیٹ کر دوسری جگہ جا بسیں۔

رضیہ فاطمہ سیجوروی

سلطان جوہور کی سالگرہ

کل رات "کیرم" کھیلتے کھیلتے دو بج گئے تھے صبح جب آنکھ کھلی، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ ہر بڈیے کے بگل نے چیخ چیخ کر آنکھ "کھلوائی" تو دیکھا کہ باہر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ کھڑکی کے سامنے ناریل اور صنوبر کے تہنوں میں سے پھوٹتی ہوئی موسیقی نیند کے جھونکوں کی طرح روح میں سمائی جا رہی تھی۔ جی چاہا۔ پھر سو جاؤں۔ سویا رہوں، ایسے میں سو رہنے سے بہتر کوئی اور کام مجھے نہیں سوجھتا تھا یکایک سلطان جوہور کی سالگرہ کا خیال آ گیا۔ وہاں دس بجے تک پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچا۔ اگر زندگی ہے تو نیند کے مزے کل بھی لوٹ لیں گے لیکن سلطان جوہور کی سالگرہ ایک سال کے بعد ہی جا کر کہیں آئے گی۔ مناسب یہی ہے کہ تجربہ و مشاہدہ کے اس موقع کو ضائع نہ کیا جائے۔ اس وقت اگرچہ یہ سودا بھی ہنگامی معلوم ہوا، مگر جی کڑا کر کے اٹھ ہی بیٹھا

جوہور ملایا کی ایک بہت بڑی اسلامی ریاست ہے سلطان جوہور کا شمار مشرق بعید کے چند سب سے زیادہ دولت مند انسانوں میں ہوتا ہے۔ یہ ریاست ربڑ اور ٹین کے ذخیروں سے مالا مال ہے۔ آج ریاست میں سلطان کی تہترویں سالگرہ کا جشن منایا جا رہا تھا۔

کوئی دس بجے کے قریب میں جوہور پہنچ گیا راستے کے حسین مرغزاروں کو بارش نے آج کچھ اور بھی دلآویز بنا دیا تھا بوٹے بوٹے پر نیا حسن، نیا نکھار برس رہا تھا۔ اگرچہ ملایا میں سدا بہار کیفیت کی وجہ سے آتی ہوئی بہار کا منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آتا لیکن سنگاپور کا جزیرہ طے کرتے، اور سمندر کی دو تین فرلانگ درمیانی کھاڑی عبور کرنے کے بعد جب میں جوہور میں داخل ہوا تو سارا قصبہ ایک پُر جوش قومی تہوار کی سرخوشی میں ڈوبا ہوا پایا۔ بچوں، عورتوں مردوں کے اُجلے اُجلے شوخ لباس، اور مکانوں کی منڈیروں پر لہراتے ہوئے، سبز ہلالی پرچم ایک عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ سمندر کے کنارے، دور تک ایک بھر پور میلہ جما ہوا تھا۔ ناچتے گاتے ہوئے ٹھٹ کے ٹھٹ، بے ترتیب ہجوم، اُچھلتی ہوئی ٹولیوں کے مخمور غول، قدیم و جدید طرز کے قہوہ خانوں کے رنگین، بہاتے ہوئے سلسلے، رنگا رنگ کی سجی، بھری دوکانیں ـــــ غرضیکہ زندگی، رقص، اور رنگ کا ایک سیلاب تھا۔ جو ساحل کے ساتھ ساتھ کئی فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے جوہور کا حسن اور قصبے کی تمام زندگی سمٹ کر ساحل پر آ گئی ہو۔ میلے کے پھیلاؤ اور اس کی گہما گہمی سے زیادہ قابلِ توجہ وہ والہانہ خوشی، وہ پُر خلوص اور وہ اندھا دھند جوش تھا جو تقریب کے تمام منظر پر چھایا ہوا تھا۔ تقریب کی خوشی لوگوں کی زندگی میں رچی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ مسرت اُن کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی اور خوشی اُن کے چہروں پر کھلی پڑتی تھی۔

آستانہ یعنی قصرِ شاہی میں قدرتی طور پر آج غیر معمولی چہل پہل تھی۔ ایک طرف عرب قاری، کئی قطاروں میں بیٹھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ ڈیوڑھی سے باہر مساکین میں کھانے اور کپڑے تقسیم ہو رہے تھے۔ محل کے اندر ایک بہت بڑے ہال میں ریاست کے عمائد و خواصیں اور بیرونی مہمانوں کا ٹھٹ لگا تھا۔ سلطان خود ان دنوں ولایت گئے ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کی عدم موجودگی سے تقریب کی دھوم دھام کی کوئی کمی نہیں آئی۔ سلطان کی جگہ ان کے بڑے فرزند ریجنٹ ہز ہائینس تنکو محکوتا ان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ریجنٹ نہایت خوبصورت اور ہنس مکھ شہزادے ہیں۔ نکلتا ہوا قد، کھرا بدن، کھلتا ہوا رنگ، اور موٹی موٹی موتی جیسی آنکھیں۔

مہمانوں میں زیادہ تر غیر ملکی سفیر، ریاستوں کے ایلچی اور برطانوی ڈپلومیٹ وغیرہ تھے۔ انگریز مہمانوں میں سے سنگاپور کے گورنر، ان کی بیگم، لارڈ کلیرن، اُن کی بیگم، اور اتحادی فوجوں کے اعلیٰ سپہ سالار جنرل سر مانٹیگو شاپنوڈ موجود تھے، ان کے علاوہ کچھ اور مشاہیر بھی ہوں گے مگر مجھے ان کے نام معلوم نہ ہو سکے ـــــ ڈپوٹیوں کی قطاروں میں ملایا، جاوا، سماٹرا کی دوسری اسلامی ریاستوں کے نمائندے بیٹھے

مخصوص قومی لباسوں میں سوٹ بوٹ کے اس ریلے میں سب سے الگ الگ اور ممتاز نظر آتے تھے۔ انگریز خواتین کے لباس، جن میں شہزادہ عزیز کی پری چہرہ بیگم کا خاص طور پر ذکر کرنا چاہئے، تو بہت ہی اچھے معلوم ہو رہے تھے۔

نشستوں کی آسانی کے لئے یہ ہال کئی حصوں میں منقسم ہے ساز و سامان انتہائی پُرتکلف نہایت بیش قیمت۔ اس کی قیمت کا میں کوئی اندازہ تک نہیں کر سکتا۔ میں نے ایسا فرنیچر پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس چیز پر نگاہ پڑتی، جم کر رہ جاتی۔ میں تو خیر کس گنتی میں ہوں۔ میں نے وہاں بڑے بڑوں کی نگاہوں کا یہی عالم دیکھا۔ خیرہ سی۔ حیران سی۔ ایک ایک شے سے شاہی سطوت و امارت کا جلال برس رہا تھا۔ اول تو خدا جانے وہ لکڑی کیا تھی۔ اس پر اُن میں سونے، چاندی، ہاتھی دانت، سینگ، پتھر اور شیشے کی جو مینا کاری کی گئی تھی مجھ میں تو اتنی لیاقت نہیں کہ اسے بیان کر سکوں۔ قدموں میں بچھے ہوئے گداز، زرنگار قالین، اور اُن پر آرٹ کی نادرہ کاریاں، طلائی گلدانوں کے صد شاخ دہانوں میں سے پھوٹتے ہوئے پھول، کس کس چیز کا بیان ہو اور کیوں کر ہو؟ —— دیواروں پر مشرق اور مغرب کے بہترین مصوروں کے جدید و قدیم شاہکار آویزاں تھے۔ اور اُن کے درمیان ایک جگہ آنجہانی ملکہ وکٹوریہ کا فوٹو۔

دن بھر مختلف تقریبیں ہوتی رہیں۔ سلامی، پریڈ، کھیلیں دعا اور شکریے کے جلسے۔ وغیرہ وغیرہ۔ شام کو شاہی ڈنر تھا۔ کھانے کا کمرہ کاہے کو تھا۔ "کرشمہ دامنِ دل می کشد۔۔" والا مضمون تھا۔ بلوریں جھاڑ، فانوس اور اُن میں سے چھن کر آتی ہوئی نرم روشنیوں میں نازک انگلیوں اور کافر بالوں میں ٹنکے ہوئے ہیرے، جواہرات کی جھل مل، خوش رنگ لباسوں کی چمک دمک حیران تھا۔ کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔

کئی چہرے ہیروں سے بھی زیادہ تابدار تھے —— کھانا چنا گیا تو۔۔۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ شاہی ضیافت کیا معنی رکھتی ہے ——

کھانے پر میری نشست سنگاپور کے امریکی قونصلیٹ افسر (بیمار ہوئے) کی بیوی کے قریب تھی۔ دوسری طرف کا ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا کہ اُدھر بورنیو کے قریب ایک چھوٹے سے ٹاپو کے سردار تشریف فرما تھے۔ جو نہ میری سمجھتے تھے نہ میں ان کی۔ خیر تو مسز ز ہوئے خاصی دلچسپ خاتون تھیں انہوں نے سبز رنگ کا فراک، جس میں سفید دھاریاں تھیں، پہن رکھا تھا۔ اور "غازے کی کرامات" کے ساتھ خاصی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ ٹانگوں پر انھوں نے لمبی جرابوں کی بجائے اس صفائی سے پوڈر مل رکھا تھا۔ کہ جراب ہونے کا مغالطہ ہوتا تھا۔ اُن سے زیادہ تر باتیں موسم، اور گاندھی جی کے بارے میں ہوتی رہیں۔ یا کبھی کبھی مشرقی تاجداروں کی شان و شکوہ پر تحیر کا اظہار کر دیتی تھیں۔ گفتگو کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ رہی۔ اور انہوں نے "موسم" اور "گاندھی جی" سے اِدھر اُدھر ہونا پسند نہ کیا۔

ڈنر کے بعد شاہی توشہ خانہ میں لے جا کر مہمانوں کو ریاست کے پرانے تبرکات، یادگاریں، اور تاریخی جواہرات دکھائے گئے۔ سونے کے ظروف بڑے بڑے کٹاؤ ہیرے، جڑاؤ، پیش قبض، تخت نشینی کے چوغے، اور تاج، خاندانی تلواریں، اور بہت سی دوسری چیزیں۔ مختصر یہ کہ جو چیز تھی وہ ہیرے جواہرات سے مرصع تھی۔ شاہی نوادر و عجائب کے اس نگار خانے میں قرآن پاک کے چند قدیم قلمی نسخے بھی ہیں۔ جن میں سے ایک کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان سے لایا گیا تھا۔

"سیاہی"

مطالعۂ قرآن

(۵)

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یعنے جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے۔ ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں۔

بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی کہ جو شخص قتل ہو جائے، مر جائے، وہ زندہ کس طرح رہ سکتا ہے؟ لیکن تھوڑے غور کے بعد سمجھ میں آجانی چاہئے کہ زندگی اس کا نام نہیں کہ کھایا، پیا اور سو گئے۔ اس قسم کی زندگی تو حیوانات کو بھی میسر ہے۔ یہ بھی کھاتے پیتے ہیں، سوتے جاگتے اور محنت کرتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح آدمی۔ پھر حیوان اور آدمی میں کیا فرق رہا؟ حالانکہ فرق ہونا چاہئے، اور وہ فرق یہی ہے کہ ایک انسان نمایاں کام کرتا ہے اور کر سکتا ہے، لیکن جانور نہیں کر سکتا۔ پھر نمایاں کام کرنے سے آدمی کا نام زندہ رہتا ہے کسی کا کام ایسا ہوتا ہے کہ سو دو سو برس تک اس کا نام زندہ رہتا ہے، کسی کا ہزار پانچسو برس تک، اور کسی کا ہزار ہا برس تک، چونکہ نمایاں کاموں کے درجے ہیں، اسی حیثیت سے نام بھی زندہ رہتے ہیں۔ تاریخوں میں اور زبانوں پر یہ نام برابر دوہرائے جاتے ہیں اور دوہرائے جاتے رہیں گے، ان کے تذکروں سے لوگوں کو فیض بھی پہنچتا رہتا ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح زندہ آدمی سے فیض پہنچتا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان جو حق و انسانیت کو بلند کرنے کی حالت میں، مگر جنگ کرتے کرتے شہید ہو گیا۔ اور وہ زندہ ہے، تو پھر وہ لوگ بھی زندہ ہیں، جن کو نمرود، فرعون، اور یزید کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے نام بھی زبان زدِ خلائق ہیں۔ بات تو معقول ہے لیکن اس زندگی اور اس زندگی میں ایسا ہی فرق ہے، جیسے پھول اور کانٹے میں۔ پھول کو ہر شخص پسند کرتا ہے اپنے سر کا تاج بناتا ہے۔ کانٹے سے سب بھاگتے ہیں۔ اور ایسا ہی فرق ہے، جیسے خوشبو و بدبو میں۔ خوشبو سب کو فیض پہنچاتی ہے، بدبو سے سب نفرت کرتے ہیں، بھاگتے ہیں اور یہ سب کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پھر بدبو کا شمار ایک سڑی ہوئی لاش سے تو ہو سکتا ہے، زندگی سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ زندہ تو وہی ہے جو فیض رساں ہو، ورنہ یوں تو زندہ لوگ بھی ہیں، لیکن چونکہ وہ متعفن لاشوں کی طرح ہیں۔ اس لئے ان پر زندگی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

عام طور پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ چونکہ بزرگانِ دین نے بھی اپنے نفس سے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے، قتلِ نفس کیا ہے، اس لئے وہ بھی زندہ ہیں، ان سے بھی مخلوقِ خدا کو فیض پہنچتا ہے۔ میں بھی کہتا ہوں کہ ہاں پہنچتا ہے۔ لیکن یہ فیض نہیں کہ وہ کوئی اولاد دے سکیں، دولت دے سکیں، صحت دے سکیں اور شفاعت کرا سکیں۔ البتہ یہ فیض پہنچ سکتا ہے کہ ان کے قدم بقدم چلا جائے۔ ان کا سا عمل کیا جائے، وہ زائرین جو زیارت کے بعد صاحبِ مزار کی زندگی پر غور و فکر کر کے اس پر خود بھی عمل کریں گے۔ تو سمجھ لو کہ ان کو فیض پہنچ گیا جنہوں نے عمل نہیں کیا وہ ہزار بار زیارت کو جائیں کچھ نہ ہوگا۔

آج جو سفید و شاندار مزاروں کی پوجا ہوتی ہے۔ مرادیں مانگی جاتی ہیں، لوگ جھکتے ہیں۔ پیشانیوں کو رگڑتے ہیں گڑگڑاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہی بابِ اجابت ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ لاکھوں زائرین میں سے جب چند کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں؛ اور فطرتاً سو میں سے پانچ سات کو کامیاب ہونا چاہئے۔ پس یہ کامیاب لوگ اپنی خوش عقیدگی کے تحت دوسرے لوگوں سے حاشیہ آرائی کے ساتھ تذکرے کرتے ہیں اور سننے والے ان کی باتوں پر یقین لاکر خود بھی مرادیں مانگنے لگتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے عام مسلمان تک

پہنچ گیا، اور توہم پرستی کو عبادت کا درجہ مل گیا۔ ان سادہ لوح مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ ہر نفع و نقصان کا مالک وہی ہے جس نے اولیاء کرام پر بھی اپنا کرم کیا، یہ بھی اسی ایک ذات کے محتاج ہیں۔

قرآن نے اکثر و بیشتر مسلمانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور اس بات میں قرآن کا ہر جملہ اور ہر آیت اس پر ختم ہوا ہے کہ افلا تعقلون۔ افلا تتفکرون۔ افلا تتدبرون۔ افلا تشعرون۔ لقوم یعلمون۔ لقوم یعقلون یعنی تم عقل سے کام نہیں لیتے، غور و فکر نہیں کرتے، تدبر و دانائی سے کام نہیں لیتے۔ شعور کو کام میں نہیں لاتے۔ علم و بصیرت سے کام لو۔ عقل و دانش کو کام میں لاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن مسلمان ہے کہ تعقل و تفکر، بیداری و ہوشیاری سے منزلوں دور ہوتا جاتا ہے، یہ بندے کو خدا، اور خدا کو بندے کے برابر سمجھنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی کسی جماعت کا عمل بے روح ہو جاتا ہے، تو وہ ارتکاب معاصی ہی کو نجات کا ذریعہ تصور کر لیتی ہے۔ عمل کی جگہ خوش اعتقادی لے لیتی ہے، خودساختہ سہاروں پر اعتماد کیا جانے لگتا ہے جس طرح یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ ہم خدا کی پسندیدہ امت ہیں، اس لئے ہم پر دوزخ کی آگ حرام ہے، اسی طرح آج مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہم امت مرحومہ ہیں، آتش دوزخ ہم پر حرام ہے۔ اگر کچھ مواخذہ ہوگا بھی تو پیر و مرشد سنبھال لے گا۔ یا نماز نفل، مجالس میلاد و مواعظ، یا عرسوں کی شرکت آڑے آجائے گی، قانون قدرت ایسے لوگوں کو گونگا، بہرا، اور اندھا بنا دیتا ہے۔ اور ان کے قلوب پر مہر لگا دیتا ہے صم بکم عمی قرآن میں ایسے ہی لوگوں کے لئے آیا ہے، جو ہر جگہ جھک جاتے ہیں، حالانکہ ہر قسم کا جھکاؤ صرف ایک طاقت کے لئے ہے۔ وہ طاقت جس نے علی الاعلان کہہ دیا کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر۔ قرآن نے تو ایسے لوگوں کو بدترین چارپائے کہا ہے لیکن لوگوں کی مرادیں جب پوری ہو جاتی ہیں تو وہ بندوں کو اس کا سبب سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن کا یہ اعلان ہے۔

فلما آتٰہما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما آتٰہما فتعٰلی اللہ عما یشرکون۔ ایشرکون ما لا یخلق شیئاً وھم یخلقون۔ ولا یستطیعون لھم نصراً ولا انفسھم ینصرون۔ یعنی پھر جب خدا نے انھیں ایک تندرست فرزند عطا کر دیا، تو جو چیز خدا نے دی، لوگ اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہرانے لگے (حالانکہ یاد رکھو) شرک کی ان باتوں سے قدرت کی ہستی بہت بلند ہے۔ یہ لوگ خدا کے ساتھ ان ہستیوں کو ٹھہراتے ہیں، جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود کسی کے پیدا کردہ ہیں۔ ان میں نہ تو اس کی طاقت ہے کہ کسی کی مدد کر سکیں، نہ اس کی کہ وہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچا سکیں۔

لیکن آج کا مسلمان، انھیں خوش اعتقادیوں کے ساتھ جنت کا طالب ہے، اور اپنے تئیں جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے اس کے نزدیک سوائے مسلمان کے ساری دنیا جہنمی ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن کا یہ اعلان کان کھول کر سن لینا چاہئے۔

استغفر لھم او لا تستغفر لھم، ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم۔ یعنی۔ (اے پیغمبر) تم ایسے لوگوں کے لئے دعاء مغفرت نہ کرو۔ (اب ان کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو (یعنی سینکڑوں مرتبہ) جب بھی خدا ان کو نہ بخشے گا۔

معلوم ہو جانا چاہئے کہ جب قانون قدرت میں الیاذی شان پیغمبر بھی دخل نہیں دے سکتا، تو اولیاء اللہ کہاں رہے حقیقت یہ ہے کہ قدرت کا قانون کبھی نہیں بدل سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کیا ہے بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے، ان کی عادت ان کا عمل غیر اسلامی ہے۔ ان کی حرکات، ان کا رجحان غیر اسلامی ہے، ان کی نگاہ، ان کا دماغ غیر اسلامی ہے، یہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں، تو وہ غیر اسلامی ہوتا ہے پھر ہر شعبہ میں یہی حال ہے، سیاست میں دیکھئے جب کبھی یہ

آگے قدم بڑھائے گا، یورپ کی نقل کرے گا۔ مثال کے طور پر سوشل ازم ہی کو لے لیجئے۔ قرآن سوشل ازم سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن مسلمان کی نظر یورپ پر ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ، فبشرھم بعذاب الیم یعنی جو لوگ چاندی سونا جمع رکھتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کے لئے دردناک عذاب کی بشارت پہنچادی جائے۔

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔ وما یذکر الا اولوا الالباب۔ یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دیدینا، کھونا نہیں ہے، پانا ہے۔ یہ بہت دقیق بات ہے۔ اسے صاحب حکمت لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

پھر فرمایا۔ واعبدوا ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احسانا۔ وبذی القربیٰ، والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم

اس اعلان کا مطلب ومدعا یہ ہے کہ نہ صرف بیوی بچوں کا پیٹ پالنا فرض ہے، بلکہ والدین، عزیز و اقارب، یتیم و مساکین، مفلس و نادار، خاندانی، معاشرتی، اور جماعتی پرورش، حتیٰ کہ انسانی فرائض کی ادائیگی کا اس میں پورا درس موجود ہے۔

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب پر تقسیم ہوتی رہے۔ کوئی ایک گروہ ہی اس کا ٹھیکہ دار نہ بن جائے۔ قرآن دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک ہی گروہ میں رہے۔ سوسائٹی میں کوئی طبقہ دولت کو خزانہ بنا کر نہیں رکھ سکتا، بلکہ دولت کو ہمیشہ گردش میں رکھا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق اور بھی اعلانات و احکام ہیں بخوف طوالت کی وجہ سے مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔

ورثہ کی تقسیم کا بھی یہی مقصد ہے کہ دولت بٹتی رہے۔ اور سوسائٹی کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے، قوم کے ایسے افراد جو باوجود پیہم کوششوں کے وسائل معیشت سے محروم رہتے ہیں، نہ نوکری ملتی ہے، نہ تجارت چلتی ہے، پیسہ پاس نہیں، کسی سے مانگ نہیں سکتے، سفید پوش ہیں، لیکن مجبور و بے بس ہیں، یہ مساکین میں داخل ہیں۔ ایسے لوگوں کی امداد فرائض میں داخل ہے

اسلامی سوشلزم اور آج کے سوشلزم میں صرف درجہ اور ڈگری کا فرق ہے۔ اسلامی سوشل ازم یہ ہے کہ مفلسوں، ناداروں کے لئے ایک مستقل فنڈ کا ہونا ضروری ہے، اس کا انتظام یہ کیا کہ آدمی کی کمائی کا ایک حصہ ریزرو کر دیا گیا۔ اسی کا نام زکوٰۃ ہے۔ اور زکوٰۃ نکالنا نہ صرف انسانوں کے افلاس کو دور کرتا ہے۔ بلکہ یہ عین سیاست ہے۔ آج سوشلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف چونکہ قدرتی نہیں ہے، اس لئے چندوں اور انجمنوں کے ذریعہ اس کا انتظام کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ معیشت کا یہ اختلاف قدرتی ہے۔ اگر یہ قدرتی نہ ہوتا تو انسانی کوششوں کی قوت کبھی نہ ابھرتی، اور تمام سرگرمیاں مرجاتیں۔ — آج سوشلزم مدارج معیشت قائم کرتا ہے اور قرآن کا سوشل ازم حق معیشت۔ پھر آج سوشل ازم ایک قدم اور آگے بڑھ کر کمیونزم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور کمیونزم میں بعض باتیں حیا سوز ہیں۔ جن کو ایک مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلامی سوشلزم میں اجتماعی زندگی کے لئے اور بھی چند خوبیاں ہیں۔ مگر مسلمان اس طرف توجہ نہیں کرتے، بلکہ یورپ کے سوشل ازم پر ایک گروہ مرتا ہے۔ اسی کی نقل کرتا ہے، لیکن اس نقل میں بھی عمل کو دخل نہیں۔

یورپ کے سوشلزم سے اگر انسانیت سوز ایک دو باتیں نکال کر بھی اس کی نقل کی جائے تو برا نہیں کہ پھر دونوں قسم کے سوشلزم میں کوئی زیادہ فرق نہ ہوگا۔ مگر وہاں تو مذہب کے نام سے چڑ ہے۔ بہر نوع کسی صورت سے دنیا بنائی جائے کہ دنیا بنانے کا سبق قرآن دیتا ہے۔

مگر خالی کوٹ پتلون کے استعمال سے، انگریزی بولنے سے سگرٹ و شراب پینے سے، ٹینس و بیڈمنٹن کھیلنے سے، دانش

کلب جانے سے ، یا چند کرسیاں حاصل کرنے سے نہ تو زندگی بن سکتی ہے، نہ دنیا۔ دنیا تو اسی وقت بنے گی، جب عزت کی زندگی ہوگی۔

پھر خالی توبہ کو استغفار کرنے سے، رات بھر نفل پڑھنے سے پیشانیوں پر گھٹہ ڈال لینے سے، ٹخنوں تک اونچا پائجامہ اور لمبی قبا پہن لینے سے، دعا، وظیفے پڑھنے سے، ڈاڑھی کو آنسوؤں سے تر کر لینے سے، اور دولت کو عملیات کے ذریعہ حاصل کرنے کے خیال سے نہ تو کبھی زمین کی وراثت ملتی ہے، نہ ملے گی۔

قرآن نے تو جگہ جگہ، بار بار، شدت کے ساتھ قوت حاصل کرنے پر زور دیا ہے، پھر ہر پارے میں، ہر سورت میں ہر رکوع میں، اور ہر دوسری تیسری آیت میں اخلاق و انسانیت کو بلند کرنے کی تاکید کی ہے۔ اجتماعی زندگی کی خوبیوں اور برکتوں سے آگاہ کیا ہے۔ قوت حاصل کرنے کے طریقے اور راستے بتائے ہیں یعنی منزل مقصود پر پہنچنے کا ایسا درس دیا ہے، ایسا پروگرام بنا کر پیش کر دیا ہے، جو اٹل بھی ہے، ٹھوس بھی ہے اور عام فہم بھی باوجود اس کے مسلمان ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ گونگے، بہرے اور اندھوں کی طرح ٹٹولتا پھرتا ہے، مگر کوئی راہ نہیں ملتی، راہ ملے کیسے، کہ کوئی روشنی نہیں، آج مسلمان اپنی بدنصیبی سے نہ تو مساوات کے معنی سمجھنا چاہتا، نہ بھائی چارگی کی برکتوں سے واقف ہے، اور نہ علم حکمت جاننا چاہتا ہے۔ یہ کائنات کے مطالعہ سے منہ موڑ کر تاریک گوشوں، بوسیدہ حجروں، اور مسجدوں میں بیٹھ کر سانس لے رہا ہے۔ وظیفے وظائف کے ذریعہ طاقت ڈھونڈ رہا ہے۔ بازوؤں کو شل، دماغوں کو منجمد کر دینے والی ریاکارانہ عبادت میں طاقت کو تلاش کر رہا ہے۔ دلوں میں گرمی اور ہمتوں میں بزدلی پیدا کرنے والی خانقاہوں میں زندگی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ ان تمام دروازوں پر قدرت نے موت کے پہرے لگا دیئے ہیں، مچلتی ہوئی، اور تڑپتی ہوئی زندگی وہاں کہاں، ایسی زندگی تو قرآن میں ملے گی۔ حجروں، خانقاہوں، اور عبادت گاہوں میں قوت و وراثت نہیں ملتی

بلکہ یہ تو خونی میدانوں، خونی پہاڑوں، اور خونی دریاؤں میں تقسیم کی جاتی ہے، حصول قوت و وراثت تو خون چاہتی ہے۔ اس کی زمین اور آسمان خون چاہتا ہے۔ اس کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ خون کا پیاسا ہوتا ہے، پھر اگر ہمت ہے تو آؤ اور آزمائش کر لو۔

اے مسلمان! تجھ سے زیادہ عقل تو آج شہد کی مکھی اور چیونٹی میں ہے کہ وہ سورج کی روشنی اور تازہ ہوا سے فیض حاصل کر رہی ہے حسین پھولوں، اور تازہ پھلوں میں گھوم کر اور شدید محنت و مشقت کے بعد شہد کے ذخیرے جمع کر کے انسان کو فیض پہنچا رہی ہے۔ اور چیونٹی متفق ہو کر، جب اپنے بل قطار اندر قطار ہو کر نکلتی ہے تو بڑے سے بڑے پرندوں کا شکار کر کے گھسیٹ لے جاتی ہے۔

جبکہ قرآن ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے آخری پیغام ہے، جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اکملت لکم دینکم۔ تو پھر ہماری نگاہیں، ان آیات و احکام پر کیوں نہیں پڑتیں؟ جو آیات و احکام، قوت و وراثت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حیات و زندگی بنانے پر شدت کے ساتھ زور دیتے ہیں۔ اور کائنات کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے کو فرض و عبادت میں شامل کرتے ہیں؟ وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، طلاق، قرض، اور سود ہی وغیرہ کے مسائل کو ہزار برس سے کیوں دوہرایا جاتا ہے؟ کیوں اس کی تکرار اور رٹ لگائی جا رہی ہے؟ کیا قرآن صرف عبادت و وجدان ہی کا سبق دیتا ہے؟ اس میں کچھ اور نظر نہیں آتا؟ اس میں جو معادن ارضیہ، دفائن جبال، خزائن بحار، پھر بارش کی برکتیں، پھولوں پھلوں، نباتات و جمادات کی طرف اشارے، مختلف دھاتوں تیلوں اور بجلی کی چمک کے تذکرے، کیا صرف تفریح کے لئے ہیں! گزری ہوئی قوموں کے عروج و زوال کے بیانات، قتال و جدال کی طرف مسلمانوں کو مخصوص طور پر رجوع کرنا کیا یہ محض قصے اور کہانیاں ہیں؟

پھر یہ مسلمان قرآن کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے۔

بے وضو کئے چھوتا نہیں، جس کا سننا، دیکھنا اور چھوتا تک عبادت میں داخل کیا جاتا ہے لیکن جب اور جہاں عقل و بصیرت کا ذکر آتا ہے حرکت و عمل کا سبق آتا ہے، مطالعۂ کائنات پر زور دیا جاتا ہے، اور حصول قوت و حیات کے آئین پیش کئے جاتے ہیں، وہاں آنکھیں کیوں بند ہو جاتی ہیں، دماغ کیوں معطل ہو جاتا ہے؟ قرآن کی عزت و احترام کا جذبہ کہاں غائب ہو جاتا ہے؟ اور دوزخ و جنت عذاب و ثواب کا تصور کہاں چلا جاتا ہے؟

آج یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے خوبیوں کو پس پشت ڈال دیا، بلکہ تمام خرابیوں اور برائیوں کو اپنے اوپر منڈھ لیا ہے اور یہ قرآن کے اس اعلان کو بھول گیا ہے کہ

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ

یعنی دنیا میں وہی اقوام زندہ رہ سکتی ہیں جو مفید خلائق ہوں۔

درخت میں جو شاخ اور جو تنہ خشک ہو جاتا ہے، وہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ جو گھوڑا لنگ کرنے لگتا ہے، اس کو گولی ماردی جاتی ہے۔ جو پرند پرواز سے معذور ہو جاتا ہے۔ اس کو درندہ کھا جاتا ہے اور جو درندہ زخمی ہو جاتا ہے، وہ شکاری سے نہیں بچ سکتا۔ یہی حال قوموں کا ہے، یعنی جو قوم بزدل و مایوس ہو جاتی ہے، طاقت ور قوم اس کو دبا لیتی ہے۔

امام اکبر آبادی

سرورِ کائنات صلعم کے حضور میں!

وفورِ ضبط سے سینہ تھا لالہ زار میرا — ہر ایک سانس تھا، اک آہِ سوگوار میرا
اگرچہ خاک کے پیکر میں ڈھل گئی تھی میں — فرازِ عرش پہ پرّاں تھا قلبِ زار میرا
نمودِ شام و سحر سے تھی آگہی مجھ کو — لباسِ ہستیٔ کہنہ تھا تار تار میرا

فرشتے لے گئے مجھ کو حضورؐ کے در پر
زہے جمالِ محمدؐ، زہے رُخِ انور

کہا حضورؐ نے "ملت کی غم نوا بیٹی! — فضائے گیتی سے تیری صدائے آہ اٹھی
زمین و عرش کے چودہ طبق لرزنے لگے — تیری صدائے جگر سوز، ہم تلک پہنچی
کہا یہ ہم نے فرشتوں سے، جائیں دنیا میں — یہ کون عاشقِ امت ہے؟ اس کو لائیں ابھی

تو اب بتا، میری امت کا حال کیسا ہے؟
یہ تیرے قلب پہ رنج و ملال کیسا ہے؟"

حضورؐ شرم سے گردن جھکائے آئی ہوں — ہزاروں داغ، کلیجے پہ کھائے آئی ہوں
جو حق پرست تھے، نفسانیت کے پیکر ہیں — جہانِ تیرہ سے دامن بچائے آئی ہوں
حضورؐ! آپ کی امت کا حال ابتر ہے — میں غم کی آگ کو دل میں دبائے آئی ہوں

فرنگی سحر کے طابع ہیں خاک داں والے
خدا کو بھولتے جاتے ہیں اب جہاں والے

نہ اب وہ جوہرِ مرداں، نہ خوئے زن باقی — نہ اب مجاہدِ ملت، نہ پئے وطن باقی
نہ اب وہ مسجد و منبر پہ نعرۂ تکبیر! — نہ خوفِ روزِ قیامت، نہ ذہنِ حق باقی
نہ اب وہ حسن کی شوخی، نہ عشق میں گرمی — نہ جوئے شیر کی کوشش، نہ کوہکن باقی

نہ اب وہ ملتِ بیضا، نہ اب وہ عہدِ کہن
نہ اب وہ دیں کے پجاری نہ جوشِ حبِّ وطن

میری دعاؤں کو یارب اثر طرازی دے — میری صدائے حزیں کو تو سرفرازی دے
زمانہ درپئے آزارِ قومِ مسلم ہے — محبِّ خاکِ وطن، کوئی مردِ غازی دے
ولولوں کو جذبۂ ایماں سے پھر صفا کر — جبینِ شوق کے سجدوں کو پاکبازی دے

میں دردمند ہوں، سن لے میری دعا یارب!
جو سو رہے ہیں، انھیں خواب سے اٹھا یارب!

بلقیس جہاں سرداری بیگم پنہاں نذیر گر (میرٹھ)

خواتینِ سلف کا جذبۂ شجاعت

عورتوں کو کمزور اور ناقص العقل کہنا بہت بے انصافی ہے اس دنیا میں سینکڑوں مثالیں ایسی ملتی ہیں۔ جن میں صنفِ نازک نے اپنی دانشمندی، شجاعت و فراست کا بہترین ثبوت دیکر مردوں پر برتری حاصل کی ہے۔ کچھ زیادہ تاریخ کے اوراق اُلٹنے کی ضرورت نہیں۔ حال ہی میں ایک یہودن نے ایٹم بم جیسی اہم و مہلک چیز کی ایجاد میں مردوں کے برابر حصّہ لیا ہے

مسلمان عورتوں نے خصوصاً عربی خواتین نے شجاعت کے ایسے ایسے کارنامے مردوں کو دکھائے ہیں۔ جن پر عقلوں کی شجاعت ششدر رہ گئی ہے۔

عربی خواتین یوں ہی دلیر ہوتی تھیں۔ اس پر اسلام نے ان کی رگوں میں ایک ایسا خون دوڑا دیا تھا۔ جس سے انہوں نے اپنی شجاعت کا اعلیٰ ثبوت دیا ہے۔ مندرجۂ ذیل کارناموں سے معلوم ہوگا کہ عورتوں کی بہادری اور قوتِ ارادی کس قدر بلند ہے

جنگ احزاب میں مسلمانوں نے مستورات کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا تھا۔ اور جن قلعوں میں وہ تھیں۔ یہود۔ بنو قریظہ کی آبادی اُن سے قریب تھی۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ قلعہ پر حملہ کیا۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اور قلعہ پر پہنچنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا کہ حضرت صفیہ رضؓ (حضرتؐ کی پھوپی) نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت پر حضرت حسّان رضؓ (شاعر) متعیّن تھے۔ حضرت صفیہ رضؓ نے اُن سے کہا کہ نیچے اُتر کر اس کو قتل کردو۔ ورنہ یہ جاکر دشمنوں کو پتہ دے گا۔ حضرت حسّان رضؓ نے ایک عارضہ کی بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی تو حضرت صفیہ رضؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑلی۔ اور نیچے اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہ رضؓ چلی آئیں اور حضرت حسّان سے کہا کہ جاکر اُس کے کپڑے اور ہتھیار لے آؤ۔ انھوں نے کہا جانے دیجئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت صفیہ رضؓ نے کہا اچھا جاؤ۔ اس کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک آؤ کہ یہودی مرعوب ہوجائیں۔ مگر یہ خدمت بھی انھیں کو انجام دینی پڑی۔ یہودیوں نے خیال کیا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے۔ اور ان کو پھر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (سیرۃ النبی)

غزوۂ احد میں اکثر خاتونانِ اسلام نے شرکت کی تھی۔ اس ہولناک لڑائی میں حضرت عائشہ رضؓ اور دیگر خواتین بے خوف ہوکر مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ کے اس دہشت انگیز منظر کا ان پر ذرّہ بھر بھی اثر نہ تھا۔

ٹھیک اُس وقت جبکہ کافروں نے عام حملہ کیا تھا اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے، اُمِّ عمارہ نے آنحضرت صلعم کے لئے اپنا سینہ سپر کردیا۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تو تیر و تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب ڈراتا ہوا آنحضرتؐ کے پاس پہنچا تو اُمِّ عمارہ رضؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آگیا۔ انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی۔ (سیرۃ النبی)

جنگِ یرموک میں جب عورتوں نے مسلمانوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنے مردوں کے منہ پر پتھر مارے اور یہ کہہ کر ان کو شرم دلانے لگیں: "اگر مردوں سے لڑائی نہیں ہوسکتی تو عورتوں کا لباس پہن کر گھر میں بیٹھ رہو۔ اور ہم تمہاری جگہ لڑتی ہیں"۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنے شوہر کے گھوڑے پر ضرب رسید کی اور کہا کہ "تجھ کو شرم نہیں آتی۔ جو توں بھاگ رہا ہے"۔ ابوسفیان نادم ہوکر پکارا۔ "مسلمان عورتوں کی طعن و تشنیع سننے سے رومیوں کی تلوار کے گھاٹ اُترنا بہتر ہے"۔ مسلمانوں نے پھر میدان کی طرف رُخ کیا۔ مگر رومی اتنے میں گھس گئے تھے۔ عورتیں

تلوار کھینچ کر اُن کے مقابلہ کو ڈٹ گئیں۔ یہ دیکھ کر مفرور مردوں کو جوش آگیا۔ اور اُن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس طرح تین دفعہ مسلمان شکست کھا کر بھاگے اور تینوں مرتبہ عورتوں نے رومیوں کو پسپا کیا۔ اتنے میں مسلمانوں کی فوج کو امداد پہنچ گئی۔ اور انہوں نے عورتوں کو لڑتے دیکھ کر اس شدت سے حملہ کیا کہ رومی بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح یرموک عورتوں کے سبب سے ہوئی۔ ورنہ مرد میدان چھوڑ چکے تھے۔

ایک لڑائی میں بطرس مسیحی نے چند مسلمان خواتین کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کو ایک خیمہ میں لے جا کر پہرہ لگا دیا۔ ان میں عرب کی مشہور شہ سوار اور نڈر عورت خولہ رض بنت ازور بھی تھیں۔ جب عورتیں اپنے گرفتار ہو جانے پر افسوس کرنے لگیں تو خولہ رض نے کہا "یوں افسوس کرنے سے فائدہ۔ بہتر ہے کہ ہم دشمن کا مقابلہ کر کے بہادری سے مر جائیں۔ اس خیمہ کی چوبیں نکال لو اور میرے ساتھ آؤ" یہ سنکر سب خیمہ کی چوبیں لے کر باہر نکلیں۔ خولہ رض نے ایک سپاہی کے سر پر چوب کی ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر پہرہ دار گھبرا کر بھاگ گئے۔ بطرس نے یہ دیکھ کر کہا "ان کو گھیر لو۔ اور تلوار کھینچ لو مگر زخمی نہ کرنا" اور پھر عورتوں سے کہا "کیوں مفت میں جان کھوتی ہو۔ ہم تمہیں عیش و آرام سے رکھیں گے"

خولہ رض نے کڑک کر کہا "مردودو! ہم تمہارے عیش و آرام پر لعنت بھیجتی ہیں۔ اور جان پر کھیل کر عزت بچائیں گی" یہ سنکر تمام عورتیں رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اور کئی ایک کے سر پھوڑ دیئے۔ بطرس نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ان پر تلوار چلاؤ۔ اور قتل کر ڈالو۔ اس اثنا میں اسلامی فوج کا ایک دستہ عورتوں کی مدد کو آپہنچا۔

ایک دفعہ حضرت خالد رض جنگ سے پہلے عورتوں کو کچھ ہدایات دے رہے تھے۔ اس پر خولہ رض بولیں "اگر آپ حکم دیں تو ہم لشکر کی اگلی صف میں کھڑی ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ اور ان کو دکھا دیں۔ کہ وہ عرب کی عورتوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ خدا کی قسم ہم ذرہ برابر بھی پیچھے نہ ہٹیں گی۔

ان واقعات سے مسلمان خواتین کے شوقِ جہاد اور جذبۂ شجاعت و جاں بازی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

نجمہ صالحی میسور

انسان کی قدر و قیمت

(۱)

انسان کی قدر و قیمت اس میں نہیں کہ اُس کا
تن خوشنما ہے ایسا! یا جامہ زیب اتنا!
رفتار میں ہے اس کی ایسی ادائے دل کش!
یا طرزِ گفتگو میں ہے دل فریب اتنا!

(۲)

انسان کی قدر و قیمت اس میں نہیں کہ اس نے
اتنا کما کے کھایا، اتنے مکاں بنائے
یا سیر اور سفر میں از راہِ عیش و عشرت
لاکھوں یہاں لٹائے، لاکھوں وہاں اُڑائے!

(۳)

انسان کی قدر و قیمت اس میں نہیں کہ اس کا
علم و ہنر کے باعث دُنیا میں نام چمکا
یا کوئی اس نے ایسی ایجاد کر دکھائی
فتنہ ہو جس میں پنہاں بربادیٔ اُمم کا

(۴)

انسان کی قدر و قیمت اس میں نہیں کہ ہے وہ
رنگیں بیاں سخنور یا ماہرِ سیاست
یا جنگ جو دلاور۔ با شان و شوکت و فر
یا فیلسوفِ دوراں، بے فکرِ رنج و راحت

(۵)

انسان کی قدر و قیمت کچھ ہے تو ہے اسی میں
دُنیا میں رہ کے اُس نے دُنیا کو کیا دیا ہے
انسانیت کو پہنچا کیا فیض اس کے دم سے
خدمت نوعِ انساں کی اس نے کیا کیا ہے؟

پروفیسر تلوک چند محروم

بچّوں کی دیکھ بھال

"کھیلوں میں"

بچّوں کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں ہمیں اُن کے کھیلوں کی طرف خاص طور پر دھیان دینا چاہئے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ بچّوں کو بالکل کھیلنے ہی نہ دیا جائے کھیل ہی بچوں کو سب کچھ سکھاتا ہے بلکہ یہ خیال رکھنا ضروری ہو کہ بچے کوئی ایسا کھیل تو نہیں کھیلتے جس سے انہیں کوئی نقصان پہنچتا ہو مثلاً پتھر مارنا، دھکّے مکّے بازی وغیرہ اگر شروع ہی سے انہیں ایسے نقصان رساں کھیلوں سے روکا جائے گا تو بڑے ہونے پر ہم بے فکر رہیں گے اور وہ خود اپنی احتیاط کر سکیں گے۔

۷ سے ۱۱ سال تک کے بچّے جب کھیل رہے ہوں تو چُپکے سے ایک آدھ دفعہ جا کر تسلّی کر لینی چاہئے کہ وہ کیا کھیل رہے ہیں کیونکہ اس عہد میں بچوں کے دماغ سے عجیب عجیب شرارتیں نکلتی ہیں اور یہی عمر انھیں قابو میں رکھنے کی ہوتی ہے بعض دفعہ بچّے خاص کر لڑکے کسی کی دیکھا دیکھی جوا یا ایسے ہی خراب کھیل کھیلنا شروع کر دیتے ہیں پہلے تو وہ صرف تفریح سے ہی کھیلتے ہیں لیکن بڑے ہونے پر دوسری بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں اسی طرح بہت سے بچّے بڑے ہو کر خراب ہو گئے ہیں اس لئے بچپن میں ہی روکنا بہتر ہے۔ لڑکیوں کی ہنڈکلیا مشہور ہے یہ بُرا کھیل نہیں لیکن احتیاط اس میں بھی ضروری ہو۔ ہنڈکلیا سے لڑکی بہت کچھ کھانا پکانا سیکھ جاتی ہے اس لئے اسے پکانے سے منع نہیں کرنا چاہئے مگر ہنڈکلیا پکاتے وقت گھر کے کسی بڑے آدمی کو ضرور پاس رہنا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بچیاں بے احتیاطی سے کپڑوں میں آگ لگا لیتی ہیں۔ احتیاطی تدبیر بعد میں رنج و تکلیف اٹھانے سے بہتر ہیں۔

۲ مہینے سے ۶ سال کے بچّوں کی احتیاط بھی ضروری ہو کیونکہ اس بھولپن کی عمر میں بچہ اپنی نیکی بدی نہیں سوچ سکتا ننھے بچّے کے ہاتھ میں ایسی چیز کوئی نہیں دینی چاہئے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے مثلاً چاقو قینچی کروشیا کی سلائی، پنسل اور سوئی وغیرہ۔ بچوں کی عادت ہوتی ہو کہ جو کچھ بھی اُن کے ہاتھ میں آجائے اس کو منہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں بڑی چیز تو منہ میں جا نہیں سکتی مگر بٹن سوئی وغیرہ منہ میں ڈالنے سے حلق میں پھنس جاتی ہو جس سے بچّے کا سانس رُک جاتا ہو۔ اسی طرح قینچی سلائی سے بچّے آنکھ پھوڑ لیتے ہیں، چہرے پر زخم لگا لیتے ہیں۔ ایسی چیزیں ہمیشہ بچّوں کی نظروں سے دُور رکھنی چاہئیں تاکہ وہ اس کے لئے ضد بھی نہ کریں ایک دفعہ ایک بچہ کروشیا سے کھیل رہا تھا اس نے کروشیا ایک جگہ رکھ دیا اور پھر کھیلتا کھیلتا اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں کروشیا پڑا تھا اس کی نوک چونکہ اُوپر کی طرف تھی اس لئے سلائی کی نوک بچّے کے کولھے کے گوشت میں پھنس گئی۔ کروشیے کی نوک ٹیڑھی ہوتی ہو گھر والوں نے بہتیری کوشش کی لیکن نوک نہ نکل سکی، بچّے کو ہسپتال پہنچایا گیا تو نوک تو نکل آئی لیکن بچہ بہت دنوں تک پلنگ پر پڑا رہا اور جو تکلیف ہوئی وہ علیحدہ۔

بچّوں کے ہاتھ میں دیا سلائی کی ڈبیہ بھی دینا خطرے سے خالی نہیں، ہمارے گھر آنے جانے والی ایک عورت کی سال بھر کی بچّی تھی۔ صبح کا وقت تھا ماں نے بچّی کو کمرے میں بٹھا دیا اور اس کے ہاتھ میں دیا سلائی کی ڈبیہ دے دی اور خود باورچی خانہ میں کام کرنے چلی گئی۔ گھنٹہ بھر بعد اُسے بچّی کی چیخ سنائی دی، وہ بھاگ کر اندر گئی تو دیکھا بچّی زمین پر تڑپ رہی ہے پاس دیا سلائی کی ڈبیہ کھلی پڑی ہو اور اس کی آدھی سے زیادہ تیلیوں پر سے گندھک غائب ہو۔ ہوا یہ کہ بچّی ڈبیہ کھول کر اس کی تیلیاں چاٹتی رہی مگر گندھک زہر ہوتی ہے اُس نے اندر جا کر اپنا کام کر دیا۔ کچھ دیر بعد اُسے خون کی قے ہوئی اور ڈاکٹر کے آنے تک بچّی اس دُنیا سے رخصت ہو گئی ماں کی ذرا سی غفلت سے بچّی کی جان جاتی رہی۔

کھلونے بھی بعض دفعہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں لیکن اس طرف توجہ بہت کم کی جاتی ہے۔ بچھو سانپ اور اسی قسم کے خطرناک کیڑوں کی شکل کے کھلونے بچّوں کو نہیں دینے چاہئیں کیونکہ بچّے اصل چیز کو بھی اپنا کھلونا ہی سمجھتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۲ ۳ کالم ۲ پر)

خاموش بغاوت

"سمینہ مبارک ہو! میں نے سُنا تم اب بیگم صاحبہ بننے والی ہو!"

فرحت کمرے میں داخل ہوتے ہی چیخی۔ اور سمینہ نے مسکرا کر کہا "خیر اسی بہانے سہی۔ تم آئیں تو۔ ایک مدت سے تم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔"

"ملاقات کیسے ہوتی" فرحت چنچنائی۔ "جب تم اپنے بڈھے شاہزادے کے تصور میں کھوئی رہتی تھیں۔"

"شاہزادہ تو ہے بوڑھا ہی سہی تم کیوں جلتی ہو۔" سمینہ حسب عادت مسکرا رہی تھی۔

لیکن فرحت نے یکایک سنجیدہ صورت بنالی اور بولی۔

"مبارکباد تو اب میں دے چکی۔ اب مجھے ذرا تمہاری خبر لینی ہے"

"اچھا بیٹھ تو جاؤ" اور یہ کہہ کر سمینہ نے زبردستی فرحت کو صوفے پر بٹھا دیا۔ اور خود بھی اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیوں سمیں کیا تمہارا کچھ دماغ خراب ہو گیا ہے!؟" فرحت نے بیٹھتے ہی کہنا شروع کر دیا۔

"چند منٹ پہلے تو اس قسم کے کسی سانحہ کی اطلاع نہیں ملی تھی لیکن اب تم کہہ رہی ہو تو دریافت کرنا پڑے گا۔" سمینہ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ مذاق میں ٹالنا چاہا۔ لیکن فرحت خفا ہو گئی۔

"مہربانی فرما کر مذاق نہ کیجئے۔ میں اس وقت بالکل مذاق کرنے یا سُننے کی منتظر نہیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ کو بغیر میری رائے لئے ہوئے ایک بڈھے کھوسٹ کو میرا بہنوئی منتخب کر لینے کی کیسے ہمت ہوئی؟ آپ کو شرم نہیں آتی۔ ..."

"ہائیں۔ ہائیں۔ تم تو سچ مچ خفا ہو گئیں۔ مگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم اتنی ناراض ہو جاؤ گی تو میں تم سے ضرور رائے لیتی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اگر تم ناپسند کر دیتیں تو میں کیا کرتی!؟"

"[illegible] کے [illegible] کیا کرتیں؟" فرحت نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"واہ! کیا رائے آپ نے دی ہے!" سمینہ ہنس دی۔ "وہ تو کہو کہ خیریت ہوئی، جو میں نے تم سے پوچھا نہیں، ورنہ تم تو میرا اچھا خاصا گورا چٹا منہ کالا کر دینے پر تُلی ہوئی ہو!"

فرحت نے اپنے غصہ کا کچھ اثر نہ ہوتے، دیکھ کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں نکال لیں اور سمینہ کی طرف گھورتی ہوئی بولی۔

"آپ اپنے کو بہت عقلمند سمجھتی ہیں لیکن آپ کو اب تک معلوم نہیں کہ آپ سے زیادہ احمق دُنیا میں شاید ہی کوئی اور ہو!"

لیکن سمینہ نے سنجیدگی سے بات کرنے کی شاید قسم کھالی تھی۔ وہ اپنی مسکراہٹ بدستور قائم رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ جس بات کو تم حماقت سمجھتی ہو میرے خیال میں وہی عقلمندی ہو؟"

"اگر تمہیں مجھ سے سنجیدگی کے ساتھ باتیں کرنی ہوں تو میں بیٹھتی ہوں، ورنہ میری کار کھڑی ہے۔ میں جاتی ہوں۔" اور یہ کہہ کر فرحت کھڑی ہو گئی۔ سنجیدہ نے فرحت کا ہاتھ پکڑ کر اُس کو بٹھا دیا۔

"جانے بھی دو اس قصّے کو فرحت، دوسری باتیں کرو۔"

"میں اگر بیٹھوں گی تو یہی ذکر کروں گی، ورنہ میں جاتی ہوں اور آج سے کبھی تم سے بات بھی نہ کروں گی،" اور وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر پھر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

یکایک سمینہ بالکل خاموش ہو گئی، اس کی مسکراہٹ ختم ہو گئی۔ اس کا نیچے کا لب کانپنے لگا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ وہ بولنا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کے ہونٹوں کی کپکپاہٹ میں گم ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر فرحت گھبرا کر بیٹھ گئی۔ "خاموش کیوں ہو گئیں سمیں [illegible] ... تم تو رونے لگیں!"

اُس نے اپنے آپ کو گھبرا گھبرا کر سوال کرتے ہوئے پایا۔ وہ پچھتانے لگی کہ بیکار اُس نے خفا ہو کر سمینہ کا دل دُکھایا۔ "میری [illegible]

ہو جاؤ ۔ ۔ نہیں تو میں بھی رونا شروع کردوں گی" اُس نے سمینہ کو منانے کے لئے کہا۔ اس کا وہ تمام حادثی غصہ فرو ہو چکا تھا جو وہ اب تک سمینہ پر کر رہی تھی ۔ اب وہ اپنی سہیلی کو خوش کرنے کی طرح طرح کی ترکیبیں کرنے لگی۔ اس نے یہ قصہ پھر نہ چھیڑا اور جب سمینہ پھر سے مسکرانے لگی تو وہ دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی ۔

لیکن وہ بہت پریشان تھی سمینہ کے آنسوؤں نے اُسے اور زیادہ متفکر کر دیا تھا ۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اگر سمینہ شرف الدین صاحب کو نا پسند کرتی ہے تو اُس نے حامد کے مقابلے میں اُنھیں کیوں پسند کیا ۔ مانا کہ وہ دولتمند ہیں لیکن سمینہ ایسی لڑکی نہیں کہ دولت کے لالچ میں ایک پچاس سالہ بڈھے کو اپنا شوہر بنائے اور حامد کو نا پسند کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ۔ ان میں بظاہر تو کوئی خرابی بھی نہ تھی ۔ شرف الدین صاحب کی دو دو بیویاں مر چکی ہیں معلوم نہیں کس قسم کے شخص ہوں گے اس کو رہ رہ کر سمینہ پر غصہ آ رہا تھا ۔ یقیناً اس کا دماغ ٹھیک نہیں ہے ورنہ وہ اتنی فاش غلطی کبھی نہ کرتی ۔ وہ سمینہ کی والدہ سے خود کہے گی کہ یہ شادی ہرگز نہ ہونی چاہئے لیکن پہلے وہ سمینہ کو تو سمجھائے اب بھی کافی وقت ہے ۔ ۔ ۔

اُس دن رات کو جب وہ سونے گئی تو اُسے نیند ہی نہ آتی تھی ، اس نے سوچا کہ اگر سمینہ یوں نہ مانے گی تو وہ شرف الدین صاحب سے مل کر سمینہ کی خوب بُرائیاں کرے گی ۔ یہاں تک کہ وہ خود سمینہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیں ۔ یہ ترکیب تو بہت اچھی تھی اور ۔ ۔ اور وہ اپنی عقلمندی پر خود بخود نازاں ہونے لگی ۔ ایسے ہی احمق ہوں جو وہ پھر بھی شادی کرنے پر راضی ہوں ۔ اس آخری فیصلہ پر پہنچ کر اس کی طبیعت کو کچھ گونہ اطمینان ہوا اور وہ اُن عیوب کی فہرست بناتے بناتے سو گئی ، جو وہ شرف الدین صاحب کے سامنے پیش کرنے والی تھی ۔ ۔ ۔

دوسرے روز کالج جانے کو تو وہ چلی گئی لیکن کسی کلاس میں اس کا دل نہیں لگا ۔ کلاس کی کئی لڑکیوں نے اس سے پوچھا بھی کہ سمینہ کی شادی کی خبر کہاں تک سچ ہے لیکن وہ ہر ایک سے نہایت کامیابی سے جھوٹ تھوڑا ہی کہہ دیتی کہ اس کی پیاری سہیلی ایک دولتمند بڈھے کی بیوی بننے والی ہے ۔ خدا نہ کرے یہ خبر سچ ہو! اُس نے سمینہ کی یہ بات بہت محسوس کی کہ اس نے فرحت کو غیر سمجھ کر اپنے دل کی بات اُسے نہ بتائی ۔ لیکن اس نے کبھی پوچھا بھی تو نہ تھا ۔ اور سمینہ اتنی شرمیلی تھی کہ خود اس قسم کی بات ہی نہ کرتی تھی ۔ بار بار اس کے دل میں یہی خیال آ آ کر کھٹکتا تھا ۔ اور سمینہ کے فعل پر کوئی رائے نہ قائم کر سکتی تھی ۔

تمام دن اسی کشمکش و پیچ میں گزر گیا اور شام کو فرحت اپنی "سمیں" کے پاس تھی ۔ فرحت معلوم نہیں کیا کیا ارادے کر کے سمینہ کے پاس آئی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح بات شروع کرے سمینہ خلاف عادت کچھ مغموم تھی ، فرحت کو دیکھ کر وہ روندھی سی ہو گئی اور فرحت کا پریشان دماغ اور بھی چکرا گیا ۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ بھی سمینہ کے ساتھ مل کر خوب روئے ۔ آخر سمینہ اس پر اعتبار کیوں نہیں کرتی ۔ اس کو اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی ۔ کیا وہ اس قابل بھی نہ تھی کہ اس کی عزیز ترین سہیلی اس سے اپنے دل کی بات کہے ۔ وہ سمینہ کو کیسے یقین دلائے کہ وہ اپنی سہیلی کے کامل اعتبار کی مستحق ہے لیکن وہ یہ سب کہے کیسے ؟ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ الفاظ اس کی زبان تک آنے سے پہلے ہی راستہ بھول جاتے ہیں اور وہ پھر دوسرے مناسب الفاظ کی تلاش میں گم ہو جاتی تھی ۔ اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا جب اس نے اس بے تکی خاموشی کو سمینہ کی آواز سے ٹوٹتے ہوئے سُنا ۔ " اگر میں تم سے ایک بات کہوں تو تم میرے متعلق کوئی خراب رائے تو نہیں قائم کرو گی" سمینہ کہہ رہی تھی ۔

" نہیں سمیں ہرگز نہیں" ، فرحت دل ہی دل میں خوش ہوئی کہ بات کرنے کا موضوع تو ملا ۔ " تم جانتی ہو کہ میں کسی کے متعلق رائے قائم کرنے میں جلدی نہیں کرتی اور اگر کوئی رائے قائم کر لیتی ہوں تو مشکل ہی سے بدلتی ہوں ۔"

سمینہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی لیکن اس کی آنکھیں اور زیادہ مغموم ہو گئیں ۔ اس کے لب ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور سفید دانتوں کی ہلکی سی چمک کے ساتھ اُس نے دھیمی آواز میں کہا : " فرحت میں نے آج تک تم سے اس قسم کی باتیں نہیں کیں ۔ اس لئے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سے کیا کہوں اور کیسے کہوں ۔"

" پیاری سمیں تم مجھ پر کامل اعتبار رکھو ۔ [illegible]

بات محض اس لئے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اور لڑکیوں کی طرح دوسروں کے راز معلوم کرنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ تمہارے اس انوکھے انتخاب نے مجھے سخت حیرت اور پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ میں اتنی بے وقوف نہیں کہ یہ سمجھ لوں کہ تم شرف الدین صاحب سے شادی کرنے پر خوشی سے تیار ہو گئی ہو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری اس طرح بظاہر خوشی سے رضامند ہو جانے میں کوئی اہم راز ہے۔

"تمہاری محبت پر مجھے کامل اعتبار ہے فرحت لیکن میں ڈرتی ہوں کہ ۔ ۔" سمینہ جملہ ادھورا چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

"اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو یقین رکھو کہ میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں کروں گی جو کسی لحاظ سے بھی تمہاری خوشی کے خلاف ہو"۔ فرحت نے یقین دلایا۔

"میری خوشی اور ناخوشی کیا" سمینہ انتہائی رنجیدہ آواز سے بولی۔ "اپنی خوشی کا گلا تو میں خود اپنے ہی ہاتھوں سے گھونٹ چکی ہوں اور اب ایک ایسی زندگی گزارنے کے لئے تیار رہوں جس میں بے فکری اور مسرت کی خود ساختہ قبر پر بیٹھ خاموش آنسو بہاتی رہوں ۔ ۔ بہت ہنس چکی ۔ ۔ بہت خوش رہ چکی ۔ ۔ شاید میں نے ناعاقبت اندیش دولتمند کی طرح اپنی مسرتوں کی دولت بڑی بے دردی سے لٹا ڈالی۔ اب اگر مسرت کا افلاس آنے والا ہے تو اس کے استقبال کے لئے بھی بخوشی تیار ہوں!"

یہ پہلا اتفاق تھا کہ فرحت نے سمینہ کو اس قدر سنجیدگی سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ اس کو اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا ممکن ہے کہ وہ ایک ناخوشگوار خواب دیکھتی ہو۔ سمینہ اور شوخی شاید اب تک ہم معنی تھے لیکن آج ان میں وسیع خلیج حائل ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے باریک ہونٹ جو صرف مسکراتے رہنے کے لئے بنے تھے آج نہایت ہی عزم و استقلال سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ اور باتیں کرنے میں اس کے چہرے پر دلیری اور صبر کے ملے جلے جذبات نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی۔ آج تک وہ سمینہ کو صرف چنچل صورت لڑکی سمجھ رہی تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر [illegible] جو اس نے آج تک کبھی نہ دیکھی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی "تم بہت خفا ہو فرحت کہ میں نے شرف الدین صاحب کو پسند کیا لیکن تم نے یہ خیال نہیں کیا کہ وہ بڈھے سہی لیکن سید تو ہیں! کیا صرف سید اور خاصکر دولتمند سید ہونے سے وہ ہمہ صفت موصوف نہیں ہو گئے؟ تعجب ہے کہ تم ہندوستانی فضا میں رہتے ہوئے بھی اس بات کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں"۔ اس کی آنکھوں میں طنز کی تند و تیز چمک آئی اور اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے فرحت کی طرف دیکھا۔

"اگر خوبیوں کا معیار صرف عالی خاندان ہونا ہی ہے تو حامد میں کیا خرابی تھی؟" فرحت نے غیر شعوری طور پر اپنے کو سوال کرتا ہوا پایا۔

سمینہ کے چہرے کا رنگ ایک دم سے سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں معمول سے زیادہ کھل گئیں اور فرحت کی سراسیمہ نگاہوں نے ان میں مشتعل اور غصہ کی بجلیاں بھری ہوئی دیکھیں۔

"حامد نوجوان ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں، قبول صورت ہیں خود محبت کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی بیوی بھی ان سے محبت کرے۔ میں ان کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے راضی نہ ہوئی۔ شرف الدین صاحب محبت کی تلاش میں شادی نہیں کر رہے ہیں، ان کو صرف ایک بیوی کی ضرورت ہے۔ میں ان کی یہ خواہش پوری کر سکتی تھی، اس لئے تیار ہو گئی!"

سمینہ نے ایک ہی سانس میں شاید بہت کچھ کہہ ڈالا تھا اس لئے فرحت کو اس کا مطلب سمجھنے میں کافی دیر لگی۔ آخر چند لمحوں کی بے چین خاموشی توڑتے ہوئے سمینہ خود ہی بولی "میں عالی خاندان ہوں سید ہوں۔ اس لئے مجھ کو سید ہی کو تلاش کر کے شادی کرنی ہے! آیا ہوا موقعہ ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیئے"۔

"یہ شادی نہیں خودکشی ہے"؟ فرحت کی نگاہیں اب [illegible] کی تاریکی میں نہیں بھٹک رہی تھیں وہ انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں کیونکہ وہ اپنی پیاری سہیلی کے دلی جذبات سے واقف ہو چکی تھی اور اس کو سمجھانے کی حتی الامکان کوشش کر رہی تھی۔

لیکن سمینہ بضد تھی "ایسی خودکشی جان بوجھ کر کسی کی زندگی برباد کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ میں حامد سے محبت نہیں کر سکتی۔ حامد کیا میں

حقیقتاً میں کبھی اور سے محبت نہیں کر سکتی اور میرے ساتھ صرف وہی خوش رہ سکتا ہو جسے محبت کی نہیں صرف گوشت و پوست کے ایک بے تقصیر زندہ مجسمے کی تلاش ہو!"

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو سمینہ" فرحت بولی "اگر ایسا ہی ہے تو تم شادی ہی نہ کرو۔" "شادی نہ کروں اور سید خاندان کے نام پر دھبہ لگاؤں؟ والدین کی فکر اور پریشانیوں میں اضافہ کروں؟ اور اپنے وجود کو مکمل و مسلسل آزار بنا لوں؟ کیوں یہی رائے ہے نا تمہاری؟"

"جب والدین کو تمہاری خوشی اور پسند کا احساس نہیں ہے اور وہ اسلام کے اصول کے خلاف غیر اقوام کی تقلید میں ذات پات کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں تو تم کیوں خواہ مخواہ اس بیہودہ رواج کے لئے اپنی زندگی قربان کرو۔" "مجھے اپنی خوشی اور اپنی زندگی سے زیادہ اپنے والدین کی عزت اور خوشی کا خیال ہے" سمینہ نے نہایت ہی سکون سے جواب دیا۔

"لیکن اس طرح خاموشی سے جان دینے سے کچھ حاصل نہیں قربانی کے بکرے بھی ذبح ہونے سے پہلے ہاتھ پیر مارتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں شور مچاتے ہیں۔" "لیکن اس سے زیادہ ہی کیا ذبح تو ہو ہی جاتے ہیں۔"

"وہ بکرے ہوتے ہیں، اور تم انسان ہو" فرحت نے چڑ کر کہا۔ "یہ تمہاری انتہائی بزدلی ہے اور ایک مسلمان لڑکی کچھ بھی ہو بزدل نہیں ہوتی" وہ اب دوسرا حربہ استعمال کر رہی تھی۔

ہماری سوسائٹی نے ہمیں بزدلی ہی سکھائی ہے اور اس کو عزت خاندان، رسم و رواج اور دوسرے مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے۔ ہمارے مذہب کی پاک روح کو جب غیر اقوام کی کورانہ تقلید نے مسخ کر ڈالا ہے تو بزدلی کا سوال ہی غلط ہے، اور جب مذہب کی اس مسخ شدہ صورت پر لوگ ہنس ہنس کر اور خوش ہو ہو کر باجے بجا بجا کر اور گا گا کر جان دیتے اور جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ تو اس کا انجام ظلم بے حیائی، اور بزدلی نہ ہو تو کیا ہو؟"

"ان نا انصاف اور بے رحم اصولوں کے سامنے سر جھکا دینا صرف بزدلی ہی نہیں گناہ ہے۔ اگر تم اپنی اور اپنی محبت کی قربانی دے کر بھی کوئی اصلاح نہیں کر سکیں تو تمہاری قربانیاں بیکار ہیں۔ جانتی بھی دینی ہو تو پہلوانوں کی طرح جان دو۔ کان دبا کر اور سر جھکا کر نہیں۔ ہم مسلمان پہلے ہیں اور کچھ اور بعد میں۔ تمہارا یہ فعل صرف نادانی ہی نہیں۔ خود غرضی بھی ہے اور اسلام کی تعلیم کے سخت خلاف یہ اصول بہت غلط اور سخت نقصان دہ ہے اس کو فوراً مٹنا چاہئے ضرور مٹنا چاہئے۔ ہمیں اپنے لئے نہیں دوسروں کی خاطر تم اس غلط اصول کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرو۔ تم تعلیم یافتہ ہو، سمجھدار ہو، نیک و بد میں تمیز کر سکتی ہو۔ تمہیں اس طرح بھیڑ چال نہیں چلنی چاہئے"

"چاہئے تو بہت کچھ" سمینہ نے لاپروائی سے کہا "لیکن دنیا میں ہوتا کیا ہے؟ ہاں کہنے کو تو میں خود بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ طریقہ غلط ہے وہ اصول ناروا ہے۔ یہ رسم قابل ترک ہے وہ رواج واجب لعنت ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ جب موقعہ پڑتا ہے تو ہم اور تم کرتے کیا ہیں؟ پلیٹ فارم پر سے تقریر کر دینا اور معاشرتی و اصلاحی کتابیں لکھ لینا اور بات ہے اور موقعہ پر کام کرنا اور۔ ذات پات کی تفریق کے خلاف مضامین لکھ لینا اور بات ہے اور اخوت اسلام کی روح پر سچے دل سے یقین رکھنا اور اس پر عمل کرنا مختلف۔ میں جانتی ہوں کہ کیا بات غلط ہے اور کیا صحیح۔ لیکن اور بہت سے لوگوں کی طرح صحیح بات کو جانتے ہوئے بھی میں اس پر عمل کرنے سے مجبور ہوں مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ والدین کی نافرمانی کروں۔ اور اگر نافرمانی کرنے کی ہمت ہو بھی تو ان کی دل آزاری نہیں کر سکتی۔ مجھے دنیا اور اس کے قاعدوں سے نفرت ہے میں نے اپنے دل کے لطیف احساسات کو زہر پلا کر ہمیشہ کے لئے سلا دیا ہے اور اب میری زندگی حسین جذبات سے مبرا۔ ایک تلخ اور بے مزہ زندگی ہے فرحت تم مجھے سمجھانے یا بہلانے کی مطلق کوشش نہ کرو۔ میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں اور جو کچھ کر رہی ہوں سمجھ بوجھ کر کر رہی ہوں۔ اگر مجھ کو یہ غلط فہمی بھی ہوتی کہ میرے والدین میرے دلی جذبات سے بےخبر ہیں تو مجھے صبر آ جاتا لیکن سب کچھ جانتے ہوئے بھی انھیں مجبوراً انجان بننا پڑتا ہے۔ اور وجہ کیا ہے وہی پرانا اور لغو جھگڑا کہ فلاں کے فلاں نے پٹھان سے شادی کر لی تھی۔ فلاں کا فلاں نو مسلم تھا۔ بھلا اس کا اور سید کا کیا جوڑا؟ میں ان جوڑ بے جوڑ عالی خاندان پست خاندان کے جھگڑوں سے عاجز آ گئی ہوں۔ اگر میرا یہ فعل خود کشی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میرا خدا میری خودکشی کو بھی معاف کر [illegible]

اسلام اور دوسرے مذاہب

اس سے پیشتر میں یہ ثابت کر چکی ہوں کہ دیگر مذاہب دُنیا کی ترقی کے لئے کوئی پروگرام پیش نہیں کر سکتے۔ اب رہ گیا اسلام؟ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور صرف اسلام ہی نے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق ایسے احکام صادر کئے ہیں جن کے معقول اور دُرست ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اسلام نے دُنیا کے سامنے جو تعلیم پیش کی ہے وہ سب کو عالمگیر اخوت کا سبق سکھاتی ہے۔ اور جو ہر زمانہ کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی ہے اور صرف اسی پر عمل کرنے سے دنیا میں مساوات قائم ہو سکتی ہے۔

سب سے بڑی اور اہم بات دُنیا سے غلامی کو نابود کرنا تھا۔

ہندوازم اور غلامی تو گویا لازم و ملزوم ہیں۔ یہودیت بھی غلامی کی جڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔ رہ گئی عیسائیت تو وہ بھی یہودیت کی شاخ ہے۔ کلیسا کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے رواج کو ختم کرنے کی جب کبھی کوشش کی گئی تو اس کے سب سے بڑے مخالف پادری لوگ ہی تھے۔ رہا یہ کہ اب جو عیسائیوں میں غلامی کا رواج نہیں رہا ہے تو اس میں مسیحیت کے مذہبی پیشواؤں کی جدوجہد کا بالکل دخل نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ فلسفۂ اخلاق کی ترقی سے ظہور پذیر ہوا ہے لیکن اسلام کی تعلیم نے سرے سے غلامی کے وجود ہی کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے قبل غلاموں کی حالت یہ تھی کہ اُن کو انسان ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ حیوانوں کا سا سلوک ان سے روا رکھا جاتا تھا۔ ذرا ذرا سی لغزش پر مالک انھیں مار مار کر موت کے دروازے تک پہنچا دیتے تھے اور جب چاہتے انھیں منڈیوں میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیتے تھے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلعت نبوت سے آراستہ ہو کر حکم دیا کہ "غلاموں کو آزاد کر دو" اور فرمایا کہ "کوئی شخص اپنے غلاموں پر ظلم نہ کرے۔ اُن سے ایسا کام نہ لیا جائے۔ جسے کرنا وہ خود پسند نہ کرتے ہوں۔ وہی ان کو کھلاؤ جو خود کھاؤ۔ وہی ان کو پہناؤ جو

صحابۂ کرام نے ان احکام پر پورا پورا عمل کیا۔ وہ اپنے غلاموں کے لئے گویا شفیق باپ بن گئے۔ اور بہت سے صحابہ نے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص اپنے غلام کو پیٹ رہا ہے۔ حضورؐ کو بے حد دُکھ ہوا اور آپ آبدیدہ ہو گئے یہ دیکھ کر اس شخص نے کہا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اسے آزاد کرتا ہوں"۔ اس وقت کسی غلام کو مارنے کا تاوان گویا یہ تھا کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔

البتہ ایک چیز ایسی ہے جسے لوگ غلامی کہتے ہیں۔ اور وہ ہیں جنگی قیدی۔ مگر سوال یہ ہے کہ دُنیا کا کونسا ملک اور کونسی قوم ایسی ہے کہ کسی دوسرے ملک سے لڑتے وقت وہ گرفتار شدہ اشخاص کو قیدی نہ بنائے یا بنائے تو لڑائی کے بعد فوراً چھوڑ دے۔ انگلستان نے ایسا کیا یا روس نے۔ جرمنی نے ایسا کیا یا جاپان نے۔ بلکہ ان ملکوں نے تو قیدیوں کے ساتھ ایسے سلوک کئے جن کو سنکر بھی انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ چنانچہ جاپان نے اس جنگ میں قیدیوں کو بیماری والے رقبہ میں رکھا تاکہ جلد سے جلد ان کا خاتمہ ہو جائے۔ اور پھر کونسا ملک ایسا ہے جو جنگی قیدیوں سے کام نہیں لیتا۔

اسلام میں اگرچہ جنگی قیدی غلام بنائے جاتے تھے لیکن ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خاص احکام نازل کئے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ "کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یونہی لوگوں کو غلام بناتا پھرے۔ مگر ہاں اگر کوئی شدید جنگ ہو تو پھر یہ جائز ہے"۔ قرآن مجید کی اس تعلیم کے پیش نظر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو قوم غلام زیادہ بناتی ہے آخر میں وہ خود غلام بن کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بنو عباس کے عہد میں غلاموں کی بڑی کثرت تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو خلیفہ لونڈی زادے ہوتے تھے اُن کے خیالات بھی غلاموں جیسے ہی ہوتے تھے۔

اسلام نے جنگ کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ "ہمارے لئے کوئی جنگ جائز نہیں سوائے دفاعی جنگوں کے"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ

اسلام جنگ کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ صرف مدافعت کا حکم دیتا ہے مگر اسلام بالکل ہی جنگ نہ کرنے کا حکم دیتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیاوی اقتدار حاصل کرنے کے لئے مخالف طاقتیں مسلمانوں پر تسلط حاصل کر لیتیں اور نااہل لوگ اقتدار حاصل کر کے مخلوق خدا کا امن اور چین تباہ کر دیتے اور پھر لوگوں کو بے دین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ چنانچہ پنجاب پر سکھوں کے زمانۂ حکومت کو کون مسلمان فراموش کر سکتا ہے جبکہ بعض علاقوں میں اذان دینے کی اجازت بھی نہ تھی۔

قیدیوں کی رہائی کے متعلق اسلام نے حکم دیا ہے کہ "یا تو ان کو احسان کر کے چھوڑ دو۔ یا فدیہ لے کر آزاد کر دو"۔ پرانے زمانہ میں چونکہ باقاعدہ فوجیں نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ لڑائی یا مدافعت کے وقت ساری قوم مل کر لڑا کرتی تھی۔ اس لئے وہ قیدی ان سب میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے اور ان کے لئے حکم تھا کہ تم ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دو یا احسان کر کے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جنگوں میں فاتح ملک دوسرے ملک سے تاوانِ جنگ وصول کرتا ہے اور اس کے بعد ان کے قیدیوں کو چھوڑتا ہے۔

فدیہ لینے کے متعلق اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ "اگر کوئی شخص بہت غریب ہے اور تاوان دینے کی طاقت نہیں رکھتا تو تم اس سے ایک معاہدہ کر لو کہ وہ اس رقم کو دو تین یا چار سالوں میں قسط وار ادا کر دیگا اور جب وہ ادا کر دے تو اس کو آزاد کر دو"۔ غلاموں کے متعلق ایک اور حکم اسلام نے ایسا دیا ہے جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی یعنی کہ "تمہارے لونڈی غلاموں میں جو شادی کے قابل ہوں ان کی شادی کر دی جائے"۔

غلامی کی ایک قسم اور بھی ہے یعنی وہ غلامی جو غربت اور ماتحتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے اس غلامی کو دور کرنے کا علاج بھی بتایا ہے۔ اگر دنیا اسلام کے ان اصولوں پر کاربند ہو جائے تو ہر طرف امن ہی امن کا دور دورہ ہو۔

آج کل جدھر دیکھو "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والا مقولہ کارفرما نظر آتا ہے۔ جو ذرا طاقتور ہوتا ہے اپنے ہمسایہ کے امن و چین کو غارت کر دیتا ہے جس کا کسی پر زور چلتا ہے وہی اس کو دبا لیتا ہے

انگریزوں نے اپنے بڑھتے ہوئے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ ہندوستان آئے تو یہاں قبضہ جما لیا۔ افریقہ گئے تو وہاں کے لوگوں کو بے گھر بے در کر دیا۔ اور مالک بن بیٹھے۔ امریکہ کی طرف گئے، تو اس کو اپنی ملک تصور کرنے لگے۔ اٹلی نے حبشہ کو کمزور دیکھا تو اُسے اپنا شکار بنا لیا۔ اور بہانے یہ بنائے کہ "ہم ان ممالک کو نئی روشنی سے روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ ان کو تہذیب یافتہ اور حکومتوں کا بار سنبھالنے کا اہل بنانا چاہتے ہیں"۔ حالانکہ یہ محض سیاسی چالیں ہوتی ہیں ان کی تہ میں دوسروں پر حکمرانی کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے بلی جب چوہے کو پکڑ لیتی ہے تو پہلے اس سے کھیلتی ہے اور پھر ہڑپ کر جاتی ہے یہی حال ان کا ہے۔ لوگوں کو حکومت سکھانے کی غرض سے یہ ان کے املاک پر قبضہ کر لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کو دائمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔ انگریزوں کے اس قول میں کہ وہ "ہندوستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کرنا چاہتے ہیں"۔ اگر خلوص اور سچائی کا شائبہ بھی ہوتا تو آج ہندوستان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اس کی سیاسی فضائیں اتنی مکدر نہ ہوتیں یہ کب کا آزاد ہو چکا ہوتا۔

مختصر یہ کہ ہر طاقتور، کمزور کو دبا لیتا ہے لیکن اسلام نے اس چیز کو سخت ناپسند کیا ہے۔ اسلام یہ حکم نہیں دیتا کہ تم دوستی اور خیر گیری کے بہانے دوسروں کے اموال و املاک پر قبضہ کر لو خداوند تعالیٰ نے اس دنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تمام مخلوق کے لئے ہے۔ صرف چند لوگوں کے لئے نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے سب کا مال قرار دیکر دوسرے لوگوں کو ان کی شخصی ملکیت کے حق سے محروم کر دیا ہے اگر یہ بات ہوتی تو تمام دنیا کے غریب مل کر امیروں پر ٹوٹ پڑتے کہ یہ روپیہ صرف تمہارا نہیں بلکہ ہمارا بھی ہے۔ ہر اسلامی حکم اپنے اندر تہ بہ تہ باریکیاں رکھتا ہے اور ہر حکم بیشمار فوائد کا حامل ہے۔ چنانچہ اسلام نے اپنی پیدا کردہ چیزوں کو تمام مخلوق کا حق قرار دیتے ہوئے شخصی ملکیت کا حق بھی برقرار رکھا ہے گویا اس کی حیثیت ایک بنک کے منیجر کی سی ہے۔ ان تمام تکالیف کو دور کرنے کے لئے بھی جو غربت اور ماتحتی و غلامی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسلامی احکام موجود ہیں۔ ان میں ایک "ورثہ" بھی ہے۔ جائداد کی غلط تقسیم سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے مذاہب میں تقسیم جائداد کے عجیب غریب احکام ہیں کسی میں جائداد کا وارث صرف بڑے بیٹے کو قرار دیا گیا ہے

کسی میں صرف بیٹوں کو یعنی لڑکیوں کو حقِ وراثت سے بالکل محروم رکھا جاتا ہے۔ اس صورت میں کوئی تو جائداد پر قابض ہو جاتا ہے اور باقی دھکّے کھاتے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے جائداد پیدا کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہوتی

اسلام نے مرنے والے کے تمام قریبی رشتہ داروں میں تقسیم جائداد کا حکم دیا ہے۔ اگر اسلامی احکام کے مطابق جائداد کی تقسیم بیٹے بیٹیوں بیوی ماں بہن وغیرہ میں کی جائے تو ہر شخص کے حصہ میں کچھ نہ کچھ ضرور آتا اور پھر وہ عملی جد و جہد سے اس کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے دولت کو جمع کرنے سے قومی ترقی نہیں ہوتی بلکہ دولت کے پھیلانے سے قوم کو فائدہ پہنچتا ہے اسی لئے اسلام نے روپیہ اور سونا چاندی جمع کرنے کی مخالفت کی ہے واقعہ یہ ہے کہ روپیہ جمع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اگر اُسے کسی کام میں لگایا جائے تو وہ چکر کھانے لگے گا اور ہزاروں غربا اس کے ذریعے بے روزگاری سے نجات حاصل کریں گے۔

اسلام نے حکم دیا ہے کہ "سادگی سے زندگی بسر کرو، اپنی ضرورت سے بڑھ کر ہرگز خرچ نہ کرو" یعنی جتنی چادر ہو اتنے پاؤں پھیلائے جائیں اگر لوگ اس حکم پر عمل کریں تو سب کی زندگی آسائش سے بسر ہونے لگے۔ غربا کی بہبودی کے لئے اسلام نے زکوٰۃ اور صدقات کا حکم بھی دیا ہے جس شخص کے پاس روپیہ یا سونا چاندی جمع ہو اُسے ہر سال اڑھائی فی صدی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ زکوٰۃ و صدقات کا یہ سارا روپیہ غریبوں کے لئے ہوگا۔ کسی شخص کے پاس اگر بیس ہزار روپیہ جمع ہے اور وہ ہر سال اس پر مثلاً ۵۰۰ روپیہ ادا کرتا ہے تو یقیناً اُسے خیال آئے گا اگر یہ روپیہ یونہی جمع رہا تو آخر ایک دن اسی طرح زکوٰۃ میں ختم ہو جائے گا۔ کیوں نہ میں اسے کسی کام میں لگا دوں تاکہ یہ بڑھے چنانچہ وہ اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیتا ہے اور روپیہ چکر کھانے لگتا ہے جس سے ایک تو زکوٰۃ کا روپیہ برابر نکلتا رہتا ہے اور روپیہ کے چکر کھانے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو بے روزگاری سے نجات مل جاتی ہے ابتدائے اسلام میں لوگ اس پر سختی سے کاربند تھے مگر اب بہت سے مسلمانوں نے اسلامی احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب بھی اگر لوگ اس اصول پر عمل کریں تو مسلمانوں کی غربت میں بڑی حد تک کمی ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ خدا تعالیٰ نے چندوں میں روپیہ دینے کا بھی حکم دیا ہے۔ [illegible] مسلمانوں [illegible] ٹیکسوں کے علاوہ کچھ اور بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ غریب بھائیوں کی مدد کرنے سے ایک طرف تو امراء کے دل میں غرباء کی محبت بڑھے گی اور وہ اپنی مرضی سے ہزاروں لاکھوں روپیہ بہبودیٔ غرباء کے لئے دے دینگے اور دوسری طرف غرباء امراء کے احسانمند اور مددگار رہیں گے۔ بالشویک نظام کہتا ہے کہ ہم دنیا میں مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام بھی مساوات کی تعلیم دیتا ہے مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلام چھوٹے چھوٹے پودوں کی آبیاری کر کے انہیں بڑوں کے برابر کر دیتا ہے اور بالشویک نظام بڑے درختوں کو کاٹ کر پودوں کے برابر کر دیتا ہے۔ اسلام قربانیاں چاہتا ہے۔ زکوٰۃ کا روپیہ تمام غرباء کے لئے کافی نہیں ہو سکتا مگر رضا و رغبت کے چندے اور دوسری قربانیاں مل کر اس بار کو بہت کچھ ہلکا کر سکتے ہیں۔

غیر اسلامی احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اسلامی احکام کے پیرو سختی اور رعب سے کام لیتے ہیں۔ اسلام نرمی اور رحم کا حکم دیتا ہے اسلام ساری دنیا کو امن اور سکون کا پیغام دیتا ہے اور دنیا کا کوئی مذہب کوئی ایسا حکم نہیں دیتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو امن کے اس پیغام کو قبول کر کے اور اسلامی احکام پر عمل کر کے اپنے معبود کی خوشنودی حاصل کرتے اور اس کی نعمتوں کے وارث بن جاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو اسلامی احکام کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین

جمیلہ پروین عرفانی

(بقیہ صفحہ ۲۹۶) مصیبت تو یہ ہے کہ مجھ کو وہ لنگڑی آزادی دی گئی جس سے قید و بند ہزار درجہ اچھی تھی میرا ایک پیر تو رسم و رواج کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے اور دوسرے سے کہا جاتا ہے کہ وہ آزادی اور روشن خیالی کی فضاؤں میں چل قدمی کرے! میری آنکھ تو زبردستی پھوڑ دی جاتی ہے اور دوسری سے کہا جاتا ہے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کرے۔ وہ لڑکیاں مجھ سے ہزار درجہ خوش قسمت ہیں جو تاریکی ہی کو نور سمجھ کر خوش ہوتی رہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ میں بھی ان خوش نصیب ہی تو ہوتی۔ مجھے اپنی بدنصیبی کا احساس تو نہ ہوتا پھر الٹی گنگا بہنے کی لذت نہیں محسوس کر سکتا۔ لیکن کتنا ستم ہے کہ کسی کو گویائی دے کر بھی اس کی زبان کاٹ دی جائے۔۔ میرا فیصلہ میری خاموش بغاوت ہے اور اگر خاموشی میں اثر ہوتا ہے تو میری یہ پرمعنی خاموشی اثر دکھا کر رہے گی۔!" اب نزہت کے بولنے کی باری تھی لیکن وہ باوجود کوشش کے کچھ کہہ نہ سکی۔ اس کے ہونٹ [illegible]

عزیزوں کے حقوق

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جن باتوں کی مذہب میں شدید تاکید ہے۔ اتنی ہی بے پروائی برتی جاتی ہے۔ مثلاً اک عزیزوں ہی کے حقوق کو لیجئے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ عزیزوں کے حقوق کی طرف متوجہ کیا گیا اور ان کی مدد کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاں جہاں خیرات اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے وہاں عزیزوں کے حق کو غیروں پر مقدم بتایا گیا ہے اور عزیزوں کی مدد کو اصلی نیکی کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ رکوع ۲۲ میں اللہ نے نیکی کرنے والا ان کو کہا ہے جو

"اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا"

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں رشتہ داروں اور مسافروں کو ان کا حق پہنچاتے رہنے کا حکم ہوا ہے۔ اور سورۂ النساء میں قرابت داروں یتیموں، ہمسائیوں، غلاموں اور دوستوں کے ساتھ سلوک کرنے کا ارشاد ہوا ہے۔

غرض جگہ جگہ قرآن پاک میں ایسی آیتیں ملیں گی۔ جو عزیزوں کے حقوق کو مذہبی اہمیت دیتی ہیں۔ خدا کا حکم تو یہ ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پر عمل کہاں تک ہوتا ہے۔

عزیزوں کے حقوق سے جتنی بے پروائی اس زمانہ میں برتی جاتی ہے شاید کبھی اور کسی زمانہ میں اتنی نہیں برتی گئی ہوگی۔ اور اس سے زیادہ بے پروا وہی لوگ ہیں جو کافی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور پھر وہ نئے فیشن والے جن کی آنکھیں مغربی تہذیب کی روشنی نے خیرہ کر رکھی ہیں کہ انہیں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ مغربی معاشرت کے طفیل جب ان کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ماں باپ کو شادی کے بعد گھر سے نکلنے کا نوٹس دے دیں تو اور عزیزوں کے حق کا کیا پوچھنا۔ گویا یہ طبقہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ اس پر بھی کسی کے حقوق ہیں یا نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہیں (یعنی نئے فیشن کی عورتوں کو) اپنی بے بسی جتانے اور اپنے حقوق مانگنے سے اتنی فرصت کہاں کہ کسی اور کے حقوق کی ادائگی کا فکر کریں۔

قرآن پاک نے جن باتوں کا ہم کو حکم دیا ہے ان کے ماننے سے سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے اور اس کی ہر بات حکمت سے پُر ہے۔ مثلاً یہ دیکھا گیا ہے کہ "مفلسی" مصیبت اور بدخصلتی کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور جب کسی قوم میں جنگ یا سیلاب یا اسی قسم کی اور کوئی ناگہانی آفت آتی ہے یا چیزیں گراں ہو جاتی ہیں۔ تو وہاں کے جرائم پیشہ لوگوں میں نمایاں ترقی نظر آتی ہے۔ ایسے لوگ تو بہت کم ہیں جو ازل سے فطرت ہی بُری لے کر پیدا ہوئے ہوں۔ زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو مصیبت سے مجبور ہو کر گناہ کے تاریک غار میں گرتے ہیں۔ اسی طرح یتیم بچوں کی پرورش سے یہ فائدہ متصور ہے کہ قوم کے باغ کی کھلتی ہوئی کلیاں غفلت کے سبب مرجھا کر نہ رہ جائیں یا یتیم بچے بری صحبت میں پڑ کر قوم و خاندان کے لئے باعثِ ننگ ہوں۔ کیونکہ مختلف افراد کا اجتماع خاندان کہلاتا ہے۔ اور خاندانوں کا اجتماع قوم ہوتا ہے۔ ایسے خاندان بہت ہی کم ہوں گے جس کے دو تین شخص بھی متمول و خوشحال نہ ہوں۔ اگر یہ لوگ اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی پرورش اپنا فرض سمجھ لیں تو قوم کی حالت بہت جلد سنبھل جائے لیکن وہاں تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ غریب عزیز باعث ننگ سمجھے جاتے ہیں اور ان کی رشتہ داری ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ کون ایسا خاندان ہے جس کے سب لوگ متمول و خوشحال ہوں خصوصاً آج کل جو حالت ہے اس میں تو متمول مسلمانوں کا قحط ہے پہلے امرا میں یہ دستور تھا کہ ان کے یہاں اندر باہر غریب عزیزوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ اک شخص کماتا تھا اور دس کھاتے تھے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتی ہوں کہ یہ لوگ اپنے عزیزوں سے برابر ہی کا برتاؤ رکھتے تھے لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ آجکل کے لوگوں سے زیادہ عزت کرتے تھے اور خاندان کی بزرگ بیبیوں اور ضعیف العمر رشتہ داروں کو خالہ چچا کہہ کر پکارنے میں ان کو عار نہ تھا۔ اور نہ ان کے عزیز کہلانے سے وہ کتراتے تھے۔

لیکن خدا بھلا کرے [illegible] قوم کا [illegible]

طریقہ کو بُرا کہہ کر اور یورپ کی مثالیں دے کر اڑا دیا۔ اور اب شاذ و نادر ہی کوئی گھر ایسا نظر آئے گا۔ جہاں میاں بیوی اور بچوں کے سوا کوئی اور عزیز رہتا ہو۔ کیونکہ اب بوڑھے والدین کی ہمراہی بھی عذاب جان ہو گئی ہے۔ اور ان سے الگ رہنے کو ہی مغرب زدہ لوگ پسند کرتے ہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ چند روز کے بعد بچے بھی وبال جان معلوم ہونے لگیں۔ اور ان سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی تدبیر سوچ لی جائے۔ اور پھر میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا بھی غیر ضروری سمجھا جائے۔ جیسا کہ ایک محترم بزرگ نے ساس بہوؤں کے الگ رہنے کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ میاں بیوی دونوں جدا جدا مکانوں یا ہوٹلوں میں رہیں اور برس چھ مہینہ میں مل لیا کریں۔ اگر رفتار یہی رہی تو چند سال بعد یہ بھی ہونے لگے گا۔

رہبرانِ قوم نے مشترک خاندان میں زندگی بسر کرنے کی سب سے زیادہ بُرائی یہ بتائی تھی کہ اس سے کاہلی اور سستی بڑھتی ہے۔ اپنے اوپر بھروسہ رکھنے کی قوت کم ہوتی ہے اور جفاکشی کی عادت گھٹ جاتی ہے بے شک یہ اعتراض درست تھا اور ایسا ہوتا بھی تھا کہ بیٹے کڑیل جوان اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے بجائے دوسروں کے سر روٹیاں کھاتے رہتے تھے۔ اور اس کی وجہ سے ان کی خودداری اور self reliance اور self confidence کا خاتمہ ہوا جا رہا تھا۔

یہ رسم تو بلاشبہ مصلحانِ قوم کی کوشش سے اُٹھ گئی لیکن اس کے ساتھ ہی جائز امداد کا دروازہ بھی بند ہو گیا مجھ کو افسوس ہے کہ ہمارے مصلحانِ قوم ڈی سٹرکٹیو (destructive) ہیں لیکن کنسٹرکٹیو constructive نہیں ہیں ان سے کہو تو وہ صدیوں کے دستور اور رواج کو مٹا دیں۔ لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ کوئی مفید دستور رائج کر دیں تو یہ ان سے نہیں ہوتے کاش ان سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ بزرگوں کی قائم کردہ عمارتوں کو نہ توڑتے۔

دنیا میں آدمی سے آدمی کا کام چلتا ہے۔ اور یہ سلسلہ روزِ ازل سے قائم ہے اور ابد تک رہے گا۔ ممکن ہے کہ ذرا سا سہارا دینے سے کسی کا کام بن جائے۔ ایسا کرنا ہرگز بیکاروں اور کاہلوں کی مدد کرنا نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً کوئی لڑکا ہونہار ہے۔ پڑھ لکھ سکتا ہے لیکن اس کے والدین اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ داخلہ کی فیس اور کتابوں کے اخراجات کے متحمل ہو سکیں۔ اور صرف اس لئے ان کو مجبوراً تعلیم کا سلسلہ ترک کر کے ملازمت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ممکن تھا کہ کوئی نیک دل اس کی دستگیری کرتا تو یہ نوجوان بجائے اس کے کہ کلرکی یا اسی قسم کی کوئی چھوٹی سی نوکری میں عمر گزارے اس قابل ہوتا کہ اپنے وقت میں دو تین اور نادار لڑکوں کی تعلیم کا بوجھ اُٹھا کر ان کو کسی قابل کر دیتا۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا۔ نہ معلوم کتنے ایسے لڑکے ہوں گے جن کے دلوں میں مذہب کی محبت اور قوم کی اُلفت کا دریا موجزن ہو گا۔ اور جو ذرا سے سہارے پر بہت کچھ کر سکتے تھے۔ لیکن یہ جوہر اُن کے سینہ ہی میں مدفون رہتے ہیں۔ اور مفلسی اور ناداری کے سبب وہ کچھ کر نہیں سکتے ایسے بلند حوصلہ اور عالی ہمت شخص تو دنیا میں بہت کم ہیں جو باوجود ہر قسم کی رکاوٹ کے کچھ کر دکھاتے ہیں۔ اور مفلسی، بیماری اور مصیبت و ناکامی کوئی چیز بھی اُن کے جوش کو سرد اور ہمت کو پست نہیں کر سکتی۔ زیادہ تعداد تو انہی لوگوں کی ہے جن کو ذرا سے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دُنیا کے مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں پڑھیے تو بہت کم لوگ ایسے ہوں گے۔ جو بغیر کسی کے سہارے کے راہِ ترقی پر گامزن ہوئے ہوں۔ بعض اوقات چھوٹے کاموں کا بڑا انجام ہوتا ہے۔ مثلاً ایک نورجہاں بیگم ہی کے واقعاتِ زندگی کو لیجئے۔ اس کی شہرت و کامیابی کا راز گو اس کا حُسن اور ذہانت سمجھا جاتا ہے لیکن اگر سوداگروں کا قافلہ اس کے والد کی اعانت نہ کرتا اور وہ ریگستان میں پڑی رہ جاتی تو کیا آج وہ آسمانِ شہرت پر قمرِ چہاردہم بن کر چمک سکتی تھی؟

افسوس ہے کہ عزیزوں کے حقوق سے بے پروا اشخاص عموماً ایسے بھی نہیں ہوتے جن کو بخیل کہا جا سکے۔ بلکہ وہ یونیورسٹیوں کے فنڈوں، میموریلوں اور مشنری میموں کی بنائی ہوئی چیزوں کو کئی کئی روپیہ دیتے ہیں۔ اسکولوں اور ہسپتالوں کی امداد میں اور

فیشنی بازاروں میں بے دریغ روپیہ لٹانے کے عادی ہوتے ہیں یہ تو ہوا فیشن ایبل فرقے کا حال۔ اب پرانے فیشن کے لوگوں کا حال سنیئے وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کئے جاسکتے۔ کسی ولی کے مزار پر چادر یا دیگ چڑھانے میں جتنا روپیہ ان لوگوں کا خرچ ہوجاتا ہے اس سے کم میں خاندان کی کسی غریب بیوہ کے بیمار بچے کا علاج ہوسکتا تھا۔ ہمارے مذہب میں خیرات کا حکم ہے لیکن اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ ایسی خیرات جس سے اپنی نمود منظور ہو۔ اس کے بدلے عاقبت میں جزا کی امید فضول ہے۔ معزز بہنو! جس وقت تم اپنے بچوں کو قیمتی کپڑے اور عمدہ کھانے کھلا کر خوش ہوتی ہو۔ اس وقت اُن یتیم بچوں کا بھی خیال رکھو جو تمہارے ہی خاندان اور تمہارے ہی محلے میں فاقہ کی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ جس وقت اپنے بچوں کی ترقی کے لئے گھر پر ماسٹروں کو سینکڑوں روپیہ دیتی ہو۔ اُن نونہالانِ قوم کا بھی خیال کرو جن کو ناداری نے اس قابل بھی نہیں رکھا کہ اسکول کی باقاعدہ تعلیم کے اخراجات کے بھی متحمل ہوسکیں اور اُن کی بیتاب آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ ع

مہربانی کرو تم اہلِ زمیں پر
خدا مہربان ہوگا عرشِ بریں پر

تم ان پر رحم کرو خدا تم پر رحم کرے گا۔ تمہارے بچے عیش میں پلیں گے مان کے اوپر جو خرچ ہوگا۔ اس سے تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تمہاری قوم کے بچے تعلیم یافتہ ہونے سے پھلیں گے۔ اور ہندوستان کا افلاس دور ہوگا اگر ہر امیر شخص اپنے عزیزوں اور محلہ والوں کے بچوں کی تعلیم و دیگر اخراجات کی ذمہ داری اٹھالے تو پھر نہ یتیم خانوں کی ضرورت ہو اور نہ خیراتی سکولوں کی۔ انگریزوں میں عزیزوں کے بچوں کی کفالت کا دستور نہیں ہے لیکن وہاں رومن کیتھولک فرقہ کے لوگوں نے اپنی زندگیوں کو اس کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ہزاروں یتیموں کے واسطے گھر بچاسوں دکھیاری بیواؤں رانڈوں کے گھر موجود ہیں اس کے علاوہ گورنمنٹ کی طرف سے متعدد یتیم خانے موجود ہیں لیکن ہمارے مذہب نے صرف چند لوگوں کو اپنی زندگیاں وقف کرنے کے لئے نہیں کہا ہے کہ ہر مسلمان پر اس کو فرض قرار دیا ہے اس لئے ہم کو چاہئے کہ عزیزوں

بلکہ غیروں سے بھی سلوک کرنے میں ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ ایسا کرکے ہم اپنا فرض ادا اور خداوند کریم کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں ان لوگوں پر ہمارا کچھ احسان نہیں۔ بلکہ انہیں ان کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ وہ ان سے خدمت لے کر انہیں ثواب دارین اور روحانی مسرت حاصل کرنے کا موقعہ دیتے ہیں۔

شائستہ اختر سہروردی

(بقیہ صفحہ ۳۰۸) ایک دم بول اٹھے گی "اتنا کچھ؟" تو میں کہوں گا۔ "یہ بھی کوئی تمہارے لئے چیزیں ہیں۔ اس سے تو میری آرزو پوری نہیں ہوسکتی۔" اور تب وہ اور خوش ہوگی۔ اور اس کے بعد میں منورما کو خوش اور مسکراتے ہوئے دیکھوں گا۔"

خیالات کا یہ سلسلہ تانگہ رکنے پر ختم ہوگیا۔ وہ تانگے سے اُترا۔ اور گھر کی طرف دیکھا۔ دروازے اور کھڑکیاں سب بند تھے اس نے دل میں کہا "یہ آج دروازے کیوں بند ہیں۔ منورما نے تو کبھی سردیوں میں بھی دروازے اور کھڑکیاں بند نہیں کی تھیں۔ وہ تیزی سے اندر گیا۔ اور یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ کچھ عورتیں گھر میں بیٹھی رو رہی ہیں اُس نے دل میں کہا "یہ کیا" اور اس کے ہاتھ سے چیزیں زمین پر گر پڑیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا۔ جب اس نے یہ آواز سُنی۔ "بیٹا! - - روپ لال - - "

روپ لال کانپ رہا تھا۔ ساس کے پاس بیٹھتے ہوئے اُس نے پوچھا "ماتاجی! کیا ہوا، جلدی بتاؤ"

"بیٹا! بچاری منورما - - تم کو یاد کرتے کرتے - - مرگئی" چیخوں سے کمرہ گونج اٹھا۔

روپ لال کہہ رہا تھا "منورما - - کیا واقعی منورما - - - مرگئی ہے۔ ماتاجی؟"

روپ لال اس وقت پتھر کی مورت بنا کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھیں آپ ہی آپ بند ہوگئیں۔ اور وہ زمین پر گر پڑا۔

بے بی شکنتلا

منشّیات اور جراثیم

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے۔ ہمارا ملک ہندوستان کیوں نت نئی آفتوں میں گرفتار رہتا ہے ہم سب کیوں ترقی کے راستوں کو بھول گئے ہیں؟ کیوں بیماری اور غریبی کی بلائیں ہم پر نازل ہو گئی ہیں اور ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں؟ آخر کیا بات ہے کہ ہم لوگوں میں راجا ٹوڈرمل اور شیر شاہ سوری جیسے مرد اور نور جہاں اور اہلیا بائی جیسی عورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ ہم میں ہمت طاقت اور بہادری نہیں رہی ہے۔ ہم کو اپنی مصیبتوں اور تباہیوں کا احساس بھی اچھی طرح نہیں رہا ہے۔ ہم یہ بات بالکل بھول گئے ہیں۔ کہ پہلے ہم کیا تھے اور اب کیا سے کیا ہوتے جا رہے ہیں۔ غور کیجئے ہمارے آپ کے بزرگ کیسے کیسے بھاری کام انجام دیتے تھے۔ کتنی بڑی بڑی کتابیں زبانی یاد کر لیتے تھے ان کا علم ایسا نہیں ہوتا تھا کہ گھر سے تیاریاں کر کے لائیں کتابیں دیکھ دیکھ کر شاگردوں کو سبق دیں۔ ان کے دلوں میں علم کے خزانے بھرے ہوتے تھے جس وقت جو کچھ پڑھانے کو کھڑے ہوئے ایک دریا سا اُبلنا شروع ہو گیا جس کا دل چاہے آئے اور اپنی ہمت کے مطابق بھر بھر کے لے جائے اکیلی عورتیں گھروں میں وہ وہ کام کرتی تھیں کہ آج ہم لوگ چار چار مل کر نہ کر سکیں۔ پیسنا۔ پکانا۔ بچوں کا پالنا۔ ساس سسر اور خاوند کی خدمت گائے بھینس کی دیکھ بھال اور پھر جب دیکھئے ہنسی خوشی تازہ دم۔ مہمانوں کی پردیسیوں کی آؤ بھگت کو تیار۔ جو آکر دیکھے وہ اُن کی باتوں سے خوش ہو کر جائے۔ اب کیا ہے! لڑکے ہیں تو سوکھے دبلے کمزور حالانکہ اسکولوں، کالجوں میں ورزش بھی کرائی جاتی ہے۔ ہائی جین بھی سکھائی جاتی ہے۔ لڑکیاں ہیں تو وہ دھان پان۔ ذرا سے کام میں گھبرا جاتی ہیں۔ شادی بیاہ ہوا۔ دو ایک بچے ہوئے کہ بس اور ان کا حال ابتر ہو گیا۔ یا تو کوئی دکھ بیماری پیچھے لگ گئی یا اگر بیماری نہ ہوئی تو رنگ زرد ہو گیا۔ ذرا ذرا سے کاموں میں سانس پھولنے لگا۔ دل دھڑکنے لگا۔ ادھر ماں باپ اُدھر سسرال والے ہر دم اسی فکر میں پریشان رہنے لگے کہ اسے کیا ہو گیا۔ کبھی کسی ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں کبھی کسی حکیم وید کا علاج کرتے ہیں۔ اور چار دن کو ذرا حالت ٹھیک ہو جاتی ہے اور پھر وہی رہی دکھائی دینے لگتی ہیں۔ بھلا آپ سچ کہئے گا کبھی اب سے پچیس برس پہلے بھی آپ نے بہو بیٹیوں کو ایسے طرح طرح کے دورے ہوتے دیکھے تھے کہ بیہوش ہو جائیں۔ ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگیں کبھی روئیں اور کبھی ہنسیں کسی کو ہسٹریا ہے کسی کو بائو گولہ۔

آئیے میں بتاؤں یہ کیا بات ہے؟ بات اصل یہ ہے کہ پہلے ہندوستان میں اتنا نشے کا رواج نہیں تھا جتنا اب ہے۔ آپ یہ سن کر گھبرائیے نہیں اور حیرت سے کہئے کہ توبہ توبہ بھلا ہم سے اور نشے سے کیا مطلب۔ اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم لوگ یہ سمجھ کر استعمال میں نہیں لاتے کہ یہ نشہ ہے مگر اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا پتہ لگا لیا ہے کہ بہت سی خراب چیزیں جو عام طور پر ہر وقت کھائی پی جاتی ہیں۔ ان میں کئی کئی طرح کے زہر موجود ہیں۔

پرانے زمانہ میں صرف گانجہ۔ چرس۔ افیون۔ اور شراب کو نشہ سمجھتے تھے۔ اور اب کچھ مدت سے ایک اور نشہ مل گیا ہے جس کو کوکین کہتے ہیں مگر اب یہ معلوم ہوا ہے کہ تمباکو۔ پان چھالیہ۔ چائے قہوہ کوکو۔ چٹنیاں مصالحے۔ اسپتالوں کی دوائیں جو انگریزی دواخانوں سے بند شیشیاں یا ڈبے وغیرہ آتے ہیں۔ اور پیٹنٹ دوائیں کہلاتی ہیں یہ سب صحت کے دشمن ہیں۔ ان تمام نشوں کے علاوہ دو تین چیزیں اور بھی ہیں جو ہماری صحت و طاقت کو نقصان پہنچا کر ہمیں کمزور کرتی ہیں۔ اول تو وہ جراثیم جو نظر نہیں آتے لیکن ان سے طرح طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں دوسرے مچھر اور مکھیاں۔

اب میں ان سب کے بارے میں مختصر طور پر کچھ کہنا چاہتی ہوں شاید آپ لوگ یہ اعتراض کریں کہ یہاں شراب گانجے وغیرہ کا ذکر بے موقع ہے کیونکہ ایسی چیزیں عورتیں کبھی استعمال نہیں کرتیں یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن عورتیں مردوں کی مائیں بہنیں ہیں ان کا بہت کچھ اثر مردوں کے اوپر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اپنی قوم اور اپنے ملک کی بہتری کے لئے کوشش کرنا مرد و عورت سب کا ہے

فرض ہے۔ آج کل امیروں، رئیسوں میں ماں باپ کی غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے، اور غریبوں میں اس غلط خیال کی وجہ سے کہ نشے میں آدمی زیادہ محنت کر سکتا ہے۔ بہت لوگ شراب پینے لگے ہیں۔ قلی، مزدور، رکشا اور ٹھیلہ چلانے والے اکثر اس کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب لوگ اس کی خرابیوں سے پورے طور پر واقف ہوں۔ اور جب کہ جب اور جہاں موقعہ ہو اس کی روک تھام کریں۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر ایک آدمی نے کسی شخص کو بُرے راستہ پر چلنے سے بچا لیا تو اس کو وہی ثواب حاصل ہوگا جو کسی کی جان بچانے کا ہوتا ہے۔ اور شراب کا اثر تو ایک آدمی پر نہیں بلکہ اس کے پورے خاندان پر پڑتا ہے۔

شراب کی بُرائیاں یوں تو سب جانتے ہیں اور شرابی سے ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ نشہ میں پاگلوں کی سی حرکتیں کرتا ہے۔ اپنے گھر والوں کو تکلیفیں دیتا ہے اور اپنے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں رہتا۔ مگر یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ شراب کا اثر نسل در نسل یا پیڑھی در پیڑھی چلتا ہے۔ شرابی کی اولاد کمزور ہوتی ہے اور اکثر ان بچوں کو مرگی اور پاگل پن جیسے تباہ کر دینے والے مرض ہوتے ہیں اور پھر اُن کی اولاد میں ان کا اثر ہوتا ہے۔ غرض یونہی خاندان کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔

۲۔ شراب سے پھیپھڑے، دل، دماغ، جگر، معدہ، آنتیں آنکھیں، کان سب خراب ہو جاتے ہیں۔ اور انسان میں وہ طاقت باقی نہیں رہتی۔ جو اُسے طرح طرح کے امراض سے بچاتی ہے جسم ہر بیماری کے جراثیم کے قابو میں آجاتا ہے۔ اور وبائی بیماریاں یا دق وغیرہ ہو کر انسان وقت سے بہت پہلے مر جاتا ہے۔ ان موتوں کا جو شراب سے ہوتی ہیں یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ لڑائیوں میں جو لوگ مارے جاتے ہیں۔ وہ دو حصہ کے برابر ہوتے ہیں۔ اور تین حصہ وہ موتیں ہوتی ہیں۔ جو وبا سے یعنی ہیضہ، چیچک، ملیریا، طاعون وغیرہ سے ہوتی ہیں۔ اور پانچ حصہ آدمی شراب سے مرتے ہیں یوں سمجھنا چاہئے کہ جتنے آدمی مرتے ہیں اُن میں سے آدھے شراب سے اور باقی بیماریوں اور لڑائیوں سے مرتے ہیں۔ گویا اگر شراب دنیا میں نہ رہے تو جتنی موتیں اب ہوتی ہیں صرف ان کی آدھی ہونگی۔

پہلے زمانہ میں ایک یہ غلط خیال پھیلا ہوا تھا کہ اگر تھوڑی سی شراب استعمال کی جائے تو اس سے طاقت بڑھتی ہے اسی لئے ڈاکٹر کمزور مریضوں کو تھوڑی سی برانڈی دیتے تھے اور اب تک بہت جگہ یہ ہو رہا ہے کہ مریض کی حالت نازک دیکھی اور اسے کچھ بوندیں برانڈی کی پلادیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ شراب سے کسی حالت میں بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف یہ کرتی ہے کہ جسم کی سب قوتوں کو ذرا دیر کو بھڑکا دیتی ہے۔ (کسی قوت کو پیدا نہیں کرتی) اسے یوں سمجھئے کہ اگر چراغ میں تیل کم ہے تو اس کی بتی اس وقت تک ٹمٹماتی رہے گی۔ جب تک اس میں ایک آدھ بوند تیل موجود رہے گا۔ اب آپ اس چراغ کو بجھنے سے کیسے بچا سکتی ہیں؟ تیل ڈال کر۔ اور اگر تیل آپ کے پاس نہیں ہے تو آپ کو جلدی تیل منگانا چاہئے۔ اور چراغ کو ذرا ٹیڑھا کر کے اس کی بتی تک تیل پہنچانا چاہئے۔ اس طرح جب تک بتی میں تیل ہے اس کی آس ہے اور اگر آپ نے بتی کو اُکسانا شروع کیا تو کیا نتیجہ ہوگا۔ وہ ذرا سی دیر میں سب جل کر ختم ہو جائے گی۔ بس یہ شراب اسی طرح بتی کو اُکسا دیتی ہے اور گھڑی بھر کو آدمی بات چیت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پھر ایک دم سے ختم ہو جاتا ہے۔ حکیم لوگ اس جگہ دودھ اور شہد برابر ملا کر چائے کا آدھا چمچہ دو تین بار دیتے ہیں اور اس سے گرتی ہوئی حالت سنبھلنے لگتی ہے۔ آج کل یہ بھی جانچ کی گئی ہے کہ جن اسپتالوں میں شراب کا استعمال کیا جاتا ہے۔ وہاں زیادہ موتیں ہوتی ہیں اور جہاں شراب نہیں استعمال کی جاتی وہاں کم۔

یورپ والوں کو جب سے شراب کی بُرائیاں معلوم ہوئی ہیں وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس کی خرید و فروخت بند کر دی جائے۔ امریکہ والوں نے اس پر پوری فتح پالی ہے اور اپنے ملک سے اس لعنت کو دور کر دیا ہے۔ وہاں اب کوئی شراب بیچ سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے۔ اس ملک کا رقبہ چھتیس لاکھ مربع میل ہے اور اس میں ایک کروڑ سے زیادہ آدمی ہیں۔ کیسا خوش قسمت ملک ہے جس میں اتنے آدمیوں میں ایک بھی شرابی نہیں ایک [illegible] آدمی

سنے وہاں کی حالت بیان کرکے لکھا ہے کہ اب وہاں کے قرضدار لوگ اپنے قرضے جلدی جلدی چکا دیتے ہیں۔ مرد اپنے پیسے شراب سے بچا کر گھر لے جاتے ہیں۔ اور بنک میں جمع کرتے ہیں۔ اور ملکوں میں بھی بڑی سخت کوشش کی جا رہی ہے۔ ہندوستان میں بھی آبکاری کا محکمہ اسی لئے قائم ہے کہ ہر قسم کے نشوں کی روک تھام کرے مگر ابھی تک اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا ہے۔ سرکار کی طرف سے سخت سزائیں دی جا رہی ہیں۔ اور ہم سب مل کر بے انتہا کوشش کریں تب جا کر اس میں کامیابی کی امید ہوگی۔

شراب انسان کے لئے جسمانی اور روحانی طور پر اس قدر مضر ہے کہ اس کی برائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے ہر مذہب میں اس کو برا بتایا گیا ہے۔ اور مسلمانوں میں تو وہ حرام ہی ہے اور اس کے حرام ہونے کی وجہ سے بہت کم لوگ اس کے پھندے میں پھنستے ہیں۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کا قول ہے کہ مسلمانوں میں شراب سے پیدا ہونے والی بیماریاں بہت کم ہوتی ہیں۔ خاص کر کوڑھ کا پھوڑا۔ وہ پہلے ہندوستانیوں میں بہت کم ہوتا تھا۔ مگر اب شراب کی وجہ سے بہت پھیلتا جاتا ہے کلکتہ کے رہنے والے سو شرابیوں میں سے چھتیر جگر کے پھوڑے میں رہتے ہیں۔ عورتوں میں یہ مرض ہزاروں میں سے کسی ایک کو ہوتا ہے چونکہ وہ شراب کم پیتی ہیں اور ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں میں کم ہوتا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے کہ "شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی پیدا ہوتی ہے بلکہ روح سے معمور ہوتے جاؤ۔"

ہندو شاستر میں ہے کہ "شراب نہ پیو اور نہ پلاؤ اور نہ کسی سے پینے کو لو۔"

گوتم بدھ نے کہا ہے کہ "پاک زندگی کے لئے پرہیزگاری بہت ضرورت ہے۔"

ایک ہوٹل کے شراب خانے میں کچھ منچلے نوجوان بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ اور ہنسی مذاق کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا بدصورت آدمی وہاں آکر کھڑا ہو گیا اور خستگی سے ان کو دیکھنے لگا۔ ان لوگوں نے ہنسی اڑانے کے لئے کہا کہ آؤ بڑے میاں تم بھی پیو۔ [illegible]

اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں۔ آج آپ اسی دریا کے کنارے کھڑے ہیں جہاں ایک دن میں کھڑا تھا۔ میں بھی خوبصورت عقلمند اور عزت دار تھا۔ میری ایک خوبصورت بیوی تھی۔ اور بہت پیارے پیارے بچے۔ میرا ایک مکان تھا جس میں محبت کی روشنی تھی۔ اور جنت کا سا آرام مگر میں نے وہ سب کچھ اسی کم بخت شراب کے دریا میں ڈبو دیا۔ اب نہ میں کسی کا خاوند ہوں نہ کسی کا باپ اور نہ کسی مکان کا مالک۔ میرے سارے ارمان اور حوصلے ختم ہو گئے۔ اے لڑکو تم کسی ایک راستے کو اختیار کرلو۔ چاہو تو اپنی ماؤں، بیویوں اور بچوں کی دعائیں لو اور ان کی محبت سے اس دنیا میں بھی آرام پاؤ اور جنت میں بھی ان کے ساتھ رہو۔ اور چاہو تو میری طرح رنج و مصیبت میں رہو۔

گانجہ، چرس، کوکین، افیون۔ یہ تمام چیزیں بھی زہر اور نشہ لانے والی ہیں۔

گانجے کا استعمال زیادہ تر ملاحوں میں ہوتا ہے اور یہ ہندوستان بھر میں صرف ایک جگہ بنگال میں دس مربع میل زمین میں بویا جاتا ہے۔ اس لئے وہ بہت زیادہ تباہی نہیں پھیلا سکا ہے۔ سنیاسی لوگ اسے بہت پیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی آنکھیں سرخ رہتی ہیں۔

چرس اور بھنگ سے ہزاروں آدمی پاگل ہو جاتے ہیں۔ اور پاگل خانوں میں جو لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اسی قسم کی نشہ آور چیزوں کی وجہ سے وہاں پہنچائے جاتے ہیں۔

کوکین کا اثر شراب سے بھی کچھ بڑھ کر ہوتا ہے یورپ اور امریکہ والے اس کو انجکشن کے ذریعہ استعمال کرتے ہیں اور ہندوستانی پان کی گلوری کے ساتھ کھاتے ہیں یہ جنوبی امریکہ میں پیدا ہوتی ہے اور بطور دوا کے ہندوستان میں آنی شروع ہوئی۔ جن لوگوں کو اس کی چاٹ پڑ جاتی ہے وہ شراب سے کہیں بڑھ کر اس کے متوالے ہوتے ہیں۔ اور بہت جلد تباہ ہو جاتے ہیں۔ نیند بھوک غائب ہو جاتی ہے۔ ہاضمہ خراب ہو کر پیٹ میں درد دل کی دھڑکن اور فالج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کے نشے سے وہم بھی بہت بڑھ جاتا ہے اور زبان سن ہوتے ہوتے یہ حالت ہوتی ہے کہ سوائے تیز مرچ اور کھٹاس کے کسی چیز کا مزہ نہیں آتا۔ ہم کو محکمہ آبکاری کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ

ارمان

دن کے ۱۱ بجے کا وقت ہے دروازہ پہ باہر کی طرف منہ کئے ایک ۱۶ سال کی نوجوان لڑکی پھٹے ہوئے کوٹ کی مرمت کر رہی ہے میلے کپڑوں میں اس کا گورا رنگ چمک رہا ہے۔ اس کی بھولی بھالی جوانی دیکھ کر دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ کیا قدرت کے مصور نے یہ خوبصورت تصویر اسی جوکٹے میں جوڑنے کے لئے بنائی تھی؟ خدا کی قدرت اتنی خوبصورت اور جوانی میں پھر پیوند لگی، ورا فلاس کی یہ حالت کہ سردی کے سخت حملوں سے بچنے کے لئے اس کے پاس کپڑے بھی نہیں۔

نازک انگلیوں میں پکڑی ہوئی سوئی سے وہ پھٹے ہوئے کوٹ کی مرمت کر رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنے شگاف کوٹ میں ہیں اتنے ہی زخم اس کے دل پر اس افلاس نے ڈال دیئے ہیں وہ ٹانکے لگاتی جاتی ہے اور کچھ گنگنا بھی رہی ہے کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ٹانکے دکھائی نہ دے سکے۔ آخری پیوند وہ آدھا لگا چکی تھی۔ آدھا باقی تھا۔ اس کے ہاتھ سے سوئی زمین پر گر پڑی اور اس کا سر جھک گیا۔ اسی وقت اندر سے کسی آدمی کے کھانسنے کی آواز آئی وہ پھر بیٹھ گئی۔ آنکھیں پاک کیں اور سوئی اٹھا کر پھر اپنے کام میں لگ گئی آخری پیوند لگا لینے کے بعد اس نے کوٹ کو کندھے پر ڈالا اور اٹھ کر اندر چلی صحن میں ٹوٹی چارپائی پر ایک نوجوان لیٹا ہوا کتاب پڑھ رہا تھا جس کا نحیف و زار جسم اس کے راز کو ظاہر کر رہا تھا۔ وہ رک رک کر اس طرح کھانس رہا تھا جیسے اس کی پسلیاں دکھتی ہیں۔ اپنا اندرونی غم چھپا کر لڑکی نے حیا دہ بھری مسکراہٹ کے ساتھ نوجوان کے ہاتھ سے کتاب چھین لی اور پوچھا "یہ کیا پڑھ رہے ہیں آپ صبح سے؟"

شوہر نے اداس چہرے پر بناوٹی خوشی ظاہر کر کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا "منورما کیا کوٹ ٹھیک ہو گیا؟ یہ ایک انگریزی کا ناول ہے"

"ناول نہ ہوا میرا ہو گیا جب دیکھو ہاتھ میں ناول ہے۔ جیسے ناول ہی سے شادی کر لی ہے۔ آخر اس ناول میں ہے کیا جس کو آپ ایسے شوق سے لگاتار پڑھ رہے ہیں؟" منورما نے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک کہانی ہے منورما" شوہر نے پیار بھرے لہجہ میں جواب دیا۔

"لیکن کس کی کہانی ہے؟" منورما نے کتاب کو زمین پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"ایک ہیرو اور ایک ہیروئن کی" روپ لال نے ہنس کر کہا۔

"چھوڑو بھی" منورما بناوٹی غصہ چہرہ پر ظاہر کرتے ہوئے بولی "وہ ہیرو ہو گی۔ کوئی دھوکہ باز اور ہیروئن کوئی آپ جیسا"

روپ لال نے اس کے دونوں بازو پکڑ لئے اور کہا "یوں کہو کہ ہیرو میرے جیسا دیوانہ اور ہیروئن تم جیسی جوبنا۔ ہیرو عورت نہیں مرد ہوتا ہے۔ اور ہیروئن عورت"

"پہلے ایک میری بات سنو" شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر منورما بولی "میں آپ کو نہیں جانے دوں گی اس بیماری کی حالت میں۔ میں اکیلی کیا کروں گی۔" یہ کہتے کہتے منورما کے دل کے بخارات آنکھوں کے راستے بہہ نکلے۔

"مگر منورما۔ تم نے رات جانے کی اجازت دیدی تھی" منورما میں ہمت پیدا کرتے ہوئے روپ لال نے کہا۔

"اجازت دی تھی۔ لیکن اب دل نہیں مانتا میں اکیلی یہاں کیا کروں گی۔ مجھے ساتھ لے چلو۔ یا پھر میرا گلا گھونٹ دو۔ میں اکیلی زندہ نہیں رہ سکتی۔ جا کر تو تم میرے مرنے کی خبر بھی سنو گے۔ اپنے ہاتھ سے کیوں نہیں۔۔۔!"

"بس منورما بس" روپ لال نے کہا۔ "میرے سینہ میں تم خنجر نہ بھونکو۔ آہ! تمہارے لگن کیوں مجھ بدنصیب کے ساتھ بندھائے گئے! میں نے تمہیں آج تک کیا سکھ دیا۔ نہیں منورما اب ارادہ پکا ہو گیا ہے۔ تم مجھے نہ روکو۔ بمبئی جا کر ایک دفعہ قسمت آزمائی کر لینے دو۔ پاؤں جانے کی دیر ہے۔ فلم کمپنی کے جواب سے کافی امید ہے۔ ڈائرکٹر نے لکھا ہے کہ ایک نئے شوٹنگ میں تمہیں موقع دیا جائے گا۔ اگر میں تھوڑا سا بھی کامیاب ہو گیا تو سو پچاس تو میرے سامنے کچھ بھی نہیں تم ہی بتاؤ۔ کیا میرا گلا۔ میرا ایکٹنگ تمہیں

امید نہیں مجھے کامیاب بنائے گا۔"

"آپ یہیں کوئی کام دیکھ لیں۔ ایک تو بیمار پھر ریفنب کی سردی"۔ منورما نے بچوں جیسی ضد میں کہا۔

"یہاں کے کام کے بارے میں منورما تو ہی بتا۔ میں نے کچھ کم کوشش کی ہے؟ ملی بھی تو بارہ روپیہ کی چوکیداری۔ منورما! تو ہی سوچ ساری عمر پڑھائی میں ضائع کر کے چوکیداری کی نوکری کرنا کتنی بے عزتی کی بات ہے۔"

"اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ہم بارہ روپے ہی میں گزارہ کرلیں گے میں بھوکی رہ لوں گی۔"

"نہیں میری رانی یہ زندگی اچھی نہیں۔"

"تو مجھے بھی ساتھ لے چلو۔"

"پھر وہی بچوں والی ضد۔ لے جانے کو میں نے کب انکار کیا ہو اپنے لئے کرایہ اور تمہارے لئے مہینے کا راشن انہیں کے لئے تو میں یہ سب کچھ بیچنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر روپ لال نے لکڑی کے اُس بکس کی طرف دیکھا جس میں اس کی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ منورما کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔

روپ لال نے بمبئی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور چوکیداری کا فیصلہ کر کے وہی پیوندوں والا کوٹ پہن کر گھر سے باہر نکلا۔ چند قدم چل کر وہ پھر واپس آیا۔ دل نے کہا "رات کو کھانے کے واسطے؟" آٹے والا برتن کل سے اس کے نصیبوں کی طرح اُلٹا پڑا تھا۔ اُس نے پھر اپنی کتابوں کے بکس پر نظر ڈالی۔ اور آخر کتابیں باندھ کر بازار کی طرف چل پڑا۔

منورما نے پیچھے سے آواز دی "ذرا جلدی آنا"

روپ لال نے اُس کی آواز سنی یا نہیں۔ وہ اپنی بدقسمتی کے خیال میں محو بھوکا پیاسا کھانستا ہوا چلا گیا۔ منورما بیٹھی بیٹھی سوچنے لگی۔

"اتنا پڑھنے پر بھی بارہ روپے کی نوکری۔ میں بمبئی جانے سے کیوں روکتی ہوں۔ ممکن تھا قسمت کے دروازے وہیں جا کر کھل جاتے کیا ہرج تھا۔ اگر میں چند روز اکیلی رہ لیتی۔ کیا لوگ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر نہیں جایا کرتے؟ کیا میں اپنے شوہر کے ساتھ دشمنی نہیں کر رہی ہوں کہ ترقی اور کامیابی سے اُسے روک رہی ہوں۔ آج ہی رات کی گاڑی سے بھیج دوں گی لیکن کھانسی! ... کبھی کبھی بخار ... اگر کتابوں کا کچھ روپیہ مل جاتا تو ... گرم کپڑا ابھی کوئی نہیں ہے ... "

منورما انھیں خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی کہ دروازے پر کسی کے قدموں کی آواز آئی۔

روپ لال ہمیشہ کی طرح آج بھی مایوس گھر واپس لوٹ رہا تھا۔ چوکیداری کی جگہ بھی ہاتھ سے جاتی رہی تھی۔ آج اُس کی مایوسی حد سے زیادہ تھی اور اُس کی آنکھوں سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔ اس وقت اُس کی جیب میں پچاس روپے تھے۔ مالک مکان کا منشی یہاں تک کہہ گیا ہے کہ اگر کل سارا کرایہ نہ دو گے تو گھر کا تمام سامان باہر پھینک دیا جائیگا لیکن ان پچاس روپیوں میں کیا کیا ہوگا۔ یہی سوچتا سوچتا وہ گھر کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ شوہر کو دیکھ کر منورما خوش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر خوشی کا کوئی اثر نہ پا کر اُس کی بے چینی کو سمجھ گئی۔ اُس نے محبت کے لہجہ میں پوچھا "چُپ کیوں ہو؟ کیا کتابیں بیچ آئے؟"

"بیچ آیا ہوں" روپ لال نے سرد آہ بھر کر کہا۔ اور ساتھ ہی پچاس روپے نکال کر منورما کو دیئے۔ "کل پچاس روپے" منورما نے روپیوں کو گنتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی بڑی مشکل سے۔"

"ہائے چار سو کی کتابیں، اور پچاس روپے میں، آپ ان روپیوں میں کیسے بمبئی جا سکیں گے؟"

"وہ تو میں پیدل ہی جاؤں گا۔" روپ لال نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی لیٹا بھی نہ تھا کہ باہر سے اُس کا نام لے کر کسی نے آواز دی۔ یہ آواز کوئی نئی آواز نہ تھی کرایہ وصول کرنے والا منشی تھا۔ وہ کانپ اٹھا۔ اس وقت اگر منشی جی کی جگہ موت اُس کو آواز دیتی، تب بھی وہ اتنا نہ گھبراتا۔ بلکہ خوش ہوتا۔ وہ باہر آیا منشی لال لال آنکھیں دکھاتا ہوا کہنے لگا۔ "دو گے کرایہ یا نہیں" روپ لال کچھ سوچ رہا تھا بمبئی والی نوکری۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ اس نے رُک رُک کر کہا "منشی جی صرف ایک ہفتہ آپ مجھے اور دیں، میرا خیال ہے ... "

بات پوری نہ ہوئی تھی کہ منشی جی نے زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا "کیا کہا۔ ایک ہفتہ؟ ایک ہفتہ چھوڑ ایک گھنٹہ

بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ بیوقوف! جا ہے اپنی بیوی کو بیچ۔ کرایہ تجھے آج ہی ادا کرنا پڑے گا۔"

بیوی کا لفظ سُن کر روپ لال کا [illegible] غیض و غضب سے تھرتھرانے لگا۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور ایک لمحہ تو خودکشی کی خواہش اس کے قلب میں پیدا ہو گئی۔ لیکن پھر خیال آیا "میرے بعد کون منورما کی مدد کرے گا؟" روپ لال ابھی خاموش ہی تھا کہ منشی کے ہونٹوں پر زور سے گھونسا آکر لگا۔ منشی نے کاغذ کی پڑیہ اٹھا کر کھولی۔ تو دس روپے کا نوٹ نکلا۔ اور چار روپے بٹوے سے گر کر منشی کے پاؤں میں گر سے اور ساتھ ہی بجلی کی طرح گرجتی ہوئی منورما اُس کے سامنے آئی اور کہا "لو کرایہ اور چھوڑ دو پیچھا۔ نہیں تو دیکھنا تمہارا خون پی لوں گی۔" یہ کہہ کر اُس نے منشی جی کو دھکیل کر دروازے سے ہٹا دیا۔

رات گزری، دن نکلا۔ پھر وہی خوفناک نظارے اور سرد آہیں روپ لال اس وقت منورما کی فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ یکایک اُس کی نظر پوسٹ مین پر پڑی جس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ لفافہ لے کر روپ لال نے کھولا اور پڑھا۔ چٹھی کوئی لمبی چوڑی تحریر نہ تھی پڑھنے میں دیر نہ لگی۔ وہ کمرے کے اندر داخل ہوا تو منورما نے اس کو خوش پاکر پوچھا "کس کی چٹھی ہے؟"

"ابھی بتاتا ہوں ذرا ٹھہرو۔ اُس۔۔ اُن کی ہے منورما جہاں مجھے بمبئی میں جانا ہے مجھے بُلا بھیجا ہے۔ میں کل شام کی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا۔ شاید اب خدا ہم پر بھی مہربان ہو گیا ہے۔"

دوسرے دن شام کی گاڑی سے روپ لال بمبئی روانہ ہو گیا اور فلم کمپنی میں ملازم ہو گیا۔

———

اندھیری رات تھی اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ نیند نے منورما کو عالمِ خواب میں پہنچا دیا۔ لیکن پھٹے ہوئے کپڑوں، ٹوٹی چارپائی اور پھر سرد ہوا کے تھپیڑوں نے اُسے سونے نہ دیا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور رات کے بھیانک منظر سے متاثر ہو کر اُس نے ناتواں آواز میں کہا "ہائے میری قسمت! دل کے ارمان دل میں۔ ۔"

رنج و غم نے منورما کی صورت بگاڑ دی۔ وہ بیمار تو پہلے ہی سے تھی روپ لال کی جُدائی نے بیماری کو اور بڑھا دیا۔ بخار ٹھہر گیا اور وہ بستر علالت پر پڑ گئی۔ کوئی مددگار نہ تھا کہ اس کو مدد دیتا۔ وہ [illegible] ناکام زندگی پر خون کے آنسو بہاتی تھی۔

———

روپ لال کو بمبئی آئے ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس عرصہ میں اُسے ایک لمحہ کی فرصت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کا دل عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔۔۔ منورما کی جدائی۔۔ گھر کی حالت۔۔ یہ سب باتیں اُس کے دل میں طوفان برپا کئے ہوئے تھیں، انہیں دنوں میں اُس کو ایک میلا سا پُرانا لفافہ ملا جس میں لکھا تھا۔

پیارے سرتاج!

آپ کو یہاں سے گئے ایک ماہ گزر چکا ہے لیکن نہ تو آپ آئے اور نہ کوئی چٹھی لکھی۔ تمہارے بغیر میرا جیون برباد ہو رہا ہے۔۔ آپ تو مجھ سے صرف ایک ہفتہ کا وعدہ کر کے گئے تھے آپ نے کوئی خط نہیں لکھا۔ مجھے کس طرح چین آئے شبنم کی زندگی بہت کم ہوتی ہے لیکن اس تھوڑی سی زندگی میں اُسے کلیوں کی ہم آغوشی کی لذت تو مل جاتی ہے۔ اس کے برعکس انسانی مسرتیں صرف چلتی پھرتی پرچھائیاں ہیں۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ پتی جی! میری محبت کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔

تمہاری دکھیارن۔ منورما دیوی۔

خط پڑھنے کے بعد روپ لال کی آنکھوں سے موتیوں جیسے آنسو بہنے لگے۔۔ لیکن اُس نے ضبط سے کام لیا۔ دوسرے دن ضروری سامان خرید کر وہ آٹھ دن کی چھٹی پر منورما کے پاس روانہ ہو گیا۔

———

روپ لال بہت سا ضروری سامان اپنے ساتھ لایا تھا۔ بنڈل، ڈبے، ٹرنک وغیرہ وغیرہ۔ جوں جوں تانگہ گھر کے قریب ہوتا جاتا تھا۔ اُس کے خیالات کی لڑی لمبی ہوتی جاتی تھی، وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ منورما ایک دم اتنی چیزیں دیکھ کر بڑی خوش ہوگی خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔ وہ جس وقت ریشمی ساریاں دیکھے گی اور جڑاؤ بُندے، قیمتی سوٹ دیکھ کر تو

(باقی صفحہ ۳۰۲ کالم ۲ پر)

کھیوڑہ

ہمیں رسول (گجرات) آئے تقریباً دس ماہ گزر چکے تھے۔ مگر کبھی ادھر اُدھر کے شہروں کی سیر کا خیال تک نہ آیا۔ اتفاقاً ایک دن بیٹھے بیٹھے مشورہ ہوا کہ کھیوڑہ دیکھنے چلیں جہاں نمک کی مشہور کان ہے۔

کھیوڑہ یہاں سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۲۶ر مئی ۱۹۴۶ء کو ہم چار بجے صبح کے ٹرالی پر سوار ہو کر اسٹیشن منڈی بہاؤالدین پر پہنچے۔ اور ۶ بجے صبح کے ریل پر سوار ہو گئے۔ اور ایک گھنٹہ میں ملکوال پہنچے۔ یہاں گاڑی بدلتی تھی۔ اس لئے اترنا پڑا۔ ۷ کا وقت تھا۔ ناشتہ وغیرہ کچھ نہیں کیا تھا۔ ویٹنگ روم میں ٹھیر گئے۔ ہماری پارٹی تقریباً چالیس آدمیوں کی تھی۔ ویٹنگ روم میں ناشتہ وغیرہ کیا۔ اور پھر کھیوڑہ جانے والی گاڑی پر سوار ہو گئے ۱۰ بجے ہم کھیوڑہ پہنچ گئے۔ چاروں طرف چٹیل میدان اور اونچے اونچے ٹیلے تھے۔ جنہیں پہاڑ یا پہاڑ کی مانند کہا جا سکتا ہے۔ ان اونچے اونچے ٹیلوں پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ لوگ یہاں رہنا کیوں کر پسند کرتے ہیں اور کس طرح رہ سکتے ہیں۔ نہ گھاس ہے نہ سبزہ اور نہ کوئی سایہ دار درخت، صاف میدان پڑے تھے۔ اور رات کو تو یہ اونچے پہاڑ بہت خوفناک نظر آتے تھے۔

چونکہ شام کو واپس آنا تھا۔ اس لئے سیر فوراً شروع کر دی پہلے نمک منڈی گئے۔ چاروں طرف نمک کے ڈھیر دکھائی دے رہے تھے۔ سانس لیتے وقت سانس کے ساتھ اندر نمک چلا جاتا تھا۔ پانی بھی نمکین تھا۔ ہزارہا مزدور منڈی میں کام کر رہے تھے ہم اوپر چڑھ گئے۔ جہاں یہ رکھا یا جا رہا تھا۔ کہ کیسے کان میں سے نمک باہر آتا ہے۔ ریلوے لائن پر چھوٹے چھوٹے ریل کے ڈبے چل رہے تھے جن کے ذریعہ اندر سے نمک باہر آتا تھا۔ پھر اس ... مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ بجلی کے ذریعہ

یا آدمیوں کی مدد سے زنجیریں کھینچنے سے ریل کے ڈبے خود بخود اُلٹ جاتے۔ نمک کے بڑے بڑے ٹکڑے نیچے پہنچ جاتے اور چھوٹے چھوٹے چھن کر علٰحدہ ہو جاتے۔ یہ نظارہ بھی قابل دید تھا۔ جس نے پہلے کھیوڑہ نہ دیکھا ہو۔ ہر کام دیکھ کر تعجب میں رہ جاتا ہو۔

اب ہمیں کان دیکھنی تھی۔ جہاں سے نمک نکلتا ہے چنانچہ ہم اُدھر متوجہ ہوئے۔ چلتے چلتے سانس پھول جاتا اور مارے پیاس کے بُرا حال ہو جاتا تھا۔ چڑھائی دشوار تھی۔ مگر ارادہ اور دیکھنے کا شوق آگے لئے جا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے کان کے دروازہ تک پہنچے۔ باہر بہت بڑا دروازہ تھا۔ ادھر ادھر اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے۔ دروازہ سے گزر کر اندر نیچے کی طرف سیڑھیاں جاتی تھیں۔ جن کو دیکھ کر پرانے زمانہ کے بادشاہوں کی کہانیاں اور قلعے یاد آتے تھے۔ ہم نے اندر جانے کے لئے سیڑھیوں سے اترنا شروع کیا۔ جس قدر نیچے جاتے تھے۔ اندھیرا اور گھبراہٹ بڑھتی جاتی تھی۔ نیچے جا کر یہ معلوم نہ کر سکے کہ دن ہے یا رات نہ گرمی نہ سردی۔ سیڑھیاں ختم ہونے پر سیدھی سڑک تھی۔ جس کے درمیان ریلوے لائن بچھی تھی۔ آس پاس کی دیواریں اور چھت سب نمک کی تھیں۔ اور ہاتھ لگانے سے کافی سرد معلوم ہوتی تھیں۔

میں بڑے شوق سے ہجوم کے ساتھ اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ ۱۵ یا ۲۰ گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دائیں طرف ایک کھلا میدان آ جاتا تھا۔ جسے بتانے والے ہال کمرہ کہتے تھے۔ ان کمروں کی دیواریں بہت خوبصورت کٹائی کے کام سے بنی ہوئی تھیں۔ اس کی چھت بہت اونچی اور اوپر سیڑھیاں جاتی تھیں۔ اندر کی سیر کرنے میں ہمارے دو گھنٹے صرف ہوئے۔ پاؤں کے نیچے چونکہ نمک ہی نمک تھا۔ اس لئے چلنے میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ تمام کان تو ہم نہیں دیکھ سکے۔ مگر جس قدر دیکھا اس میں کئی بڑے کمرے اور ... تالاب کافی گہرے تھے۔ اور ان کا پانی صاف و شفاف نظر آتا

تھا۔ اوپر پل بنا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف پانی تھا۔ تالابوں کا پانی نمکین تھا۔ ایک اور چیز دیکھنے میں آئی۔ جو قابلِ ذکر ہے۔ جب ہم تھک گئے تو واپسی کا ارادہ کیا۔ مگر دکھانے والا کہنے لگا کہ ایک باغ ہے وہ بھی ضرور دیکھیں۔ ہم حیران تھے کہ نمک کی کان اور باغ چنانچہ اس طرف گئے۔ دیکھا ایک تالاب پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ارد گرد مٹی کے چراغ رکھے ہیں۔ تاکہ کسی کو وہاں کا فوٹو لینا ہو تو چراغ جلا کر یا کشتی وغیرہ میں بیٹھ کر لے لیں۔ پانی کے ٹپکنے سے نمک کی شکلیں عجیب عجیب بن جاتی ہیں۔ قطرے قطرے مل کر انگور جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اور کئی قسم کی چھوٹی چھوٹی نالیاں سی بنی ہوئی ہیں۔ ہم اصل یہ چینی کے کھلونے معلوم ہوتے تھے کیونکہ عام نمک کی طرح نہ تھے۔ بلکہ برف کی طرح سفید۔ ہم نے اندر کی یہ آخری چیز دیکھ کر واپس چلنا شروع کیا۔ مگر اب چلنے کی ہمت نہ تھی۔ آخر خدا خدا کر کے سیڑھیوں تک پہنچے۔ سب تو چڑھ گئے مگر میرا یہ حال تھا کہ ایک ایک سیڑھی پر بیٹھ بیٹھ جاتی تھی۔ خیر خدا خدا کر کے باہر پہنچ ہی گئی۔ یہ ہے ہمارا عجیب و غریب سفر اور سیر کھیوڑہ۔

جہاں آرا اشرف

جلوۂ سحر

افق چمکا صبا خوشبوئیں برساتی ہوئی آئی
ہر اک موجِ نسیمِ صبح اٹھلاتی ہوئی آئی

طلوعِ شاہِ خاور سے زمانہ جگمگا اٹھا
فضا میں زمزمہ کھیتوں میں سبزہ لہلہا اٹھا

ترانے آبشاروں سے سنائے ہر دو عالم کو
نویدِ امن و آزادی ملی ہر ابنِ آدم کو

زمانہ پھر نئے افکار سے دوچار ہوتا ہے
بہ آغوشِ سحر پھر حسن کا دیدار ہوتا ہے

طیورِ خوش نوا وہ پیارا نغمہ چھیڑ دیتے ہیں
کہ جس سے عرشِ اعظم کے فرشتے جھوم اٹھتے ہیں

فضا پھر سروں سے دفعتاً معمور ہوتی ہے
مناظر مسکراتے ہیں ہوا مسرور ہوتی ہے

گلوں کے کھل کھلانے سے کلی بھی مسکراتی ہے
بہاروں کی جوانی ہر طرف سبزہ لٹاتی ہے

دانش ممتاز

مالش

روزانہ سرسوں کے تیل کی مالش کرنے سے جسم خوبصورت سڈول اور تندرست ہو جاتا ہے تکان اور سستی دور کرنے کے لئے مالش ضروری چیز ہے خشک اور کھردرے کپڑے سے مالش کرنا ڈھیلے اعضا کو چست کرنے کے لئے مفید ہے۔ چکنے ہاتھوں سے مالش کرنے سے جسم ملائم ہو جاتا ہے۔ مسلسل مالش سے لاغر اور کمزور جسم مضبوط و توی ہو جاتا ہے معمولی درد مالش کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔

سرسام، سبات، صرع و تشنج کے لئے کنپٹی کی مالش کارگر ہوتی ہے۔ آشوبِ چشم اور غشی میں پاؤں کے تلوؤں کی مالش فائدہ مند ہے۔ اگر گلے پڑ جائیں تو حلق اور دونوں بازوؤں کے اندرونی حصوں کی مالش سے آرام ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کے شکستہ اعضا کو جوڑنے کے بعد

بہار

گلستاں میں بہار کیا کہنا — شانِ پروردگار کیا کہنا
ہر طرف پھول مسکراتے ہیں — قیمتِ تازگی بڑھاتے ہیں
بلبلیں نغمہ سنج و نغمہ ریز — شامِ گلشن کی ہے سحر آمیز
باغ کی ہر روش حسین و جمیل — رنگِ فطرت ہے آئینۂ تمثیل
لال پیلے ہیں آسماں پہ سحاب — جیسے شہزادیٔ شفق کی نقاب
وہ رخِ ماہ پر حسین بادل — جیسے حوروں کا نقرئی آنچل
عکس تاروں کا سطحِ دریا پر — جگمگاتے ہیں قطرۂ گوہر
کتنی دلکش ہے نیم خواب فضا — ہے مخاطب جہاں سے آج خدا
یہ سہانی سحر یہ بادِ بہار — عندلیبِ چمن ہے نغمہ بار
دو جہاں پر سرور چھایا ہے — روح نے [illegible]
دل کو جبریل نے سکوں بخشا

ہندو خواتین کی مذہبی دلچسپی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے ہندوستان میں قدم رکھا تھا۔ تو یہاں بھی عرب اور یورپ کی طرح مذہبی تاریکی پھیلی ہوئی تھی، توحید کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سینکڑوں بت (معاذ اللہ) خدا کا درجہ رکھتے تھے۔ الہامی مذاہب کے بجائے انسانی خیالات کی حکومت تھی۔ ویدک دھرم کے پیشوا مذہب پر قابض تھے، اور ہر کام کا انحصار انہی کی ذات پر تھا۔

برہمنوں کی حالت بعینہ یورپ کے راہبوں اور قسیسوں کی سی تھی۔ وہ جس کو چاہتے مذہب سے خارج کر دیتے اور جس کو چاہتے اس پر بھاری ٹیکس عائد کر دیتے تھے۔

یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ ہندوستان کے ہندوؤں نے اپنے مذہب کی چھان بین کی اور اس کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوئے توحید کے قائل ہونے لگے، سری شنکر اچاریہ جی نے اسلامی قانون مسلمان تاجروں سے لیا اور مبلغین اسلام ہی سے بت شکنی کا سبق حاصل کیا، گرو نانک کی تعلیم میں اسلامی ہدایت کی روشنی صاف صاف نظر آتی ہے، یہ اسلام ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کبیر داس نے اسلامی توحید سے بت شکنی کا سبق سیکھا۔ اور دیانند جی نے اس کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ جدید ریفارم کے بانی راجہ رام موہن رائے نے جو یہ اظہار حقیقت کیا تھا کہ ویدوں میں کوئی امر توحید کے مخالف نہیں یہ اسلامی تعلیم ہی کا نتیجہ تھا۔

ہندوستان میں اسلام آنے کے بعد جب اہل یورپ ہندوستان کی زمین پر قبضہ اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ اپنی تعلیم کرنے لگے تو اس کا اثر عام طور سے رونما ہونے لگا۔ اور [illegible] [illegible] اور عبادت سے تنفر پیدا ہو گیا۔ مندروں [illegible] [illegible] غربا یا متوسط درجہ کے لوگ آتے تھے [illegible] [illegible] بڑا حصہ مندروں میں قدم نہیں رکھتا تھا، بہرحال مذہبی شغف اور دلچسپی روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی جس کے باعث سوسائٹی اور سماج کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس نقص کو دور کرنے کی جانب اہل سینما نے توجہ کی اور کثرت سے مذہبی فلم تیار ہوئے، وہ عاشقانہ اور عشقیہ فلموں میں آزادی کی خوبی اور مذہب پرستی کے عمدہ نتائج دکھائے جانے لگے اور رادھا اور کرشن کی عبادت اور ان سے استعانت کے [illegible] نتائج بتائے جانے لگے۔

اس سے بہترین نتیجہ ہندو سماج اور ہندو سوسائٹی نے اخذ کیا اور اب بلا لحاظ اعلیٰ اوسط اور ادنیٰ سب کو مذہبی [illegible] اور رادھا کرشن سے استعانت کا شغف دن بدن زیادہ [illegible] جا رہا ہے۔ وید اور گیتا کے [illegible] کا شوق پیدا ہو چلا ہے ہندو مردوں اور عورتوں سے [illegible] [illegible] آتے ہیں۔ روزانہ دو وقت پوجا کرنے والے ذوق اور شوق سے مندروں میں جاتے ہیں

بہرحال ہندو فلم سازوں نے ایک کایا پلٹ دی ہے اور آج ہر شہر میں ہندو مرد عورت مذہب کی [illegible] شیدائی ہی ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کی جو حالت ہے اور ان کا اعلیٰ طبقہ اور متوسط طبقہ جس قدر مذہب سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب یہ ہماری عورتوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو ابتدا سے مذہبی تعلیم دیں۔ خدا کی عبادت کا شوق دلائیں۔ تاکہ بڑے ہو کر ان میں خدا پرستی اور عبادت الٰہی کا جذبہ موجود رہے۔ کاش مسلمان اپنے ہندو [illegible] سے کم از کم اسی سبق کو حاصل کریں

نصیر الدین ہاشمی

سردآہ

خدا گواہ ہے مجھے کبھی اس کا ملال نہیں ہوا کہ میں امیر گھر کی لڑکی ایک غریب گھر میں بیاہ کر آگئی۔ زیور کپڑے کی بہتات میری نظروں میں کوئی حقیقت اور دلچسپی نہیں رکھتی۔ دولت کو زوال ہے مگر سچی محبت اگر میسر ہو جائے تو لازوال دولت ہے قیمتی زیورات اور بڑھیا سے بڑھیا پوشاک دیکھ کر میرے دل میں کبھی حرص پیدا نہیں ہوتی مجھے تو بچپن سے ہی زیور کپڑے کا شوق نہیں ہوا۔ میں ہندوستانی لڑکی ہوں جس کی زندگی شوہر کے دم سے وابستہ ہوتی ہے اس کی دنیا ہی شوہر کی ذات ہے۔ اگر خوش قسمتی سے شوہر محبت کرنے والا ہے، تو دنیا اس کے لئے جنت ہے۔ ورنہ یہ اجاڑ ہے۔

دنیا کی دلچسپیاں غمگین دل میں اور درد پیدا کرتی ہیں۔ میں اپنی شمع زندگی پر پروانہ کی طرح نثار رہی، میں نے اپنی تمام آرزوئیں تمنائیں اُن کے قدموں میں ڈال دیں مگر افسوس اُن کی نظرِ التفات سے ہمیشہ محروم رہی۔ میں جس قدر اُن کے قریب ہونا چاہتی ہوں۔ وہ اتنا ہی مجھ سے دُور ہوتے جاتے ہیں۔ میں اُن کی علٰحدگی کے خوف سے اُن سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔ مگر میرا دل مجھے چین نہیں لینے دیتا۔ میں پھر ذلیل ہو کر اُن کے قدموں میں گر جاتی ہوں۔ میں نے دیکھا کہ سڑک کے ایک کنارہ زمین پر ٹاٹ بچھائے ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی ٹاٹ کے بچھونے پر اس کی بیوی غفلت کی نیند سو رہی تھی۔ فقیر شوہر بیوی کو پنکھا جھل رہا تھا۔ پنکھے کی ہوا سے بال اُڑ کر منہ پر آ رہے تھے۔ شوہر ہاتھ سے بال چہرہ پر سے ہٹا رہا تھا۔ اور محبت بھری نظروں سے اپنے دل کی ملکہ کو دیکھ رہا تھا حقیقی محبت کا یہ سین میرے لئے نہایت دلچسپ اور دلکش تھا۔ میرے قدم چند منٹ کے لئے وہیں رک گئے۔ اور میرے پژمردہ لبوں سے ایک سرد آہ نکل گئی۔

پھٹے کپڑے اور گرد آلود بالوں اور زمین پر سونے والی عورت تُو بیشک خوش قسمت ہے۔ تیرا شوہر اگرچہ فقیر ہے۔ مگر اُس کی سچی محبت تیرے لئے ایک نعمت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

ایک رئیس کی بیوی نے شادی کے پندرہ سال کے بعد شوہر کی محبت سے محروم ہو کر خودکشی کر لی تھی، اور کاغذ پر صرف اتنا لکھا تھا کہ "زندگی تلخ تھی" اس کی موت پر سب نے یہ کہا کہ جب پندرہ سال گزر گئے تھے پھر اب مرنے سے کیا فائدہ مگر آہ کہنے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ پندرہ سال کے طویل عرصہ میں اس نے شوہر کی محبت حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا ہوگا۔ مگر ناکامی نے امید کا چراغ بجھا دیا۔ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس بے کیف زندگی کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دیا۔ مثل مشہور ہے کہ ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں۔ کرم کے نہیں۔ مگر ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتے وقت اتنا تو سوچ لیا کریں کہ جس کے ساتھ ہم اپنے لختِ جگر کی قسمت وابستہ کر رہے ہیں، وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں؟

امت الوحی۔ دہلی

(بقیہ صفحہ ۲۹۲)

اور اسے پکڑنے کو دوڑتے ہیں۔ ایک آدمی کے پاس پیتل سے بنا ہوا ایک بچھو تھا۔ وہ اُس نے اپنے چھوٹے بچے کو کھیلنے کو دیا۔ بچہ کھیلتا رہا۔ ایک دن زمین پر ایک بچھو چلا جا رہا تھا۔ بچہ اُسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا لیکن جلدی سے کسی نے اسے دیکھ لیا اگر وقت پر نہ دیکھ لیا جاتا۔ تو بچھو ننھی سی انگلی کو کاٹ لیتا اسی طرح سانپ کے پکڑنے سے بھی بچہ گریز نہ کرے گا۔

بہت سی بہنیں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہیں رکھتیں لیکن یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے سب کو ایسی باتیں خود بھی یاد رکھنی چاہئیں اور دوسروں کو بھی سُنانی چاہئیں۔

بلقیس عصمت شفیع شاہ

خانہ داری ہی عورت کا حُسن ہے

عورت کی تمام خوبیوں میں خانہ داری ہی ایک حسن ہے اگر عورت میں تمام خوبیاں موجود ہوں اور خانہ داری کی تمیز نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے پینٹ کی ہوئی تصویر کہ وہ بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں کچھ نہیں ہوتی۔ خدا نے عورت میں خانہ داری کا جوہر رکھا ہے۔ اور مرد کو کمانے کی ہمت عطا فرمائی ہے۔ عورت چاہے تو گھر کو جنت بنا سکتی ہے اور چاہے تو دوزخ۔ میں نے اکثر عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے بڑے بڑے بناؤ سنگار کرتی ہیں صبح و شام کپڑے بدل کر پاؤڈر سرخی لگا اور بال بنا کر دکھاتی ہیں۔ اس لئے کہ شوہر ان کو پسند کرے۔ مگر یہ ان کی سراسر غلطی ہے۔ وہ اپنی اسی غلط فہمی کی وجہ سے گھر کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں اور گھر کے تمام کام نوکروں کے سپرد کر کے سبکدوش ہو جاتی ہیں۔ نوکر چاہیں جیسا پکائیں کھلائیں۔ چیزوں کو برباد کریں، بیوی کو سروکار نہیں۔ میاں کو وقت پر کھانا ملے یا نہ ملے۔ اچھا ملے یا بُرا ملے۔ ان کو اس سے بھی کوئی مطلب نہیں۔

مرد بیچارہ دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد جب گھر میں آتا ہے۔ تو بیوی کو بلاشبہ آراستہ و پیراستہ دیکھتا ہے۔ مگر جب گھر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے تو جا بجا کوڑا کرکٹ کے ڈھیر۔ گھڑوں پر کائی گلاس میلے۔ لوٹے گندے۔ پانی ہفتوں کا گدلا۔ کنگھیوں کے استر تیل میں چپکے ہوئے۔ چیز جگہ سے بے جگہ پڑی ہوئی۔ کھانا سامنے آیا۔ اور کھانے بیٹھا تو سالن بے مزا دال ہے تو پانی الگ اور دال الگ۔ کسی میں نمک کم ہے تو کسی میں زیادہ کسی میں مرچ زیادہ تو کسی میں ہرا ہند۔ بچارا شکایت کیسے تو کس سے۔ خاموشی کے ساتھ صبر و شکر سے کھا لیتا ہے اتفاق سے اگر کوئی مہمان آجائے تو گھر میں ایک روٹی بھی نہیں [illegible] یا بازار سے روٹی کباب سالن منگایا جائے۔ تب مہمان کو کھلایا جائے۔ میاں شکایت کرے تو کس سے بیوی گھر کے کاموں میں کوئی دلچسپی لیتی ہی نہیں۔ مہینہ پر حساب ہوتا ہے۔ تو میاں کی تنخواہ کے علاوہ سو پچاس کا اور قرض موجود ہے۔ اب میاں کو فکر لاحق ہوتی، اُداسی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب بناؤ سنگار کر کے بھی بیٹھتی ہیں تو میاں کو اچھی نہیں لگتیں۔

مرد محنت و مشقت اور مصیبتیں اٹھا کر گھر میں جو پیسہ لاتا ہے۔ اگر عورت اس پیسہ کو سلیقہ سے خرچ کرے تو اُس کے حُسن میں چار چاند لگ جائیں۔ اور ایسی عورت اگر بناؤ سنگار نہ بھی کرے۔ مرد کو خوبصورت معلوم ہو گی۔ خواہ وہ بدصورت ہی کیوں نہ ہو۔ غرض عورت کے لئے بدن اور کپڑوں کی خوبصورتی کے علاوہ گھر کی خوبصورتی، صفائی اور ستھرائی بھی ایک ضروری چیز ہے۔ اس کا میاں کے دل پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ آج کل کی لڑکیاں جن کی شادی ہو گئی ہے۔ خانہ داری میں قطعی دلچسپی نہیں لیتی ہیں۔ ایسی حالت میں اگر اُن کے شوہر اُن سے ناراض رہیں یا لاپرواہی کریں، تو شکایت بیکار ہے۔ عورتیں شوہر کی بُرائیوں کی تو شاکی رہتی ہیں۔ مگر اپنے عیبوں پر نظر نہیں ڈالتیں۔ جو بہنیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور اپنے گھر کے انتظام کو درست رکھنا چاہتی ہیں۔ ان کو چاہئے۔ کہ سب سے پہلے خانہ داری سیکھیں۔ خانہ داری میں کھانا پکانا۔ گھر کی صفائی بچوں کی صفائی۔ وقت کی پابندی یعنی وقت پر میاں اور بچوں کو ناشتہ اور کھانا دینا۔ لباس کا خیال رکھنا اور ان کے سونے وغیرہ کا انتظام کرنا ضروری ہے اور نوکروں پر شوہر اور بچوں کا معاملہ چھوڑنا حماقت ہے۔ جو عورتیں جفاکش اور محنتی ہوتی ہیں وہ نہ صرف اپنے گھر کو چار چاند لگا کر جنت بنا لیتی ہیں بلکہ شوہر کو بھی مطیع کر لیتی ہیں اور اُن کے مرد بیوی کا دم بھرنے لگتے ہیں پھر اُن کو کوئی دوسری ۔۔۔

حکیم لقمان

حضرت لقمانؑ کا نام علمی طبقوں ہی میں نہیں خاص و عام کی زبان پر بھی چڑھا ہوا ہے۔ اور ضرب المثل کے طور پر بولا جاتا ہے مثلاً جب کوئی کسی کو اپنی قابلیت اور عقلمندی کا دعوےٰ کرتے دیکھتا ہے تو طنزاً یہی کہتا ہے کہ "اوہو! جیسے یہی تو اپنے وقت کی لقمان ہیں"۔

حضرت لقمانؑ کی عظمت کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آپ کی حکمت و دانائی اور عقلمندی کا اعتراف کیا ہے۔ اسی لئے بعض علماء اسلام آپ کو پیغمبر سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال یہ ہے کہ "لقمان بڑے عابد و زاہد حکیم گزرے ہیں"۔ اور درست یہی ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں لقمان کے نام سے پوری ایک سورۃ اکیسویں پارہ میں موجود ہے لیکن اس کی کسی آیت سے آپ کے پیغمبر ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت لقمان ملک سوڈان کے ایک حبشی النسل غلام تھے شکل و صورت بھی اچھی نہ تھی۔ اور پستہ قامت بھی تھے۔ ناک چھوٹی اور چپٹی، ہونٹ موٹے اور بڑے بڑے سیاہ چہرہ، بھدے پیر تھے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ آپ چرواہے تھے اور بعض آپ کو بڑھئی بتاتے ہیں۔

بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم لقمانؑ حضرت داؤدؑ علیہ السلام کے زمانہ میں بنو اسرائیل کے مفتی تھے۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ حضرت لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے شاگرد تھے

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "تم حبشیوں کو اپنی مجالس میں شریک کیا کرو اس لئے کہ تین حبشی (لقمانؑ، نجاشیؓ اور بلالؓ) جنت کے سردار ہیں"۔ حضرت سعید بن مسیب صحابی نے ایک حبشی کو افسردہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ "تم رنجیدہ کیوں رہتے ہو؟ اپنے کالے رنگ پر افسوس نہ کرو اس لئے کہ تمہاری قوم سے لقمانؑ بلالؓ اور حضرت عمرؓ کے غلام مہجع جیسے عابد و زاہد بزرگ تھے۔"

حضرت لقمانؑ علم و فضل اور دانائی میں آپ اپنی مثال تھے ایک روز آپ طلباء کو حکمت و دانائی کا سبق دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے سامنے آیا۔ غور سے آپ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر پہچان کر کہا "کیا تم ہی وہ انسان ہو جو فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتے تھے"؟ حضرت لقمانؑ نے فرمایا "ہاں میں وہی ہوں" پھر اس شخص نے پوچھا "یہ مرتبہ تمہیں کیوں کر ملا؟" آپ نے فرمایا۔ "صرف دو چیزوں سے یعنی سچ بولنے، اور فضول بات نہ کرنے سے اگر تم بھی ایسا کرو تو تم بھی ہمارے جیسے ہو جاؤ"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بکریاں بھی چرایا کرتے تھے ممکن ہے اس زمانہ میں جبکہ آپ غلام تھے اور بعد میں جبکہ آقا نے آپ کو آزاد کر دیا۔ علم و فضل حاصل کر کے آپ نے حکمت کا درس دینا شروع کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو درداؓ حضرت لقمانؑ کی نسبت فرماتے ہیں۔ "لقمانؑ میں حسن قدر خوبیاں تھیں، ذاتی اور فطری تھیں۔ دھن کے پکے تھے۔ اور ارادہ کے پختہ، اکثر خاموش رہتے، اور ہر بات پر غور و فکر کرتے، ہر چیز کو گہری نگاہ سے دیکھتے، وہ دن میں کبھی نہ سوئے، نہ کسی کے سامنے تھوکا اور نہ کھنکھارا اور نہ کسی نے آپ کو پیشاب پاخانہ کی حالت میں یا غسل کے وقت برہنہ دیکھا۔

حضرت لقمانؑ کا علم و فضل غلامی کی حالت ہی میں نمایاں ہونے لگا تھا۔ ایک دفعہ آپ کے آقا نے ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اور کہا "ذبح کر کے اس کی سب سے اچھی دو چیزیں میرے پاس لاؤ"۔ آپ نے بکری ذبح کی اور زبان و دل آقا کے سامنے پیش کر دیا۔ دوسری مرتبہ آقا نے آپ سے کہا "اس مرتبہ بکری ذبح کر کے اس کی سب سے بری دو چیزیں لاؤ"۔ آپ نے بکری ذبح کی اور پھر دل و زبان

لے جاکر آقا کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ کا آقا حیران رہ گیا اور کہا "یہ کیا؟ میں نے دو اچھی چیزیں لانے کو کہا تب بھی تم زبان و دل لائے اور جب دو سب سے بُری چیزیں طلب کیں۔ تب بھی یہی لائے۔ ایسا کیوں؟" آپ نے جواب دیا۔ "حضور والا جب دل و زبان پاک ہیں تو ان دونوں سے زیادہ بہتر کوئی دوسری چیز نہیں۔ اور جب یہی دونوں ناپاک ہیں تو ان سے بڑھ کر بُری کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی۔" اس جواب سے آپ کا آقا بہت خوش ہوا۔

حضرت لقمان ع کی آزادی کا عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے آقا نے آپ کو ایک بہت ہی کڑوا پھل کھانے کو دیا۔ آپ نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار کئے بغیر خوش خوش کھانا شروع کر دیا۔ اور بلا تکلف کھا لیا۔ آقا نے تعجب سے پوچھا "اتنا کڑوا پھل تم نے کیوں کر کھا لیا؟" آپ نے جواب دیا۔ "میرے آقا! آج زندگی میں پہلی بار آپ نے ایک کڑوی چیز مجھ کو عطا فرمائی تو اس کو کھانے میں مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا جبکہ حضور کی بے انتہا عنائتیں اور بے شمار مہربانیاں میرے شامل حال رہی ہیں۔" اس مودبانہ اور شائستہ جواب سے آقا اتنا خوش ہوا کہ آپ کو آزاد کر دیا۔

حضرت لقمانؑ کی نصیحتوں کا مجموعہ انگریزی اور عربی میں موجود ہے۔ چند اس جگہ درج کی جاتی ہیں۔ بیٹے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

(۱) جب تم کسی مجلس میں جاؤ تو سلام کرو اور بیٹھ جاؤ۔ اگر اہل مجلس اچھی باتوں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوں تو خاموش رہو اور بیکار باتوں میں مصروف ہوں تو فوراً اٹھ کھڑے ہو اور چل دو۔

(۲) اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو اور بُرے آدمیوں سے بچتے اور ڈرتے رہو۔

(۳) دنیا کے جنجال میں نہ پھنسو۔ تم صرف دنیا ہی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہو۔ خدا کے نزدیک دنیا سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہیں۔

(۴) جو دوسروں پر رحم کرتا ہے۔ اس پر رحم کیا جاتا ہے

(۵) جو خاموش رہتا ہے۔ امن میں رہتا ہے۔

(۶) جو زبان پر قابو نہیں رکھتا۔ نادم ہوتا ہے۔

اقبال جہاں بیگم بنت افتخار احمد

پھولن کی اوڑھنیا

ڈنک جھلا جھل اوڑھ لئی میں
دھنک لہریا اوڑھ لئی میں
چمکت دامن اوڑھ لئی میں
چاند ستارے اوڑھ لئی میں
اب نا سوہے سجنی موہے پھولن کی اوڑھنیا

انکھیوں میں مورے کجرا نہ سوہے
ماتھے پہ بندی مورے نہ سوہے
لال نہا ور موہے نہ سوہے
سوہے نہ سیندور، بچھوا نہ سوہے
اب نا سوہے سجنی موہے ماتھے کی جھومنیا

دیپک کی ایک جوت تھی گھر میں
آشاؤں کی سوت تھی گھر میں
پھونک بجھی وہ گھر کے گھر میں
بھٹکن لاگی سجنی پیاری! سوامی کی موہنیا

آکاس چڑھی، پاتال سمائی
پون بنی، بدرا سی چھائی
ساگر ڈوبی، آنچلا لائی
بجھی ہوئی بھی راکھ نہ پائی
کہا کرے گی سجنی موری! چار دنا کی دولھنیا
اب نا سوہے سجنی موہے پھولن کی اوڑھنیا

شوامی مارہروی

دل کی دُنیا

آپ نے شاعروں کی زبانی "دل کی دُنیا" کے متعلق بہت کچھ سُنا ہوگا۔ اس کے آباد اور ویران ہونے کی داستانیں بھی سنی ہوں گی۔ آیئے اس کے متعلق سائنس دانوں سے کچھ سُنیئے ——— ہماری دل کی دُنیا گوشت اور عضلات کی بنی ہوئی کم و بیش بیضوی، پان کی شکل کی ہوتی ہے۔ دل کے اطراف ایک قسم کا غلاف پایا جاتا ہے۔ جسے دل کا غلاف کہتے ہیں۔ دل کا غلاف بھی ایک خاص چیز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے دل بیرونی حملوں اور صدمات سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں دل ہمیشہ دھڑکتا رہتا ہے۔ جس وقت یہ دھڑکن رُک جائے تو سمجھ لیجئے کہ زندگی کے دن پورے ہوگئے۔

انسانی جسم ایک بڑی فیکٹری ہے۔ جس کا صدر دفتر دماغ ہے۔ اور ذیلی دفتر دل۔ دماغ کا تعلق عصبی نظام سے ہے۔ اور دل کا تعلق دموی نظام یا دورانِ خون سے ہے۔

انسان کے جسم میں دو قسم کا خون ہوتا ہے۔ ایک خالص خون جس میں کہ آکسیجن ہوتی ہے۔ اور دوسرا غیر خالص خون۔ ہر قسم کے خون کو لانے اور لے جانے کے لئے تمام جسم میں باریک باریک نالیوں کا ایک جال سا ہوتا ہے۔ یہ شریانیں اور وریدیں کہلاتی ہیں۔ دل خون کا ایک خزانہ ہے۔ جہاں سے خالص خون شریانوں کے ذریعہ جسم کے تمام حصوں میں پمپ کیا جاتا ہے۔ اور جسم کے تمام حصوں سے خراب خون وریدوں کے ذریعہ دل میں پہنچایا جاتا ہے۔ اور پھر یہ خون صاف اور خالص بنانے کی خاطر پھیپھڑوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس طرح آپ دیکھتے ہیں۔ ہمارے جسم میں خون کے لانے اور لیجانے کا ایک باضابطہ نظام موجود ہے۔ جس کا سارا انحصار دل اور اس کے فعل پر ہے۔

دل کی اندرونی ساخت دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ دل چار کمروں یا خانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُوپر کے دو خانے اُذین کہلاتے ہیں۔ اور نچلے خانے بطین۔ دل کے دائیں اور بائیں حصوں میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ البتہ دائیں طرف کے اُذین کا تعلق دائیں طرف کے بطین سے ہوتا ہے۔ اسی طرح بائیں طرف بھی۔ ان کے درمیان عضلی دیواریں یا فاصلے ہوتے ہیں۔ دائیں اُذین کے اندر تین بڑی وریدیں کھلتی ہیں۔ دائیں جانب کا اُذین ایک سوراخ کے ذریعہ دائیں جانب کے بطین سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سوراخ پر ایک خاص قسم کا مصرعہ (Valve) ہوتا ہے۔ جو خون کو اوپر نیچے آنے دیتا ہے۔ لیکن خون کو نیچے سے اوپر جانے نہیں دیتا۔ یہ یاد رکھئے کہ دل میں بائیں جانب ہمیشہ خالص خون ہوتا ہے۔ اور دائیں جانب غیر خالص خون۔ خون کی یہ حرکت دل کے سکڑنے اور پھیلنے سے ہوتی ہے۔ جسے انکماش کہتے ہیں۔

اس مختصر سے مضمون سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ دل کی قدر شاعروں سے زیادہ ماہرینِ حیاتیات کے ہاں کی جاتی ہے کیونکہ اس نازک اور اہم فعل کی انجام دہی میں دل ایک لمحہ کے لئے بھی خاموش نہیں رہتا ——— ننھا سا دل اور یہ ذمہ داریاں ——— جب ہی تو دھڑکتا رہتا ہے ہمیشہ!!

میر واصل الدین احمد اقبال عثمانیہ

غلط توقعات

خاص خاص عزیزوں اور رشتہ داروں مثلاً والدین، اولاد، بھائی بہن، میاں بیوی وغیرہ اور دوست احباب اور ہمسایوں کو بھی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ توقعات ہوتی ہیں جس سے جیسا قریب و دور کا رشتہ اور تعلق ہوگا ویسی ہی توقعات بھی ہونگی مگر کوئی توقع ہو اور کسی قسم کی ہو وہیں تک ہونی بہتر ہے جہاں تک اس کے پورا ہونے کا امکان ہو۔ توقعات قائم کرنے میں بڑی سوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اولاد پر والدین کی اطاعت اور خدمت فرض ہے مگر والدین کی یہ توقع کہ اولاد ان کے ہر ایک حکم کی تعمیل اور ہر خواہش کی تکمیل کرے گی غلط ہے۔ اسی طرح گو والدین کی شفقت و محبت اولاد کے لئے قابل اعتماد چیز اور معقول وجہ اطمینان و تسلی ہے تاہم وہ غیر مشروط نہیں اور اولاد کا خصوصاً سن شعور کو پہنچنے کے بعد یہ سمجھنا کہ والدین ان کی اعانت و کفالت سے کبھی دریغ نہ کریں گے صحیح نہیں۔ میاں بیوی کا رشتہ سب سے زیادہ قربت کا رشتہ ہے اور اسی سبب سے دونوں کی توقعات کا ایک دوسرے سے وابستہ ہونا بھی لازمی ہے لیکن اگر میاں چاہے کہ بیوی ہر لحاظ سے اس کے معیار کے مطابق خوبیوں کا مجسمہ اور اطاعت کی پتلی ہو یا بیوی چاہے کہ میاں سدا اس کے اشارے پر چلنے والا بے نفس فرشتہ بن جائے تو ناممکن ہے۔ کسی عزیز یا رشتہ دار یا دوست کے خلاف توقع رویہ پر ناخوش ہونے سے قبل یہ سوچ لینا بہتر ہے کہ ہماری توقع اور ناخوشی کی نوعیت کیا ہے اس کی محرک خود پروری اور خود پسندی تو نہیں۔ ممکن ہے وہ شخص ہمارے حسب منشا کام کرنے سے اپنی اہم مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے سبب معذور رہا ہو ایسی صورت میں ہماری ناخوشی یقیناً بیجا ہے۔ اس توقع کو جو کسی حق یا حقیقی ضرورت کے بجائے سطحی جذبات کی بنا پر ہو اتنی اہمیت نہ دینی چاہئے کہ رنجش و کدورت کا سبب بن جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح توقع کا پورا ہونا بھی حسن اتفاق اور خوش نصیبی ہے۔ سمجھدار لوگ غیر ضروری اور غیر معمولی توقعات کا طوق نہیں پالتے جو اکثر غلط ہی ثابت ہوتی ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی معاملے میں کسی سے کوئی توقع قائم کی گئی لیکن سمجھداری سے کام لیا جاتا تو دوسروں سے توقع کی ضرورت پیش نہ آتی۔ توقع رکھنے کے بعد اگر وہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو اپنی کوشش کا وقت بھی ضائع ہو گیا۔ معاملے کی انجام دہی کے متعلق دیگر ذرائع سے کام لینے اور کوشش کرنے کا وقت بھی باقی نہ رہا یا کسی عزیز کی نسبت یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ اس طرح نہ سہی تو اس طریقہ پر تو ضرور ہماری مدد کرے گا اور فلاں کام تو وہ ضرور ہی کر دے گا مگر صورت یہ تھی کہ اس عزیز کے بس کا کچھ بھی نہیں تھا اور کچھ تھا بھی تو اس قدر نہیں جتنا ہم چاہتے تھے اب یا تو وہ بے مروت بن کر صاف جواب دیدے گا یا کام کو لیت و لعل میں ڈالے رکھے گا اور کرے گا بھی تو بیدلی سے۔ اس لئے ٹھیک نہ کر سکے گا۔

آپس کے خوشگوار تعلقات پر توقعات میں مایوسی و ناکامی کا ہمیشہ بُرا اثر پڑتا ہے اگر ہم اپنی حاجت و ضرورت اور آرام و تکلیف کے احساس کے ساتھ دوسروں کے آرام و تکلیف اور مفاد و مصلحت کا لحاظ بھی رکھیں اور اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے فرائض ادا کرتے رہیں تو کبھی غلط توقعات قائم کرنے کا موقع نہ آئے اور نہ مایوسی و دلگرفتگی بدگمانی و نفرت اور رنجش و کدورت واقع ہو۔ سب سے بڑی غلطی وہ توقع ہے جو ذات باری تعالیٰ کے مواعید عفو و مغفرت کے متعلق جا بجا پائی جاتی ہے۔ اور اس توقع پر لوگ واقف ہونے کے باوجود اوامر و نواہی سے غافل رہتے ہیں اور قصداً بڑے سے بڑے گناہ اور بُرے سے بُرے فعل کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض علانیہ یہ کہتے ہیں کہ خدا غفور الرحیم ہے بخش دے گا معاف کر دے گا۔ حالانکہ یہ بڑا گمراہ کن خیال ہے۔ بے شک خدا بندوں کی خطاؤں کا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے مگر عفو و مغفرت کا مطلب گناہ کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔

قرآن شریف میں جہاں کہیں عفو و مغفرت کی خوشخبری ہے ایمان پر قائم رہنے، گناہوں سے بچنے، احکام کی پابندی اور نیک عمل کرنے کے حکم و ہدایت کے ساتھ ہے اور معافی و بخشش وہ بھی توبہ کے بعد اس گناہ کے لئے ہے جو لاعلمی یا سخت مجبوری یا اضطرار کی حالت میں سرزد ہوا ہو۔

بنتِ فاطمہ

بدحواسیاں

عصمت میں "بدحواسیاں" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضامین چل رہا ہے۔ یہ موضوع مزاحیہ ہونے کے علاوہ کار آمد بھی ہے۔ دراصل یہ روزمرہ کی باتیں ہیں۔ جن پر بہت کم غور کیا جاتا ہے وہ آرزوئیں جن کو انسان پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔ یا وہ باتیں جو عرصے سے اس کے دل و دماغ میں چھپی ہوتی ہیں بعض اوقات عالم بدحواسی میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ بدحواسی میں جو کام واقع ہوتا ہے یا جو کلام زبان سے نکلتا ہے۔ بظاہر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن غور کیا جائے تو بعض اوقات بدحواسی میں کہی ہوئی بات بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ایک بیرسٹر صاحب عینک چڑھائے کچھ لکھ رہے تھے کہ کچہری جانے کا وقت ہو گیا۔ جلدی سے اٹھے اور جیبیں ٹٹولنے لگے۔ وہاں سے کچھ نہ ملا تو میز ڈھونڈھ ماری، کمرے کی اور کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی تلاشی لی گئی۔ ناکامی کی حالت میں نوکروں پر عتاب شروع ہوا۔ "ارے کم بختو! عقل کے اندھو سو دفعہ کہا کہ میری عینک میز پر سامنے رکھ دیا کرو مگر تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی"۔ بیگم صاحبہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ ان کی طرف جو دیکھا تو بارود میں چنگاری جا پڑی "میں کتنی دیر سے عینک کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور یہ کس مزے سے کھڑی میرا تماشا دیکھ رہی اور مسکرا رہی ہیں۔ واہ بیگم واہ یہ تمہارا انتظام ہے کہ کوئی چیز ٹھکانے سے نہیں ملتی"۔ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا "کل کو آنکھیں بھی ڈھونڈئیے گا۔ خدانخواستہ وہ بھی کہیں کھو جائیں تو۔ یوں تو ہر چیز ٹھکانے پر رکھی معلوم ہوتی ہے"۔ بیرسٹر صاحب کا غصہ ایک پائنٹ اور چڑھ گیا لگے برا بھلا کہنے۔ ادھر بیگم صاحبہ ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔ اور اُدھر اُن کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ جب کسی طرح بیرسٹر صاحب کے حواس ٹھکانے نہ ہوئے تو بیگم صاحبہ نے اُن کے کاندھے پکڑ کر آئینہ کے پاس لا کھڑا کیا اور کہا "اب عینک ڈھونڈھ لیجئے گا"۔ بیرسٹر صاحب آئینہ دیکھ کر بہت کھسیانے ہوئے۔

۲۔ زاہدہ اپنے کمرے میں کھڑی بالوں میں کنگھی کر رہی تھی کہ امّی نے آواز دی۔ کھانے کے کمرہ سے زاہدہ گزرنے لگی تو میز کی چادر کی سلوٹیں ٹھیک کرنے لگی۔ اور جاتے ہوئے کنگھی میز پر رکھ کر گلاس اٹھا لائی۔ گلاس کو کنگھی سمجھ کر اٹیچی میں رکھ دیا اور دوپٹہ اوڑھنے کے بجائے بکس کھول کر بھائی کے دستانے نکال لائی۔ زینے سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا کہ دستانے پھٹے ہوئے ہیں۔ ان کی مرمت کرنے کے خیال سے پھر اپنے کمرے میں آئی۔ سوئی دھاگہ نکالنے کی غرض سے اٹیچی کھولا تو اس میں سے گلاس نکلا۔ گلاس اٹیچی میں کیوں وہ سوچنے لگی۔ اتنے میں امّی نے پھر آواز دی۔ دوپٹہ ڈھونڈا تو وہ غائب ناچار دوسرا دوپٹہ اوڑھ کر دوڑی۔ دیکھا تو کھانے کی میز پر دوپٹہ اور کنگھی دونوں رکھے ہیں۔ اب اُسے تمام واقعہ یاد آ گیا۔

۳۔ حامد دن چڑھے بستر سے اٹھا۔ جلدی جلدی مُنہ ہاتھ دھو کپڑے بدل بغیر کچھ کھائے پیئے کالج چل دیا۔ جلدی میں کالج سے آدھ میل آگے بڑھ گیا۔ سائیکل کو کسی چیز کی ٹکر لگی تو ہوش آیا۔ گھڑی دیکھی تو پونے دس ہو گئے تھے۔ پیچھے مڑے۔ امّی قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ خیال آیا دیر تو ہو ہی گئی چلو کچھ کھا پی لیں۔ اسی خیال میں گھر کے بجائے کالج پہنچے۔ اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اکنامکس کا لیکچر شروع تھا۔ پروفیسر نے کوئی سوال کیا تو حامد نے جھنجھلا کر کہا۔ "ارے جلدی چائے لا مجھے کالج کو دیر ہو رہی ہے"۔ سب لڑکے ہنسنے لگے۔ پروفیسر نے ہنستے ہوئے کہا "اچھا اب میں کالج میں چائے بھی تیار کیا کروں گا"۔ حامد بڑا شرمندہ ہوا۔ یہ سب ہوئیں عملی بدحواسی کی باتیں۔ اب زبانی بدحواسی کی سنئے۔

۴۔ زبیدہ کو شدت کا زکام اور سر درد تھا۔ سو وہ بار بار اپنی ناسازیٔ طبع کا ذکر کرتی۔ ریحانہ نے بگڑ کر کہا "بہن چھوڑو بھی اب اس ذکر کو۔ زکام میں اکثر سردی کا موسم ہوتا ہی رہتا ہے"۔ کہنا تو یہ تھا کہ "سردی کے موسم میں اکثر زکام ہوتا ہی رہتا ہے"۔ لیکن اُلٹا کہہ دیا۔

۵۔ ایک پروفیسر صاحب ہسٹری کا لیکچر دے رہے تھے۔ ہندوستان پر ابتدائی حملوں کا مضمون تھا۔ کہا "تمہیں معلوم ہے لڑکیو! جب ہندوستان نے نادرشاہ پر پہلے پہل حملہ کیا تو ہندوستان کی حالت کیا تھی؟" لڑکیاں مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ ایک بول اُٹھی کہ "پروفیسر صاحب ہندوستان نے نادرشاہ پر حملہ کیا تھا یا نادرشاہ نے ہندوستان پر؟" پروفیسر صاحب بہت خفیف ہوئے۔

۶۔ ابھی کچھ دنوں کی بات ہے۔ ہمارے یہاں ہم سن لڑکیوں میں سیاسی گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ لڑکیاں کانگریس کی حمایت میں لیگ کو شکست دینے کے درپے تھیں اور کچھ مسلم لیگ کی طرف سے کانگریس کو۔ ایک صاحبہ بولیں۔ "ہاں دیکھ لیا تمہاری کانگریس کو تمہیں محض ذاتی مفاد کی خاطر اپنا اصول بدلتے۔ یا اپنا ضمیر فروخت کرتے دیر نہیں لگتی۔ بتاؤ تو شملہ کانگریس میں کانفرنس کو منہ کی کھانی پڑی یا مسلم لیگ کو؟" وہ غریب کہنا یہ چاہتی تھی کہ "شملہ کانفرنس میں کانگریس کو منہ کی کھانی پڑی؟" لیکن کہہ گئیں اوپر کے فقرے۔

اب ایک آدھ تحریری بدحواسی بھی ملاحظہ ہو۔

۷۔ سلیمہ بیٹھی اپنے بھائی کو خط لکھ رہی تھی۔ سامنے دوسرا بھائی نعیم بیٹھا تھا۔ خط ختم کر کے سلیمہ نے نیچے بجائے اپنا نام لکھنے کے "والدہ نعیم" لکھ دیا۔ میری جو نظر پڑی تو میں نے پوچھا۔ آپ اوپر بھائی کو مخاطب کر رہی ہیں۔ اور نیچے "والدہ نعیم" لکھتی ہیں۔ یہ خط کس کی طرف سے کس کو لکھا جا رہا ہے؟ بی ثریا نے فوراً قہقہہ لگایا۔ سلیمہ بڑی شرمندہ ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ سامنے چونکہ نعیم بیٹھا تھا۔ اس لئے میں نے بجائے اپنے لڑکے کا نام لکھنے کے والدہ نعیم لکھ دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان بدحواسیوں کے کیا اسباب ہوتے ہیں۔ نفسیات کا مطالعہ کرنے والے اصحاب نے ان کی تین وجوہ بتائی ہیں (۱) "جسمانی ناتوانی" (۲) "جذباتی ہیجان" (۳) "یکسوئی" ہو سکتا ہے کہ جسمانی ناتوانی سے انسان کی دماغی قوت میں بھی فرق آجائے جذباتی ہیجان کو بھی اس میں بڑی حد تک دخل ہے۔ کیونکہ دل و دماغ دونوں کا توازن اگر صحیح ہو تو کوئی بے محل حرکت نہیں ہو سکتی۔ "یکسوئی" میرے نزدیک بدحواسی میں یکسوئی کو زیادہ دخل ہے۔ انسان ایک خیال یا ایک کام میں ہو اور کوئی اچانک حادثہ پیش آجائے تو یقیناً اس کی زبان یا عمل سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد ہو جاتی ہے ایک اور چیز جس کو بدحواسی میں بڑا دخل ہے۔ "خیالات کا تصادم" یا "انتشار تخیل ہے"۔ جو انسان اکثر خیالات میں محو رہتا ہے۔ اکثر بدحواس بھی ہوتا ہے۔ بہرحال "جذباتی ہیجان" اور "انتشار خیال" بدحواسی کے معاون ہیں۔ جذبات کا تعلق زیادہ تر دل سے ہوتا ہے اور خیالات کا دماغ سے جب انسان کے دل میں بہت سے جذبات ایک ہی وقت میں یا دماغ میں خیالات کا طوفان اُمنڈ آئے تو وہ عملیات کی دُنیا سے دُور ہو جاتا ہے۔ اس کے دل و دماغ میں آرزوئیں گھر کر لیتی ہیں اور وہ عملی دُنیا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور جب کبھی وہ عملیات کی طرف رُخ کرتا ہے۔ تو جو کام اُسے کرنا چاہئے۔ خیالات و جذبات کے ہیجان کے زیر اثر وہ بے محل کر بیٹھتا ہے۔ اور جس چیز کی آرزو اس کے دل میں ہوتی ہے بے ساختہ زبان پر آجاتی ہے۔ بدحواسی کا ایک سبب حافظہ کی کمزوری [illegible] بھی ہے۔ بہرکیف بدحواسی کو مذاق ہی نہیں سمجھنا چاہئے۔ ایک ماہر نفسیات اس سے نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ اور بعض اوقات ان معمولی معمولی باتوں سے بہت سے پوشیدہ اسرار کا انکشاف ہوتا ہے بعض آدمیوں کو بدحواسی کا مرض بھی ہوتا ہے اور وہ ذرا سی بات پر وہ بدحواس ہو جاتے ہیں۔ یہ عادت جب پختہ ہو جاتی ہے تو بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

مسعودہ اعظم عباسی (ادیب فاضل)

مختصر نظمیں!

انقلاب—— روحِ انساں ابھی مانوس نہیں ہے جس سے

زوال—— اس کی ہر سانس میں ترنم ہی ترنم تھا جہاں

موت—— زندگی ہی نے تو بخشا ہے اسے سارا کمال

آواز—— چاند تاروں کا لرزتا ہوا پیغام ہے یہ

عظیم قریشی

بہن کی رخصتی پر

بموقعہ رسم کتخدائی ہمشیرہ عزیزہ تہذیب فاطمہ سلمہا

ہر چند کہ آئین نہیں ظلم شعاری ہو جاتی ہے ظالم بھی کبھی بادبہاری
کرتی ہے قلم سے کبھی یہ حکم بھی جاری لے جائیں اُسے غیر جو کل تک تھی ہماری

کیا کہئے ازل سے ہے یہی رسم زمانہ
ہوتا ہے مکمل یوں ہی ہستی کا فسانہ

پالا کریں ماں باپ جسے خونِ جگر سے دم بھر نہ کریں دُور جسے اپنی نظر سے
چھپ چھپ کے چھپائیں جسے خورشید و قمر سے کٹ کٹ کے بچائیں جسے آسیب و ضرر سے

اُس نورِ بصر لختِ جگر راحتِ جاں کو
جانے دیں مقید کئے فریاد و فغاں کو

یہ رسم بھی کیا رسم ہے جاں پرور و جاں سوز اک رُخ ہے دلآویز تو ہے دوسرا دلدوز
ہوتا ہے زمانے میں تماشا یہ شب و روز کہنے کو تماشا ہے مگر ہے سبق آموز

اللہ کے انعام کو اکرام کو دیکھے
آغاز نہ دیکھے کوئی انجام کو دیکھے

ہم نے بھی یہی سوچ کے دل تھام لیا ہے ہنس ہنس کے جدائی کا ترے جام پیا ہے
پڑھ پڑھ کے دعا فرض کا آغاز کیا ہے پلکوں سے ترا حُلّہ شاہانہ سیا ہے

ہنستے ہوئے اشکوں سے بنایا ہے دلھن بھی
دیکھی ہے کبھی تو نے جبینوں پہ شکن بھی

ہم جانتے تھے دُور ہیں ایام جدائی ہو گا نہ در انداز کبھی دام جدائی
آتے رہے سنتے رہے پیغام جدائی اب آنکھ کھلی آ گئی جب شام جدائی

اب تیری جدائی ہے بہت شاق دلوں پر
کیا جانئے کیا گزرے گی مشتاق دلوں پر

ہر بات پہ ہر گام پہ آئے گی تری یاد ہر لحظہ و ہر لمحہ ستائے گی تری یاد
ہر شام و سحر آ کے گزر جائے گی تری یاد القصہ ہمیں خون رلائے گی تری یاد

بچوں سے تغافل کو ہم آغوش نہ کرنا
ہم کو نئی دنیا میں فراموش نہ کرنا

وہ تیرے فصیحانہ بلیغانہ بیانات پیچیدہ سوالات کے فرزانہ جوابات
سنتا ہوں کے پسندیدہ اشارات وہ دلکشی خلق و دل آویزی عادات

واللہ کہ ہے مظہرِ تہذیب مجسم
خوبی و کمالات کی اِک سلک منظم

وہ آئے ہیں لینے جو محبت کے ہیں حامل
اُلفت کی پسندیدہ شریعت کے ہیں حامل
غمگیں نہ ہو چشم مروت کے ہیں حامل
یہ لوگ نجابت کے شرافت کے ہیں حامل

ناشاد نہ ہو تجھ کو بہت شاد کریں گے
ہر رنج سے ہر فکر سے آزاد کریں گے

جا پیاری بہن جا ترا اللہ نگہباں
تا حشر سلامت ترا ایمان تری جاں
جھوٹوں بھی نہ دیکھے تو کبھی خواب پریشاں
رشکِ چمنستاں ہو ترا گوشۂ داماں

خرم رہے مسرور رہے شاد رہے تو
ہر عیش خدا دے تجھے آباد رہے تو

گلزارِ محبت تجھے ہر گام مبارک
ہستی کے نئے دور کا پیغام مبارک
ہر صبح مبارک تجھے ہر شام مبارک
آغاز مبارک تجھے انجام مبارک

سر پہ ترے سایہ ہو رسولِ عربی کا
اُس ہاشمی، مکی، مدنی مطلبی کا

تو صاحبِ ادراک سہی ہم نے یہ مانا
اب کل سے فرائض ہیں اہم بھول نہ جانا
تمیز کے تہذیب کے افسانے سنانا
ہر حرف سلونا ہو تو ہر لفظ سہانا

جا رحمتِ باری کی گھٹائیں ہیں چلی جا
اور ساتھ میں باجی کی دعائیں ہیں چلی جا

دعاگو اشکبار
باجی

مرسلہ ارجمند فاطمہ نقوی

خانہ داری

(جس میں سنگھار اور آرائش بھی شامل ہے)

جوان رُوپ

اگر صحت دُرست ہو عورت کا ۳۵-۴۵ بلکہ ۶۰ برس تک اپنا جوان رُوپ ہاتھ سے دینے کا کیا کام! چہرہ اور شکل صورت درماندہ ہو جائے۔ اور بڑھاپا برسنے لگے مگر عقل و ہوش سے کام لے کر بہت کچھ اصلاح و آرائش کی جا سکتی ہے حُسنِ نوجوانی میں قدرت کا کھیل ہے اور عمر کے ساتھ عورت کی عقل رسا اور ذہنی قابلیت کا پیمانہ ہے اور دراصل وہ اسی کی ذمہ داری بن جاتا ہے۔

بعض نامور عورتیں ۷۰ سال کی عمر میں بھی پہن اوڑھ کے دُلھنوں کو مات کرتی ہیں ایک عزیزہ بڑی بی ۷۰ سال کی عمر میں حالانکہ دانت نہ رہے تھے جب گوٹے کا دوپٹہ اوڑھ لیتیں تو لڑکیوں سے اچھی لگتیں۔ انہوں نے اچھی عمر پائی۔ گو آجکل کے سنگھار کی لوازمات سے وہ محض نابلد تھیں مگر سادہ زندگی بسر کرتیں۔ خوش رہتیں۔ گھر کا کام کاج اور ہر قسم کا رکھ رکھاؤ ان کے ہاتھ میں تھا۔ ممکن ہے کا ہلی کو بھی اس میں دخل ہو۔

ایک ۶۵ سالہ میم کا ذکر ہے کہ وہ کچھ ایسی بھلی معلوم ہوتی کہ ہر دیکھنے والے کا جی خوش ہو جاتا یہی جی چاہتا کہ دیکھے جائے۔ اس کا رُوپ گل لالہ کا سا تھا اور بشرہ سے جان اور دلچسپی ٹپکتی تھی معلوم ہوا کہ پچاس سال کی عمر تک اپنے رنگ و روپ کی دیکھ بھال اس نے اپنی عادت بنائے رکھی۔ وہ اچھی سے اچھی حالت میں نظر آنے کی فکر میں رہتی۔ اس کے راز یہ تھے۔ قوت بخش کریم (ٹونک کریم) جو چہرہ بیتلانہ ہونے دیتی اور تنا تنور چلبلا اُبھار دوا (سکن ٹنی ٹو لیمنٹ)

جب غفلت کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں تو عورتوں کی عادت ہے کہ وہ رونے پیٹنے اور ماتم کرنے لگتی ہیں۔ مگر یہ عادت اور رہیر پھیر کی بن جاتی ہے۔ رونے بسورنے سے آنکھوں کی جِلا اور لبوں کی رعنائی برباد ہو کے رہ جاتی ہے یہ رونا سچ مچ کا گریہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے عورتوں کی آہ وزاری اور فریاد و شکوہ کی عادت مراد ہے۔ آجکل شکایت عام ہے کہ تیس سال کی عمر میں ہی جھریاں پڑ رہی ہیں گال ڈھلکنے شروع ہو گئے ہیں۔ جسم میں توازن نہ رہا ۴۰ سال کی عمر میں ناک سے دہن تک عمودی لکیریں نمودار ہو گئی ہیں۔ اُفقی شکنیں پیشانی کی ہمواری بگاڑنے لگی ہیں۔ مگر یہ بات عام طور سے عورتوں کو نہیں معلوم کہ عورت کو عمر کے ہر مرحلہ پر دلکش اور سجیلی ہونا چاہیئے۔ چہرہ اور شکل صورت کو کاہل اور بیکار رکھ کے مُردہ نہیں بنانا چاہیئے۔ عمر کا تقاضا ہے تنے اور پھیلے ہوئے کندھوں کھینچی ہوئی کمر اور کولھوں عمودی ثقل و حرکت اور اپنے وجود کے پورے علم و احساس سے کیا جانا چاہیئے۔

جوانی کی تدابیر

سب سے پہلے اپنے آپ کو دُرست و صحیح رکھیں یہ معاملہ بالکل حکیم یا ڈاکٹر کے ہاتھ میں پورا نہیں کرنا چاہیئے پھر یہ ضروری ہے کہ اپنے پٹھے بلند اور توانا رکھیں۔ چہرہ سے لے کے پاؤں تک ہر پٹھا تیار و مستعد رکھا جائے، اپنے حُسن کے معاملہ میں کسی وقت دلچسپی لینے سے گریز نہ کریں لیکن ساتھ ہی اُسے وہم کے درجہ تک نہ پہنچنے دیں کہ یہی خیال مستولی رہے!

بنیادی اصولوں سے ہمیں شروع کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلی چیز ہیئت و وضع ہے۔ ہر قسم کی صورت شکل اور قد اس ورزش سے مستفید ہوں گے۔ اور اس کا اثر چہرہ کی رونق کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اگر جی چاہے تو غسل کا سُوٹ پہن لیں اور جسم کپڑے سے خالی رکھ کر اور رومالی باندھ کے ورزش زیادہ اچھی طرح ہوتی ہے۔ اپنے پاؤں جوڑ کے کھڑے ہو جائیں۔ باہیں پہلوؤں میں ڈال لیں کندھے پیچھے کی طرف اور جسم بالکل سیدھا رکھیں۔ پھر پورے احساس کے ساتھ جسم کے ہر پٹھے کو اٹھائیں۔ ایڑیوں، ٹخنوں کولھوں کمر سینہ کندھوں گردن لبوں کو اُوپر اُوپر ہی اُٹھاتے جائیں یعنی اُبھاریں۔ پانچ تک گنیں اور پٹھے ڈھیلے چھوڑ دیں۔ یہ عمل سات بار کریں۔

باہیں کندھوں کی سیدھ میں رکھ کے مندرجۂ بالا طریقہ سے کھڑے ہو جائیں۔ اور پٹھوں کا ڈھانچہ اُوپر کو اُبھارتے جائیں۔ اس کے بعد باہیں سر کے اُوپر بلند کرتے ہوئے پنجوں کے بل کھڑے ہو جائیں ایک شوخی کی ادا سے چھت چھونے کی کوشش میں لگ جائیں۔ اس ثقل و حرکت میں توجہ جذب کریں اور کمر، کولھے اور تنفسی علاقوں کا خاص طور سے دھیان رکھیں۔ دباؤ نہ پڑنے دیں لیکن ارادہ کے ساتھ اپنے آپ کو اور پٹھوں کی قوت کو اٹھائیں۔ سات تک گنیں۔ بدن ڈھیلا چھوڑ دیں دس دفعہ یہ عمل کریں۔ اس کے بعد اعضا لٹکانے کی ورزشیں کریں باہیں اس طرح لٹکائیں گویا ڈنڈے ہیں۔ ٹانگیں کولھوں سے ڈھیلی چھوڑ

کے لگائیں۔ آگے پیچھے پہلوؤں کی طرف حتّیٰ کہ آپ کو دُکھ معلوم دینے لگے سادہ موڑ توڑ سے گردن نرم و چست رکھیں۔ گلا بارونق ہو کے سفید نظر آنے لگے گا۔ دائیں طرف موڑیں گویا کندھے کی چینیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پانچ دفعہ ایسا کیا جائے۔ پھر بائیں طرف اسی طرح پانچ دفعہ کریں اور اس عرصہ میں یہ بات دھیان میں رہے کہ سر بالکل سیدھا در پیچھے کی طرف قائم رکھیں۔

چہرہ کے پٹھوں سے ہاتھ کی شروع کی تین انگلیوں سے شوق کریں ہر روز پندرہ منٹ تک ٹھوکہ دیں اور ہلکے ہلکے تھپکیں۔ کنپٹیوں اور آنکھوں کے گرد پپوٹو بچانے کی سی حرکت سے انگلیاں لگائیں۔ اگر جلد کی طرف سے آپ نے غفلت برتی ہے تو کوئی کریپ سکن کریم (Crepe - Skin cream) شکنیں اور جھریاں صاف کرنے اور بھرنے کے لئے استعمال کریں اور کوئی جذب ہونے والی اور طاقت دینے والی جیلی لگائیں تاکہ گردن کی بے رونقی اور پژمردگی دور ہو جائے۔

سر کی کھچڑی

عمر کے مطابق ہر بات ہو تو خوبی ہے مگر مذاق ہو اور مذاق کا نتیجہ قہقہہ ہے ہر عورت کو بال سفید ہونے کا صدمہ ہوا کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ غم سینہ پر سوار رہ کے خوبصورتی کو جلد ختم کر دیتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے انہیں اپنے بالوں کی دیکھ بھال جاری رکھنی چاہئے اور انہیں خوشنما طریقوں سے سنوارتے اور باندھتے رہنا چاہئے ان سے غفلت بڑی سخت غلطی ہے۔

عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے تو جلد کے رنگ میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ رونق اور تازگی کم ہو جاتی ہے تو قدرت نے اپنا اصول یہ رکھا ہے کہ جلد کے رنگ کے فق ہونے کے ساتھ ساتھ بالوں کا رنگ بھی اڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ عمر کے اثر میں آئے ہوئے چہرہ پر خضاب کے گہرے رنگ خواہ سیاہ ہو یا مٹیالا چڑھے بالوں کے نظر کے سامنے آتے ہی آدمی فوراً چونک اٹھتا ہے گویا انوکھی سی بات معلوم ہوتی ہے یہی کچھ کیفیت گہرے حنائی رنگ سے ہوتی ہے۔ اگر قدرت نے ہمارے بالوں اور جلد کا روغن کا ضبط کرنا شروع کر دیا ہے تو ہمیں اس کیفیت کو خوشدلی سے منظور اور برداشت کرنا چاہئے۔ آپ کے سامنے یہ تدبیر ہے کہ آپ اپنی جلد کی دیکھ بھال رکھ کے اس کی بناوٹ کو دلکش اور ملائم بنائے رکھیں اور بالوں کو رنگ بھی لگائیں تو ہلکا کہ خضاب لگے ہونے کا گمان نہ ہو یا ان کو قدرتی رنگ میں چھوڑ کے ان میں تیل لگانا اور کنگھی کر کے سنوارنا جاری رکھیں۔ جس طرح آپ اپنی جلد کی دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ یقین رکھئے آپ پر بڑھاپا نہ برسے گا محض اس لئے کہ آپ کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ بشرطیکہ آپ ہماری ہدایات پر عمل جاری کر دیں۔ ہاں آپ چہرہ مہرہ اور بالوں کو احتیاط سے رکھنا چھوڑ دیں تو بیشک آپ پیری کا شکار ہونا شروع ہو جائیں گی۔

سفید ہونے والے بال خشک ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے گرم تیل لگا کے جھسنا اور چند پاکی پوروں سے مالش کرنا بہت فائدہ بخش ہے کسی عمدہ اور صاف برش سے بالوں کو روزمرّہ صاف رکھنا چاہئے۔ آپ اس حیرت انگیز نتائج سے خوش ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو کوئی اچھی مشاطہ مل جائے تو کیا ہی کہنے ہیں۔ اس کے ہاتھوں سے آپ اپنے سر پر ناز کرنا شروع کر دیں گے۔

اگر آپ کی عمر ۳۰ سے تجاوز کر جائے تو آپ اس خیال کو دماغ سے نکال دیں کہ آپ سولہ سترہ سال کی سی کیفیت حاصل کر سکتی ہیں اور آپ اپنے بالوں کو وہی پیچ اور خم دے کے دلکشی پیدا کر سکتی ہیں جو اس عمر کو زیب دیتی ہے آپ کے بال چہرہ سے ہر طرف پرے کو کنگھی یا برش سے لے جانے چاہئیں، پیچھے کی طرف بالوں کے قدرتی خط سے کسی طرح ایک انچ سے زیادہ نہ پہنچنے دیئے جائیں انہیں کھینچ کے اوپر کو لے جایا جائے۔ دلفریب خم و پیچ اب آپ کے لئے موزوں نہیں۔ اگر آپ میری بات نہ مانیں گی اور یہ بچپن اور نوجوانی کے کرتب جاری رکھیں گی تو اس کے یہ معنی ہیں کہ دیکھنے والے کی توجہ اپنی بڑھتی ہوئی عمر کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔ انوکھی چیز اسے کھٹک جائے گی۔ اور چغلی کھانے لگے گی۔ گویا جس بات سے آپ بچنا چاہتی تھیں وہ خود ہی پیش آنی شروع ہو جائے گی۔

۳۵ سے ۵۵ سال کی عمر کے لئے بالوں کے سنوارنے اور باندھنے کے متعدد طریقے ہیں ان کے ہوتے ہوئے لڑکپن اور جوانی کے طریقے کیوں چیچڑی کی طرح چمٹا جائے۔ نہ یہ بات درست ہے کہ پچاس سال پہلے کی ادھیڑ عمر کے بالوں یا بیوگی نما طرزوں کو جاری رکھا جائے۔ عورت عورت ہے اسے اپنی نسائیت کو عمر کے ہر مرحلہ پر اس کے مطابق قائم رکھنا چاہئے۔ اگر آپ کو موجودہ زمانہ کے سنگھاروں میں سے کوئی ٹھیک بیٹھتا نظر نہ آئے تو دوسرا طریقہ آزما کے دیکھیں۔ شاید آپ کو وہ موزوں معلوم ہو کے پسند آ جائے۔ ۴۰ سال کے قریب عمر والی عورتوں کو اپنے کانوں کی لوئیں کانوں سے باہر رکھنی چاہئیں تاکہ وہ نظر آتی رہیں اس سے ایک شاندار اور شباب آور نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔ جو عمدہ اور موزوں لباس پہ بہار دکھاتا ہے۔ زیادہ عمر کی عورتوں کو بال اوپر کو لے کر باندھنے یا رکھنے چاہئیں۔

محمد ظفر

سیر بین

ہیرے کی ہلاکت آفرینی

ہوپ ڈائمنڈ (امید ہیرا) کچھ ایسا منحوس ہے کہ جس کے پاس پہنچا اُسے آغوشِ فنا میں پہنچا دیا۔ مغرب والے اس اعتقادِ باطل کے بڑے قائل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ہیرا کبھی کسی وقت میں ہندوستان کے کسی مندر کے بُت کی آنکھ تھا۔ وہ ایک بلجیم کے سیاح کے ہاتھ لگا۔ اُس نے اسے فرانس کے بادشاہ لوئی چہاردہم کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کی ملکہ میری این ٹوائنٹ نے اسے زیبِ بدن کیا۔ انجام یہ ہوا کہ انقلاب فرانس میں اس کا سر قلم کیا گیا۔ ایک ہیرے تراش ولیم ناس نے اسے تراشا۔ آخر وہ تباہ و برباد ہوا۔ انقلاب فرانس میں یہ ہیرا فرانسس ہوپ کے ہاتھ لگا۔ ایسے قیمتی ہیرے کے ہوتے ہوئے وہ فاقوں سے مرگیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں اسے جیکس کولوٹ نے خرید لیا۔ پاگل ہو گیا اور خودکشی کرلی۔ اس کے بعد وہ ایک روسی شہزادی کنتی ٹوسکی کے قبضہ میں آیا۔ اس نے اسے ایک حسین رقاصہ کو پہننے کو دیا۔ جیسے ہی وہ پہن کے سٹیج پر آئی اُس نے اپنی جگہ سے گولی چلا کے اسے مار ڈالا۔ دو دن بعد خود اُسے کسی نے چھری گھونپ کے ختم کردیا۔ اس کے بعد ایک یونانی اس کا مالک ہوا اُسے اس کی بیوی اور دو بچوں سمیت چٹان پر سے پھینک دیا گیا اور وہ سب مر کے رہ گئے۔ ایک ترکی حرم سلطان عبدالحمید ثانی کے زنانہ میں اُسے گلے میں ڈالے ہوئے تھی کہ اُسے گولی سے ٹھنڈا کردیا گیا۔ اس کے بعد ایک امریکی اس کا مالک ہوا۔ وہ سنگاپور میں ڈوب گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۱ء میں اسے مسز ایولین میکلین کے شوہر نے خرید لیا۔ آٹھ سال بعد اس کا جوان بیٹا موٹر کے نیچے آکے مرگیا۔ اب اس کی ۲۵ سالہ بیٹی اچانک فوت ہو گئی۔ پانچ سال ہوئے اس کی شادی پر مسز ایولین نے اسے پہنا تھا۔ یہ موت کی وارداتوں کے سلسلہ کا تازہ واقعہ ہے۔

بے تاج گروہ

پچھلی جنگِ عظیم کی طرح اس دفعہ بھی کئی بادشاہ دوسری جنگ کی بدولت تخت سے محروم ہوگئے بلغاریہ کا ۹ سالہ بادشاہ سائمن مصر چلا گیا۔ جہاں وہ شاہ عمانوئیل والئی اٹلی کے ساتھ جلاوطنی کے دن کاٹے گا۔ جنگ ختم ہونے پر بڈھا عمانوئیل رعایا کی چیخ پکار پر بادشاہت سے برطرف ہوا۔ اُس کا بیٹا امبرٹو تخت پر قدم رکھنے ہی پایا تھا کہ چند روز بعد اُسے بھی بیک بینی و دو گوش ملک سے جانا پڑا۔ شاہ پیٹر ... اپنے جنگجو ذہنیت کی ... کا شکار ہوا اور اُسے انگلستان میں قیام کرنا پڑا۔ جرمنی کے بڑھتے چلے جانے کے زمانہ میں جارج شاہ یونان ملک چھوڑ کے بھاگا مگر اب ملک نے اسے واپس بلایا ہے۔ انہوں نے شاہی حکومت کو جمہوریت سے زیادہ مؤثر پایا۔ اٹلی کے حملہ کی وجہ سے زوغو شاہ البانیہ اپنی عیسائی بیوی اور بچہ سمیت انگلستان بھاگا۔ شاہ بلجیم جرمنی کی نظربندی میں رہا۔ اس بیچ اس کے متعلق غلط فہمیاں ہوئیں اور اب تک وہ واپس نہیں ہوا۔ گو اُمید ہے کہ شاید ملک والے اُسے واپس آنے دیں۔ فرینکو کی نسبت ریشہ دوانیاں جاری ہیں۔ مگر وہ جما بیٹھا ہے۔ بایں ہمہ ایک گروہ سمجھتا ہے کہ شاید شاہ سابق الفانسو کا بیٹا ڈان ہسپانیہ کے تخت پر آدھمکے رومانیہ کے بادشاہ مائیکل کا تخت ڈگمگا رہا ہے۔ لڑائی ختم ہونے پر خاقان شاہ ناروے ولہلمینہ ملکۂ ہالینڈ کرسچن شاہ ڈنمارک اور گرانڈ ڈچس والئے لکسمبرگ اپنے تخت پر واپس آگئی ہیں۔ سابق ولیعہد جرمنی کراؤن پرنس نے بیان دیا ہے کہ اُسے امید ہے کہ زمانۂ قریب میں اس کا بیٹا جرمنی کی گدی پر جا بیٹھے گا۔ سابق قیصر نے اپنے پوتے کے متعلق کچھ ایسی ہی پیشنگوئی ہٹلر کے ابتدائے اقتدار میں کی تھی۔

جاپان کی عورت

جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں عورتیں اپنی عمریں نہیں چھپاتیں ورنہ ہر جگہ عورتوں کی عادت ہے کہ عمر زیادہ بھی ہو تو بھی دوسرے کو عمر کم ہی بتائے گی اور اسی کوشش اور تدبیر میں رہے گی کہ اصلی عمر کے مقابلہ میں عمر کم ہی معلوم ہو۔ یہ رائے ایک امریکی عورت نے جسے جاپانی زنانہ زندگی ہر پہلو سے مطالعہ کرنے کا خوب موقع ملا ہے۔ ظاہر کی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ کوئی جاپانی عورت اس بات کے ظاہر ہونے سے نہیں شرماتی کہ اس کی عمر زیادہ ہوتی جارہی ہے بلکہ وہ اس کوشش میں بڑی احتیاط برتتی ہے کہ اُس کے بالوں کا جُوڑا اور لباس ہر لحاظ سے ایسا ہو جو اس کی عمر پر پھبے اور اسی سے عمر معلوم ہو جاتی ہے چھوٹی بچی بھڑکیلے رنگ برنگ کے کپڑے پہنتی ہے اور ایک تیتری یا ننھی سی خوبصورت چڑیا معلوم ہوتی ہے۔ عمر زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ رنگ ملائم بیل بوٹے کم دھاریاں تنگ تنگ ہوتی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ بڑھاپے میں ایک قسم کا سفید پیوانہ یا صاف رنگ کی چُریا نظر آنے لگتی ہے۔ چنانچہ آدمی لباس وغیرہ پر نظر ڈال کے ان ذرا ذرا سی باتوں سے عورت کی صحیح عمر کا ...

اور کوئی عورت اپنی اصلی عمر سے کمسن نظر آنے کی کوشش نہیں کرتی۔ نہ اپنی اصلی عمر بتانے میں پس و پیش کرتی ہے۔ اس کی وجہ کم از کم یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر عورت بڑی عمر کے اس زمانہ کے انتظار میں رہتی ہے جس میں وہ اپنے گھر والوں کی عمر بھر کی غلامی سے آزاد ہو کے اپنے بیٹوں کو مشورہ دینے والی اور اپنی بہوؤں کی حکم فرما ہو جائے گی۔ جب کنبہ بھر اسے وقعت سے دیکھے گا۔ وہ جس طرح چاہے گی اپنی مرضی سے جی خوش کر سکے گی اور مختلف امور پر اپنی رائے جیسی کچھ ہو ظاہر کر سکے گی اور ساری عمر کی خدمات اور غلامی کے معاوضہ میں اس وقت اس کے بچے اور پوتے اس کی خدمت میں حاضر ہو کے اس کا حکم بجا لایا کریں گے۔

جاپان میں لڑکیوں کی شادی سولہ سترہ برس کی عمر میں ضرور کر دی جاتی ہے اس لئے وہاں کنوار کوشت نہیں بچنے جاتے۔ چین کے اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کا بھی یہی حال ہے۔

شادی کے مہینے

یورپ کے شادیوں کے رجسٹروں سے پایا جاتا ہے کہ انگلستان میں زیادہ تر شادیاں دسمبر، اکتوبر، اپریل، جون اور جولائی میں ہوتی ہیں۔ دسمبر اپریل اور جون میں شادیاں اس لئے زیادہ ہوتی ہیں کہ بڑے دن ایسٹر اور ایسٹر کے بعد ساتویں اتوار کے تہوار ان مہینوں میں واقع ہیں اور چھٹیوں میں چہل پہل ہوتی ہے۔ اکتوبر فصل کٹنے کے بعد آتا ہے۔ جب کہ لوگوں کو فرصت ہوتی ہے اور جیبوں میں روپیہ بھرا ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ مہینے سال کے سہ ماہی پر واقع ہیں۔ جب کرایوں اور کاروبار کی نوٹس کی تجدید ہوا کرتی ہے۔ تعجب ہے کہ مئی کے مہینے میں لوگ بڑی خوشیاں مناتے اور چہل پہل رکھتے ہیں۔ مگر اس میں شادیاں بہت کم ہوتی ہیں۔ البتہ ہالینڈ میں مئی میں شادیاں خوب ہوتی ہیں یعنی کل شادیوں کا پانچواں حصہ اسی مہینہ میں انجام پاتا ہے۔ روس میں ہر چار شادیوں میں سے ایک فروری میں ہوتی ہے۔ جنوری اور فروری دونوں کو ملایا جائے تو سال بھر کی شادیوں میں سے نصف ان میں ہو جاتی ہیں۔ اور ایک فی صدی سے بھی کم دسمبر میں انجام پاتی ہے ناروے اور سویڈن میں عجیب تضاد پایا جاتا ہے۔ ناروے میں سوائے جون اور جولائی میں شادیاں کرنی پسند کرتے ہیں سویڈن میں ان مہینوں کے مقابلہ میں بالکل سر سے نومبر اور دسمبر منتخب کئے ہیں۔ فرانس میں عام پسند مہینے جنوری، فروری اور اپریل ہیں [illegible] سب سے زیادہ غیر مقبول [illegible]

آج کل کے مسلمانوں میں اکثر محرم، شبرات اور ذیقعدہ کو شادی کے لئے پسند نہیں کرتے۔ ہندوؤں میں جنتری کے حساب سے شادیوں کے مہینے آتے ہیں۔ شادیوں کا جگہ جگہ تانتا بندھ جاتا ہے اور ریلوں اور سڑکوں پر سفر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمان شادی بیاہ کے معاملہ میں کم توہم پرست ہیں۔

گھلیچھڑیاں

امریکہ کے تازہ اعداد و شمار سے یہ نتیجہ قائم ہوا کہ امریکہ میں ہر تین شادیوں میں ایک طلاق کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے۔ سال گزشتہ ۱۶ لاکھ ۲۰ ہزار شادیاں ہوئیں جو ما قبل جنگ کی اوسط سے ۲½ لاکھ زیادہ ہیں۔ اور ۱۹۴۲ء کی تعداد سے ۱۱ لاکھ زیادہ ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں پانچ لاکھ سے زیادہ شادیوں کا انجام طلاق ہوا۔ یہ تعداد زمانہ قبل جنگ سے دگنی ہے۔ امریکہ کی طلاق کی شرح ۱۹۳۹ء سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

آگرہ کے تاج محل کی مرمت کے لئے ۵۰ لاکھ روپیہ منظور ہوا ہے۔ یہ مرمت سات لاکھ روپیہ سالانہ کے ٹکڑوں سے جاری رہے گی۔ وسطی گنبد کے چار میناروں میں سے دو کی مرمت اور برج یاسمین کی نئی چھت کی لاگت کا اندازہ ۵۵ ہزار روپیہ کیا جاتا ہے۔

ایک سیاسی مبصر نے اپنا قیاس ظاہر کیا ہے کہ آئندہ جنگ میں نئے نئے ہتھیاروں کی وجہ سے فوجیں پانچ سو میل سے لڑا کریں گی۔ ان کا ایک دوسرے کے قریب پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ ایک ملک ہزاروں میل کے فاصلہ سے دوسرے ملک پر حملہ کرے گا۔

ایک سائنسدان نے کہا ہے کہ چاند کے سفر کا خیال نہایت احمقانہ ہے یہ ناممکن ہے۔ اگر کوئی وہاں جا بھی سکے تو وہ اپنے سفر کے اختتام پر زندہ نہ ہوگا۔ وہاں پہنچ کے وہ پہلا قدم اٹھائے گا تو وہ ہوا میں ۵۰ فٹ اوپر اڑ جائے گا اور کسی جوالا مکھی کے غار میں جا پڑے گا۔ وہاں اسے غذا اور پانی بالکل نہ مل سکے گا۔

ایک انگریزی ہوائی جہاز ران نے ۶۱۶ میل فی گھنٹہ اڑ کے ایک نیا کارنامہ دکھایا ہے اس دوڑ میں دوسرے نمبر پر ۶۱۲ میل فی گھنٹہ اڑنے والا تھا۔ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے ۶۱۲ میل فی گھنٹہ اڑنے والے کو مبارکباد دی اب تک ۶۰۶ میل فی گھنٹہ اڑنے کا کارنامہ قائم ہوا تھا۔

بمبئی کی ایک ۱۳ سالہ لڑکی مانی ماہر نگل بیڈمنٹن کھیل میں تیسری مان لی گئی ہے کالی کھانسی کی بدولت ۱۴ ماہ کی عمر میں منگولی بہری ہو گئی مگر وہ بڑی ہو کے کھیل کود میں بڑی دلچسپی لینے لگی اور ۱۲ برس کی عمر میں نام پیدا کر لیا۔ ایک مرتبہ [illegible]

بزمِ عصمت

(۱) بزمِ عصمت میں صرف وہی خطوط درج کئے جاتے ہیں جن میں نمبر خریداری کا حوالہ ہو (۲) خط نہایت مختصر ہو (۳) وہی استفسار نہ ہو جس کے جوابات عصمت میں شائع ہو چکے ہیں (۴) رسالہ کے انتظامی امور یا مضامین کے بارہ میں کوئی بات نہ ہو (۵) علیحدہ کاغذ پر روشن سیاہی سے لکھا ہوا ہو۔

اڈیٹر

خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ گزشتہ سال حج بیت اللہ کیا۔ خدائے تعالیٰ کی عنایت سے پھر اس سال ہم دونوں کراچی سے اسلامیہ جہاز سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں اس خوشی کے موقعہ پر رسالہ عصمت کو پانچ روپیہ بھیج رہی ہوں۔ میری دلی دعا ہے کہ خدائے پاک ہر مومن بہن اور بھائی کو یہ مبارک حج بیت اللہ اور دیار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرے۔ آمین ثم آمین۔ اہلیہ حاجی عیسیٰ احمد سیٹھ ساکن بنگلور

۴ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء بروز چہارشنبہ کو میں نے اپنی پیاری بچی نیلوفر تسنیم کی پہلی سالگرہ منائی۔ خداوند تعالیٰ میری پیاری بچی کو نیک اور سعادت مند بنائے۔ اور اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔ آمین ثم آمین۔ اس خوشی میں تین روپیہ نادار فنڈ کے لئے روانہ کر رہی ہوں۔
بیگم ایم اے۔ قریشی

عصمت ماہ اکتوبر کے پرچہ میں پروین اختر نے دانتوں کی صفائی کے بارہ میں دریافت کیا ہے۔ اُن سے عرض یہ ہے کہ وہ نشتر یا ٹوتھ پیسٹ سے صبح اور شام صاف کریں اور رات کو سوتے وقت ککڑی کا کوئلہ پیس کر اس میں نمک، گول مرچ اور بادام کا چھلکا پیس کر منجن تیار کر لیں۔ اور مل کر آدھ گھنٹہ تک چھوڑ دیں پھر گرم پانی سے دھوئیں ایک ہفتہ میں دانت صاف ہو جائے گا اور خوبصورت معلوم ہوگا۔ (امینہ) بیگم یوسف سلیمان صاحب

ہمارے شوہر کو ۵ سال سے appendicitis کی تکلیف ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا علاج کروایا گیا کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے سب آپریشن کی تجویز کر رہے ہیں۔ کوئی بہن یا بھائی عصمت کے ذریعہ کوئی مجرب دوا تحریر کریں بہت ممنون ہونگی۔ یہ تکلیف ایک سال سے پھر ہو جاتی ہے ... انجکشن لیتے ہیں۔
بیگم یوسف سلیمان

رسالہ ہذا میں خریداری نمبر ۴۱۱۸ کو بال نکلنے اور لمبا ہونے کے لئے کوئی آزمودہ تیل مطلوب ہے۔ تو وہ Mahabhringraj Oil استعمال کریں جو کلکتہ کیمیکل کا ہے انشاءاللہ ضرور فائدہ ہوگا۔ جمیلہ انوار بہاولپور سٹی ۳۲۱

اکتوبر کے عصمت میں خریدار نمبر ۹۶۰۵ نے دریافت کیا ہے کہ سکا کائی کیا ہوتی ہے اور کہاں ملتی ہے۔ تو اس کا نام خرنوب بھی اور سکا کائی بھی۔ یہ ایک قسم کی پھلی ہوتی ہے بشکل املی یا کیکر کے مگر خشک ہوتی ہے۔ رنگ مٹیالا ہوتا ہے علم عطاری اور پنساریوں سے مل جاتی ہے۔ ایران و قندھار وغیرہ میں اس کی کاشت قدرتی طور پر ہوتی ہے۔ اوصاف میں سرد خشک ہے۔

خریدار ۷۰۹۲ مذکورہ ادویات منہ کے تل و مہاسوں میں نفع بخش ہیں۔ (۱) خاکستر بانس۔ بیج ہوزن۔ پیس کر ہمراہ آب ملا کریں۔ (۲) کلونجی یا نمک پیس کر ضماد کریں ہمراہ سرکہ (۳) ٹھیکری بریاں۔ سہاگہ بریاں۔ نوشادر۔ کتھہ سفید۔ ہر ایک ۳ ماشہ پیس کر ہمراہ سرکہ ضماد کریں۔ اگر تنقیہ کی ضرورت ہو تو بلغم و سودا کا منضج و مسہل پلا کر تنقیہ کریں۔

خریدار ۹۶۷۲ تخم خطمی۔ برگ حنا۔ تخم مرو کے ہمراہ بالوں کو دھو لیا کریں۔ قدرے رائی سرکہ میں پیس کر اس کی جڑوں پر مالش کریں۔ یا روغن خردل۔ روغن گل میں ملا کر طلا کریں۔
سلطان جہاں بیگم ناز

جون سنہ ۱۹۴۶ء کے عصمت میں محترمہ مہر النساء بیگم حیدرآباد دکن نے اپنی والدہ محترمہ کے لئے جو دق کی مریض ہیں پوچھی تھی۔ بہن صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنی والدہ کو کسی سینی ٹوریم میں لے جائیں۔ وہاں معقول علاج ہوتا ہے

دُوربین

فلسطین کی مشکلات فلسطین میں بر لیروب بے چینی ہے امریکہ کے صدر نے اپنی نئی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ ایک لاکھ یہودیوں کو نئے جا کے فوراً فلسطین میں بسایا جائے اس پر برطانیہ میں بحث ہے کہ اس تقریر سے بے چینی زیادہ پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ برطانیہ کو یہودیوں سے ہمدردی ضرور ہے لیکن تدریج سے کام ہونے کی آہستہ آہستہ اس کام کو انجام دینا چاہتا ہے جیسے صدر ٹرومین یک لخت کرلئے جانے کا خواہشمند ہے۔ برطانوی اس تقریر کو صدر مذکور کا حربہ قرار دیتے ہیں کہ صدارت کے انتخاب میں اُسے ہی کامیابی ہو اور یہودیوں کے ووٹ اُسے ہی ملیں

عربوں نے ایک بائیکاٹ کمیٹی بنائی ہے جس کے تین مقاصد میں فلسطین میں یہودیوں کا صنعتی تجارتی اور مجلسی بائیکاٹ اس کی خلاف ورزی کرنیوالوں کی تادیب یہودیوں والے اموال کی طیاری کے لئے عربوں کی ترغیب اور تحریص خلاف ورزی کرنیوالے عربوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے نام عربی اخبارات میں شائع کئے جائیں اب عربوں کو برطانیہ سے نئی شکایت پیدا ہو چلی ہے کہ فلسطین کی پولیس نے عیفہ کی کمیٹی کے دفتر پر چھاپہ مارکے اس کے تمام ممبروں اور اُن سب عربوں کو جو بائیکاٹ کی خلاف ورزی کرنیوالی دکانوں سے یہودیوں کا بنایا ہوا مال اُٹھالائے تھے گرفتار کرلیا اور اس سب لائے ہوئے مال پر قبضہ کرلیا۔ بائیکاٹ کا اثر بری طرح یہودیوں کو محسوس ہو رہا ہے۔

بنگالہ میں خونریزی کلکتہ کے کشت وخون کے بعد اچانک نواکھلی مشرقی بنگالہ سے خونریزی کی اطلاعیں شروع ہوئیں۔ ہندو پریس میں ہنگامہ ہے کہ وہاں چار پانچ ہزار سے کم آدمی نہیں مارے گئے ہزارہا مکان جلا دیئے گئے بہت سی عورتیں اُڑالی گئیں۔ ان کو تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا اور ان کی مرضی کے خلاف ان سے شادی کرلی گئی۔ ایسی افواہوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ واردات کے موقعوں سے بیس بیس میل پرے کے گاؤں والے بھی مکانات چھوڑ چھوڑ کے کلکتہ میں آگئے پناہ گزینوں کی تعداد گیارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے حکومت نے ان کے قیام کا بندوبست کردیا ہے جگہ جگہ ہندوؤں نے جلسے کرکے غم وغصہ کا اظہار کیا اور بعض جگہ بر ہمی اس قدر بڑھی کہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ خون کا بدلہ خون سے لیں گے۔ کانگریس نے مسلم لیگ کو ایسے فسادوں کا باعث بتایا ہے اس کے برعکس گورنر بنگالہ نے حکومت برطانیہ کو اطلاع دی ہے کہ کشت وخون کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیا گیا ہے سا اموات ہزاروں تو کیا سینکڑوں بھی نہیں غارتگروں کا تدارک کیا جارہا ہے مسٹر سہروردی وزیر بنگالہ نے لوگوں کو امن پسند رہنے کی تلقین کی ہے انہوں نے بھی پریس کی مبالغہ آمیزی کی مذمت کی ہے صوبجاتی مسلم لیگ نے اموات کی تعداد ۱۵۰ بتائی ہے۔ تبدیل مذہب اور بجبر شادی کا اکا دکا واقعہ ہوا ہے فساد کسی جماعتی یا مذہبی جدل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ چند مفسدوں کی شرارت کا نتیجہ تھا جنہوں نے ہندو مسلمانوں کی کشیدگی سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ مشرقی بنگالہ میں جگہ جگہ فوج تعینات کردی گئی ہے۔ غریبوں کی خوراک کا انتظام کردیا گیا ہے۔ تحقیقاتیں جاری ہیں۔ ہندوؤں نے عام طور سے احتجاج کے طور پر دیوالی پر کم روشنی کی جس کی وجہ سرسوں کے تیل کی گرانی بھی کہی جاتی ہے

مرکزی وزارت مسلم لیگ نے مرکزی حکومت میں شرکت کا فیصلہ کرکے اپنی پانچ نشستوں کے لئے نمائندے پیش کردیئے۔ جو مسٹر چندریگر مسٹر نشتر مسٹر لیاقت علی خاں مسٹر غضنفر علی خاں چار مسلمان اور چودھری جگندر ناتھ منڈل ایک اچھوت ہیں مسٹر گاندھی اور ہندو اچھوت کی نامزدگی سے ششدر رہ گئے۔ مسٹر گاندھی نے اعلان کیا کہ یہ بات تو ظاہر کرتی ہے کہ لیگ کانگریس سے لڑنے کے لئے مرکز میں آرہی ہے نمایندگی کی واحد اجارہ دار کانگریس ہے مسلم لیگ کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاوہ پسماندہ اقوام کے حقوق کی بھی محافظ ہے اپنی پانچ نشستوں میں سے ایک ہندو اچھوت کو دیدینا ایثار کی عمدہ مثال ہے مسلم لیگ نے شرکت کا فیصلہ وائسرائے کی دعوت پر کیا اس دعوت نامہ کے وصول ہوجانے کے بعد نواب صاحب بھوپال نے کئی روز تک مسلسل کوشش کی کہ کانگریس اور لیگ میں مفاہمت ہوجائے اس سلسلہ میں باربار نواب صاحب کو ہندو مسلم لیڈروں سے کئی کئی گھنٹے کی ملاقاتیں کرنی پڑیں مسلم لیگ کانگریس سے اشتراک کرنے کے خیال سے اپنے کئی مطالبات میں نرم پڑ گئی مگر کانگریس صرف لفظوں کے ہیر پھیر میں رہی اور سمجھوتہ کی بات چیت ناکام رہی اور نواب صاحب کو ریاست واپس جانا پڑا اس گفتگو میں مسٹر گاندھی نے تحریر میں مسلم لیگ کو واحد نمائندہ تسلیم کرلیا اور انہی اس رائے پر جمے رہنے کا وعدہ کیا اور اسی پر مسٹر جناح نے گفتگو شروع کی تھی

چھ رکعتیں تراویح اور ایک یا تین یا پانچ رکعات وتر پڑھے کبھی دس رکعات اور ایک یا تین وتر ادا فرماتے کبھی بارہ رکعات تراویح اور ایک وتر پڑھتے غرض کہ حضور صلعم نے مع وتر ۱۳ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا۔ اب اختیار ہے کہ سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق پڑھیں یا اس سے زاید پڑھیں جو بعض صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔

تراویح کہاں پڑھیں

زید بن ثابت سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بوریئے سے ایک حجرہ بنوایا اور اس میں نماز تراویح پڑھیں لوگ آپ کے پاس (شرکت نماز کے لئے) جمع ہونے لگے۔ ایک رات کو آپ تشریف نہیں لائے۔ لوگوں نے کہا سنا شروع کیا (کہ آپ کو اطلاع ہو جائے) آپ نے فرمایا۔ اللہ تمہارا ذوق و شوق برقرار رکھے مجھ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں نماز تراویح فرض ہو جائے اور تم سے ادا نہ ہو سکے اب تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ کیونکہ فرضوں کے بعد آدمی کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو گھر میں ادا کی جائے۔"

صحابہ رضہ تراویح تہجد کے وقت ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن ابی بکر رضہ کہتے ہیں کہ میں نے اُبی رضہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ ہم رمضان میں تراویح سے ایسے وقت فارغ ہوتے کہ جلدی کھانے کی فکر پڑ جاتی (کہ کہیں سحری نہ جاتی رہے یا صبح ہو جائے روایت کیا اس کو مالک) رحمتہ۔

مشکوٰۃ میں حضرت ابوذر رضہ سے ایک لمبی روایت ہے ہمارا موضوع (وقت تراویح) اس سے اس طرح ثابت ہے کہ ابوذر رضہ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک تہائی رات باقی رہی تو نماز پڑھائی اور ہم کو ڈر ہوا۔ کہ کہیں سحری نہ جاتی رہے" علماء بھی متفق ہیں کہ تہجد اور نماز تراویح اپنے اپنے گھروں میں پڑھنا افضل ہے۔

اعتکاف

اس کا مقصد یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے دنیا کے معاملات و تعلقات سے علیحدہ ہو کر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے خیال و تصور میں غرق رہے۔ اعتکاف نیت پر موقوف ہے۔ ایک دن کا بھی کیا جا سکتا ہے (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے (بخاری)۔ صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں داخل ہونا چاہئے۔ (ابوداؤد) مسجد میں اعتکاف ہو جس میں جمعہ ہوتا ہے۔ مسجد سے باہر بغیر حوائج ضروری کے نہ نکلے (ابوداؤد) دس دن کا اعتکاف سنت و طریق صحابہ رضہ سے ثابت ہے کم نہیں ہاں اگر منت مانے تو جتنے دن کے اعتکاف کی نذر مانی اس کو پورا کرے۔

اعتکاف میں نوافل پڑھے۔ قرآن شریف سمجھ کر پڑھے تسبیح و تقدیس کرے اور اللہ تعالیٰ کا تصور مع اس کی صفات کے قائم کرنے کی کوشش کرے۔

لارڈ بیکن نے لکھا ہے کہ انسان جسم مادی کے لحاظ سے جانور سے تعلق رکھتا ہے لیکن روح کے لحاظ سے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے تو جس نے اس تعلق اعلیٰ کو نظر انداز کیا وہ جانور ہو کر رہ گیا۔" روزہ تراویح اور اعتکاف سب اسی تعلق اعلیٰ کے ذرائع ہیں۔

صدقۃ الفطر

مرد۔ عورت۔ بچہ۔ غلام اور آزاد۔ بڑے چھوٹے سب پر یہ صدقہ واجب ہے۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں درہم و دینار رائج تھے مگر آپ نے فرمایا کہ فی کس (دو سیر ساڑھے دس چھٹانک) ایک صاع گیہوں۔ یا جو یا کھجور یا پنیر غرباء و مساکین فقراء کو دیا جائے۔ ان کی قیمت یا درہم و دینار دینے کا حکم نہیں فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

ایک روایت میں صرف گیہوں کے لئے آدھا صاع بھی آیا ہے (ابوداؤد و نسائی)

ابوسعید خدری رضہ کہتے ہیں کہ ہم صدقۃ فطر ایک صاع گیہوں یا کھجور یا پنیر یا خشک انگور نماز عید سے پہلے نکال دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم)

صدقۃ الفطر چاند دیکھ کر بلکہ اس سے بھی پہلے دیا جا سکتا ہے (بخاری)۔ مقصد یہ ہے کہ عید کے دن کوئی مسلمان فاقہ کے صدمہ یا احساس سے مکدر نہ ہو اور خوشی و شکر میں دل جمعی سے شریک ہو سکے۔

چاند کے احکام۔

شک کا روزہ رکھنا منع ہے یعنی اگر چاند